مجموعۂ

رسائل امام شاہ ولی اللہؒ

حجۃ اللہ البالغہ حصہ دوم کے جمیع
دینی، فقہی، معاشی، سیاسی، سماجی مباحث پر مشتمل

جلد پنجم

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

مجموعۂ

رسائل امام شاہ ولی اللہؒ

حصہ پنجم

(نعمۃ اللہ البالغہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ حصہ دوم کے
دینی، فقہی، معاشی، سیاسی، سماجی مباحث پر مشتمل)

ترتیب وتقدیم

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

جملہ حقوق بحق انسٹی ٹیوٹ محفوظ

نام کتاب : مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد پنجم
مرتبہ : مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی
قیمت : ۳۰۰
سن اشاعت : جنوری ۲۰۱۵ء
تعداد : ۵۰۰
کمپوزنگ : ریاض احمد
مطبع : نیو پرنٹ سنٹر، دریا گنج، نئی دہلی
ناشر : شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، مسجد کاکا نگر، ڈاکٹر ذاکر حسین مارگ
کاکا نگر نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۳

بہ تعاون قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

All Rights Reserved by the Institute

Title : Majmua Rasail-e-Imam Shah Waliullah-V
Editing : Maulana Mufti Ataur Rahman Qasmi
First Edition : January 2015
Price : 300
ISBN : 978-93-84153-01-4
Composing : Riyaz Ahmed

Published by
Shah Waliullah Institute
Masjid Kaka Nagar, Dr. Zakir Husain Marg,
Primary School) Kaka Nagar, New Delhi-110 003
Ph.: 011-26953430, Mob.9811740661
website: www.shahwaliullah.com
Email: shahwaliullah_institute@yahoo.in

فہرست مضامین

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱	حرفے چند	۷
۲	قبلہ کا بیان	۱۵
۳	سترہ کا بیان	۱۷
۴	ان امور کا بیان جو نماز میں ضروری ہیں	۱۸
۵	نماز کے اذکار اور اس کی ہیئات مستحبہ کا بیان	۲۶
۶	ان چیزوں کا بیان جو نماز میں ناجائز ہیں اور سجدہ سہو اور سجدہ تلاوت کا بیان	۳۸
۷	نوافل کا بیان	۴۲
۸	نماز تہجد کے آداب	۴۷
۹	اعمال کے اندر میانہ روی کا بیان	۵۷
۱۰	معذور لوگوں کی نماز کا بیان	۶۰
۱۱	جماعت کا بیان	۶۴
۱۲	جمعہ کا بیان	۷۲
۱۳	عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا بیان	۷۷
۱۴	جنازوں کا بیان	۸۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵	زکوٰۃ سے متعلق امور کا بیان	۹۷
۱۶	سخاوت کی فضیلت اور بخل کی قباحت کا بیان	۱۰۱
۱۷	زکوٰۃ کی مقدار کا بیان	۱۰۶
۱۸	زکوٰۃ کے مصارف کا بیان	۱۱۰
۱۹	زکوٰۃ سے متعلق امور کا بیان	۱۱۶
۲۰	روزہ کی تفصیلات	۱۲۰
۲۱	روزہ کی فضیلت کا بیان	۱۲۳
۲۲	روزہ کے احکام کا بیان	۱۲۷
۲۳	وہ اذکار جن کا پڑھنا افطار کے وقت مسنون ہے	۱۳۰
۲۴	روزہ سے متعلق امور کا بیان	۱۳۳
۲۵	جو شخص شب قدر کو دیکھے اس کو یہ دعا پڑھنی چاہیے	۱۳۷
۲۶	حج کی تفصیلات	۱۳۸
۲۷	مناسک کا بیان	۱۴۲
۲۸	حجۃ الوداع کا بیان	۱۵۰
۲۹	حج کے ساتھ متعلق امور کا بیان	۱۵۸
۳۰	ابواب احسان	۱۶۳
۳۱	اذکار اور ان کے متعلقات کا بیان	۱۷۱
۳۲	بقیہ مباحث احسان کا بیان	۱۹۴
۳۳	مقامات اور احوال کا بیان	۲۰۸
۳۴	طلب رزق کے ابواب کا بیان	۲۴۱
۳۵	بیع کی ان اقسام کا بیان جو ممنوع ہیں	۲۴۸
۳۶	بیع کے احکام	۲۶۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۷	تبرع اور تعاون کا بیان	۲۶۷
۳۸	فرائض کا بیان	۲۷۴
۳۹	تدبیر منزل کے ابواب کا بیان	۲۸۴
۴۰	پیغام نکاح اور اس کے متعلقات کا بیان	۲۸۵
۴۱	ستر کا بیان	۲۹۱
۴۲	نکاح کا بیان	۲۹۶
۴۳	ان عورتوں کا بیان جن سے نکاح کرنا حرام ہے	۳۰۴
۴۴	آداب مباشرت کا بیان	۳۱۱
۴۵	زوجیت کے حقوق کا بیان	۳۱۴
۴۶	طلاق کا بیان	۳۲۱
۴۷	خلع، ظہار، لعان اور ایلا کا بیان	۳۲۶
۴۸	عدت کا بیان	۳۳۰
۴۹	اولاد اور غلاموں کی پرورش کا بیان	۳۳۳
۵۰	عقیقہ کا بیان	۳۳۶
۵۱	شہروں کی سیاست سے متعلق چند ابواب	۳۴۴
۵۲	خلافت کا بیان	۳۴۷
۵۳	مظالم کا بیان	۳۵۲
۵۴	حدود کا بیان	۳۶۷
۵۵	فیصلہ جات کا بیان	۳۸۵
۵۶	جہاد کا بیان	۳۹۴
۵۷	معیشت سے متعلق چند ابواب	۴۱۴
۵۸	کھانے اور پینے کی چیزوں کا بیان	۴۱۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۹	کھانے کے آداب کا بیان	۴۲۸
۶۰	مسکرات کا بیان	۴۳۴
۶۱	لباس اور زینت اور ظروف وغیرہ کا بیان	۴۳۸
۶۲	آداب صحبت کا بیان	۴۵۴
۶۳	نذروں اور قسموں کا بیان	۴۶۷
۶۴	مختلف ابواب	۴۷۰
۶۵	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات اور خصائل کا بیان	۴۷۱
۶۶	فتنوں کا بیان	۴۸۵
۶۷	مناقب کا بیان	۴۹۳

حرفے چند

شیخ الاسلام امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جہاں قرآن وحدیث کے مستند عالم دین اسرار شریعت کے رمز شناس ومعارف آگاہ تھے۔ وہاں اسلامی علوم وفنون کے بھی بڑے ماہر وجانکار تھے۔ آپ نے تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، تاریخ، تصوف، ادب، شعر وشاعری، ترجمہ نگاری، تذکرہ نگاری اور آپ بیتی وغیرہ متنوع موضوعات پر معرکتہ الآراء کتابیں لکھی ہیں، آپ کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

بعض اہل علم نے آپؒ کی تصنیفات کی تعداد ۴۶ بتائی ہے جبکہ مشہور عالم دین مولانا محمد ابراہیمؒ سیالکوٹی نے آپ کی تصنیفات کی تعداد دوسو سے زیادہ قرار دے دی ہے اور اس کا مآخذ کیا ہے۔ مجھے اس کا علم نہ ہو سکا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے بعض رسائل علیحدہ علیحدہ بھی شائع ہوئے ہیں اور بعض رسائل بعض ضخیم کتابوں میں بطور جز بھی شامل کئے گئے ہیں۔ خود حجۃ اللہ البالغہ میں بعض رسائل بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ صاحب ''دعوت وعزیمت'' نے ان کی تصنیفات کی تعداد ۵۳ لکھی ہے۔ میں نے بھی ان کی کتابوں کو شمار کیا تو مجھے بھی اس کے قریب تعداد معلوم ہوئی۔ قطع نظر تعداد سے حضرت شاہ صاحب کی جو بھی کتاب ہے۔ وہ اپنے موضوع پر منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اور امتداد زمانہ کے باوجود اس کی معنویت اور افادیت آج بھی برقرار ہے اور اہل علم ودانش کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کتابوں کی تعداد کے سلسلہ میں مجھے صاحب دعوت وعزیمت کی رائے زیادہ صائب ودرست نظر آتی ہے۔

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نے حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتابوں اور رسالوں کو

مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ کے نام سے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اور اس منصوبہ کے تحت اب تک شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے تحت ۴ ضخیم جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور ملک کے علمی و ادبی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھی جا رہی ہیں۔ اور اصحاب علم و دانش اب اس کی باقی جلدوں کی اشاعت کے بھی متمنی ہیں اور برابر تقاضے کر رہے ہیں۔

الحمد للہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے شائع شدہ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ کی جلد پنجم، آپ کے سامنے ہے، یہ دراصل حجۃ اللہ البالغہ کی دوسری جلد کے مباحث و مسائل پر مشتمل ہے، مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ کی چوتھی جلد حجۃ اللہ البالغہ کی پہلی جلد کے مسائل و مباحث پر محیط تھی، حجۃ اللہ البالغہ، حجۃ الاسلام فی الارض حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی وہ معرکۃ الآراء کتاب ہے، جو احکام شریعت و مقاصد دین کے اسرار و رموز کے باب میں ایک منفرد و لاثانی کتاب رہی ہے۔ اور عرب و عجم اور مشرق و مغرب میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی رہی ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ عربی زبان میں ہے اور اس کے اردو اور انگریزی زبان میں بھی متعدد ترجمے ہوئے ہیں، اردو مترجمین و شارحین کا تفصیلی ذکر مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد چہارم کے مقدمہ میں آچکا ہے، جس کے اعادہ کی یہاں قطعی ضرورت نہیں ہے۔

ہندوستان کے ممتاز عالم دین اور دانشور مفکر مولانا عبید اللہ سندھی جو نہ صرف حجۃ اللہ البالغہ کے مترجم و شارح تھے، بلکہ برصغیر میں پہلی دفعہ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث کا تعارف و تذکرہ ان ہی کی زبان گوہر بار اور قلم حق آگاہ کے توسط سے ہوا ہے، حضرت مولانا سندھیؒ اور ان کے تلامذہ کو یقین و اذعان تھا کہ ”حجۃ اللہ البالغہ دنیا کے انقلابی ادبیات میں ایک چوٹی کی تصنیف ہے، اللہ نے چاہا تو برعظیم ہند میں انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگی“۔ (اردو شرح حجۃ اللہ البالغہ از مولانا عبید اللہ سندھی صفحہ ۴۴)

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی زندگی کا یہی واحد مشن تھا، مولانا سندھیؒ سفر و حضر میں اسی مشن پر گامزن رہے اور جہاں بھی گئے اسی کی حدی خوانی کرتے رہے اور عوام و خواص کو اس کی طرف متوجہ کرتے رہے، حضرت الاستاذ مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مہتمم دار العلوم وقف دیوبند نے

حالیہ سفر دیوبند کے موقع پر شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے علمی کاموں کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ۲۴ سالہ جلاوطنی کے بعد ہندوستان واپس آئے تو دارالعلوم دیوبند بھی آئے اور گھر بھی تشریف لائے اور دوران گفتگو حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمتہ اللہ سے دریافت کیا کہ کیا حجۃ اللہ البالغہ دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ حجۃ اللہ البالغہ دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں داخل نہیں ہے۔ حضرت مولانا سندھیؒ نے فرمایا کہ یہ کتاب نصاب تعلیم میں داخل ہونی چاہئے پھر مولانا سندھیؒ نے فرمایا کہ حجۃ اللہ البالغہ کا کوئی نسخہ موجود ہے۔ حضرت قاری صاحب نے فرمایا جی ہاں! حجۃ اللہ البالغہ موجود ہے حضرت مولانا سندھیؒ نے فرمایا کہ حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت پڑھئے۔ حضرت قاری صاحب نے عبارت پڑھی تو مولانا سندھیؒ نے فرمایا ترجمہ کیجئے حضرت نے اس کا ترجمہ کیا اور پھر جب ترجمہ کرلیا تو فرمایا تشریح کیجئے۔ حضرت نے تشریح بھی کر دی تو حضرت مولانا عبیداللہ سندھی نے مسرت وخوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ الحمدللہ علم زندہ ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے حجۃ اللہ البالغہ مولانا عبیداللہ سندھی سے پڑھی تھی، جو علوم ولی اللہی کے آمین تھے۔

الحمدللہ میں نے حجۃ اللہ البالغہ حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے پڑھی ہے وہ میرے حجۃ اللہ البالغہ کے مشفق استاذ تھے اور فکر ولی اللہی کے ماہر تھے۔

حجۃ اللہ البالغہ کے حصہ اوّل میں حضرت شاہ صاحب کے مقدمہ میں سبب تصنیف پر بحث کی ہے، اس کے بعد اس کے اہم مباحث میں ابداع، خلق اور تدابیر کے مسائل ہیں، حضرت شاہ صاحب کے حجۃ اللہ البالغہ کے شروع میں چند بنیادی اور اصطلاحی موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ ان میں ایک ابداع بھی ہے۔ حضرت شاہ صاحب ابداع کی تعریف وتشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں الابداع وهو ایجاد شئی لا من شئی، اور کسی شئے کو کسی شئے کے بغیر ایجاد کرنے کو ابداع کہتے ہیں، ابداع کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں فیخرج الشئی من کتم العدم بغیر مادة۔ اللہ تعالیٰ نے شئے کو پردہ عدم سے عالم وجود میں بلا مادہ اور بلا نمونہ کو لایا ہے، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آغاز کائنات کے سلسلے میں سوال کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تھے اور ان سے قبل کوئی چیز نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کسی مادہ اور نمونہ ومثل کے بغیر کی ہے۔ بدیع السموات والارض، اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کے موجد اور صانع ہیں اور اس زمین وآسمان کو بغیر کسی نمونہ ومثال کے پیدا کیا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی ابداع کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ایک چیز کو بغیر کسی چیز کے پیدا کرنا یعنی پہلے کوئی چیز نہیں تھی، پھر ایک چیز پیدا کر دینا، ابداع کہلاتا ہے، گویا ایک چیز کو عدم سے بغیر کسی مادے کے پیدا کرنا (یونانی حکماء جسے جعل بسیط کہتے ہیں۔ افلاطون اس کا قائل ہے) (اردو شرح حجۃ اللہ البالغہ ۱/۷)

ابداع اور خلق کے مابین جو فرق ہے، اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ خلق کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔

> **الخلق وهو ايجاد الشئى من شئى كما خلق آدم من التراب وخلق الجان من مارج من نار.**

خلق: کسی چیز کو کسی چیز کے ذریعہ پیدا کرنا ہے جیسا کہ آدم کی تخلیق شئے سے ہوئی اور جان کی تخلیق آگ کے شعلے سے ہوئی۔ انسان کی تخلیق ہو یا جنات کی تخلیق ہو دونوں میں مادے کا دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق بلا مادہ وبلا نمونہ کی ہے۔ یہی اسلامی عقیدہ اور منصوص حکم ہے۔

> **الثالث: تدبير عالم المواليد، مرجعه الى تصير حوادثها موافقة للنظام الذى ترتضيه حكمته مفضية الى المصلحة التى اقتضاها جوده.**

اور تیری تدبیر عالم موالید ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے زمانہ کی ہر چیز اس انتظام کے موافق ہو جو اس کی حکمت پسند کرتی ہے اور اس مصلحت کے مطابق ہو جو اس کی رحمت چاہتی ہے۔

موالید عالم سے مراد آسمان وزمین کی مخلوقات، نباتات، حیوانات اور معدنیات وغیرہ ہیں، یہ تینوں چیزیں عناصر اربعہ سے پیدا ہوتی ہیں، اس لئے ان کو موالید کہتے ہیں۔ ان تمام چیزوں میں نشو ونما سے لیکر آخری مراحل تک کا انتظام وانصرام کرنا اور ان کے اندر ان کی خصوصیات پیدا

کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کا ہی عمل اور تدبیر ہے۔

حضرت شاہ صاحب اشیاء کے خواص کے قائل ہیں۔ اور یہ بھی قائل ہیں کہ ان خواص کو ان اشیاء سے جدا اور علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن شاہ صاحب ان اشیاء میں خواص پیدا کرنے میں موثر بالذات اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں، اور ان کا ماننا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کے خواص کو سلب کر لے گا اور کیا بھی ہے مثال کے طور پر آگ کی خاصیت جلانا ہے اور پانی کی خاصیت ٹھنڈک اور برودت پہنچانا ہے لیکن وہی آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر **کونوا بردا سلاما** کے ذریعہ راحت بخش حد تک ٹھنڈی ہوگئی تھی اور اپنی خاصیت کو کھو چکی تھی۔

حجۃ اللہ البالغہ کے اہم مباحث میں ایک اہم بحث عالم مثال کی بھی ہے، حضرت شاہ صاحب عالم مثال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> **اعلم انه دلت احادیث کثیرة علی أن فی الوجود عالماً غیر عنصری، تتمثل فیه اللمعانی باجسام مناسبة لها فی الصفة وتحقق هنا لک الاشیاء قبل وجودها فی الارض.**

معلوم ہونا چاہئے بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس عالم عنصری (مادی دنیا) کے علاوہ ایک اور ایسا عالم موجود ہے جس میں معنوی، مخفی چیزیں مثلاً صفات انسانی وغیرہ اپنی صفت کے مناسب جسم میں ظہور میں آتی ہیں اور زمین کے پائے جانے سے پیشتر ہر چیز پہلے سے وہاں موجود ہوتی ہے۔

عالم کے لغوی معنی ہیں، وہ شئے جس سے کوئی شئے یا کوئی چیز جانی جائے جیسے خاتم وہ چیز جس سے مہر لگائی جائے، عالم سے رب العالمین کی شناخت و پہنچان ہوتی ہے اور چونکہ اس عالم آب وگل میں موجود حیوانات، جمادات، اور نباتات ذات باری تعالیٰ کے وجود پر واضح دلیل ہیں، چونکہ مخلوقات خالق پر اور مصنوعات صانع پر دلالت کرتے ہیں۔

عالم کی دو قسمیں ہیں، ایک عالم دنیا اور دوسری عالم آخرت، حضرت شاہ صاحب کے نزدیک عالم کی ایک تیسری قسم بھی ہے وہ عالم مثال ہے اور یہ عالم مثال غیر مادی ہے یعنی اس کی تشکیل میں عناصر اربعہ کا دخل نہیں ہے۔ عالم مثال میں معانی (حقائق) کے لئے اجسام ہوئے

ہیں، اور یہ تمام اجسام مثالی اور تمثیلی ہوتے ہیں، اور موجودہ عالم میں وجود میں آنے سے قبل تمام چیزیں عالم مثال میں موجود ہوتی ہیں اور ان کی شکلیں مجسم ہوتی ہیں پھر جب وہ چیزیں اس دنیا میں پائی جاتی ہیں تو وہ ایک ہی ہوتی ہیں۔

ان میں غایت درجہ مماثلت واتحاد ہوتا ہے، حجۃ اللہ البالغہ میں ملاء اعلیٰ کی بحث بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے، حضرت شاہ صاحب ملاء اعلیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> **اعلم أنه قد استفاض من الشرع أن الله تعالیٰ عبادا هم أفاضل الملائكة ومقربوا الحضرة لا يزالون يدعون لمن اصلح نفسه وهذبها و سعى فى اصلاح الناس، فيكون دعاؤ هم ذالک سبب نزول البركات عليهم ويلعنون من عصى الله وسعى فى الفساد فيكون لعنهم سبباً لوجود حسرة وندامة فى نفس العامل.**

واضح ہو کہ شرع سے یہ بات ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ کے کچھ عمدہ بندے ہیں جو کہ بلند مرتبہ فرشتے اور اس کے دربار کے مقرب لوگ ہیں جو شخص اپنے آپ کو نیک بناتا ہے اور اپنے نفس کو بھی تمام عیبوں سے پاک کے نیک و پاکیزہ اخلاق والا بناتا ہے اور لوگوں کی اصلاح و رفاہ عام میں کوشش کرتا رہتا ہے تو وہ فرشتے اس کے لئے ہمیشہ دعائے خیر کرتے رہتے ہیں اور ان کی یہی دعا ان پر رحمت و برکت کے نزول کا سبب بنتی ہے۔

ملاء اعلیٰ، مقرب فرشتوں کی جماعت ہے، جس کو موجودہ اصطلاح میں ملائکہ اللہ کی پارلیمنٹ بھی کہہ سکتے ہیں، اسی اجتماع کو عربی زبان میں الرفیق الاعلیٰ اونچے درجے کے رفیق، الندی الاعلیٰ، ایوان بالا، اور الملاء الاعلیٰ، جماعت مقربین اعلیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تمام فرشتے مقربین، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل وتنفیذ میں ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔

زمین پر جو نظامہائے حکومت چلتے ہیں ان میں کون سا نظام اللہ کو پسند ہے اور کون سا ناپسند ہے ان کے بارے میں ملاء اعلیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلع کر دیا جاتا ہے اور وہ نظام صالح کے لئے دعا کرتے ہیں اور نظام طالع کے لئے بددعا کرتے ہیں۔ اور ان پر لعنتیں بھیجتے ہیں۔

اسی ضمن میں حظیرۃ القدس کے بارے میں بحث کی ہے اور حظیرۃ القدس کے معنی ہیں پاکیزہ

باڑھ اور اس کو دربار اور بارگاہ عالی بھی کہتے ہیں۔ اور کبھی دربار اور بارگاہ عالی سے اللہ کی ذات بھی مراد لیتے ہیں۔ جس سے فیوض وبرکات کا ظہور ہوتا ہے، اس کے بعد روح کی حقیقت، تقدیر، حقیقت موت، ارتفاقات اور تدابیر نافعہ، آداب معاش، خانگی تدابیر، شہری سیاست، بادشاہوں کی سیرت، رسوم ورواج، توحید، شرک کی حقیقت، وضو، غسل، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، اقسام نیکی اور مراتب گناہ کے اہم مباحث ہیں۔

یہ تو حجۃ اللہ البالغہ حصہ اوّل کے مباحث کا اجمالی ذکر ہے، جس کے مترجم مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی ہیں جنہوں نے نعمۃ اللہ البالغہ کے نام سے حجۃ اللہ البالغہ کا ترجمہ کیا ہے۔ نعمۃ اللہ البالغہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ حصہ دوم کے مباحث میں تحویل قبلہ، سترہ، نماز کے اذکار اور اس کے لواحقات، اعمال میں میانہ روی، جماعت، جمعہ، عیدین، جنازہ، زکوۃ، انفاق، مقادیر، زکوۃ، مصارف زکوۃ، روزہ اور اس کی فضیلت، احکام روزہ، حج، مناسب حج، بیع اور احکام بیع، تبرع وتعاون، فرائض (میراث) پیغام نکاح اور اس کے متعلقات، متر، نکاح، محرمات، آداب مباشرت، حقوق زوجیت، طلاق، خلع، ظہار، لعان اور ایلاء، عدت، اولاد کی پرورش، عقیقہ، ملکی سیاست، مظالم، خلافت، حدود، جہاد، معیشت، مسکرات، اور فتن ومناقب صحابہ وغیرہ اہم مباحث ومسائل ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے جہاں ان دینی، فقہی، معاشی اور سیاسی مسائل اور ان کے متعلقات کے اسرار ورموز بیان کرنے میں اپنے اصولوں اور اختراعی ذہن کو بروئے کار لائے ہیں۔ وہاں قرآن وحدیث کے منصوص احکام، صحابہ کے آثار، تابعین وتبع تابعین اور فقہائے امت کے اقوال وآراء بھی نقل کئے ہیں۔

حضرت امام غزالیؒ، عزالدین بن عبدالسلامؒ، علامہ جلال الدین سیوطیؒ، خطابیؒ، ابن حزم مالکیؒ اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے اقوال وارشاد بھی ملتے ہیں، مگر ان کی کتابوں اور ان کے مصادر وماخذ کے حوالے نہیں ملتے ہیں اس کی وجہ غالبًا یہ ہوسکتی تھی کہ حضرت شاہ صاحب کے دور میں گاہ بگاہ ان کے ناموں کے درج کرنے کا کوئی باضابطہ معمول نہ تھا اور کچھ یہ بات بھی تھی کہ جو اقوال نقل کئے گئے ہیں وہ محض تائید کے لئے ہوں گے اور تعداد بھی بہت ہی کم ہے۔ میں کوئی اعداد وشمار نہیں کرسکتا ہوں کہ کل کتنے حوالے ہیں، مگر سرسری مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی زیادہ حوالے

نہیں ہیں بہ مشکل تمام پوری حجۃ اللہ البالغہ میں ۲۰/۲۵ حوالے ملتے ہیں وہ بھی امام غزالی کے حوالے نمایاں طور سے ملتے ہیں اور دوسرے اصحاب علم کے حوالے برائے تائید و توثیق ہی نظر آئے ہیں۔ جیسا کہ خود شاہ صاحب نے مقدمہ میں رقم فرمایا کہ اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے جملہ رسائل و کتب کو مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ کے زیر اہتمام شائع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے جس کے تحت اب تک چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور پانچویں جلد آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ نے چاہا تو اس کی چھٹی جلد بھی آپ کی خدمت میں جلد پیش کی جائے گی۔

آخر میں اہل علم سے درخواست ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے رسائل و کتب میں سے کوئی رسالہ یا کوئی کتاب آپ کے پاس یا آپ کے دوست واحباب کے پاس ہو تو از راہ کرم اس کی اطلاع فرمائیں یا اس کی فوٹو کاپی عنایت فرمائیں یہ آپ کی طرف سے بڑی علمی امداد ہوگی۔

عطاء الرحمٰن قاسمی
چیئرمین
شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی

قبلہ کا بیان

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی سمت نماز پڑھتے رہے پھر آپ کو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور یہی حکم ثابت اور قائم رہا۔ میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ جبکہ اللہ تعالیٰ کے شعائر اور اس کے گھروں کی تعظیم واجب تھی بالخصوص اس عبادت میں جو ارکان اسلام کی اصل اور سب عبادتوں کی جز اور شعائر دین میں سب سے زیادہ مشہور شعار ہے اور نماز میں اس چیز کی طرف منہ کرنا جو خدا تعالیٰ کی عبادت کر کے رضا مندی حاصل کرنے میں خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے باعث اجتماع خاطر اور صفت خشوع کا سبب اور حضور قلب کے لئے اقرب تھا، کیونکہ اس صورت میں کلام کرنا بادشاہ کے سامنے عرض و معروض کرنے کے مشابہ ہے اس واسطے حکمت الٰہی کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ جمیع مذاہب میں نماز کے اندر کسی نہ کسی قبلہ کی طرف رخ کرنا شرط قرار دیا جائے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام اور جو ان کے دین پر تھے کعبہ کی طرف منہ کیا کرتے تھے اور حضرت اسرائیل علیہ السلام اور ان کی اولاد بیت المقدس کی طرف منہ کرتی تھی، یہ اصل تمام شرائع میں مسلم ہے، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور اوس وخزرج کی اور یہود میں سے جو ان کے حلیف تھے ان کی آپ نے تالیف قلوب چاہی اور وہی لوگ آپ کی مدد کے لئے کھڑے ہوئے اور وہی لوگ ایسی امت بنے جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور مضر اور ان کے احباب آپ کے بڑے دشمن تھے اور سب لوگوں سے زیادہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد تھا اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم فرمایا

کیونکہ اصل یہ ہے کہ عبادات میں اس امت کے طریقہ کی رعایت ہونی چاہئے جس میں رسول بھیجا گیا اور اس نے رسول کی مدد کی اور جو لوگوں پر گواہ بنی، اور وہ لوگ اس وقت میں اوس وخزرج ہی تھے اور وہ علوم یہود کے بہت ہی پابند تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اللہ تعالیٰ کے قول: **فاتوا حرثکم انی شئتم** کی تفسیر میں اسی کو بیان کیا ہے جیسا کہ انھوں نے کہا ہے ”یہ انصار کا گروہ جو بت پرست تھا یہودی گروہ کا ساتھی تھا جو اہل کتاب تھے تو یہ لوگ یہود کو اپنے اوپر علم میں فضیلت دیتے تھے اور اپنے بہت سے کاموں میں ان کی پیروی کرتے تھے“۔ الحدیث،

اور نیز اصل یہ ہے کہ شرائع کو ملل حقہ کے موافق ہونا چاہئے جب تک کہ ان میں لوگوں کی تحریفات اور ان کے تکلفات نہ داخل ہوں تا کہ اس سے لوگوں پر اقامت حجت پورے پورے طور پر ہو سکے اور نہایت اچھی طرح سے ان کے قلوب کا اطمینان ہو سکے، اور یہود ہی آسمانی کتاب کو برابر بیان کرتے رہتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو محکم اور مضبوط کیا اور اپنے نبی کو اولاً اس کے دل میں القا فرما کر اس چیز پر مطلع کر دیا جو اس کی نسبت زیادہ مصلحت کے موافق تھی اور قوانین تشریع کے اعتبار سے زیادہ پائدار تھی اس واسطے آپ اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو جائے اور اس آرزو میں کہ جبرئیل علیہ السلام یہ حکم لے کر نازل ہوتے ہوں گے آپ آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے اور پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اندر نازل فرما کر اس سے مطلع کر دیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں مبعوث ہوئے جو ان پڑھ تھے، ملت اسماعیلیہ کے پابند تھے، اور اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ یہی لوگ اللہ کے دین کے حامی اور مددگار رہوں گے اور رسول کے بعد لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہوں گے اور اس کی امت میں اس کے خلیفہ بنیں گے اور یہود میں سے بہت ہی کم اشخاص ایمان لائیں گے۔

نیز عرب کے نزدیک کعبہ شعائر اللہ میں سے ایک شعار ہے جس کا ان کے اعلیٰ اور ادنیٰ کو یقین ہے اور اس کی طرف منہ کرنے میں ان کا ایک عام طریقہ جاری رہا ہے پس اس سے عدول کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور چونکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا نماز کی تکمیل کے لئے شرط قرار دیا گیا ہے اور ایسی شرط نہیں قرار دیا گیا کہ اس کے بغیر نماز کا اصل فائدہ ہی حاصل نہ ہو سکے اس واسطے نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق جو اندھیری رات میں اٹکل سے قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھ لے اور حقیقت میں اس کا منہ قبلہ کی طرف نہ ہو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا ''پس جس طرف تم متوجہ ہو خدا کی ذات وہیں ہے'' جس سے آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ضرورت کے وقت ان کی اس طرح کی نماز جائز ہے۔

سترہ کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرتا ہے اگر اس کو اس کا وبال معلوم ہو جاتا تو چالیس سال تک ٹھیرا رہنا نمازی کے سامنے سے ہو کر گزرنے سے اس کو بہتر معلوم ہوتا''۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے جس کی تعظیم واجب ہے اور چونکہ نماز میں مقصود اس حالت کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جو غلام کو اپنے مالک کے سامنے خاموشی کے ساتھ خدمت کے واسطے کھڑا ہوتے وقت ہوتی ہے اس واسطے نماز کی تعظیم میں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کوئی گزرنے والا نماز پڑھنے والے کے سامنے سے نہ گزرے کیونکہ آقا اور اس کے غلاموں کے درمیان سے جو دست بستہ اس کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں گزرنا بے ادبی ہے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے عرض ومعروض کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے'' الحدیث، اور اس کے ساتھ ایک بات یہ بھی ہے کہ نماز کے سامنے سے گزرنے سے نمازی کے دل میں تشویش پیدا ہوتی ہے اسی واسطے نمازی کو اس کے ہٹانے کا حق حاصل ہے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پس اس شخص سے لڑنا چاہئے کیونکہ وہ شیطان ہے''۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عورت، گدھا، اور سیاہ کتا نمازی کی نماز کو توڑ دیتا ہے''۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کی صحت کے شروط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ نماز کی جگہ عورت اور گدھے اور کتے سے خالی ہونی چاہئے اور اس میں راز یہ ہے کہ نماز سے مقصود مناجات اور رب العالمین کے روبرو کھڑا ہونا ہوتا ہے اور عورتوں سے ملنا اور ان کا قریب ہونا اور ان کے ساتھ صحبت رکھنا اس حالت کے خلاف حالت کی طرف متوجہ ہونے کا مظنہ ہے اور کتا شیطان ہے جس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں بالخصوص سیاہ کتا کیونکہ وہ فساد مزاج اور دیوانہ پن

کی طرف اور کتوں سے زیادہ قریب ہے اور گدھا بھی بہ منزلہ شیطان کے ہے کیونکہ وہ بسا اوقات لوگوں کے سامنے اپنی مادہ سے مشغول ہوجاتا ہے اور اس کے آلہ کو حرکت ہوتی رہتی ہے پس نماز کے اندر اس کا دیکھنا نماز کی مقصودہ حالت کے اندر خلل پیدا کرنے والا ہے لیکن اس حدیث پر حفاظ صحابہ اور فقہاء صحابہ نے عمل نہیں کیا ہے، ان صحابہ میں سے حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوسعیدؓ وغیرہم ہیں اور انھوں نے اس حدیث کو منسوخ سمجھا ہے اگرچہ ان کے استدلال نسخ میں کلام ہے، اور یہ بھی ان مواضع میں سے ایک ہے جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث لینے کے دونوں طریقے مختلف ہوئے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے کجاوے کے پشتہ کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو پھر وہ نماز پڑھ لے اور اس شخص کی کچھ پرواہ نہ کرے جو اس سے پرے ہوکر گزرتا ہے‘‘۔

میں کہتا ہوں چونکہ نمازی کے سامنے سے ہوکر بالکل نہ گزرنے میں بڑی بھاری دقت تھی اس واسطے آپ نے سترہ کے کھڑا کرنے کا حکم دیا تاکہ ظاہر میں نماز کی جگہ جدا معلوم ہو اور اس کے پرے سے ہوکر گزرنا ایسا سمجھا جائے جیسے دور سے گزرنا۔

ان امور کا بیان جو نماز کے اندر ضروری ہیں

واضح ہو کہ نماز میں تین چیزیں اصل ہیں ایک یہ کہ دل سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا، دوسرے زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، تیسرے جسم سے اللہ تعالیٰ کی غایت درجہ تعظیم کرنا، یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کا اجزاء نماز ہونے میں تمام امتوں کا اتفاق ہے اگرچہ ان کے علاوہ امور میں ان کا اختلاف ہے، اور ان تینوں کے سوا دیگر امور میں بوقت عذر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی ہے، مگر ان تینوں کے اندر کسی وقت بھی معافی نہیں دی، اور وتر کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’اگر تجھ میں طاقت نہ ہو تو اشارے سے ادا کرلے‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ نماز کے اندر ان کے لئے دو حدیں مقرر کی جائیں، ایک تو وہ حد مقرر کی جائے کہ اس میں کمی کرنے سے بری الذمہ نہ ہوسکے اور ایک وہ حد مقرر کی جائے جو نماز کے فائدہ کو پورا اور کامل کرنے والی ہو، اور حد اوّل ان امور پر مشتمل ہے جن کے ترک کرنے سے نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے اور جن کے ترک کرنے سے نماز میں نقصان لازم آتا ہے اور اعادہ واجب نہیں ہوتا اور جن

کے ترک کرنے سے سخت ملامت کی جاتی ہے اگرچہ نماز میں نقص پیدا ہونے کا یقین نہیں ہوتا اور ان تینوں مراتب میں فرق کرنا بہت مشکل ہے اور اس کے بارے میں کوئی نص صریح یا اجماع نہیں ہے مگر کسی میں برائے نام، اور اسی وجہ سے اس امر میں فقہا کے درمیان بہت بڑا اختلاف ہوگیا ہے اور اصل اس میں اس شخص سے متعلق حدیث ہے جس نے برے طور پر نماز پڑھی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا ''لوٹ جا اور نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی'' آپ نے ایسا ہی دو بار یا تین بار فرمایا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو پورا پورا وضو کر پھر قبلہ رو کھڑا ہو کر تکبیر کہہ پھر جو کچھ تجھ کو قرآن یاد ہو اس میں سے جو پڑھ سکے تو پڑھ پھر رکوع کر یہاں تک کہ تجھ کو رکوع میں اطمینان حاصل ہو جائے پھر اپنا سر اٹھا یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جائے پھر سجدہ کر یہاں تک کہ سجدہ میں اطمینان حاصل ہو جائے پھر سر اٹھا یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائے پھر خوب اطمینان کے ساتھ سجدہ کر پھر سر اٹھا یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جائے پھر اپنی تمام نماز میں اسی طرح سے کر'' اور ترمذی کی روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے ''پس جب تو نے اس طرح سے کیا تو تیری نماز پوری ہوگئی اور اگر تو نے اس میں سے کچھ کم کیا تو تو نے اپنی نماز میں سے کم کیا'' امام ترمذیؒ نے بیان کیا کہ یہ نسبت پہلی روایت کے جس میں یہ زیادتی نہیں ہے اس روایت میں لوگوں کے لئے آسانی ہے کیونکہ جس شخص نے ان امور میں سے کچھ کمی کی تو اس کی نماز نقصان کے ساتھ ہوگئی اور بالکل ضائع نہ ہوئی اور حد اوّل میں بعض وہ چیزیں ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکنیت کے لفظ کے ساتھ بیان کیا ہے جیسے آپ نے فرمایا ''بغیر فاتحہ الکتاب کے نماز نہیں ہوتی'' اور فرمایا'' آدمی کی نماز پوری نہیں ہوتی یہاں تک کہ رکوع اور سجود میں اپنی پشت سیدھی نہ کرلے'' اور حد اوّل میں بعض وہ چیزیں ہیں جن کے ساتھ شارع نے نماز کو تعبیر فرمایا کیونکہ اس سے ان چیزوں کا نماز کے اندر رکن ہونے پر تنبیہ بلیغ پائی جاتی ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **''من قام رمضان''** اور آپ نے فرمایا **''فلیرکع رکعتین''** اور اللہ تعالیٰ کا فرمان **''وارکعوا (١) مع الراکعین''** اور اس کا فرمان **''وادبار السجود''**

---

(١) ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے رکوع، سجود، اور قیام کے الفاظ ذکر فرمائے ہیں اور ان سے نماز پڑھنا مراد ہے، اس طرح کی تعبیر ان کے ارکان نماز ہونے پر تنبیہ کرتی ہے۔

اور اس کا فرمان ''وقرآن الفجر'' اور اس کا فرمان ''وقوموا للہ قانتین''

اور حد اوّل میں بعض وہ چیزیں ہیں جن کو اس طور سے بیان کیا ہے کہ ان کا ضروری ہونا سمجھا جاتا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نماز کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل سلام ہے'' اور آپ نے فرمایا ''ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھنا چاہئے'' اور تشہد کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تو نے اس کو کرلیا تو تیری نماز تمام ہوگئی'' اور اسی طرح کی دیگر احادیث ہیں۔

اور حد اوّل میں بعض وہ چیزیں ہیں کہ نماز کے اندر ان کے ضروری ہونے میں مسلمانوں کا اختلاف نہیں ہے اور وہ ان میں برابر جاری رہیں اور ان کے ترک کرنے والے پر ملامت ہوتی رہی۔ الحاصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے متعلق جو تواتر سے ثابت ہے اور جو امت کو مسلسل حاصل ہوتا رہا ہے یہ ہے کہ پاکی حاصل کرے اور ستر عورت کرے، اس کے بعد کھڑا ہو اور اپنا منہ قبلہ کی طرف کرے اور دل سے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرے اور خالص اس کے لئے عمل کرے اور زبان سے اللہ اکبر کہے اور فاتحۃ الکتاب پڑھے اور بجز فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت کے قرآن کی کوئی اور سورت اس کے ساتھ پڑھے پھر رکوع کرے اور اس قدر جھک جائے کہ انگلیوں کی پوروں سے گھٹنوں کو پکڑ سکے حتی کہ اطمینان سے رکوع کرے پھر رکوع سے سر اٹھائے حتی کہ اطمینان سے کھڑا ہو جائے پھر ساتوں اعضا یعنی دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں دونوں گھٹنوں اور منہ کے ساتھ سجدہ کرے، پھر سجدہ سے سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائے پھر اسی طرح سے دوبارہ سجدہ کرے پس یہ ایک رکعت ہے، پھر ہر دو رکعت کے بعد بیٹھے اور تشہد پڑھے، اور اگر نماز کی اخیر رکعت ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور جو دعا سب سے زیادہ اس کو پسند ہو پڑھے اور اس کے آس پاس جو فرشتے اور مسلمان ہیں ان کے اوپر سلام کہے پس یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے، کسی فرض نماز میں یہ ثابت نہیں کہ آپ نے قصداً بلا عذر کے ان امور میں سے کسی امر کو ترک کیا ہو، اور یہی صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ مسلمین کی نماز ہے، اور سب لوگ انہی افعال کو نماز اور ان کو ضروریات دین میں سے کہتے چلے آئے ہیں، ہاں! فقہا کا ان میں سے چند امور کے اندر اختلاف ہے کہ آیا وہ ارکان نماز ہیں جن کے بغیر نماز کا اعتبار نہیں یا نماز کے واجبات ہیں جن کو ترک کرنے سے نماز میں نقصان آتا ہے یا ایسے اجزا ہیں جن کو ترک کرنے سے ملامت کی جاتی

ہے اور سجدہ سہو سے اس کا نقصان پورا ہو جاتا ہے۔

اور اس امر میں اصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے دل میں خضوع کا ہونا اور اس کی طرف تعظیم اور رغبت اور خوف کے ساتھ متوجہ ہونا ایک امر خفی ہے جس کے لئے کسی ضابطہ کا ہونا ضروری ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزوں کے ساتھ اس کا انضباط فرمایا ایک تو یہ کہ اپنا منہ اور بدن قبلہ کی طرف کر کے کھڑا ہو اور دوسرے یہ کہ زبان سے اللہ اکبر کہے اس واسطے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اس کے دل میں کوئی بات جم جاتی ہے تو اس کے تمام اعضا اور زبان اسی کے موافق حرکت کرتے ہیں، اسی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابن آدم کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو تمام بدن خراب ہو جاتا ہے، پس زبان اور دیگر اعضا کا عمل دل کے فعل کا قائم مقام اور اس کا قوی مظنہ ہے اور ایسی ہی چیز سے دل کے فعل کا انضباط ہو سکتا ہے اور چونکہ حق سبحانہ جہت سے پاک تھا اس واسطے اس کے گھر کی طرف اور اس کے بڑے شعار کی طرف توجہ کرنا خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کا قائم مقام کر دیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے یہی مراد ہے درانحالیکہ اپنے منہ اور دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوں اور چونکہ اظہار تعظیم کے لئے اللہ اکبر کا لفظ دلی انقیاد پر خوب تصریح کرنے والا تھا اس واسطے دلی توجہ کے قائم مقام کرنے کے لئے کوئی لفظ اس سے بہتر نہ ہوا اور اس کے اندر اور وجوہ بھی ہیں، ازاں جملہ یہ ہے کہ بوجہ تعظیم بیت اللہ اس کی طرف منہ کرنا واجب ہے اس کو نماز کے ساتھ اس واسطے موقت کر دیا تا کہ ایک دوسرے کی تکمیل ہو جائے۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا دین حنیفی کی بڑی مشہور پہچان ہے جس کی وجہ سے لوگ دوسروں سے متمیز ہو سکتے ہیں اس واسطے ضروری ہوا کہ ایسی چیز اسلام کے اندر داخل ہونے کی علامت مقرر کی جائے بس اس کا وقت سب سے زیادہ عظمت والی اور سب سے زیادہ مشہور عبادت کے ساتھ مقرر کیا گیا چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے جس کا خدا تعالیٰ اور اس کا رسول ذمہ دار ہے''۔

ازان جملہ یہ ہے کہ قیام بغیر استقبال کے تعظیم نہیں ہو سکتا تھا۔

ازان جملہ یہ ہے کہ ہر حالت کے لئے جو احکام کے اندر باقی حالات سے جدا ہو ایک ابتدا اور ایک انتہا ہونی چاہئے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ’’نماز کی تحریم اللہ اکبر کہنا ہے اور اس کی تحلیل سلام پھیرنا ہے‘‘۔

اب رہا جسم سے تعظیم کرنا سو اس میں اصل تین حالات ہیں ایک تو اس کے سامنے کھڑا ہونا اور ایک رکوع کرنا اور ایک سجدہ کرنا۔

اور عمدہ تعظیم وہ ہے جس میں یہ تینوں ہوں، اور خضوع کے بارے میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف بتدریج انتقال کرنا دوسری چیزوں کی بہ نسبت نفس کی زیادہ مناسب طور پر تنبیہ کرنا ہے، اور سجدہ کرنا اعلیٰ درجہ کی تعظیم ہے گویا کہ یہی مقصود بالذات ہے اور باقی قیام اور رکوع وغیرہ اس کی طرف واسطہ میں اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کو کما حقہ ادا کیا جائے اور وہ سجدہ کو دو بار کرنے سے ادا ہو جاتا ہے، اب رہا ذکر الٰہی تو اس کے لئے بھی پابندی اوقات ضروری ہے اس واسطے کہ وقت کی پابندی سے لوگوں میں جمعیت رہتی ہے اور لوگوں کے دل اس چیز کو خوب مان لیتے ہیں اور اس بات سے بھی اجتناب ہو جاتا ہے کہ ہر شخص اپنی رائے کے موافق چلے خواہ بھلی ہو یا بری البتہ ان کے سپرد دعائے نافلہ کی گئی ہیں جن سے سابقین مخاطب کئے جاتے ہیں علاوہ بریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدون پابندی وقت کے ان کو بھی نہیں چھوڑا ہے اگرچہ وہ پابندی بطور استحباب کے ہے۔

اور جب ذکر اللہ میں تعیین وقت ضروری ہوئی تو اس کے لئے سورہ فاتحہ سے زیادہ مناسب کوئی چیز نہ تھی کیونکہ وہ ایک جامع دعا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی زبان میں اس بات کی تعلیم کے لئے نازل فرمایا ہے کہ کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور کس طرح اس کی ثنا بیان کریں اور کس طرح خاص اسی کی عبادت کا اقرار کریں اور خاص اسی سے استعانت کا اقرار کریں اور کس طرح اس راستہ کو مانگیں جو ہر طرح کی خیر کا جامع ہو اور کس طرح اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہیں اور ان لوگوں کی راہ سے جن پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور جو گمراہ ہیں، اور عمدہ دعا وہ ہے جس میں یہ سب باتیں ہوں اور چونکہ قرآن کی تعظیم اور اس کی تلاوت دین کے اندر واجب ہے اور اس سے بڑھ کر تعظیم کی کوئی صورت نہیں کہ اسلام کے سب سے بڑے رکن اور عبادات کی اصل اور دین کے سب

سے مشہور شعائر میں قرآن کو ملحوظ رکھا جائے اور تلاوت قرآن خود ایک مستقل عبادت ہے جو نماز کو کامل اور تمام کرتی ہے اس وجہ سے قرآن کی کسی سورت کا پڑھنا لوگوں کے لئے ضروری کیا گیا کیونکہ سورت ایک ایسا پورا کلام ہے جس کی بلاغت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین نبوت کو عاجز کر دیا اور یہ بات بھی ہے کہ ہر سورت اپنی ابتدا اور انتہاء کی وجہ سے ایک جدا کلام ہے اور ہر ایک کا ایک عمدہ اسلوب ہے اور جب شارع کی جانب سے بعض مرتبہ میں سورت کے ایک ٹکڑا کا پڑھنا ثابت ہے تو علما نے تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت کو اسی کے حکم میں داخل کیا، اور جبکہ کھڑے ہونے میں تمام افراد ایک طرح پر نہ تھے کیونکہ کوئی سرنگوں ہو کر کھڑا ہوتا ہے اور کوئی جھک کر کھڑا ہوتا ہے اور یہ سب کھڑے ہونے میں شمار ہوتا ہے اس واسطے اس بات کی ضرورت ہوئی کہ جو جھکنا مقصود ہے وہ قیام سے متمیّز ہو جائے پس شرع نے اس کو رکوع کے ساتھ منضبط کر دیا جو اس قدر جھکنے کا نام ہے جس میں ہاتھوں کی انگلیاں گھٹنوں کو لگ جائیں، اور جبکہ رکوع اور سجود سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اسی وقت ہو سکتی ہے کہ اس حالت پر کچھ دیر تک رہے اور پروردگار عالم کے سامنے اپنے آپ کو پست کرے اور اس حالت میں اس کا دل اس تعظیم سے خبردار ہو جائے اس واسطے اس کو ایک رکن لازم قرار دیا گیا۔

اور جبکہ سجدہ کرنا اور پیٹ کے بل لیٹ جانا اور جو حالتیں اس کے قریب ہیں سب کے اندر زمین پر سر رکھنا پایا جاتا ہے حالانکہ تعظیم صرف سجدہ کرنے میں ہے نہ کہ باقی ہیئات میں، اس واسطے اس بات کی ضرورت ہوئی کہ ان میں کوئی مابہ الفرق مقرر کیا جائے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھ کو سات اعضا سے سجدہ کرنے کا حکم ہوا ہے'' الحدیث،

اور جبکہ آدمی سجدہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو سجدہ تک پہنچنے کے لئے جھکنا ضروری ہوتا ہے اور وہ جھکنا رکوع نہیں ہوتا بلکہ سجدہ تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے اس واسطے اس بات کی ضرورت ہوئی کہ رکوع اور سجود کے درمیان ایک ایسے اجنبی فعل کو لا کر تفریق کی جائے جس سے ہر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائے تا کہ ہر ایک مستقل عبادت قرار پائے اور نفس اس کا جداگانہ ارادہ کرے تا کہ نفس ہر ایک کے ثمرات جداگانہ حاصل کرنے کے لئے آمادہ رہے اور وہ فعل قومہ ہے، اور جبکہ دو سجدے بغیر اجنبی فعل کے حائل ہو جائے جدا جدا نہیں ہو سکتے تھے اس واسطے ان کے درمیان جلسہ

مشروع ہوا، اور جبکہ سجدہ اور قومہ بدون اطمینان کے ایک طرح کا ہلکا پن اور کھیل تھا جو شان عبادت کے بالکل منافی تھا اس واسطے ان دونوں کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا، اور جبکہ طہارت کو زائل کر کے یا اس کے علاوہ کوئی ایسا فعل کر کے جو نماز کو فاسد اور باطل کرنے والا ہو نماز سے باہر آنا قبیح، مکروہ اور تعظیم کے منافی تھا اور ایسے فعل کا ہونا ضروری تھا جس سے نماز کا اختتام ہو جائے اور جو امور نماز کے اندر حرام تھے وہ حلال ہو جائیں اور اگر کسی خاص فعل کو اس میں مقرر نہ کیا جاتا تو ہر شخص اپنی خواہش کی پیروی کرتا اس واسطے ضروری ہوا کہ نماز سے باہر ہونا صرف ایسے کلام کے ساتھ ہو جو لوگوں کے کلام میں بہترین کلام ہو اور وہ سلام ہے اور اس کو واجب کر دیا جائے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نماز سے باہر آنا سلام پھیرنا ہے اور صحابہ کو یہ امر مرغوب تھا کہ سلام سے پہلے یہ کہتے تھے'' خدا تعالیٰ کے اوپر اس کے بندوں سے پہلے سلام، جبرئیل کے اوپر سلام، فلاں کے اوپر سلام، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو التحیات کے ساتھ بدل دیا اور اس بدلنے کا سبب یہ کہہ کر بیان فرما دیا'' یہ مت کہو کہ خدا کے اوپر سلام کیونکہ خدا تعالیٰ تو خود سلام ہے''۔

یعنی سلامتی کی دعا تو اس کے لئے مناسب ہے جس کے لئے بسبب عدم کے اور اس کے لواحق کے سلامتی ذاتی نہ ہو پھر اس کے بعد نبی پر سلام کو مقرر کیا تا کہ نبی کے ذکر کی تعظیم ہو اور اس کی رسالت کا اقرار ہو اور اس کے کچھ حقوق بھی ادا ہو جائیں پھر یہ فرما کر سلام کی تعمیم کر دی ''ہم پر سلام اور خدا تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو، آپ نے فرمایا جب کوئی یہ کہتا ہے تو اس کا سلام ہر نیک بندے کو پہنچتا ہے خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں ہو''۔

پھر تشہد کا حکم دیا کیونکہ وہ اعظم الاذکار ہے آپ نے فرمایا'' اس کے بعد جو دعا اس کو پسند ہو اختیار کرے''۔

اور یہ اس واسطے کہ نماز سے فارغ ہونے کا وقت دعا کرنے کا وقت ہے کیونکہ اس وقت رحمت الٰہی اس پر چھا جاتی ہے اور ایسی حالت میں دعا قبول ہوتی ہے، اور دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے خدا کی ثنا کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنائے تا کہ دعا قبول ہو پھر اسی پر تعین ہو گیا اور تشہد نماز کے لئے رکن قرار دیا گیا کیونکہ اگر یہ امور نہ ہوتے تو نماز سے آدمی اس طرح

فارغ ہوتا جیسے کوئی اعراض کرنے والا یا نادم آدمی فارغ ہوتا ہے۔

اور اس مقام کے متعلق بہت سے وجوہ ہیں جن میں سے بعض پوشیدہ ہیں اور بعض ظاہر ہیں ہم نے ان کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ پہلے ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں وہ کافی ہے۔

مختصر یہ کہ جو شخص ہمارے مذکورہ کلام میں غور کرے گا اور ان قواعد میں فکر کرے گا جن کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں تو یقیناً وہ یہ جان لے گا کہ نماز اسی کیفیت کے ساتھ ہونی چاہئے اور عقل اس سے بہتر اور کامل صورت کو تصور نہیں کر سکتی، اور غنیمت حاصل کرنے والے کے لئے یہی غنیمت کبریٰ ہے اور جبکہ تھوڑی سی نماز معتد بہ فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی اور کثیر نماز کا قائم کرنا لوگوں پر گراں تھا اس واسطے حکمت الٰہی کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ ان کے لئے دو رکعت سے کم مقرر نہ کی جائے پس دو رکعتیں نماز کا کم سے کم درجہ قرار پایا اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہر دو رکعات کے بعد التحیات ہے“ اور یہی ایک دقیق راز ہے اور وہ یہ ہے کہ حیوانات اور نباتات کے اشخاص اور افراد کے پیدا کرنے میں خدا تعالیٰ کی عادت اس طور پر جاری ہے کہ ہر فرد کے دو پہلو ہوتے ہیں اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر دونوں کو شئے واحد کر دیا جاتا ہے اس کے متعلق خدا تعالیٰ کا فرمان ہے، والشفع والوتر، پس حیوان کی دو طرفیں تو معلوم ہیں اور بسا اوقات ایک جانب کو کوئی مرض لاحق ہو جاتا اور دوسری جانب اس سے محفوظ رہتی ہے جیسے فالج کے مرض میں ہوتا ہے، اور نباتات کے اندر گٹھلی اور تخم کی دو طرف ہوتی ہیں اور جب پہلی شاخ پھوٹتی ہے تو اس کے دو ہی پتے اگتے ہیں ہر ایک پتہ دونوں گٹھلی اور تخم کی ایک ایک جانب کی میراث ہوتا ہے پھر اسی طریقہ پر نشو ونما ہوتا رہتا ہے پس خدا تعالیٰ کا یہ طریقہ حظیرۃ القدس میں باب خلق سے باب تشریع کی طرف منتقل ہو گیا کیونکہ تدبیر خلق کی فرع ہے اور حظیرۃ القدس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے اندر اس کا فیضان ہوا، پس اصل نماز ایک رکعت ہے اور تمام نمازوں میں دو رکعت سے کم مقدار مقرر نہیں ہوئی اور ہر رکعت دوسری رکعت کے ساتھ مل کر دونوں بہ منزلہ شئے واحد کے ہو گئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کی تھی تو سفر اور حضر میں دو دو رکعت فرض کی تھی پس سفر کی نماز بدستور رہی اور حضر کی نماز بڑھا دی گئی“۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بجز مغرب کے کیونکہ وہ تین رکعات تھیں۔

میں کہتا ہوں تعداد رکعت میں اصل یہ ہے کہ فرض جو کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا وہ گیارہ رکعتیں ہیں اور یہ اس واسطے کہ حکمت الٰہیہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ دن اور رات میں کوئی ایسا مبارک متوسط عدد مقرر رہونا چاہے جو نہ تو بہت زیادہ ہو جس کا ادا کرنا تمام مکلفین پر دشوار ہو جائے اور نہ بہت کم ہو جس سے نماز کا مقصود ہی لوگوں کو حاصل نہ ہو سکے اور سابق میں تم یہ بات جان چکے ہو کہ تمام اعداد میں سے گیارہ کا عدد طاق حقیقی کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے۔

پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور اسلام کو استحکام ہو گیا اور اس کو ماننے والے بہت ہو گئے اور عبادت کرنے میں لوگوں کی رغبت بہت بڑھ گئی تو چھ رکعات اور زیادہ کر دی گئیں، اور سفر کی نماز بدستور باقی رہی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شیئے پر زیادتی اس قدر نہیں ہونی چاہیئے جو اصل شیئے کے برابر ہو یا اس سے بڑھ جائے بلکہ مناسب یہ ہے کہ زیادتی اصل شیئے کا نصف ہو لیکن گیارہ کا نصف بدون کسر کے نہیں ہوتا اس واسطے دو عدد ظاہر ہوئے پانچ کا عدد اور چھ کا عدد، اور گیارہ میں پانچ زائد کرنے سے پورا عدد جفت ہو جاتا ہے طاق نہیں رہتا اس لئے چھ کو زیادہ کرنا متعین ہو گیا اب رہا پورے عدد پر رکعات کو تقسیم کرنا تو وہ انبیاء سابقین کے آثار پر مبنی ہے جیسا کہ اخبار میں مذکور ہے، اور نیز چونکہ مغرب کی نماز ایک وجہ سے سب سے اخیر کی نماز ہے اس واسطے کہ عرب کے لوگ راتوں کو دنوں سے پہلے شمار کرتے ہیں، پس ایک کے عدد کا جو پوری رکعات کو طاق کرنے والا ہے اسی میں پایا جانا مناسب ہوا اور مغرب کا وقت چونکہ تنگ ہوتا ہے اس واسطے مغرب کے اندر اس مقدار کا زیادہ کرنا مناسب نہیں ہے جو بعد میں نمازوں میں کی گئی ہے اور فجر کا وقت خواب اور غفلت کا وقت ہے اس واسطے اس کی عدد رکعات میں زیادتی نہیں کی گئی بلکہ جس میں طاقت ہے اس کے لئے طول قرأت کو مستحب کر دیا اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول ہے ''اور فجر میں قرآن کا پڑھنا، بلاشبہ فجر میں قرآن پڑھنا روبرو ہونا ہے'' واللہ اعلم۔

نماز کے اذکار اور اس کی ہیئات مستحبہ کا بیان

واضح ہو کہ اس حد کو جس سے نماز کا پورا فائدہ حاصل ہوتا ہے اس حد پر جو نماز کے اندر ضروری ہے دو وجہ سے زیادتی ہے، بالکیف اور بالکم، کیف سے ہماری مراد اذکار اور ہیئات ہیں اور اپنے نفس کو اس طرح سے پابند کرنا ہے کہ یہ خیال کر کے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھے گویا وہ

اس کو دیکھ رہا ہے، اور نماز کے دوران وسوسوں کو نہ آنے دے، اور مکروہ ہیئتوں سے اور اسی طرح کی اور باتوں سے احتراز کرے۔

اور زیادہ بالکم سے ہماری مراد وہ نمازیں ہیں جن کے ساتھ لوگ نوافل پڑھتے ہیں، اور انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب بعد میں نوافل کا ذکر آئے گا۔

اور اذکار کے اندر اصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور استفتاح یعنی قرآن پڑھنے سے قبل کچھ دعا پڑھنے میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت جبیر بن مطعم اور عبداللہ بن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم کی احادیث اصل ہیں اور باقی مواضع میں حضرت عائشہ، ابن مسعود، ابو ہریرہ، ثوبان اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں ان کے علاوہ اور احادیث ہیں جن کو آگے تفصیل سے ذکر کریں گے، اور نماز کی ہیئت کے اندر اصل ابو حمید الساعدی کی وہ حدیث ہے جس کو انھوں نے دس صحابہ کے سامنے بیان کیا اور سب نے اس کو تسلیم کیا، اور حضرت عائشہ اور وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث بھی فی الجملہ اس میں مروی ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث رفع الیدین کے بارے میں مروی ہے اور ان کے علاوہ اور احادیث ہیں جن کو ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

ہیئات مستحبہ کا مدار چند باتوں پر ہے ان میں سے ایک خضوع کا پیدا کرنا اور تمام اعضا کو خدا تعالیٰ کے سامنے سکوڑ لینا اور نفس کو ایسی حالت پر متنبہ کرنا جو عام لوگوں کو بادشاہوں کے سامنے عرض و معروض کرتے وقت پیدا ہوتی ہے کہ ان پر ہیبت اور دہشت طاری ہو جاتی ہے مثلاً دونوں قدموں کو برابر رکھنا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا اور نظر کو پست کرنا اور ادھر سے ادھر نہ دیکھنا

اور ان میں سے ایک خدا تعالیٰ کا ذکر کرنا اور ماسوا پر اس کے اختیار کر لینے کو دل میں سمجھتے وقت اور زبان سے کہتے وقت اپنی انگلیوں اور اپنے ہاتھ سے ظاہر کرنا مثلاً رفع الیدین کرنا اور انگشت شہادت سے اشارہ کرنا تاکہ ایک دوسرے کا معاون ہو جائے۔

اور ان میں سے ایک وقار اور محاسن آداب کے طریقوں کو عمل میں لانا اور طیش اور ان طریقوں سے پرہیز کرنا جن کو اہل عقل ناپسند کرتے ہیں اور حیوانات کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے مرغ کی طرح ٹھونگیں مارنا اور کتے کی طرح بیٹھنا اور لومڑی کی طرح سجدہ میں سمٹنا اور اونٹ

کی طرح بیٹھنا اور درندوں کی طرح ہاتھ و بازو پھیلا دینا اوران ہیئات سے پرہیز کرنا جو اہل بلا اور متحیر لوگوں کو عارض ہوتی ہیں جیسے پہلو پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا

اوران میں سے ایک یہ ہے کہ عبادت نہایت اطمینان اور سکون سے ادا کی جائے اور اس میں وقار پایا جائے جیسے دونوں سجدوں کے بعد جلسہ استراحت اور قعدہ اولیٰ میں دائیں پاؤں کا کھڑا رکھنا اور بائیں کا لٹا لینا کیونکہ کھڑا ہونے کے لئے اس میں آسانی ہے، اور قعدہ ثانیہ میں سرین پر بیٹھنا کیونکہ اس میں زیادہ راحت ہے، اوراذکار کا مدار بھی چند باتوں پر ہے ان میں سے ایک نفس کو اس خضوع کے لئے بیدار کرنا ہے جس کے لئے یہ فعل مقرر کیا گیا ہے جیسے رکوع اور سجود کے اذکار، اوران میں سے ایک ذکر الٰہی کو باآواز بلند کہنا تاکہ لوگوں کو امام کا ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونا معلوم ہو جائے جیسے ہر دفعہ جھکتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا۔

اوران میں سے ایک یہ ہے کہ نماز میں کوئی حالت ذکر سے خالی نہ ہو جیسے تکبیرات اور قومہ اور جلسہ کے اذکار ہیں، پس جب تکبیر کہے تو دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ اس نے خدا تعالیٰ کے سوا سب سے اعراض کر لیا اور حیز مناجات میں داخل ہو گیا اور ان کو کانوں تک یا مونڈھوں تک اٹھائے اور یہ دونوں طریق مسنون ہیں، اس کے بعد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے اور دونوں قدم برابر رکھے، اور تعظیم کے لئے اور اس لئے کہ اجتماع خاطر کے ساتھ اجتماع اعضا بھی پایا جائے، نظر کو سجدہ کی جگہ پر جھکائے رکھے اور دعائے استفتاح پڑھے تاکہ حضور قلب پیدا ہو اور دل مناجات کی طرف مائل ہو اور اس بارے میں چند دعائیں صحیح صحیح وارد ہیں از ان جملہ یہ ہے: اے اللہ مجھ کو میری خطاؤں سے دور رکھ جس طرح تو نے مشرق کو مغرب سے دور رکھا، اے اللہ مجھ کو گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح کپڑے کو میل سے پاک کیا جاتا ہے: اے اللہ میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو دے۔

میں کہتا ہوں برف اور اولوں کے ساتھ دھونے سے مراد گناہوں کا دور کرنا ہے اور اس کے ساتھ سکون قلب اور اطمینان کا پیدا کرنا ہے، اور اہل عرب کہا کرتے ہیں **برد قلبہ** یعنی اس کا دل مطمئن ہو گیا اور **اتاہ الثلج** یعنی اس کو یقین آ گیا۔

اور از ان جملہ یہ ہے میں اس ذات کی طرف متوجہ ہوا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا،

حق کی طرف متوجہ ہونے والا بن کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز میری عبادت میری زندگی اور میری موت سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو ہر ہر عالم کا پروردگار ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سب سے پہلا مسلمان ہوں، اور ایک روایت میں ہے اور ”میں مسلمانوں میں سے ہوں“۔

ازاں جملہ یہ ہے **سبحنک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیر اللہ اکبر کبیرا**، تین بار **والحمد للہ کثیرا** تین بار، **سبحان بکرۃ واصیلا** تین بار، اس کے بعد تعوذ پڑھے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ”پس جب تو قرآن پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان رجیم سے پناہ مانگ

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ شیطان کا سب سے بڑا ضرر یہ ہے کہ کتاب الٰہی کے اندر اس تاویل کا وسوسہ ڈالنا ہے جو خدا کے نزدیک ناپسند ہے یا انسان کو اس کتاب کے اندر فکر کرنے سے باز رکھنا ہے، اور تعوذ کئی طرح سے مروی ہے ازاں جملہ **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** ہے، ازاں جملہ **اعوذ باللہ من الشیطان من نفخہ ونفثہ وھمزہ** ہے اس کے بعد آہستہ سے بسم اللہ پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے قرأت سے پیشتر اپنے نام سے برکت حاصل کرنے کو مقرر فرمایا ہے، اس کے علاوہ بسم اللہ کے پڑھ لینے میں احتیاط بھی ہے کیونکہ اس کے جز فاتحہ ہونے میں یا نہ ہونے میں مختلف روایتیں ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طریقہ سے ثابت ہے کہ آپ نماز کو یعنی قرأت کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

میں کہتا ہوں یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ نے بعض اوقات میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھا ہوتا کہ آپ لوگوں کو نماز کی سنت بتلا دیں اور ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخصوص صحابہ کو یہ اذکار تعلیم فرمایا کرتے تھے اور آپ ان اذکار کو یہ درجہ نہیں دیتے تھے کہ عام لوگوں سے ان کا مطالبہ کیا جائے اور ان کے ترک سے وہ قابل ملامت ہوں، امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی میرے نزدیک یہی تاویل ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے یہی سمجھا جاتا ہے انھوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قرأت کے درمیان کسی قدر سکوت فرمایا کرتے تھے، میں نے

عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں قرأت اور تکبیر کے درمیان جو سکوت آپ کرتے ہیں اس میں آپ کیا پڑھا کرتے ہیں؟

اس کے بعد سورہ فاتحہ اور کوئی سورت ترتیل کے ساتھ پڑھے یعنی حروف کو مد کے ساتھ ادا کرے اور آیات کے تمام ہونے پر ٹھیر جائے ظہر اور عصر میں قرأت آہستہ کرے اور فجر کی نماز میں اور مغرب وعشا کی پہلی دو رکعت میں امام قرأت پکار کر کرے اور مقتدی پر واجب ہے کہ خاموش کھڑا رہے اور قرآن سنتا رہے۔ پس اگر امام جہر کرتا ہے تو اس کے سکوت کے اوقات میں پڑھ لیا کرے اور اگر امام آہستہ پڑھ رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے پس اگر پڑھنا چاہے تو سورۂ فاتحہ کو اس طرح پڑھ لے کہ اس کے پڑھنے سے امام کو تشویش نہ ہو، اور میرے نزدیک یہ سب اقوال سے بہتر ہے اور اس کے ساتھ اس باب کی احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور اس میں راز وہی ہے جس کی تصریح کر دی گئی ہے کہ امام کے ساتھ قرآن پڑھنا امام کی تشویش کا سبب بنتا ہے اور اس سے قرآن کے اندر تدبر فوت ہو جاتا ہے اور وہ قرآن کی تعظیم کے خلاف ہے اور شارع نے لوگوں پر یہ واجب نہیں کیا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کو آہستہ پڑھا کریں اس واسطے کہ جب تمام اہل جماعت صحیح صحیح حروف ادا کرنے کی کوشش کریں گے تو ان سب کی ایک آواز پیدا ہوگی جو امام کے لئے خلجان کا باعث ہوگی اس واسطے خلجان پیدا کرنے والی شئے سے آپ نے تاکیداً نہی فرمادی اور جو منہی عنہ کی طرف مؤدی ہو اس کا آپ نے لوگوں کو حکم نہیں دیا اور ان کو اختیار دے دیا کہ جس سے ہو سکے وہ کرے اور یہ امت کے لئے بہت بڑی رحمت ہے، ظہر اور عصر کی نماز میں قرآن آہستہ پڑھنے میں یہ راز ہے کہ دن کے وقت بازاروں اور گھروں میں شور وغل ہوتا ہے اور ان دو وقتوں کے سوا اور اوقات میں آوازوں کو سکون ہو جاتا ہے اور جہر کے ساتھ پڑھنے میں لوگوں کو وعظ وتذکیر خوب اچھی طرح ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس وقت امام آمین کہے تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ مل جاتی ہے اس کے سب پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں“۔

میں کہتا ہوں مجالس ذکر میں فرشتے مشتاق ہو کر حاضر ہوتے ہیں اور لوگوں کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں کیونکہ ملاء اعلیٰ سے ان کے اوپر القا ہو جاتا ہے اور اس حدیث میں امام کی اقتدا کا

اظہار ہے اور اقتدا کا طریقہ قائم ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکوت مروی ہیں ایک سکوت تکبیر اور قرأت کے درمیان ہے تاکہ اس عرصہ میں تمام لوگ تکبیر تحریمہ کریں اور قرأت کے سننے پر بالقصد متوجہ ہو جائیں، اور ایک سکوت سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کی قرأت کے درمیان ہے، لوگوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بلا تشویش اور بلا ترک سکوت مقتدیوں کو قرأت آسان ہو جائے۔

میں کہتا ہوں اصحاب سنن نے آنحضرت سے جو حدیث روایت کی ہے اس سے صراحتاً وہ سکوت جو مقتدیوں کے پڑھنے کے لئے امام کرتا ہے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ سکوت آمین کہنے کے لئے ہے ان کے نزدیک جو آہستہ آمین کہتے ہیں یا جو آمین بالجہر کہتے ہیں ان کے نزدیک یہ ایک سکتہ لطیفہ ہے جو سورۂ فاتحہ اور آمین میں تمیز کر دیتا ہے تاکہ مقتدیوں کے آمین کہنے سے قرآن غیر قرآن کے ساتھ مخلوط نہ ہو جائے، یا یہ ہلکا سا سکتہ اس لئے ہے کہ قاری دم لے لے اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ سکوت قرأت مقتدی کے لئے ہے پھر بھی قرن اول کا اس کو نئی بات سمجھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کوئی سنت مستقرہ نہیں ہے اور نہ ان سنن میں سے ہے جن پر جمہور نے عمل کیا ہے، واللہ اعلم۔

اور فجر کی نماز میں ساٹھ آیت سے لیکر سو آیت تک پڑھنا چاہئے تاکہ اس کی کمی رکعات کا بدل طول قرأت سے ہو جائے اور کیونکہ ہنوز اشتغال معاش کی کدورت اس کے دل میں مستحکم نہیں ہے اس واسطے قرآن میں تدبر کرنے کے لئے اس فرصت کو غنیمت جانے اور عشا کی نماز میں **سبح اسم ربک الاعلی، واللیل اذا یغشی** اور ان جیسی سورتیں پڑھنی چاہئیں۔ اور حضرت معاذؓ کا قصہ اور آں حضرتؐ کا لوگوں کو نفرت دلانے سے ناراض ہونا مشہور ہی ہے، اور بعض روایات میں ظہر کی نماز کو فجر پر اور عصر کی نماز کو عشا پر محمول کیا ہے اور بعض روایات میں ظہر کی نماز کو عشا پر اور عصر کی نماز کو مغرب پر محمول کیا ہے اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھنا چاہئے کیونکہ وقت تنگ ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصلحت وقت کے لحاظ سے کبھی طول قرأت کرتے تھے اور کبھی تخفیف کیا کرتے تھے اور لوگوں کو تخفیف کا حکم اس لئے دیا ہے کہ جماعت میں ضعیف ہوتے ہیں، مریض ہوتے ہیں اور کام والے لوگ ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

چند فوائد کی وجہ سے بعض نمازوں میں بعض سورتوں کو پسند فرمایا ہے مگر ان نمازوں میں انہی سورتوں کا پڑھنا واجب نہیں کیا اور نہ ان کی تاکید کی پس جو ایسا کرے تو اس نے بہت اچھا کیا اور جو ایسا نہ کرے تو اس پر کچھ حرج نہیں مثلاً آپ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں سورۂ ق اور اقترب الساعۃ کی تلاوت پسند فرماتے تھے کیونکہ ان کا اسلوب بہت ہی انوکھا ہے اور ان میں عام مقاصد قرآن علی سبیل اختصار جمع ہیں، اور لوگوں کے اجتماع کے وقت ایسی ہی چیز کی ضرورت ہے یا آپ سبح اسم اور ھل اتاک پڑھا کرتے تھے اس واسطے کہ آپ تخفیف کا قصد فرماتے تھے اور ان کا اسلوب بھی بہت عمدہ ہے، اور جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان سورتوں میں ایک طرح کی مناسبت اور تحذیر پائی جاتی ہے اس واسطے کہ جمعہ کی نماز میں منافقین اور ہر طرح کے لوگ جو جمعہ کے سوا اور دنوں میں نہیں آتے جمع ہو جاتے ہیں، اور جمعہ کے روز نماز فجر میں الم تنزیل اور ھل اتی پڑھا کرتے تھے تا کہ قیامت اور اس کے واقعات لوگوں کو یاد دلائے جائیں اور جمعہ کے روز چوپائے ڈرتے رہتے ہیں کہ اسی روز قیامت واقع ہو جائے پس اسی طرح بنی آدم کو بھی مناسب ہے کہ اس دن سے ڈرتے رہیں اور جب قرآن پڑھنے والا سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھے تو اس کو سبحان ربی الاعلیٰ کہنا چاہئے اور جو شخص الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے تو اس کو بلیٰ وانا علی ذالک من الشاھدین کہنا چاہئے اور جو شخص الیس ذالک بقادر علی ان یحی الموتی پڑھے تو اس کو بلیٰ کہنا چاہئے اور جو شخص فبای حدیث بعدہ یومنون پڑھے تو اس کو امنا باللہ کہنا چاہئے، اور یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اس میں ادب اور مسارعت الی الخیر پائی جاتی ہے، پھر جب رکوع کرنا چاہے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک یا کانوں تک اٹھائے اور اسی طرح اس وقت رفع الیدین کرے جب رکوع سے اپنے سر کو اٹھائے اور سجدہ میں ایسا نہ کرے۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ رفع الیدین ایک تعظیمی فعل ہے جو نفس کو ان اشغال کے ترک کرنے پر جو نماز کے منافی ہیں، اور حیز مناجات میں داخل ہونے پر تنبیہ کرتا ہے پس تعظیمات ثلثہ میں سے ہر فعل کی ابتدا رفع الیدین سے مشروع ہوئی تا کہ از سر نو ہر مرتبہ نفس کو اس فعل کے ثمرہ پر آگاہی ہوتی رہے اور یہ ان ہیئات میں سے ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہے اور کبھی

ترک کیا ہے، اور دونوں میں سے ہر ایک سنت ہے، ان میں سے ہر ایک کو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے، اور رفع الیدین کا مسئلہ ان مسائل میں سے ایک ہے جن میں دونوں فریق اہل مدینہ اور اہل کوفہ کا اختلاف ہے اور ہر ایک کے پاس قوی دلیل ہے۔

میرے نزدیک ایسے مسائل میں حق یہ ہے کہ سب سنت ہیں اور اس کی نظیر وتر کو ایک رکعت کے ساتھ پڑھنا یا تین رکعت کے ساتھ پڑھنا ہے اور جو شخص رفع الیدین کرتا ہے میرے نزدیک رفع الیدین نہ کرنے والے سے بہتر ہے کیونکہ رفع الیدین والی احادیث اکثر اور خوب ثابت ہیں، مگر ایسی صورتوں میں انسان کو مناسب نہیں ہے کہ اپنے شہر کے عوام کا فتنہ اپنے اوپر لیوے، اسی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا ''اگر تیری قوم کو کفر ترک کئے تھوڑا زمانہ نہ ہوا ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیمؑ کی بنیاد کے موافق بناتا''۔ اور کچھ بعید نہیں ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا ہو کہ اخیر میں سنت متقررہ رفع الیدین کا ترک کرنا ہے کیونکہ انھوں نے خیال کیا کہ نماز کا مدار اعضا کے سکون پر ہے اور ان کو یہ معلوم نہ ہوئی کہ رفع الیدین ایک تعظیمی فعل ہے اور اسی وجہ سے نماز کی ابتدا اس سے کی گئی، یا انھوں نے یہ سمجھا ہو کہ رفع الیدین ایک ایسا فعل ہے جو ترک کو بتلاتا ہے۔ پس اس کا اثنا نماز میں ہونا مناسب نہیں ہے اور وہ یہ بات نہ سمجھے کہ نماز کے ہر فعل مقصود کے وقت بار بار نفس کو ماسوا اللہ کے ترک پر متنبہ کرنا ایک امر مطلوب ہے، واللہ اعلم۔

یہ قول کہ ''سجدہ میں جاتے وقت رفع الیدین نہ کرے''۔

اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ قومہ رکوع اور سجود میں فرق کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے پس قومہ کے وقت رفع الیدین کرنا سجدہ کے لئے ہی رفع الیدین کرنا ہے پس اس کو دوبارہ کرنے کے کوئی معنی نہیں، ہر دفعہ جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہے تاکہ نفس کو متنبہ مذکور حاصل ہوتا رہے اور تاکہ جماعت کے لوگ تکبیر کو سن کر امام کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا معلوم کرتے رہیں، رکوع کی ہیئات میں سے یہ ہے کہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو ان سے نیچے رکھے جس طرح کسی چیز کو ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور دونوں کہنیوں کو بدن سے دور رکھے اور بدن کو برابر رکھے کہ سر کو نہ اٹھا ہوا رکھے اور نہ نیچے کو جھکا ہوا رکھے۔

اور رکوع کے اذکار میں یہ آیا ہے: **سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی**، اور اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول پر عمل پایا جاتا ہے ”تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور اس سے بخشش طلب کر۔

اور ان اذکار میں سے یہ ہے ”**سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح**“ اور یہ ہے ”**سبحان ربی العظیم**، تین بار اور یہ ہے ”**اللھم لک رکعت وبک آمنت وبک اسلمت خشع لک سمعی و بصری فحی عظمی وعصبی.**

اور قومہ کی یہ صورت ہے کہ سیدھا کھڑا ہو جائے اور ہر ہر جوڑ اپنی جگہ پر آ جائے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، اور قومہ کے اذکار یہ ہیں۔ **سمع الله لمن حمده** اور **اللهم ربنا لک الحمد حمدا كثيراً طيبا مباركا فيه.**

اور ایک روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی آیا ہے: **ملأ السموت وملأ الارض وملأ ما شئت من شئ بعد.**

اور ایک روایت میں یہ عبارت زائد ہے۔ **اهل الثناء والمجد احق ماقال العبد وكلنا لک عبد اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطی لما منعت ولا ينفع ذا لجد منک الجد** اور قومہ کے اذکار میں سے یہ بھی ہے۔ **اللهم طهرنی بالثلج والبرد والماء البارد، اللهم طهرنی من الذنوب والخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس.**

صبح کی قنوت کے بارے میں احادیث اور صحابہ وتابعین کے اقوال مختلف ہیں اور میرے نزدیک قنوت اور ترک قنوت دونوں سنت ہیں اور جو شخص بڑے حادثہ کے وقت ہی قنوت پڑھے یا قنوت کے چند کلمات رکوع سے پہلے آہستہ سے پڑھ لیا کرے تو ایسا کرنا میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے کیونکہ احادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا رعل اور ذکوان پر بددعا کی تھی اور پھر ترک کر دی تھی اور اس سے اگرچہ قنوت کے بالکل منسوخ ہونے پر دلالت نہیں ہوتی لیکن اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ قنوت سنت مستقرہ نہیں ہے یا ہم کہتے ہیں کہ قنوت ہمیشہ کرنے کی چیز نہیں ہے چنانچہ ایک صحابی نے کہا تھا اے بیٹے یہ ایک نئی بات ہے یعنی ہمیشہ قنوت کرنا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء پر جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو رکوع کے بعد

یا رکوع سے پہلے مسلمانوں کے لئے دعا اور کفار پر بد دعا کرتے تھے اور اس کو کبھی ترک نہیں کیا یا یں معنی کہ حادثہ پیش آنے پر آپ اس کو عمل میں نہ لائے ہوں۔

اور سجدہ کرنے کی یہ صورت ہے کہ زمین پر ہاتھ رکھنے سے پیشتر اپنے دونوں گھٹنے ٹکائے اور کتے کی طرح اپنی باہیں زمین پر نہ پھیلائے اور اپنے دونوں بازوؤں کو بدن سے جدا رکھے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آسکے اور اپنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کی پوروں کو قبلہ کی طرف کو رکھے، اور سجدہ کے اذکار میں سے یہ ہے: سبحان ربي الاعلىٰ تین بار اور ان اذکار میں سے یہ ہے: **سبحانک اللهم ربنا وبحمدک اللهم اغفرلی** اور ان اذکار میں سے یہ ہے **اللهم لک سجدت وبک آمنت ولک اسلمت سجد وجهي للذی خلقه وصوره وشق سمعه وبصره فتبارک الله احسن الخالقين.**

اور ان اذکار میں سے یہ ہے: **سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح،** اور ان اذکار میں سے یہ ہے **اللهم اغفرلی ذنبی کله دقه وجله واوّله وآخره وعلانيته وسره.** اور ان اذکار میں سے یہ ہے کہ: **اللهم انی اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک واعوذبک منک الا احصی ثناء عليک انت کما اثنيت علی نفسک.**

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ربعہ بن کعب کو جبکہ انھوں نے جنت میں آپ کے ساتھ ہونے کی درخواست کی تھی جو یہ فرمایا ”کثرت سجود سے اپنے نفس پر تو میری مدد کر“ تو یہ اس لئے فرمایا تھا کہ سجدہ غایت درجہ کا تعظیمی فعل ہے پس سجدہ مومن کی معراج ہے اور اس کی ملکیت کا بہیمیت کی قید سے آزاد ہونے کا وقت ہے، اور جس نے اپنے اوپر رحمت الٰہی کے نزول کو جگہ دی تو گویا اس نے مفیض الخیر یعنی خدا تعالیٰ کی اعانت کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قیامت کے روز میری امت کی پیشانی سجدہ کی وجہ سے اور ان کے دست و پا وضو کی وجہ سے روشن ہوں گے“۔

میں کہتا ہوں عالم مثال کا مبنی ایک مناسبت پر ہے جو ارواح و اجسام میں پائی جاتی ہے جس طرح عالم مثال میں روزہ داروں کو کھانا کھانے سے روکنا اور جماع سے روکنا شرم گاہ اور منہ پر مہر لگانے کی صورت میں ظاہر ہوا اور دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے

بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے اور دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھے، اور اس کے اذکار میں سے یہ ہے: **اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وعافنی وارزقنی.**

اور قعدہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے، اور قعدہ اخیرہ کے اندر ایک روایت یہ بھی ہے کہ اپنے بائیں پاؤں کو باہر نکالے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے اور سرین پر بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھ لے اور یہ بھی آیا ہے کہ بائیں ہاتھ سے گھٹنے کو پکڑ لے اور ترپین کی شکل بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے اور یہ بھی مروی ہے کہ چھوٹی انگلی اور اس کے پاس والی انگلی کو سمیٹ لے اور درمیان کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اور شہادت کی انگلی اٹھانے میں راز یہ ہے کہ توحید کی طرف اشارہ ہوتا کہ قول وفعل میں مطابقت ہوجائے اور توحید کے معنی محسوس اور متشکل ہوجائیں اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب انگشت شہادت سے اشارہ نہ کرنا ہے تو وہ شخص خطا پر ہے اور اس کی اس بات پر نہ نقل شاہد ہے اور نہ عقل، یہ قول ابن ہمامؒ کا ہے، یہاں امام محمد رحمہ اللہ نے اس کو اپنی کتاب مبسوط میں ذکر نہیں کیا اور موطا میں اس کو ذکر کیا ہے، اور میں نے بعض ایسے لوگوں کو پایا ہے کہ جن کو ہمارے اس قول میں کہ ظاہر مذہب میں اشارہ نہیں ہے، اور ہمارے اس قول میں کہ ظاہر مذہب اشارہ نہ کرنا ہے، کچھ بھی تمیز نہیں ہے اور جہل وتعصب کی خرابیاں بے شمار ہیں، تشہد کے اندر مختلف روایات وارد ہیں ان میں سے سب سے زیادہ صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے اور اس کے بعد عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا تشہد ہے اور وہ سب قرآن کی قرائتوں کی طرح ہیں کہ ہر ایک شافی اور کافی ہے۔

اور درود کے کلمات میں صحیح تر یہ ہے: **اللھم صل علی محمد وعلی اٰل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی اٰل ابراھیم انک حمید مجید. اللھم بارک علی محمد وعلی اٰل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی اٰل ابراھیم انک حمید مجید،** اور **اللھم صل علی محمد وازواجه وذریته کما صلیت علی اٰل ابراھیم وبارک علی محمد وازواجه وذریته کما بارکت علی اٰل ابراھیم انک حمید مجید.**

اور تشہد کے بعد چند دعائیں مروی ہیں ازاں جملہ اللھم انی اعوذبک من عذاب جھنم واعوذبک من عذاب القبر واعوذبک من شر المسیح الدجال واعوذبک من فتنة المحیا والممات.

اور یہ دعا بھی وارد ہے: اللھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرة من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم.

اور یہ دعا بھی وارد ہے: اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسرت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر لا اله الا انت.

اور نماز کے بعد کے اذکار یہ ہیں: استغفر اللہ تین بار اور اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وھو علی کل شئ قدیر. اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد لا اله الا الله ولا نعبد الا ایاه وله النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن لا اله الا الله مخلصین له الدین ولکره الکافرون، اللھم انی اعوذبک من الجبن واعوذبک من البخل واعوذبک من ارذل العمر واعوذبک من فتنة الدنیا وعذاب القبر، پھر تینتیس بار سبحان اللہ اور تینتیس بار الحمدللہ اور چونتیس بار اللہ اکبر پڑھے اور یہ بھی روایت ہے کہ ہر ایک کو تینتیس بار پڑھے اور اس کے بعد سو کو پورا کرنے کو لا الٰه الا الله وحده لا شریک له، اخیر تک پڑھے اور ہر ایک کا پچیس پچیس بار پڑھنا بھی مروی ہے، تین تو وہ اور چہارم لا الٰہ الا اللہ اخیر تک اور ایک روایت یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ اور دس بار الحمدللہ اور دس بار اللہ اکبر پڑھے اور ہر ایک کا سو مرتبہ پڑھنا بھی مروی ہے اور تمام دعاؤں کا حال قرآن کی قرأت کا سا ہے ان میں سے جس کسی کو کوئی شخص پڑھے گا ثواب موعود پائے گا۔ اور اولی یہ ہے کہ ان اذکار کو نوافل سے قبل پڑھ لیا کرے کیونکہ بعض اذکار میں ایسی چیز آئی ہے جو ان کے قبل از نوافل پڑھنے پر صراحتاً دلالت کرتی ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو کوئی نماز پڑھنے سے پیشتر اور نماز

مغرب وصبح کے بعد نشست بدلنے سے پہلے لا الہ الا اللہ اخیر تک پڑھے، اور جیسا کہ راوی نے بیان کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تھے تو با آواز بلند لا الہ الا اللہ اخیر تک پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سے فارغ ہونا تکبیر سے معلوم کر لیتا تھا اور بعض حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ''ہر نماز کے بعد'' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ ''جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے تھے تو اس قدر بیٹھتے تھے جس میں صرف اللھم انت السلام پڑھ لیں، کئی وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے لیکن اس کے بعد دائیں یا بائیں طرف پھر جاتے تھے یا لوگوں کی طرف منہ کر لیتے تھے اور اذکار پڑھتے تھے تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ اذکار بھی نماز میں داخل ہیں۔

ازآں جملہ یہ ہے کہ آپ گاہے گاہے سوائے ان کلمات کے اور اذکار کو ترک کر دیتے تھے تا کہ لوگوں کو ان کا فرض نہ ہونا بتلا دیں اور کان کا مقتضی اس فعل کا بہت سی بار پایا جانا ہے نہ کہ ایک یا دو بار اور نہ ہی ہمیشہ کرنا اس کا مقتضی ہے۔''

اور نوافل میں اصل یہ ہے کہ اپنے گھر میں ادا کیا کرے اور اس میں سارا راز یہ ہے کہ فرض اور نوافل میں کسی ایسی چیز سے جو ان دونوں کی جنس سے نہیں ہے فصل ہو جائے اور وہ فصل بھی قابل اعتبار ہو جو بظاہر معلوم ہو سکے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے جو فرض نماز کے بعد نفل ملا کر پڑھنا چاہتا تھا یہ فرمایا ''بیٹھ جا کیونکہ اہل کتاب اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ ان کی نمازوں میں فصل نہیں تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب تجھ کو خدا تعالیٰ نے رائے صواب عطا کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''ان کو یعنی نوافل کو اپنے گھروں میں پڑھا کرو''۔ واللہ اعلم،

ان چیزوں کا بیان جو نماز میں ناجائز ہیں اور سجدہ سہو اور سجدہ تلاوت کا بیان

واضح ہو کہ نماز کی بنیاد خشوع اعضا، حضور قلب اور سوائے ذکر اللہ کے اور چیزوں سے زبان کے روکنے اور قرآن شریف کے پڑھنے پر ہے، پس جو ہیئت خشوع کے خلاف ہے اور جو کلمہ ذکر

الٰہی کے قبیل سے نہیں ہے وہ نماز کے منافی ہے کہ بغیر اس کو ترک کیے اور بغیر اس سے باز رہے نماز پوری نہیں ہوتی، لیکن یہ چیزیں متفاوت ہیں اور ہر نقصان نماز کو بالکل باطل نہیں کرتا اور اس بات کی تمیز کرنا کہ کون سی چیز نماز کو بالکل باطل کر دیتی ہے اور کون سی اس میں فی الجملہ نقصان پیدا کرتی ہے ایک تشریع ہے جو نص شارع کی طرف منقول ہے اور فقہا کے درمیان اس میں بہت کچھ بحث ہے اور احادیث صحیحہ کی ان کے کلام پر تطبیق مشکل ہے اور اس باب میں حدیث کے ساتھ وہ مذہب زیادہ موافق ہے جس میں گنجائش زیادہ ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ جس فعل کثیر سے مجلس بدل جائے اور قول کثیر جو بہت زیادہ ہو نماز میں نقصان پیدا کرتا ہے، قول کثیر کے متعلق یہ حدیث ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس نماز میں لوگوں کی بول چال میں سے کچھ درست نہیں ہے وہ تو صرف تسبیح و تکبیر اور قرأت قرآن ہے''۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب نہ دینے کی وجہ یہ بیان فرمائی ''بلا شک نماز میں نمازی کے لئے ایک شغل ہے''۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا تھا جو اپنے سجدہ کی جگہ سے مٹی کو صاف کرتا تھا کہ ''اگر تو کرتا ہے تو ایک دفعہ کر لے''۔ اور آپ نے خصر سے منع فرمایا اور وہ پہلو پر ہاتھ رکھنا ہے کیونکہ وہ دوزخیوں کی راحت ہے، یعنی یہ ان لوگوں کی ہیئت ہے جو مصیبت میں مبتلا، متحیر، مدہوش ہوتے ہیں۔ اور آپ نے ادھر ادھر دیکھنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ اچکنا ہے کہ بندہ کی نماز میں شیطان اچک لیتا ہے یعنی یہ فعل نماز کو ناقص کرتا ہے اور نماز کے کمال کے منافی ہے، اور آپ نے فرمایا ''جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے اس کو روکے اس لئے کہ شیطان اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے''۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ جمائی لینے میں اس بات کا احتمال ہے کہ مکھی وغیرہ اس کے منہ میں چلی جائے جس سے اس کا دل پریشان ہو جائے اور اصل مقصد سے اس کو روک دے، اور آپ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو ٹھیکریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے''۔ اور آپ نے فرمایا ''جب تک بندہ نماز میں کسی اور طرف التفات نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے پس جب وہ کسی اور طرف التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ نہیں رہتا''۔ اور اسی طرح وہ حدیث ہے جو نماز میں

بندہ کو خدا تعالیٰ کے جواب دینے کے بارے میں وارد ہے۔

میں کہتا ہوں یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش تمام بندوں پہ عام و فائض ہے اور اس کا بندوں میں متفاوت ہونا ان کی استعداد جبلی یا کسبی کے اعتبار سے ہے پس جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے لئے اس کی بخشش کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جب بندہ اس سے اعراض کرتا ہے تو اس سے محروم رہ جاتا ہے بلکہ اعراض کی وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نماز کے اندر چھینک، اونگھ اور جمائی لینا اور حیض، قئے اور نکسیر شیطان کی طرف سے ہے''۔

میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں نماز کے معنی اور اس کے مبنی کے منافی ہیں لیکن فعل کثیر سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر بہت سی چیزیں ان کی مشروعیت بیان کرنے کے واسطے کی ہیں اور بہت سی چیزوں کو جو لوگوں نے نماز کے اندر کی ہیں ثابت رکھا اور منع نہیں کیا پس ان سب افعال سے اور ان سے کم سے نماز باطل نہیں ہوتی، اور تلاش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑا سا کلام جیسے میں تجھ پر خدا کی لعنت کرتا ہوں، تین بار اور خدا تجھ پر رحم کرے اور تجھ کو تیری ماں روئے اور تمہارا کیا حال ہے جو تم میری طرف دیکھتے ہو اور تھوڑا سا گرفت کرنا جیسے اپنے بچے کو کندھے سے اتار دینا یا اس پر بٹھا لینا اور پاؤں کا دبانا اور جیسے دروازہ کا کھولنا، اور تھوڑا چلنا جیسے منبر کی سیڑھیوں سے اتر کر اس کے نیچے سجدہ کے لئے آنا اور امام کی جگہ سے ہٹ کر صف میں آنا اور سامنے کے دروازہ کی طرف جا کر اس کو کھول دینا اور خدا کے خوف سے رونا اور اشارہ کرنا جس سے کچھ سمجھا جائے اور سانپ بچھو کا مار ڈالنا اور بغیر گردن موڑنے کے دائیں بائیں دیکھنا، ان میں سے کوئی چیز نماز کو باطل نہیں کرتی۔

اور اسی طرح اس کے بدن یا کپڑے کو ناپاکی لگ جانا جبکہ وہ اس کے فعل سے نہ لگی ہو یا اس کو ناپاکی کا علم نہ ہو نماز کو فاسد نہیں کرتا واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں جب کہ انسان اپنی نماز میں کوئی قصور کرے دو سجدے کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کی کوتاہی کی تلافی ہو جائے پس اس کو قضا کے ساتھ بھی مناسبت ہے اور کفارہ کے ساتھ بھی مناسبت ہے۔

اور وہ مواضع جن میں نص حدیث سے سجدہ کرنا ثابت ہے چار ہیں، اول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو اس کو معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں تین یا چار تو وہ شک کی بات کو دور کرے اور جس مقدار پر یقین ہے اس پر نماز کی بنا کرے پھر سلام پھیرنے سے پیشتر دو سجدے کرے پس اگر اس نے پانچ پڑھی ہیں تو وہ ان دونوں سجدوں سے ان کو شفع کر لے گا اور اگر اس نے پڑھ کر چار کو پورا کیا ہے تو یہ دونوں سجدے شیطان کے لئے سرزنش ہیں''۔ یعنی نیکی میں زیادتی ہے، اور رکوع اور سجود میں شک کرنا بھی اسی حکم میں ہے۔

دوم یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پانچ رکعت پڑھی پس آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کیے، نماز کے اندر کسی رکن کا بڑھ جانا ایسا ہی ہے جیسے رکعت کا زیادہ ہو جانا۔

سوم یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا پس کسی صحابی نے اس کے بارے میں آپ سے عرض کیا تو جو رکعات رہ گئی تھیں وہ آپ نے پڑھ لیں پھر دو سجدے کر لئے اور یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت نے سلام پھیر دیا اور آپ کی ایک رکعت باقی تھی پھر اس کی بابت کسی نے عرض کیا تو آپ نے ایسا ہی کیا، اور جس فعل کا عمداً کرنا نماز کو باطل کر دیتا ہے اس کا سہواً کرنا اسی حکم میں ہے۔

چہارم یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت کے بعد بجائے بیٹھنے کے کھڑے ہو گئے حتی کہ جب آپ نماز پوری کر چکے تو سلام پھیرنے سے پہلے آپ نے دو سجدے کر لئے، قعدہ کے اندر تشہد کا نہ پڑھنا بھی اسی حکم میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب امام دو رکعت میں کھڑا ہو جائے پس اگر سیدھا کھڑے ہونے سے پیشتر اس کو یاد آ جائے تو بیٹھ جائے اور اگر سیدھا کھڑا ہو جائے تو نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کر لے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ کھڑا ہو گیا تو قعدہ فوت ہو گیا پس اگر وہ لوٹ آئے تو میں اس کے بطلان نماز کا حکم نہیں دیتا اور حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ جو سیدھا ہونے کے قریب ہو اور ہنوز سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو تو وہ بیٹھ جائے اور یہ عام فقہا کے خلاف ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے جو ایسی آیت پڑھے جس میں سجدہ کا حکم ہے یا سجدہ کرنے والے کے ثواب اور اس کے منکر کے عذاب کا بیان ہے یہ حکم فرمایا کہ اپنے رب کے

کلام کی تعظیم کے لئے اور خیر کی طرف سرعت کرنے کے لئے سجدہ کرے، اور جن مواضع میں ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کرنے کا حکم ہے وہ ان میں سے نہیں ہے کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرنے میں ہے، اور جن آیات میں نص سے سجدہ کرنا ثابت ہے وہ چودہ یا پندرہ آیات ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھ کر یہ بیان کیا کہ یہ سجدے مستحب ہیں اور واجب نہیں ہیں پس سامعین میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا بلکہ سب نے ان کا قول تسلیم کر لیا۔

اور اس حدیث کی تاویل کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ تمام مسلمان اور مشرکین اور جن اور انس نے سجدہ کیا، میرے نزدیک یہ ہے کہ اس وقت میں حق خوب ظاہر اور روشن ہو گیا تھا پس کسی کو سوائے نیازمندی اور تابعداری کے کچھ چارہ نہ تھا پس جب وہ اپنی اپنی طبیعت کی طرف آئے تو جو کافر تھا وہ کافر ہو گیا اور جو مسلمان تھا وہ مسلمان رہا۔

اور ایک بوڑھے قریشی (۱) نے اس رحمت عامہ کو اس وجہ سے قبول نہیں کیا کہ اس کے دل پر مضبوط مہر لگی ہوئی تھی اور بجائے سجدہ کرنے کے مٹی اٹھا کر پیشانی تک لے گیا پس اس کو جلدی یہ سزا ملی کہ جنگ بدر میں مارا گیا، اور سجدہ تلاوت کے اذکار میں سے یہ ہے: **سجد وجهي للذي خلقه وشق سمعه وبصره بحوله وقوته.**

اور از اں جملہ یہ ہے: **اللهم اكتب لي بها عندك اجراً وضع بها عني وزرا واجعلها لي عندك ذخرا وتقبلها مني كما تقبلتها من عبدك داؤد.**

نوافل کا بیان

جبکہ اس رحمت کا جس کا شرائع کے اندر لحاظ رکھا گیا ہے مقتضی یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ضروری چیزیں بیان کر دی جائیں اور وہ چیزیں بھی بتلا دی جائیں جن سے طاعت کا پورا پورا فائدہ ان کو حاصل ہو سکے تاکہ ہر شخص اپنا حصہ حاصل کر سکے اور جو شخص دنیوی کاروبار میں مصروف رہتا ہے وہ ضروری باتوں کو اپنے ذمہ لازم کر لے اور جو شخص دنیوی کاروبار سے فارغ ہے اور اپنے نفس کی اصلاح اور آخرت کی اصلاح چاہتا ہے وہ کامل طور سے ان عبادات کو ادا کرے اس واسطے عنایت تشریعیہ اس طرف متوجہ ہوئی کہ ان کے لئے نفل نمازیں اور ان کے اوقات کی پابندی ان

---

(۱) ابوجہل

اسباب اور اوقات کے ساتھ بیان کر دی جائے جو ان نمازوں کے مناسب ہے اور لوگوں کو ان پر ابھارا جائے اور ان کی ترغیب دی جائے اور ان کے فوائد بیان کئے جائیں اور اس نفل نماز کی بھی اجمالاً ترغیب دی جائے جس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں، مگر جبکہ کوئی مانع موجود ہو جیسے وہ اوقات جن میں نماز کا پڑھنا منع ہے، پس من جملہ ان نوافل کے وہ نوافل ہیں جو فرائض کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، اور ان میں اصل یہ ہے کہ اشغال دنیویہ چونکہ ذکر الٰہی کو بھلاتے ہیں اور اذکار کے اندر تدبر کرنے سے اور عبادات کا ثمرہ حاصل کرنے سے روکتے ہیں کیونکہ ان اشغال سے ہیئت بہیمیہ کا جماؤ سخت دلی اور ملکیت کے لئے دباؤ پیدا ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ ان کے لئے کدورت صاف کرنے والی شئے مشروع ہو جس کو فرائض سے پہلے عمل میں لائیں تا کہ فرائض کے اندر ایسے وقت میں شروع پایا جائے جبکہ قلب اشغال سے خالی ہو اور جمع خاطر ہو، اور بسا اوقات انسان نماز پڑھتا ہے اور اس کو پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے ''بہت سے نمازیوں کو ان کی نماز سے صرف نصف، تہائی، چوتھائی ثواب ملتا ہے''۔ پس ضروری ہوا کہ فرائض کے بعد مقصود کی تکمیل کے لئے اور نماز مقرر کی جائے، اور ان سب سنن میں موکدہ دس یا بارہ رکعات ہیں جو اوقات پنج گانہ پر منقسم ہیں اور یہ اس لئے کہ جس قدر اصلی رکعات ہیں اسی قدر زیادہ کرنا مقصود ہوا اور وہ گیارہ رکعات ہیں لیکن وہ شفع ہیں، پس دو عددوں میں سے ایک عدد اختیار کر لیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے بارہ رکعت رات دن میں پڑھیں اس کے لئے جنت میں گھر بنایا گیا''۔

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے اپنے لئے رحمت کا ایک بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صبح کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں''۔

میں کہتا ہوں کہ دو رکعتوں کے بہتر ہونے کا سبب یہ ہے کہ دنیا فانی ہے اور اس کی نعمتیں رنج و مصیبت کی کدورتوں سے خالی نہیں ہیں اور ان دو رکعتوں کا ثواب ایسا باقی ہے جو مکدر نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے جماعت سے صبح کی نماز پڑھی پھر طلوع آفتاب

تک بیٹھا ذکر الٰہی کرتا رہا پھر دو رکعت پڑھی تو اس کو حج اور عمرہ کے برابر ثواب ملے گا"۔

میں کہتا ہوں یہ وہ اعتکاف ہے جو ہر دن کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون فرمایا ہے اور اعتکاف کے فوائد پہلے بیان ہو چکے ہیں، ظہر سے پہلے چار رکعت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں" اور آپ نے فرمایا "وہ ایسی ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پس میں چاہتا ہوں میرے نیک عمل آسمانوں میں چڑھیں" اور آپ نے فرمایا "ہر چیز اس وقت تسبیح کرتی ہے"۔

میں کہتا ہوں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس ذات کی قسم جو وقت کی قید سے پاک ہے خاص خاص اوقات میں تجلیات ہوتی ہیں اور بعض اوقات میں تمام عالم میں روحانیت پھیلتی ہے پس اس فصل کی طرف رجوع کیجئے۔

اور جمعہ کے بعد اس شخص کے لئے جو مسجد میں پڑھے چار رکعتیں اور اس شخص کے لئے جو گھر میں پڑھے دو رکعتیں اس لئے مسنون ہیں کہ مجمع عام میں جمعہ کی نماز کے ہی وقت میں اور اس کی جگہ میں جمعہ کی نماز کے مثل کوئی اور نماز نہ پائی جائے کیونکہ اس سے عوام کو جماعت سے اعراض کا گمان اور اسی طرح کے اوہام پیدا ہوتے ہیں اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ کوئی نماز دوسری نماز کے ساتھ نہ ملائی جائے جب تک کہ کلام نہ کرلے یا باہر نہ آجائے اور عصر سے پہلے چار رکعتیں اور مغرب کے بعد چھ رکعتیں مروی ہیں اور فجر کے بعد کوئی سنت نہیں ہے کیونکہ اس وقت نماز کی جگہ اشراق کی نماز تک بیٹھنا مسنون ہے پس اس سے مقصود حاصل ہو گیا، اور یہ بات بھی ہے کہ اس کے بعد نماز پڑھنے سے مجوس کے ساتھ مشابہت کا دروازہ کھلتا ہے اور اسی مشابہت کی وجہ سے عصر کے بعد بھی کوئی نماز مسنون نہ ہوئی اور ازاں جملہ رات کے نوافل ہیں۔

واضح ہو کہ رات کا اخیر وقت ایسا ہوتا ہے جس میں تمام اشغال مشوشہ سے قلب کو صفائی اور دل کو جمعیت ہوتی ہے اور شور وغل سے خموشی ہوتی ہے اور لوگ سوتے ہوتے ہیں اور اس وقت میں ریاکاری اور سمعہ نہیں ہوتا اور نماز کے لئے بہترین وقت وہ ہے جس میں قلب کو فراغت ہو اور دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "رات کو اس وقت نماز پڑھو کہ لوگ سوتے ہوں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" بے شک رات کا اٹھنا نفس بہیمی کو سخت پامال کرتا ہے اور

اس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے بے شک دن کے وقت تمہیں اور بہت سے شغل ہوتے ہیں"۔ اور یہ بھی ہے کہ وہ وقت نزول رحمت کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت میں رب کو بندے سے نہایت قرب ہوتا ہے جیسا کہ ہم اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور یہ بھی ہے کہ اس وقت کی بیداری میں قوت بہیمیہ کے ضعیف کرنے کے لئے ایک عجیب خاصیت ہے اور وہ بہ منزلہ تریاق کے ہے اور اسی لئے تمام لوگوں کا دستور ہے کہ جب وہ درندوں کو تابع کرنا چاہتے ہیں اور ان کو شکار کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو وہ بغیر نیند سے باز رکھے اور بغیر بھوکا رکھے نہیں کر سکتے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک اس جاگنے میں مشقت اور گرانی ہے" الحدیث، اس واسطے تہجد کی نماز کی طرف شارع کو بہت اہتمام ہوا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فضائل بیان فرمائے اور اس کے آداب واذ کار منضبط کر دیئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جب کوئی شخص سوتا ہے تو شیطان اس کی گردن پر تین گرہیں لگا دیتا ہے"۔ الحدیث

میں کہتا ہوں شیطان اس کے دل میں نیند کی لذت ڈالتا ہے اور اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی رات بڑی ہے اور اس کا یہ وسوسہ بہت مضبوط ہوتا ہے اور بغیر ایسی تدبیر بلیغ کے جس سے نیند دفع ہو اور جس سے خدا کی طرف توجہ کا دروازہ کھلے وہ وسوسہ دور نہیں ہوتا اس واسطے یہ بات مسنون کی گئی کہ جب خواب سے بیدار ہو اور آنکھیں ملے تو ذکر الٰہی کرے اور اس کے بعد وضو کرے اور مسواک کرے پھر ہلکی سی دو رکعت پڑھے بعد ازاں آداب واذ کار سے جس قدر چاہے پڑھتا رہے، اور میں نے ان تین گرہوں کا تجربہ کیا ہے اور ان گرہوں کے لگنے کو اور ان کی تاثیر کو دیکھا ہے اس کے ساتھ ساتھ میں اس وقت یہ جانتا تھا کہ وہ شیطان کی طرف سے ہے اور اس وقت مجھ کو یہ حدیث بھی یاد تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا میں بہت سی پہننے والیاں یعنی طرح طرح کے لباس پہننے والیاں آخرت میں ننگی ہوں گی"۔ یعنی فضائل نفسانیہ کے خالی ہونے کے سبب سے ان کو پوری جزا ملے گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ آپ رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوئے "دیکھو آج کی رات آسمان سے کیسے کیسے خزانے اتارے گئے"۔ الحدیث،

میں کہتا ہوں یہ اس بات پر صریح دلیل ہے کہ معانی متشکل ہوتے ہیں اور اپنے وجود حسی سے پیشتر زمین کی طرف نازل ہوتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تبارک وتعالی

آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے'' الحدیث،

علما کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ آوازوں کے سکون کی وجہ سے جو حضور قلب میں خلل انداز ہوتی ہیں اور مشاغل مشوشہ سے دل کے صاف ہونے اور ریا کا احتمال نہ ہونے کے سبب سے اس وقت نفوس طلب نزول رحمت کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں، اور میرے نزدیک اس کے ساتھ ایک اور چیز کی طرف بھی اشارہ ہے جو قلب کے اندر پیدا ہوتی ہے جس کو نزول کے ساتھ تعبیر کیا جا سکتا ہے اور اس کی طرف کسی قدر ہم نے اشارہ بھی کر دیا ہے انہیں دو اسرار کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اخیر شب میں اللہ تعالیٰ بندہ سے نہایت ہی قریب ہوتا ہے'' اور آپ نے فرمایا ''بے شک رات میں ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ اس وقت بندہ جو کچھ بھلائی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے وہ اس کو عطا کرتا ہے''۔ اور آپ نے فرمایا ''شب میں اٹھنے کا التزام کرو کیونکہ یہ صالحین کی عادت ہے جو تم سے پہلے تھے اور وہ تمہارے لئے تمہارے رب کی جانب قربت ہے اور وہ تمہاری برائیوں کا دور کرنے والا اور گناہ سے روکنے والا ہے۔

گناہوں کے دور کرنے اور ان سے باز رکھنے وغیرہ کے اسرار ہم بیان کر چکے ہیں وہاں ان کو دیکھنا چاہئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اپنے بستر پر باوضو آئے اور ذکر الٰہی کرتے کرتے سو جائے تو رات کی جس ساعت میں کروٹ لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی کسی بھلائی کو مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمائے گا''۔

میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ جو شخص احسان کی حالت پر جو تشبہ بالملکوت اور باری تعالیٰ کی کبریائی پر تنبہ کو جامع ہے، سوئے گا تو تمام رات اسی حالت پر رہے گا اور اس کا نفس عباد مقربین کے زمرہ میں ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا، اور تہجد میں مسنون یہ ہے کہ جب خواب سے بیدار ہو تو وضو کرنے سے پہلے ذکر الٰہی کرے اور وہ ذکر الٰہی کئی طرح سے مروی ہے، ازآں جملہ یہ ہے: اللھم لک الحمد انت قیم السمٰوات و الارض و من فیھن ولک الحمد انت نور السمٰوات والارض ومن فیھن، ولک الحمد انت ملک السمٰوات والارض و من فیھن ولک الحمد انت الحق ووعدک الحق ولقاؤک حق وقولک حق والجنۃ حق والنار حق والنبیون حق ومحمد حق

والساعة حق اللهم لک اسلمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت و الیک حاکمت فاغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر لا اله الا انت ولا اله غیرک.

اور ازآں جملہ یہ ہے کہ **الله کبر** دس بار اور **الحمد لله** دس بار کہے اور **سبحان الله وبحمده** دس بار کہے اور **سبحان الملک القدوس** دس بار کہے اور **استغفر الله** دس بار اور **لا اله الا الله** دس بار کہے اس کے بعد دس بار یہ پڑھے۔ **اللهم انی اعوذبک من ضیق الدنیا وضیق یوم القیٰمة.** اور ازآں جملہ یہ ہے: **لا اله الا انت سبحانک اللهم وبحمدک استغفرک لذنبی واسألک رحمتک اللهم زدنی علما ولا تزغ قلبی بعد هدیتنی وهب لی من لدنک رحمة انک انت الوهاب.**

اور ازآں جملہ یہ ہے کہ یہ آیت پڑھے: **ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنهار لاٰیات لاولی الالباب،** اخیر سورة تک اس کے بعد مسواک کرے اور وضو کرے اور وتر سمیت گیارہ یا تیرہ رکعتیں پڑھے۔

نماز تہجد کے آداب

اور نماز تہجد کے آداب میں سے یہ ہے کہ ان اذکار پر مداومت کرے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان نماز میں مسنون کیا ہے اور دو رکعت پر سلام پھیرے پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر یارب یارب کہے اور خوب دعا مانگے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں یہ کہتے تھے: **اللهم اجعل فی قلبی نوراً و فی بصری نوراً وفی سمعی نوراً وعن یمینی نوراً وعن یساری نوراً وفوقی نوراً وتحتی نوراً وامامی نوراً وخلفی نوراً واجعل لی نوراً.**

اور اس نماز تہجد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی طریقوں سے پڑھا ہے اور سب طریقے مسنون ہیں، اور اصل یہ ہے کہ شب کی نماز وتر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے یہی معنی ہیں۔ ”تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری ایک نماز کے ساتھ مدد کی ہے اور وہ وتر ہے پس اس کو عشا سے فجر تک کے درمیان پڑھ لیا کرو“ اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طاق اس واسطے مقرر کیا ہے

کہ طاق مبارک عدد ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے اس واسطے اے اہل قرآن تم نماز طاق پڑھا کرو'' لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ نماز تہجد کے لئے اٹھنے میں مشقت ہوتی ہے اور اس کی برداشت وہی کر سکتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے توفیق عطا کی ہو اس لئے اس کو تمام امت پر لازم نہیں کیا اور اول رات میں وتر پڑھنے کی اجازت دی اور تاخیر سے پڑھنے کی رغبت دلائی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کو یہ خوف ہو کہ اخیر شب میں نہ اٹھ سکے گا تو اوّل شب میں وتر پڑھ لے اور جس کو اخیر شب میں پڑھنے کی امید ہو تو وہ اخیر شب میں وتر پڑھے کیونکہ شب کی نماز پر ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور وہ افضل ہے''۔

اور حق یہ ہے کہ وتر سنت ہیں اور وہ سب سنتوں سے زیادہ موکد ہیں، حضرت علی، ابن عمر اور عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم نے اس کو بیان کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خدا تعالیٰ نے تم کو ایک ایسی نماز زیادہ دی جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے''۔

میں کہتا ہوں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نماز کی وہ مقدار فرض کی ہے جس کو وہ ادا کر سکیں پس اولاً ان پر گیارہ رکعتیں فرض کیں بعد ازاں حضر کے اندر باقی رکعات سے ان کو پورا کر دیا پھر محسنین کے لئے ان کو وتر کے ساتھ اور بڑھا دیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جانتے تھے کہ جو لوگ احسان کے درجہ کی استعداد رکھتے ہیں وہ زائد مقدار کے حاجت مند ہیں اس واسطے اصل نماز کے برابر گیارہ رکعتیں زیادہ کر دیں اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اعرابی سے کہا تھا کہ تیرے لئے اور تیرے ساتھیوں کے لئے یہ نہیں ہیں اور وتر کے اذکار میں سے وہ کلمات ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو تعلیم فرمائے پس آپ قنوت وتر میں یہ پڑھا کرتے تھے: اللهم اهدني فيمن هديت وعافني فيمن عافيت وتولني فيمن توليت وبارک لي فيما اعطيت وقني شر ما قضيت فانک تقضي ولا يقضي عليک انه لايذل من واليت ولا يعز من عاديت تبارکت ربنا وتعاليت،

اور ان اذکار میں سے یہ ہے جس کو آپ آخر میں پڑھتے: اللهم اني اعوذ برضاک من سخطک و اعوذ بمعافاتک من عقوبتک واعوذبک منک لا احصي

ثناءً ا علیک انت کما اثنیت علی نفسک.

اوران اذکار میں سے یہ ہے جس کو آپ سلام پھیرنے کے بعد پڑھتے تھے: **سبحان الملک القدوس** تین بار، تیسری مرتبہ میں آپ باواز بلند کہتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کی تین رکعت پڑھتے تھے تو پہلی رکعت میں سورہ **سبح اسم ربک الاعلیٰ** اور دوسری رکعت میں سورہ **قل یا ایھا الکفرون** اور تیسری رکعت میں سورہ **قل ھو اللہ احمد** اور سورہ **قل اعوذ برب الفلق** اور سورہ **قل اعوذ برب الناس** پڑھتے تھے۔

اوران نوافل میں سے ماہ رمضان میں نماز تراویح کا قیام ہے اور اس کے مشروع ہونے میں یہ راز ہے کہ رمضان سے شارع کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان ملائکہ کے ساتھ ملحق ہو جائیں اور اوصاف میں ان کے مشابہ ہو جائیں پس اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درجوں میں کر دیا ایک درجہ عوام کا ہے اور وہ رمضان کے روزے رکھنا اور فرائض پر اکتفا کرنا ہے اور دوسرا درجہ محسنین کا ہے اور وہ رمضان کے روزہ رکھنا، راتوں میں عبادت کرنا اور اعتکاف کے ساتھ زبان کو بچانا اور عشرہ اخیرہ میں نہایت آمادگی ظاہر کرنا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ تمام امت اس درجہ علیا پر قائم نہ ہو سکے گی اور یہ ضروری تھا کہ ہر شخص اپنی طاقت کے موافق عمل کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کام کو تم نے ہمیشہ کیا میں اس کو دیکھتا رہا ہوں یہاں تک کہ مجھ کو خوف ہوا کہ کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے اور اگر فرض ہو جاتا تو تم سے نہ ہو سکتا''۔

واضح ہو کہ عبادات کی توقیت بندوں پر اسی قدر ہوتی ہے جس سے ان کے دل مطمئن رہیں اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں اوائل امت اس کی عادی نہ ہو جائے پس اس سے ان کے دل مطمئن ہو جائیں اور عبادات میں کمی کرنے سے اپنے دل میں طاعت الٰہی میں کوتاہی سمجھیں یا وہ عبادت شعائر دین میں داخل ہو جائے اور ان پر فرض ہو جائے اور اس کے متعلق قرآن نازل ہو جائے پھر خیر امت پر وہ ناقابل برداشت ہو جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خائف نہ ہوئے یہاں تک کہ آپ نے فراست سے یہ معلوم کرلیا کہ رحمت تشریعیہ ان کو ملائکہ کے مشابہ بنانا چاہتی ہے اور یہ کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ ان میں ذرا سی تشہیر ہے اور ان کے مطمئن ہو جانے سے اور التزام کرنے سے قرآن نازل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی فراست کو سچ کر دکھایا کہ آپ کے بعد مومنین کے دلوں میں اس پر التزام کرنے کا الہام کر دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کے اندر قیام کیا تو اس کے سب پہلے گناہ بخشے گئے'' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس درجہ کو حاصل کر کے اپنے نفس کو ان برکات الٰہیہ کا مورد بنالیا جو ظہور ملکیت اور گناہوں کے مٹنے کا باعث ہیں، صحابہ اور تابعین نے قیام رمضان میں تین چیزیں اور زیادہ کی ہیں، اوّل مساجد میں اس قیام کے لئے جمع ہونا تا کہ ہر خاص وعام کو آسان ہو جائے، دوم اوّل شب میں ادا کرنا باوجودیکہ سب لوگ کہتے ہیں کہ اخیر شب کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ افضل ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی آسانی پر جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں متنبہ کیا ہے، سوم بیس رکعت کے ساتھ اس کی تعداد مقرر کرنا، اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے محسنین کے لئے تمام سال میں گیارہ رکعتیں مقرر کی ہیں پس اس پر انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ رمضان کے اندر مسلمان کا حصہ جبکہ وہ تشبہ بالملکوت کے سمندر میں داخل ہونے کا قصد کرے گیارہ رکعت کے دو چند سے کم نہیں ہونا چاہئے۔

اور ان نوافل میں سے چاشت کی نماز ہے اور اس میں یہ راز ہے کہ حکمت الٰہیہ کا مقتضی ہوا کہ دن کے چاروں حصوں میں سے کوئی حصہ نماز سے خالی نہ ہو جو اس کو وہ ذکر الٰہی جو بھول گیا ہے یاد دلادے کیونکہ چوتھائی حصہ تین ساعت کا ہے اور یہ تین ساعت اس مقدار کی جو دن کے حصوں میں تمام عرب وعجم کے نزدیک مستعمل ہے پہلی کثرت ہے اور اسی لئے چاشت کی نماز ان صالحین کی سنت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر تھے اور نیز دن کا اول حصہ روزی تلاش کرنے کا اور معاش میں سعی کرنے کا ہوتا ہے اس واسطے اس وقت میں ایک نماز مسنون کی تا کہ وہ اس غفلت کے زہر کا تریاق ہو جائے جو اس وقت میں نفس پر طاری ہوئی ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار میں جانے والے کے لئے **لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ** اخیر تک پڑھنا مسنون کیا۔

چاشت کی نماز کے لئے تین درجے ہیں اس کا اقل درجہ دو رکعتیں ہیں اور اس میں یہ بات

حاصل ہوجاتی ہے کہ یہ نماز ان صدقات کا بدلہ ہوجاتی ہے جو بنی آدم پر ہر ہر عضو کے مقابلہ میں واجب ہے اور یہ اس لئے کہ ہر عضو کا اس کی صحت پر جو اس کے مناسب ہے باقی رکھنا خدا تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جس کے شکریہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے حسنات کر کے حمد کرنا واجب ہے اور نماز تمام نیکیوں سے بڑھ کر عبادت ہے جو تمام اعضاء ظاہرہ اور قوی باطنہ سے ادا ہوتی ہے۔

اس کا دوسرا درجہ چار رکعات ہیں اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے منقول ہے "اے ابن آدم تو اول دن میں میرے لئے چار رکعت ادا کر میں اخیر دن تک تیرے لئے کافی ہوں گا"۔

میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ تہذیب نفس کے لئے یہ ایک کامل نصاب ہے اگرچہ اخیر دن تک اس جیسا کوئی اور عمل نہ کرے۔ اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ چار رکعت سے زیادہ پڑھنا مثلاً آٹھ رکعات یا بارہ رکعات، اور چاشت کامل کا وقت وہ ہے کہ جب دن چڑھ جائے اور اونٹنیوں کے بچے گرمی کے سبب سے بیٹھ جائیں۔

ان نوافل میں سے نماز استخارہ ہے، اہل جاہلیت کی یہ عادت تھی کہ جب ان کو کوئی حاجت مثلاً سفر یا نکاح یا بیع کی پیش آتی تھی تو وہ تیر ڈالا کرتے تھے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کیونکہ وہ ایک بے اصل اور محض اتفاقی چیز ہے اور نیز اس میں اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا پایا جاتا ہے کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھ کو میرے رب نے یہ حکم دیا اور مجھ کو میرے رب نے اس سے منع کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بجائے استخارہ مقرر فرمایا کیونکہ جب انسان اپنے رب سے کسی شئے کے علم کا فیضان چاہتا ہے اور اس امر میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کا انکشاف چاہتا ہے اور اس کا دل اس کے دروازہ پر قیام چاہتا ہے تو بلا تاخیر سر الٰہی کا فیضان ہوجاتا ہے، اور نیز استخارہ کے بڑے فوائد میں سے یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی مراد کو فنا کر دیتا ہے اور اس کی بہیمیت ملکیت کے تابع ہوجاتی ہے اور وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے پس جب وہ ایسا کرتا ہے تو اس کی حالت فرشتوں کی سی ہوجاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے الہام کے منتظر رہتے ہیں پس جب ان کو الہام ہوتا ہے تو وہ اس کام میں ارادہ خداوندی کی وجہ سے سعی کرتے ہیں نہ کہ نفسانی ارادہ کی وجہ سے۔

اور میرے نزدیک امور میں کثرت سے استخارہ کرنا ملائکہ کے ساتھ مشابہت حاصل کرنے کے لئے تریاق مجرب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استخارہ کے آداب اور دعا کو منضبط کر دیا ہے،

پس اولاً دو رکعت نماز مشروع فرمائی اور یہ دعا تعلیم فرمائی: اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسألک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبة امری، یا آپ نے یہ فرمایا: فی عاجل امری واجله فاقدره لی ویسره لی ثم بارک لی فیه، وان کنت تعلم ان ھذا الامر شر لی فی دینی ومعاشی وعاقبة امری، یا یہ فرمایا: فی عاجل امری واجله فاصرفه عنی واصرفنی عنه واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی به، اور اپنی حاجت کا نام لے۔

ان نوافل میں سے نماز حاجت ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ لوگوں سے مدد چاہنا اور ان سے اپنی حاجت طلب کرنا اس بات کا مظنہ ہے کہ یہ شخص غیر اللہ سے مدد چاہنے کو جائز سمجھتا ہے پس یہ صورت توحید استعانت میں مخل ہے اس واسطے آپ نے لوگوں کے لئے نماز و دعا شروع کی تا کہ ان سے یہ شر دور ہو اور وقوع حاجت حالت احسان میں اس کی موئید ہو جائے پس ان کے لئے مسنون یہ ہے کہ اوّل دو رکعت پڑھیں پھر خدا کی ثنا کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں پھر کہیں: لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العالمین اسألک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمة من کل بر والسلامة من کل اثم لاتدع لی ذنباً الا غفرته ولا ھما الا فرجته ولا حاجة ھی لک رضا الا قضیتھا یا ارحم الراحمین،

اور ان نوافل میں سے نماز توبہ ہے اور اس میں مگر پانچ وقتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، ان پانچ اوقات میں سے تین اوقات میں باقی دو وقتوں کی بہ نسبت بہت سخت ممانعت ہے اور وہ تین وقت یہ ہیں ایک وہ وقت ہے کہ آفتاب برآمد ہو حتی کہ بلند ہو جائے، دوسرا وہ وقت ہے کہ بالکل دوپہر ہو حتی کہ سورج ڈھل جائے، تیسرا وہ وقت ہے کہ آفتاب قریب الغروب ہو حتی کہ بالکل چھپ جائے کیونکہ یہ اوقات مجوس کی نماز کے ہیں اور وہ ایسی قوم ہے جنھوں نے دین کو بدل ڈالا اور اللہ تعالی کو چھوڑ کر آفتاب کی پرستش کرنے لگے اور ان کے اوپر شیطان کا غلبہ ہو گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا یہی مطلب ہے ”جب آفتاب طلوع

ہوتا ہے"۔ تو شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں لہٰذا ضروری ہوا کہ عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت کے اندر باعتبار وقت کے بھی ملت اسلام ملت کفر سے جدا اور ممتاز ہو، ان تین کے علاوہ دو اوقات یہ ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے"۔

میں کہتا ہوں ان دونوں وقتوں میں نماز پڑھنے سے اس لئے منع فرمایا کہ ان میں نماز پڑھنے سے ان تینوں اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھنے کی راہ نکل آتی ہے اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں وقتوں میں کبھی کبھی نماز پڑھی ہے کیونکہ آپ ان اوقات میں داخل ہونے سے محفوظ تھے اور جمعہ کے روز نصف النہار میں نماز پڑھنا بعض روایات سے مستثنیٰ معلوم ہوتا ہے اور مسجد حرام کے اندر اوقات ثلثہ میں نماز پڑھنے کا جواز اس حدیث سے مستنبط ہے "اے بنی عبد مناف! تم میں سے جو کوئی شخص لوگوں کے امور میں سے طریقہ کو اس امر میں جوان کو اس مرتبہ میں پیش آتا ہے مقرر کر دیں اور عام مسلمانوں کی صورت میں لذات حسیہ وغیرہ حاصل کرنے سے انبیا علیہم السلام کے پاک ہونے کی یہی وجہ ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تقرب ایمانی کو بلال کی پیش قدمی کی صورت میں دیکھا اور آپ نے احسان میں اپنی ثابت قدمی کو پہچان لیا۔

اور ان نوافل میں سے صلوٰۃ تسبیح ہے، اس کا راز یہ ہے کہ یہ ایک ایسی نماز ہے جس میں ذکر الٰہی کا ایک بہت بڑا حصہ ہے یہ اس کامل نماز کے درجہ میں ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اذکار محسنین کے لئے مقرر فرمایا، پس اس شخص کے لئے جس نے صلوٰۃ کاملہ سے کوئی حصہ نہ پایا یہ نماز اس کے بجائے کافی ہو جاتی ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فضیلت میں دس خصلتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

اور ان نوافل میں سے صلوٰۃ آیات ہے جیسا کہ کسوف، خسوف اور تاریکی کی نماز ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں تو ان کی وجہ سے نفوس مطیع اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں اور ان کو دنیا سے ایک قسم کی جدائی ہو جاتی ہے پس ایمان والے کے لئے یہ وقت بہت غنیمت ہے اس کو چاہئے کہ ایسے وقت میں دعا نماز اور تمام اعمال صالحہ میں کوشش

کرے، اور نیز اس وقت میں اللہ تعالیٰ عالم مثال میں حوادث مقدر کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل معرفت کو بے چینی سی معلوم ہوتی ہے اور اسی لئے ایسے اوقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا جاتے تھے اور یہ اوقات زمین میں روحانیت کے نزول کے ہوتے ہیں، پس نیک آدمی کے لئے ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف قربت حاصل کرنا بہت مناسب ہے، چنانچہ نعمان بن بشیرؓ کی حدیث میں کسوف کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’پس جب خدا تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں سے کسی چیز پر تجلی ہوتی ہے تو وہ چیز اس کے سامنے جھک جاتی ہے‘‘۔ اور نیز کفار لوگ آفتاب وماہتاب کو سجدہ کرتے ہیں لہٰذا ایمان دار کو لازم ہے کہ جب وہ کوئی علامت ان کے عدم استحقاق عبادت کی دیکھے تو خدا تعالیٰ کی طرف التجا کرے اور اس کو سجدہ کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو جس اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے اس کو ہی سجدہ کرو‘‘ تاکہ یہ سجدہ کرنا دین کا شعار بن جائے اور منکرین کے لئے جواب مسکت ہو جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث مروی ہے کہ آپ نے اس نماز میں دو قیام اور دو رکوع ان دونوں کو سجدہ پر قیاس کر کے تضرع کے وقت میں کئے ہیں کیونکہ قیام اور رکوع خضوع کے اندر سجدہ کے مانند ہیں لہٰذا ان کی تکرار بھی مناسب ہے، اور حدیث صحیح میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس نماز کو باجماعت پڑھا ہے اور حکم دیا کہ اس بات کی منادی کی جائے: الصلوٰۃ جامعۃ، اور قرآن کو نماز میں پکار کر پڑھا پس جس نے اتباع کیا تو وہ درجہ احسان کو پہنچا اور جس نے وہ نماز پڑھی جو شرع میں معتبر ہے تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر عمل کیا ’’جب تم ایسا حادثہ دیکھو تو تکبیر کہو اور نماز پڑھو اور صدقہ دو‘‘۔

اور ان نوافل میں سے نماز استنقا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے دعا استنقا کئی بار مختلف طور سے کی ہے لیکن وہ طریقہ جس کو امت کے لئے مقرر فرمایا یہ ہے کہ آپ عیدگاہ کی طرف لوگوں کے ساتھ نہایت عجز اور تواضع اور انکساری کے ساتھ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھائی اور ان دو رکعتوں میں جہر کیا بعد ازاں خطبہ پڑھا اور خطبہ میں قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگی اور ہاتھ اٹھائے اور اپنی چادر مبارک کو پھیرا اور یہ اس لئے کہ ایک ہی جگہ ایک ہی چیز کی، اصل یہ ہے کہ خدا کی طرف رجوع کرنا بالخصوص گناہ کے بعد پیشتر اس کے کہ

گناہ کا زنگ دل میں جمے، اس سے گناہ کو مٹانے والا اور دور کرنے والا ہے۔

اور ان نوافل میں سے نماز وضو ہے اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”جنت میں، میں نے اپنے سامنے تیری جوتیوں کی آواز سنی“۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا راز یہ ہے کہ طہارت پر مداومت کرنا اور اس کے بعد نماز پڑھنا احسان کے درجہ کے لئے ایک کامل نصاب ہے جو اسی سے ہوسکتا ہے جو بڑا بانصیب ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ سے کہا ”کس چیز کی وجہ سے تو مجھ سے پہلے جنت میں گیا؟“۔

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ میں سبقت کرنا تقدم فی الاحسان کی صورت ہے اور امام المحسنین پر حضرت بلال کی سبقت کرنے میں یہ راز ہے کہ ہر کامل کو احسان کے شعبوں میں سے ہر کمال کے بدلہ میں ایک تقرب حاصل ہوتا ہے جس پر اس کا حال منکشف ہوتا ہے اور جس سے اس کے قلب پر اس کمال کی معرفت کا ذوق و وجدان میں فیضان ہوتا ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ زید جو شاعر محاسب ہے کبھی اس کے ذہن میں یہ بات حاضر ہوتی ہے پس اس وقت حساب سے وہ بالکل غافل ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے ذہن میں یہ بات حاضر ہوتی ہے کہ وہ شاعر ہے اور شاعر کا فلاں درجہ اس کو حاصل ہے کہ وہ حساب داں ہے اور اس کی خوشی میں اس قدر غرق ہو جاتا ہے کہ شعر سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور انبیا علیہم السلام ایک عام انسان کے ایمان کے تقرب کو تمام لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ انبیا کو ذوق سلیم سے اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تاکہ وہ لوگوں کے لئے ان کے آرزو میں نہایت اہتمام اور گناہوں کی مغفرت طلب کرنے کے ساتھ اور نیک عمل کرنے کے ساتھ مسلمانوں کے اجتماع کو دعا کے قبول ہونے میں بہت بڑا اثر ہے اور بندہ کی تمام حالتوں میں سے اللہ تعالیٰ سے قریب ترین حالت نماز ہے اور ہاتھوں کو اٹھانا نہایت تضرع اور نہایت عاجزی کی علامت ہے، جس سے نفس کو خضوع اور فرماں برداری پر تنبیہ ہوتا ہے اور چادر کو لوٹنا ان کے احوال کے بدلنے کی نقل ہے جیسا کہ مستغیث بادشاہوں کے دربار میں کیا کرتے ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقا میں یہ دعا مانگا کرتے تھے: اللھم اسقی عبادک وبھیمتک وانشر رحمتک واحی بلدک المیت، اور یہ دعا بھی پڑھتے تھے، اللھم

اسقنا غیثا مغیثا مریئا مریعا نافعا غیر ضار عاجلا غیر اجل،

اور ان نوافل میں سے نماز عیدین ہیں اور ان کا بیان عنقریب آتا ہے اور نوافل سے مناسب سجدہ شکر ہے جبکہ کوئی خوشی حاصل ہو یا کوئی تکلیف دور ہو یا ان دونوں میں سے کسی کا علم ہو، اس واسطے کہ شکر قلب کا فعل ہے اور ظاہر میں اس کے لئے کوئی صورت ضرور ہونی چاہئے تاکہ اس سے قلب کے فعل کو قوت حاصل ہو، اس کے علاوہ نعمتوں کے حاصل ہونے سے کسی قدر تکبر ہو جاتا ہے پس اس کا علاج منعم کے سامنے ذلیل اور عاجز بن کر کرے پس یہ وہ نمازیں ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لئے جو درجہ احسان میں مستعد ہیں، اور آپ کی امت میں سے سابقین ہیں، فرض نماز پر جس کا کرنا ہر خاص و عام پر ضروری ہے زیادہ کر کے مسنون بنایا، پھر نماز ایسی چیز ہے جو بھلائی کے لئے وضع کی گئی ہے پس جو شخص جس قدر اس کی کثرت کر سکتا ہے اس کو کرنا چاہئے کسی امر کا سردار ہو تو وہ کسی کو اس گھر کے طواف سے منع نہ کرے اور نہ نماز سے روکے، رات و دن میں جس وقت چاہے نماز پڑھے، اور اس تقدیر پر اس میں یہ راز ہے کہ جمعہ شعائر دین کے ظاہر ہونے کا وقت ہے اور مسجد حرام شعائر دین کے ظاہر ہونے کی جگہ ہے اس سبب سے یہ دونوں نماز سے مانع کے معارض ہو گئے۔

اعمال کے اندر میانہ روی کا بیان

واضح ہو کہ عبادت کے اندر سب سے بڑا مرض دل کی تنگی ہے کیونکہ جب دل تنگ ہو جاتا ہے تو اس کو خشوع کی کیفیت معلوم نہیں ہوتی اور وہ مشقت عبادت کے معنی سے خالی رہ جاتی ہے اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہر چیز کو ایک حرص ہوتی ہے اور ہر حرص کو کمی ہوتی ہے“۔ اور یہی وجہ ہے کہ کسی عمل صالح کے رواج کے مٹ جانے کے وقت اور اس عمل میں لوگوں کے سست ہو جانے کے وقت اس نیکی کے کرنے کا اجر چند در چند ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں یہ عمل بغیر سخت تنبہ کے اور بغیر مستحکم ارادہ کے ظہور میں نہیں آ سکتا اور اسی لئے شارع نے عبادات کی مقدار مقرر کی ہے جیسے مریض کے حق میں دوا کی مقدار ہوتی ہے جس میں کمی بیشی نہیں کی جاتی۔

اور نیز مقصود صفت احسان کا اس طرح پر حاصل کرنا ہے جس سے تدابیر ضروریہ کا ترک یا حقوق میں سے کسی حق کا تلف نہ لازم آئے، اور اسی لئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ تیری آنکھوں کا تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے پس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ میرا نہیں ہے“۔

اور نیز عبادات سے مقصود نفس کا راستی پر لانا اور اس کی کجی کا دور کرنا ہے نہ کہ تمام عبادات کا احاطہ کرنا کیونکہ تمام لوگوں کے حق میں یہ بات دشواری معلوم ہوتی ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”استقامت اختیار کرو اور تم ہرگز احاطہ نہ کر سکو گے اور جس قدر اعمال کی طاقت رکھتے ہو

اس قدر کرو''۔ اور استقامت ایک مقدار معین سے حاصل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے لذات ملکیہ سے لذت حاصل کرنے پر اور بہیمیہ کے خسائس سے رنجیدہ ہونے پر نفس کو تنبہ ہو اور جس کی وجہ سے نفس کو بہیمیت کی ملکیت کے لئے تابع ہو جانے کی کیفیت کا ادراک ہو جائے، پس اگر وہ اس کی کثرت کرے گا تو نفس اس کا عادی ہو جائے گا اور اس عبادت کے ثمرہ پر نفس کو تنبہ نہ ہو گا۔

اور نیز تشریع کے اندر مقاصد جلیلہ میں سے یہ بھی ہے کہ دین میں تعمق کا دروازہ بند کر دیا جائے تاکہ لوگ ایک عمل کو اپنے اوپر خوب لازم نہ کر لیں پھر اس کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں جو اس کو عبادات سماویہ میں سے سمجھیں اور اپنے اوپر فرض جانیں بعد ازاں اور لوگ پیدا ہوں پس ان کے نزدیک یہ ظن یقین بن جائے اور جس عبادت کی فضیلت کا احتمال تھا اب ان لوگوں کو اس کی فرضیت پر اطمینان ہی ہو جائے پس اس طرح دین میں تحریف ہو جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''درویشی جو انھوں نے اپنی طرف سے ایجاد کی ہے ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی''۔

اور نیز جو شخص اپنے دل میں یہ گمان کرے اگرچہ زبان سے اس کے خلاف کہتا ہو کہ خدا تعالیٰ عبادات شاقہ کے بغیر راضی نہیں ہوتا اور جو شخص ان میں کمی کرتا ہے تو اس میں اس کے نفس کی تہذیب میں ایک حجاب عظیم حائل ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی جناب میں کوتاہی ہوتی ہے تو اس شخص سے اس کے ظن اور اعتقاد کے موافق مواخذہ کیا جائے گا اور اس کے اعتقاد کے موافق اس سے اس کی زیادتی کا مطالبہ ہو گا پس اگر اس میں کمی کرے گا تو اس کے علوم اس کے حق میں مضر اور موجب ظلمت بن جائیں گے، اور اس سستی کی وجہ سے اس کے اعمال مقبول نہ ہوں گے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دین آسان ہے اور جو دین میں تشدد اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا'' پس ان وجوہات کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر ضروری کر دیا کہ وہ عمل میں میانہ روی اختیار کریں اور اس قدر تجاوز نہ کریں جس سے ملال اور دل میں اشتباہ پیدا ہو یا تدابیر ضروریہ متروک ہو جائیں، اور ان امور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً یا اشارۃً بیان فرما دیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو اعمال میں سب سے زیادہ وہ اعمال پسند ہیں جو ہمیشہ کئے جائیں اگرچہ اس کی مقدار قلیل ہی ہو''۔

میں کہتا ہوں ان اعمال کا زیادہ پسندیدہ ہونا اس لئے ہے کہ ان کو ہمیشہ عمل میں لانا اور ان پر

مواظبت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو ان اعمال میں رغبت ہے اور نیز نفس طاعت کا اثر جب ہی قبول کرتا ہے اور اس کے فائدہ سے مستفیض ہوتا ہے کہ ایک مدت گزر جائے اور اس پر مطمئن ہو کر ہمیشہ اس کو عمل میں لایا جائے اور اس کو ایسے اوقات مل جائیں جن میں نفس کو اس قسم کی فراغت اور تخلیہ حاصل ہو جیسے خواب میں ہوتا ہے جس کے سبب سے عالم بالا سے علوم منقش ہو جاتے ہیں اور اس کی مقدار معلوم نہیں ہے کہ نفس کے لئے کتنی مدت درکار ہے اس واسطے اس کے ہونے کا یہی طریقہ ہے کہ وہ کام ہمیشہ اور بکثرت کیا جائے چنانچہ حضرت لقمان علیہ السلام کا قول ہے ''اپنے نفس کو زیادہ استغفار کرنے کا عادی بنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک ایسا وقت ہے جس میں وہ سائل کی درخواست کو رد نہیں کرتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اعمال میں سے اس قدر اختیار کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو پس تحقیق اللہ تعالیٰ ملول نہیں ہوتا یہاں تک کہ تم تنگدل ہو جاؤ''۔ یعنی اللہ تعالیٰ عمل پر ثواب دینا ترک نہیں کرتا مگر جبکہ لوگ عمل کرنے سے تنگدل ہو جائیں پس ترک ثواب کو مشابہت کی وجہ سے ملال کہہ دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی شخص سونے کی حالت میں نماز پڑھتا ہے تو اس کو معلوم نہیں رہتا کہ وہ استغفار کی بجائے اپنے حق میں بددعا کر رہا ہے''۔

میں کہتا ہوں کہ آنحضرت کی مراد یہ ہے کہ اس کو بہ سبب شدت ملال کے عبادت اور غیر عبادت میں تمیز نہیں رہتی پس وہ عبادت کی حقیقت کو کیونکر جان سکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے ''پس تم راہ راست اختیار کرو:: یعنی میانہ روی کا طریقہ اختیار کرو جس کی نگرانی ہو سکے اور اس کو ہمیشہ عمل میں لاسکو، وقاربوا یعنی یہ نہ سمجھو کہ تم خدا تعالیٰ سے اس قدر دور ہو کہ بغیر اعمال شاقہ کے نہیں پہنچ سکتے۔ وابشروا، یعنی امید اور سرور حاصل کرتے رہو اور صبح اور شام اور تھوڑی سی آخری شب کے ساتھ مدد حاصل کرو ان اوقات میں رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے اور دل کی لوح نفسانی تذکروں سے پاک وصاف ہوتی ہے اور اس کے متعلق ہم ایک فصل بیان کر چکے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص سونے کے سبب سے اپنا وظیفہ یا اس میں سے کچھ حصہ فوت کر دے پھر وہ اس کو نماز فجر اور ظہر کے درمیان میں پڑھ لے تو اس کے لئے اس کا ثواب ایسا ہی لکھا جاتا ہے کہ گویا اس کو رات میں ہی پڑھا تھا''۔

میں کہتا ہوں قضا کے باب میں دو چیزیں سبب اصلی ہیں، ایک یہ ہے کہ نفس عبادت کے ترک کرنے میں بے پرواہ نہ ہو کہ وہ اس کے ترک کا عادی ہو جائے اور بعد میں اس طاعت کی پابندی کرنا اس پر دشوار ہو جائے، دوسرے یہ کہ نفس اس کو کر کے بری الذمہ ہو جائے اور یہ امر دل میں نہ رکھے کہ اس نے خدا تعالیٰ کی جناب میں کوتاہی کی ہے اور خدا تعالیٰ اس کے علم یا بے علمی کی حالت میں اس سے مواخذہ کرے گا۔

معذور لوگوں کی نماز کا بیان

جبکہ شریعت کی تکمیل کے لئے یہ بات ضروری تھی کہ عذر پیش آنے کے وقت لوگوں کے لئے رخصتیں بیان کی جائیں تا کہ مکلفین جس قدر طاقت رکھتے ہوں عبادت ادا کر سکیں اور ان رخصتوں کا اندازہ شارع پر موقوف ہونا چاہئے تا کہ شارع اس میں اعتدال کا لحاظ کر سکے اور لوگوں پر موقوف ہونا نہیں چاہئے کیونکہ وہ ان میں کبھی زیادتی کریں گے اور کبھی کمی کریں گے اس واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصتوں اور عذروں کے انضباط کا اہتمام فرمایا، اور رخصتوں کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ اصل طاعت کو اس طرح پر دیکھا جائے جس کا کہ حکمت پر حکم دیتی ہے پس ہر حال میں اس کا التزام کیا جائے اور اس کے ان حدود اور ضوابط کو دیکھا جائے جن کو شارع نے اصل نیکی پر عمل کرنے کی آسانی کے لئے مقرر فرمایا ہے، پس ان حدود میں ضرورت کے موافق بعض کو ساقط اور بعض کو بعض سے مبدل کیا جائے۔

پس عذروں میں سے ایک سفر ہے اور اس میں جو حرج ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے، اس واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں چند رخصتیں مشروع فرمائی ہیں، ان رخصتوں میں سے ایک قصر ہے پس رکعات کی اصل تعداد کو جو گیارہ رکعت ہے باقی رکھا اور اطمینان اور قیام کی شرط کے ساتھ جو زائد تھیں ان کو ساقط کر دیا اور چونکہ گیارہ رکعتوں میں عزیمت کا احتمال تھا اس لئے مناسب نہ تھا کہ بقدر ضرورت اندازہ کیا جائے اور رخصت دینے میں زیادہ تنگی کی جائے پس اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ آیت میں خوف کی شرط فائدہ بیان کرنے کے لئے ہے اور اس کا کوئی اصلی مفہوم نہیں ہے پس آپ نے فرمایا ''یہ خدا کا صدقہ ہے جو خدا تعالیٰ نے تم کو دیا ہے پس اس کے صدقہ کو قبول کرو'' اور صدقہ میں اہل مروت تنگی نہیں کرتے اسی لئے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نماز بالقصر (۱) ہی پڑھی اگر چہ پوری نماز پڑھنا بھی کسی قدر جائز رکھا۔

پس نماز میں قصر کرنا سنت مؤکدہ ہے اور اس روایت میں کہ نماز میں اتمام جائز ہے، اور اس روایت میں کہ ''سفر میں دو رکعتیں پڑھنا پوری نماز ہے قصر نہیں ہے، کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ واجب اصلی وہ صرف دو رکعتیں ہوں اور اس کے باوجود پورا پڑھنا بدرجہ اولی کافی ہو جیسے مریض اور غلام جو جمعہ پڑھتے ہیں ان سے ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے، یا جیسے وہ شخص جس پر زکوۃ میں بنت مخاض (۲) واجب ہو اور وہ اپنا تمام مال صدقہ کر دے اسی لئے اس کا یہ حق ہے کہ جب تک مکلّف پر اسم مسافر کا اطلاق صحیح ہے اس کے لئے قصر جائز ہے یہاں تک کہ اس سے یہ نام بالکل زائل ہو جائے، قصر میں نہ تو حرج کے پائے جانے کا لحاظ رکھا گیا ہے اور نہ ہی پوری نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہونے کا لحاظ رکھا گیا ہے کیونکہ دو رکعت ابتدا ہی سے مسافر کے لئے مقرر ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی نماز میں دو رکعتیں مقرر فرمائیں ہیں اور وہ دونوں پوری نماز ہیں قصر نہیں۔

واضح ہو کہ سفر اور اقامت اور زنا اور چوری اور وہ تمام امور جن پر شارع نے حکم کا مدار رکھا ہے ایسی چیزیں ہیں جن کو اہل عرف ان کے مواقع میں استعمال کرتے ہیں اور ان کے معانی جانتے ہیں لیکن ان کی جامع مانع تعریف جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ ان میں ایک قسم کا اجتہاد اور تامل کیا جائے، اور طریق اجتہاد کی معرفت ایک دشوار امر ہے پس ہم اس میں سے نمونہ کے طور پر سفر کے اندر بیان کرتے ہیں۔

پس ہم کہتے ہیں، سفر تقسیم اور مثال سے معلوم ہو سکتا ہے، ہر اہل زبان جانتا ہے کہ مکہ سے مدینہ تک جانا اور مدینہ سے خیبر تک جانا ضرور سفر ہے اور صحابہ کے فعل اور ان کے کلام سے بھی ظاہر ہے کہ مکہ سے جدہ تک جانا اور طائف تک جانا اور عسفان تک جانا اور تمام ان مواضع تک جانا جو اڑتالیس میل کے فاصلہ پر ہیں سفر ہے۔

اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وطن سے نکلنا کئی طور سے ہوتا ہے، ایک تو اپنی کھیتی اور باغات تک

---

(۱) چار رکعت والی نماز کو دوران سفر دو رکعت پڑھنا۔

(۲) دو اونٹ کا بچہ جو ایک سال کی مدت مکمل کر کے دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔

آمد ورفت کرنا اور ایک بغیر تعیین مقصد اور سفر کے مارا مارا پھرنا۔

اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا نام دوسرے پر نہیں بولا جاتا، اور اجتہاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان مثالوں کو تلاش کیا جائے جن پر ایک نام کا اطلاق ہوتا ہے اور ان اوصاف کی پڑتال کی جائے جن کی وجہ سے ہر ایک اپنے قسیم سے مبائن اور جدا ہے پس جو عام ہو اس کو جنس کی جگہ اور جو خاص ہو اس کو فصل کی جگہ کر دیا جائے اس سے ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ وطن سے منتقل ہونا سفر کا جز ذاتی ہے اس واسطے کہ جو اپنے محل اقامت ہی میں پھرتا رہے اس کو مسافر نہیں کہتے۔

اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی خاص مقام کی طرف جانا بھی سفر کا جز ذاتی ہے ورنہ وہ جانا بدحواسی کا پھرنا سمجھا جائے گا نہ کہ سفر۔

اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس جگہ کا اتنی دور ہونا کہ وہاں سے اپنے محل اقامت کو اسی روز یا اس روز کی اوّل شب تک واپس نہ آ سکے سفر کا جز ذاتی ہے ورنہ وہ اپنے باغ اور کھیت کی طرف آنا جانا سا سمجھا جائے گا۔

اور سفر کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وہ پورے ایک دن کی مسافت ہو اور سالم کا یہی قول ہے لیکن اڑتالیس میل کی مسافت یقیناً سفر ہے اور اس سے کم مسافت کو سفر کہنا مشکوک ہے، اور سفر کا اطلاق شہر پناہ سے نکلنے یا گاؤں کی حد یا اس کے مکانات سے نکلنے اور ایسی جگہ جانے کا ارادہ کرنے سے جو اڑتالیس میل کی مسافت پر واقع ہے صحیح ہوتا ہے (۱)، اور کسی شہر یا گاؤں میں کافی اور معتد بہ مدت تک اقامت کی نیت کرنے سے سفر کا نام زائل ہو جاتا ہے۔

اور ان رخصتوں میں سے ظہر وعصر اور مغرب وعشا کا جمع کرنا ہے اور اس میں اصل یہی ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے کہ نماز کے اصل اوقات تین ہیں: فجر، ظہر اور مغرب اور عصر کو ظہر سے نکالا گیا ہے اور عشا کو مغرب سے نکالا گیا ہے (۲) تا کہ دو ذکروں کے درمیان زیادہ مدت کا فصل نہ ہو جائے اور تا کہ نیند غفلت کی حالت پر نہ آئے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لئے تقدیم وتاخیر کا جمع کرنا مشروع کر دیا لیکن اس پر آپ نے مداومت نہیں کی اور نہ اس پر ایسا حکم

---

(۱) اسی مسافرت پر سفر شرعی کا اطلاق ہوتا ہے۔

(۲) یہ حضرت شاہ صاحب کی نادر تحقیق ہے۔ (قاسمی)

فرمایا جیسا آپ نے قصر نماز میں کیا ہے۔

اور ان رخصتوں میں سنتوں کا ترک کرنا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سوائے فجر کی سنتوں اور وتر کے کچھ نہ پڑھتے تھے، اور ان رخصتوں میں سے سواری پر نماز پڑھنا ہے جس طرف کو وہ جا رہی ہو اسی طرف کو ہی اشارہ سے نماز پڑھ لے لیکن ایسا کرنا نوافل اور سنت فجر اور وتر میں ہے نہ کہ فرائض میں۔ اور منجملہ عذروں کے ایک خوف ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف کئی طریقوں سے پڑھی ہے۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ قوم کی دو صفیں مرتب کیں اور ان کو نماز پڑھائی پس جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ ایک صف نے دونوں سجدے کیے اور دوسری صف نے نگہبانی کی پس جب صف اولی کھڑی ہوئی تو جس صف نے نگہبانی کی تھی اس نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہوگئی اور جس صف نے اولاً حفاظت کی تھی اس نے آپ کے ساتھ دوسری رکعت میں سجدہ کیا اور دوسری صف محافظ رہی پس جب آپ بیٹھے تو جو صف نگہبان تھی اس نے بھی سجدہ کیا اور آپ نے دونوں صفوں کے ساتھ تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیا اور یہ طریقہ اس وقت میں ہو سکتا ہے جب دشمن قبلہ کی طرف ہو، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ دو مرتبہ نماز پڑھائے ایک بار ایک ٹکڑی کو اور دوسری بار دوسری ٹکڑی کو اور یہ اس حالت میں مناسب ہے جب دشمن جہت قبلہ میں نہ ہو اور دونوں رکعت کی تقسیم سے ان کو تشویش ہوتی ہو اور سب کو کیفیت نماز پر احاطہ نہ ہو سکتا ہو۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ ایک ٹکڑی دشمن کے روبرو کھڑی ہوگئی اور دوسری ٹکڑی کو آپ نے نماز پڑھا دی پس جب آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو یہ ٹکڑی آپ سے جدا ہوگئی اور اپنی ایک اور رکعت تمام کر کے دشمن کے سامنے چلی گئی اور جو لوگ دشمن کے سامنے کھڑے تھے، آئے اور آپ کی اقتدا کی پس آپ نے ان کو دوسری رکعت پڑھائی پھر جب آپ تشہد کے لئے بیٹھے تو یہ لوگ کھڑے ہوگئے، اور اپنی دوسری رکعت تمام کر کے آپ کے ساتھ مل گئے اور آپ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا، اور یہ حالت اس وقت کے مناسب ہے کہ جب دشمن قبلہ کی جانب نہ ہو اور دونوں رکعتوں کی تقسیم کرنے سے ان کو تشویش نہ ہو۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ آپ نے ایک گروہ کو نماز پڑھائی اور ایک گروہ دشمن کے سامنے کھڑا رہا

پس ان کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پھر یہ لوگ اس گروہ کی جگہ چلے گئے جنھوں نے ہنوز نماز نہیں پڑھی تھی اور وہ لوگ آئے پس ان کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پھر دونوں نے اپنی اپنی نماز پوری کر لی

ازاں جملہ یہ ہے کہ جس شخص کو جس طرح ممکن ہو سوار ہو یا پیدل، قبلہ کی طرف ہو یا غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس طریقہ کی روایت کی ہے اور یہ اس وقت مناسب ہے جب خوف زیادہ ہو یا لڑائی گرم ہو، حاصل کلام یہ ہے کہ جو طریق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے وہ جائز ہے اور آدمی کو وہ طریقہ عمل میں لانا چاہئے جو اس پر آسان ہو اور اس وقت کی مصلحت کے مناسب ہو۔

اور منجملہ اعذار کے ایک مرض ہے اور اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کھڑے ہو کر نماز پڑھ اگر تجھ سے یہ نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھ پس اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کروٹ سے لیٹ کر پڑھ''۔ اور نفل کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو یہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے تو اس کو کھڑے ہونے والے سے نصف اجر ملے گا''۔

میں کہتا ہوں جبکہ نماز اس قابل ہے کہ اس کی کثرت کی جائے اور اصل نماز کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر ادا ہو سکتی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور قیام محض تشریع کے وقت واجب ہے اور جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے تو وہ تمام کی تمام متروک بھی نہ ہو اس واسطے رحمت کا یہ مقتضی ہوا کہ لوگوں کے لئے نفل نماز بیٹھ کر جائز کر دی جائے اور دونوں درجوں میں جو فرق ہے وہ ان کے لئے بیان کر دیا گیا، نماز طالب، نماز بارش اور نماز کیچڑ کا بیان حدیث شریف میں آیا ہے اور کبھی کسی صحابی نے ضوابط اور حدود کے اندر کسی ایسی ضرورت کے سبب سے جس سے آدمی مجبور ہو رخصت نہیں مانگی مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تسلیم فرمایا بشرطیکہ وہ رخصت انکار اور سستی کی بنا پر نہ ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ''جب میں تم کو کوئی حکم دوں تو حتی المقدور اس کو عمل میں لاؤ'' ایک کلمہ جامعہ ہے، واللہ اعلم۔

جماعت کا بیان

واضح ہو کہ رسوم کی خرابی دور کرنے میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں کہ ایک عبادت کو عام رسم بنایا جائے جس کو ہر خبر دار اور بے خبر کے سامنے ادا کیا جائے اور تمام شہری اور دیہاتی اس میں برابر

ہوں اور اس عبادت کے اندر فخر اور عزت جتانے کا موقع ہو یہاں تک کہ وہ عبادت ان تدابیر ضروریہ میں داخل ہو جائے جن کو نہ وہ ترک کر سکتے ہیں اور نہ ان میں تاخیر کر سکتے ہیں تا کہ وہ رسم عبادت الٰہی کے لئے مؤید ہو جائے اور زبان ہو جائے جو لوگوں کو حق کی طرف بلائے اور جس سے ان کو ضرر کا خوف تھا وہ ایسی چیز ہو جائے جو ان کو حق کی طرف کھینچ کر لائے، اور تمام عبادتوں میں کوئی عبادت نماز سے زیادہ عظیم الشان اور قوی البرہان نہیں ہے اس واسطے لوگوں میں اس کی اشاعت اور اس کے لئے اجتماع اور اس میں لوگوں کی موافقت ضروری ہوئی اور نیز ہر ملت میں کئی طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں علما ہوتے ہیں جن کی پیروی کی جاتی ہے اور ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو نیکی حاصل کرنے میں رغبت کے ساتھ کہنے کے محتاج ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ضعیف الفطرت ہوتے ہیں اگر ان کو سب لوگوں کے سامنے عبادت ادا کرنے کا حکم نہ دیا جائے تو وہ عبادت میں سستی کرنے لگیں اس واسطے ان سب کے حق میں کوئی چیز اس سے زیادہ نافع اور زیادہ تر مصلحت کے موافق نہیں ہے کہ ان سب لوگوں کے روبرو عبادت الٰہی کرنے کا حکم دیا جائے تا کہ تمیز ہو جائے کہ کون اس عبادت کو کرتا ہے اور کون نہیں کرتا اور کون اس میں رغبت کرتا ہے اور کون بے رغبتی کرتا ہے اور عالم کی اقتدا کی جائے اور جاہل کو تعلیم دی جائے۔

اور اللہ تعالیٰ کی طاعت لوگوں کے حق میں بہ منزلہ بھٹی کے ہے جس کو لوگوں پر پیش کیا جاتا ہے جس سے برا اور بھلا معلوم ہو جاتا ہے اور کھرا اور کھوٹا پرکھا جاتا ہے، اور نیز مسلمانوں کے اجتماع کو جس میں خدا کی طرف رغبت کرنے والے اور اس سے امید رکھنے والے اور اس سے ڈرنے والے اور اس کے آگے سر جھکانے والے ہوتے ہیں، برکات کے نازل ہونے اور رحمت الٰہی کے جھک پڑنے میں ایک عجیب خاصیت ہے جیسا کہ ہم نے استسقا اور حج میں بیان کیا ہے اور نیز اس امت کے قائم کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا بول بالا ہو اور روئے زمین پر دین اسلام سے اعلیٰ اور کوئی دین نہ پایا جائے اور یہ بات اسی وقت متصور ہو سکتی ہے کہ ان کا یہ دستور ہو کہ اس عبادت کے لئے جو دین کا سب سے بڑا شعار اور عبادات میں سب سے مشہور عبادت ہے، ہر خاص و عام، شہری و دیہاتی اور چھوٹا و بڑا سب مجتمع ہوا کریں، اسی سبب سے عنایت شرعیہ جمعہ اور جماعات کے مقرر کرنے اور ان میں رغبت دلانے اور ان کے ترک سے سخت ممانعت کرنے کی طرف متوجہ ہوئی۔

اور اشاعت دو قسم کی ہے، ایک اشاعت محلہ میں ہوتی ہے اور ایک اشاعت شہر میں ہوتی ہے، محلّہ میں اشاعت ہر وقت کی نماز سے ہو سکتی ہے اور شہر میں اشاعت ایک زمانہ کے گزر جانے کے بغیر نہیں ہو سکتی مثلاً ہفتہ بھر کی مدت، پس پہلی اشاعت تو جماعت ہے اور اسی کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''جماعت کی نماز اکیلے شخص کی نماز سے ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے''۔ اور ایک روایت میں پچیس درجہ آیا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً یا اشارۃً بیان فرمایا ہے کہ ان باتوں سے نماز کو فضیلت حاصل ہوتی ہے کہ جب کسی نے وضو کیا اور اچھی طرح سے کیا پھر مسجد کی طرف محض نماز کے لئے گیا تو اس کا یہ چلنا بھی نماز کے حکم میں ہے اور اس کے قدم اس کے گناہ دور کرنے والے ہیں، اور یہ کہ مسلمانوں کی دعا پیچھے سے ان کا احاطہ کر لیتی ہے اور یہ کہ نمازوں کے انتظار میں رباط اور اعتکاف کے معنی پائے جاتے ہیں وغیر ذالک، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں عددوں میں سے ایک کا نام بغیر کسی نکتہ بلیغہ کے نہیں لیا ہے جو آپ کے نزدیک متمثل تھا اور ہم اس نکتہ کو پہلے بیان کر چکے ہیں اس کو دیکھ لینا چاہئے اور اس دین حق کے اندر جس میں نہ سامنے سے باطل آتا ہے اور نہ پیچھے سے کسی طرح سے اٹکل کو دخل نہیں ہے اور اسی جماعت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور پھر وہاں جماعت نہ ہو تو بلاشک ان پر شیطان نے غلبہ کر لیا ہے''۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جماعت کے ترک کرنے سے سستی کا دروازہ کھلتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے اس بات کا قصد کر لیا تھا کہ میں لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم دوں کہ وہ اکٹھی کی جائیں''۔ (۱) الحدیث۔

میں کہتا ہوں جماعت سنت مؤکدہ ہے اس کے ترک پر ملامت متوجہ ہوتی ہے کیونکہ وہ دین

---

(۱) اس کا اخیر یہ ہے کہ پھر نماز کا حکم دوں کہ اذان دی جائے اور ایک شخص کو امامت کرنے کا حکم دوں پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو نماز جماعت میں حاضر نہیں ہوتے پھر ان کے گھر جلا دوں لیکن ان کے بیوی بچوں کا خیال آتا ہے۔

کے شعائر میں سے ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے بعض لوگوں میں تاخیر اور ڈھیل پائی اور آپ نے معلوم کرلیا کہ اس کا سبب اسلام میں ان کی نیت کا ضعف ہے اس واسطے ان پر سخت وعید کی اور ان کے دلوں کو ڈرایا، پھر چونکہ جماعت کے اندر حاضر ہونے میں ضعیف اور مریض اور حاجتمند لوگوں کے لئے ایک طرح کی دقت تھی تو حکمت الٰہی کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ ان کو ایسے وقت میں ترک جماعت کی رخصت دی جائے تاکہ افراط وتفریط میں اعتدال ہو جائے، پس حرج کی قسموں میں سے یہ ہے کہ رات کا وقت ہو جس میں پالا پڑتا ہو یا بارش ہوتی ہو، اور ایسے وقت میں مؤذن کو یہ کہنا مستحب ہے: اے لوگو خبردار! تم اپنی اپنی جگہ پر نماز پڑھو۔

اور اقسام حرج میں وہ حاجت ہے جس سے رکنا مشکل ہو مثلاً رات کا کھانا جبکہ موجود ہو کیونکہ بسا اوقات دل کھانے کی طرف لگا رہتا ہے اور کبھی یہ خوف ہوتا ہے کہ کھانا ضائع ہو جائے گا اور جیسے پیشاب، پاخانہ کی حاجت رفع کرنا کیونکہ نفس کے مشغول ہو جانے کی وجہ سے نماز کے فائدہ سے محروم رہے گا اور اس حدیث میں کہ ’’کھانے کے وقت نماز نہیں‘‘ اور اس حدیث میں کہ ’’کھانے کے لئے یا کسی اور چیز کے لئے نماز میں تاخیر نہ کرو‘‘ کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ ہر حدیث کو ایک صورت خاص یا ایک معنی خاص پر محمول کر سکتے ہیں کیونکہ پہلی حدیث میں یہ مراد ہے کہ حاضر ہونا واجب نہیں تاکہ تکلف کا سد باب ہو اور دوسری حدیث میں عدم تاخیر کا حکم اس کے لئے ہے جو تعمق کی قباحت سے مامون ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے روزہ دار کے لئے افطار اور عدم افطار کا حکم دو وقتوں کے ساتھ متعلق ہے یا تاخیر نماز اس وقت ہے جب کھانے کا بہت زیادہ شوق ہو یا اس کے ضائع ہونے کا خوف ہو اور عدم تاخیر نماز اس وقت میں ہے جب ان میں سے کوئی بات نہ ہو اور علت کے حال سے یہ بات سمجھی جاتی ہے۔

اور اقسام حرج میں سے وہ ہے کہ جب کسی فتنہ کا خوف ہو جیسے کوئی عورت خوشبو لگا کر جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ ’’جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو منع نہ کرو‘‘ اور اس میں کہ جمہور صحابہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کیا ہے، کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ مسجد میں جانے سے روکنے میں جس غیرت سے منع کیا ہے وہ غیرت ہے جو تکبر سے پیدا ہو نہ کہ فتنہ کے خوف سے اور وہ غیرت جائز ہے جو فتنہ کے خوف کی وجہ سے ہو، اسی لئے نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیرت دو قسم کی ہے، الحدیث، اور حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا ''عورتوں نے جو نئی باتیں پیدا کی ہیں اگر ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو اجازت نہ دیتے''۔ (۱)

اور اقسام حرج میں سے خوف اور مرض ہیں اور ان دونوں میں حکم ظاہر ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معنی جو آپ نے ایک نابینا سے فرمایا تھا کیا تو اذان سنتا ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں، آپ نے فرمایا اس کی تعمیل کر'' یہ ہیں کہ اس کا سوال عزیمت میں تھا پس آپ نے اس کو اجازت نہ دی، پھر اس بات کے بیان کرنے کی حاجت ہوئی کہ امامت کے لائق تر کون شخص ہے اور اجتماع کی کیا صورت ہے اور اس بات کے بیان کرنے کی حاجت ہوئی کہ امام کو مختصر نماز پڑھانے کی وصیت کی جائے اور مقتدی امام کی اطاعت کریں، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا قصہ نماز کے طویل کرنے میں مشہور ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور کو نہایت تاکیدی طور سے بیان فرمایا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جو ان سب سے زیادہ قرآن کو اچھا پڑھتا ہو پس اگر قرأت میں برابر ہیں تو امامت وہ شخص کرے جو سنت کا زیادہ عالم ہو پس اگر علم سنت میں بھی برابر ہیں تو وہ شخص امامت کرے جو ہجرت میں مقدم ہو پس اگر ہجرت میں بھی برابر ہیں تو وہ امامت کرے جو عمر میں زیادہ ہو اور کوئی شخص دوسرے کی سلطنت میں اس کا امام نہ بنے'' اور زیادہ قاری کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی ایک معلوم حد معین کر دی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور صحابہ میں سب سے پہلی چیز کتاب اللہ کی معرفت تھی کیونکہ وہ تمام علوم کی اصل ہے اور نیز وہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ایک شعار ہے اس واسطے اس کے پڑھنے والے کا مقدم کرنا ضروری ہوا اور اس کی تعظیم واجب ہوئی تا کہ اس سے لوگوں کو کتاب اللہ میں رغبت پیدا ہو اور یہ بات نہیں ہے جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے کہ اس کے مقدم کرنے کی محض یہ وجہ ہے کہ مصلی کو قرآن پڑھنے کی ضرورت ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ ان کو قرآن سیکھنے کی ترغیب اور حرص دلانا منظور ہے اور باہم حرص کرنے سے فضائل حاصل ہوتے ہیں اور اس ترغیب میں نماز کے خاص ہونے کا یہ سبب ہے کہ نماز کو قرأت کی ضرورت ہے پس اس میں غور و فکر کرنا چاہئے اس کے بعد معرفت سنت کا درجہ ہے کیونکہ سنت کتاب اللہ کے بعد ہے اور اسی سے دین کا قیام ہے اور امت کے اندر یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ ہے، پھر اس کے بعد ہجرت کا

---

(۱) موجودہ حالات میں فتنہ کے خوف سے ممانعت ہے۔ (قاسمی)

اعتبار کیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امر ہجرت کی تعظیم کی ہے اور اس میں رغبت دلائی اور اس کو عظیم الشان سمجھا اور امامت کے اندر ہجرت کرنے والے کو مقدم کرنا بھی اسی ترغیب اور تعظیم کا تتمہ ہے، اس کے بعد زیادتی عمر کا لحاظ کیا کیونکہ تمام مذاہب میں بڑوں کی تعظیم کا عام دستور ہے علاوہ بریں عمر رسیدہ آدمی زیادہ تجربہ والا اور زیادہ حلم والا ہوتا ہے۔

اور صاحب سلطنت کا اس کی سلطنت میں امام بننے سے جو آپ نے منع فرمایا تو اس کا سبب یہ ہے کہ یہ بات صاحب سلطنت پر شاق گذرے گی اور اس کی سلطنت میں نقصان پیدا ہوگا پس صاحب سلطنت کا سلطنت باقی رکھنے کے واسطے ایسا حکم فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی لوگوں کا امام بنے تو اختصار کرے کیونکہ ان میں بیمار، ضعیف اور بوڑھے ہوتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی تنہا نماز پڑھے تو جتنا چاہے نماز کو طویل کرے''۔

میں کہتا ہوں دعوت الی الحق کا فائدہ بغیر آسانی کے پورے طور پر حاصل نہیں ہوتا اور لوگوں کو نفرت دلانا دین کے مقصد کے خلاف ہے اور جس چیز کا سب لوگوں کو حکم دیا جائے اس کے لئے آسانی زیبا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے اس بات کی تصریح کردی ''بعض تم میں سے نفرت دلانے والے ہیں'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے پس تم اس کے خلاف نہ کرو'' سو جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے تو تم **اللھم ربنا لک الحمد** کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو، اور ایک روایت میں ہے ''اور جب وہ **ولا الضالین** کہے تو تم آمین کہو۔

میں کہتا ہوں جماعت کی ابتداء حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے ہوئی ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اجتہاد کو برقرار رکھا اور اس کو صحیح بتایا اور انھوں نے یہ اجتہاد اس لئے کیا کہ جماعت کی وجہ سے سب لوگوں کی نماز ایک ہو جاتی ہے اور بدون جماعت کے مسجد میں جمع ہونے سے صرف اتفاق فی المکان ہوتا ہے اور ان سب کی نماز ایک نماز نہیں ہوتی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بیٹھ کر نماز پڑھو'' منسوخ ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخیر عمر میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے اور اس کے منسوخ ہونے میں راز یہ ہے کہ امام کا بیٹھا رہنا اور لوگوں کا اس

کے پیچھے کھڑا ہونا عجمیوں کے اس فعل کے ساتھ مشابہ ہے جو وہ اپنے بادشاہوں کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے ہیں جیسا کہ حدیث کی بعض روایات میں اس کی تصریح پائی جاتی ہے، پس جب اصول اسلامی مستحکم ہو گئے اور بہت سے احکام میں عجمیوں کی مخالفت ظاہر ہو گئی تو اس پر ایک دوسرے قیاس کو ترجیح دی گئی اور وہ یہ ہے کہ قیام نماز کا رکن ہے پس بغیر عذر کے اس کو ترک نہیں کیا جا سکتا اور اس صورت میں مقتدی کے لئے کوئی عذر نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو لوگ عقلمند اور سمجھدار ہیں وہ مجھ سے مل کر کھڑے ہوا کریں پھر وہ جو ان سے قریب ہیں (آپ نے تین بار اس کلمہ کو فرمایا) اور بازاروں کی طرح شور وغل سے اجتناب کرو"۔ (۱)

میں کہتا ہوں یہ آپ نے اس لئے فرمایا تا کہ ان میں بڑوں کی عظمت پیدا ہو اور شرفا کی عادت اختیار کرنے کی طرف رغبت ہو اور تا کہ اہل عقل پر کم درجہ کے لوگوں کا متقدم ہونا شاق نہ گزرے، اور شور وغل سے منع کرنا ادب سکھانے کے لئے ہے اور تا کہ وہ قرآن کے اندر خوب غور وفکر کر سکیں اور ان لوگوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں جو بادشاہ کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس طرح فرشتے خدا تعالیٰ کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تم اس طرح کیوں نہیں کھڑے ہوتے"۔

میں کہتا ہوں ہر فرشتہ کے لئے ایک مقام معین ہے اور استعدادوں کے اندر ترتیب عقلی کے موافق وہ پیدا کیے گئے ہیں اس واسطے وہاں خالی جگہ نہیں ہو سکتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ بھیڑ کے سیاہ بچے کی صورت میں صف کی خالی جگہ سے گھس آتا ہے"

میں کہتا ہوں کہ ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ذکر کے حلقہ میں مل کر بیٹھنے سے جمع خاطر اور ذکر میں حلاوت پیدا ہوتی ہے اور خطرات بند ہوتے ہیں اور اس کے ترک کرنے سے یہ سب باتیں کم ہو جاتی ہیں، اور جب ان معانی میں سے کچھ کم ہوا تو شیطان داخل ہو جاتا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کو اس صورت میں متشکل دیکھا ہے اور اس صورت میں دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بھیڑ کے بچہ کا داخل ہونا عادۃً ایسی تنگ جگہوں میں اکثر ہوتا ہے اور سیاہی کی صفت کے ساتھ دیکھنا جو باطن کی قباحت پر دلالت کرتی ہے اسی واسطے شیطان اس صورت میں آپ کے سامنے متمثل ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ خدا تعالیٰ تمہارے منہ

---

(۱) مساجد میں لوگوں کو خاموش رہنا چاہئے اور قرآن میں تدبر وتفکر کرنا چاہئے۔ (قاسمی)

بگاڑ دے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے کیا اس کو اس بات کا خوف نہیں کہ خدا اس کا گدھے کا سا سر بنا دے''(۱)۔

میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صفیں برابر کرنے کا اور امام کی اتباع کا حکم دیا تھا لیکن انھوں نے اس میں کوتاہی کی اور آپ نے ان کو روکا وہ باز نہ آئے تب آپ نے ان پر سخت تحدید کی اور ان کو خوف دلایا کہ اگر مخالفت پر اصرار کریں گے تو ان پر خدا تعالیٰ لعنت کرے گا کیونکہ متقربات الٰہی سے مخالفت کرنا لعنت کا سبب ہے اور لعنت جب کسی کو محیط ہوتی ہے تو مسخ یا ان میں اختلاف کے واقع ہونے کو پیدا کرتی ہے۔

اور گدھے کی خصوصیت میں نکتہ یہ ہے کہ یہ ایسا جانور ہے جو حماقت اور اہانت میں ضرب المثل ہے اسی طرح اس گناہگار پر جب اس نے سر اٹھانے میں سبقت کی بہیمیت اور حماقت کا غلبہ ہو گیا اور چہروں کے پھرنے کی تخصیص میں یہ راز ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے چہرہ جھکانے میں بے ادبی کی تھی اس لئے ان کے اسی عضو کو سزا دی گئی جس کے ساتھ ان سے برائی سرزد ہوئی تھی، جس طرح چہروں پر داغ دینے کی سزا یا ظاہر میں انھوں نے آگے پیچھے ہو کر یہ اختلاف کیا تھا اس واسطے ان کو اختلاف معنوی اور باہم مخالفت کے ساتھ یہ سزا دی گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم نماز کے لئے آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو تم سجدہ میں شریک ہو جاؤ اور اس کو حساب میں نہ لگاؤ اور جس کو رکوع مل گیا اس کو نماز مل گئی''۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ رکوع قیام کے ساتھ بہت مشابہ ہے پس جس نے رکوع پالیا تو گویا اس نے قیام کو پالیا، اور نیز سجدہ نماز میں اصل اصول ہے اور قیام و رکوع اس کے لئے تمہید اور واسطہ ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم دونوں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکو پھر تم ایسی مسجد میں آؤ جس میں جماعت ہو رہی ہو تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لو کیونکہ وہ تمہارے لئے نفل ہے''۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تارک نماز کو اس عذر کا موقع نہ رہے کہ میں نے اپنے گھر میں نماز پڑھ لی ہے پس اس پر کچھ باز پرس نہ ہو سکے، اور دوسری یہ ہے کہ مسلمانوں کی بات میں علیحدگی نہ ہو اگرچہ وہ علیحدگی ظاہر میں ہی کیوں نہ ہو۔

---

(۱) عجلت پسند نمازیوں کو خوف خدا کرنا چاہئے، اور اس وعید کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

جمعہ کا بیان (۱)

اس میں اصل بات یہ ہے کہ شہر میں ہر روز نماز کی اشاعت اس طرح پر ہونا کہ تمام اہل شہر نماز کے لئے جمع ہوا کریں چونکہ متعذر تھا اس لئے ضروری ہوا کہ اس کے لئے ایک حد مقرر کی جائے جس کا دوران نہ تو اس قدر جلدی ہو کہ لوگوں پر وہ دشوار ہو جائے اور نہ بہت دیر سے ہو جس سے کہ ان سے مقصود ہی فوت ہو جائے اور ہفتہ ایسی مدت ہے جو عرب و عجم اور بہت سے مذاہب میں مستعمل تھا اور اس حد کی صلاحیت رکھتا تھا اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کو نماز کا وقت بنایا جائے پھر اہل ملل کا دین کے بارے میں اختلاف ہوا جس کو ایسی عبادت کے لئے مخصوص کیا جائے، پس یہود نے ہفتہ کو اور نصاریٰ نے اتوار کو ان ترجیحات کی بنا پر جو ان پر ظاہر ہوئیں، پسند کیا اور اس امت کو خدا تعالیٰ نے علم عظیم کے ساتھ خاص کیا، اولاً اس کو آپ کے اصحاب کے دلوں میں القا فرمایا حتی کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے آنے سے پیشتر مدینہ میں جمعہ قائم کیا بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا انکشاف فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس ایک آئینہ لیکر تشریف لائے جس میں ایک سیاہ نقطہ تھا پس اس مثال سے جو مقصود تھا وہ آپ کو بتلایا گیا پس آپ نے اس کو معلوم کر لیا۔

اس علم کا حاصل یہ ہے کہ عبادات ادا کرنے کا بہترین وقت وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہوتا ہے اور جس میں ان کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں کیونکہ ایسے وقت میں عبادت کے قبول ہونے میں سرعت ہوتی ہے اور عبادت دل میں اثر کرتی ہے اور بہت سی عبادتوں کا نفع بخشتی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ایک وقت ہے جو ہفتوں کی گردش کے ساتھ گردش کرتا ہے جس

---

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری سے قبل ہی قیام جمعہ کے لئے آپ کے اصحاب کو آمادہ کیا جا چکا تھا۔ جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے۔ (قاسمی)

میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے نزدیک ہوتا ہے اور یہ وہ وقت ہے جس میں خدا تعالیٰ جنت کے ٹیلوں پر اپنے بندوں پر تجلی کرے گا اور اس وقت کا زیادہ ترگمان جمعہ کے دن میں ہے کیونکہ اس دن میں بڑے بڑے امور واقع ہوئے ہیں۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بہترین دنوں کا جس میں آفتاب طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے اس دن میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے اور اسی روز قیامت قائم ہوگی اور اسی روز بہائم گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں''۔ یعنی خوف زدہ اور ڈرے ہوئے ہوتے ہیں جس طرح کوئی سخت آواز سن کر ڈرتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ملاء سافل سے ان کے نفوس پر گھبراہٹ کا اثر ہوتا ہے اور ان پر ملاء اعلیٰ سے ترشح ہوتا ہے جس وقت کہ وہ قضا کے نازل ہونے سے اوّل بار ڈرتے ہیں اور اسی کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جیسے سخت پتھر پر ایک زنجیر ماری جاتی ہے تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے'' الحدیث، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے حکم کے موافق اس نعمت کا ذکر کیا پس آپ نے فرمایا ''ہم بعد میں پیدا ہونے والے ہیں، قیامت کے دن سابق رہنے والے ہیں (یعنی جنت میں داخل ہونے میں یا حساب کے لئے پیش ہونے میں سابق ہیں) مگر اتنی بات ہے کہ ان کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور ہمیں ان سے بعد کو عطا ہوئی ہے (یعنی سوائے اس خصلت کے کہ اس میں یہود اور نصاریٰ ہم سے مقدم ہے) پھر یہ ان کا دن ہے جو ان پر فرض کیا گیا ہے (آپ کی مراد اس دن سے فرد منتشر ہے جو ہمارے حق میں جمعہ کے ساتھ پایا جاتا ہے اور ان کے حق میں ہفتہ اور اتوار کے ساتھ پایا جاتا ہے) پھر اس دن میں انھوں نے اختلاف کیا پس اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کی ہدایت کی'' یعنی اس دن کی ہدایت کی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے۔

الحاصل وہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے اسی امت کو خاص کیا اور شرع میں جو چیز اصل ہونی چاہئے اس سے یہود و نصاریٰ بھی محروم نہیں اور اسی طرح آسمانی شریعتیں قوانین شرعیہ کو نہیں چھوڑتیں اگرچہ بعض کسی فضیلت زائدہ کے ساتھ ممتاز ہوں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ساعت کا اہتمام فرمایا اور اس کی عظمت شان بیان کی، پس آپ نے فرمایا ''جو

کوئی مسلمان اس گھڑی میں خدا تعالیٰ سے سوال کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمائے گا''۔

پھر اس گھڑی کی تعیین میں مختلف روایتیں وارد ہیں، پس بعض نے کہا یہ ساعت مابین اس کے ہے کہ امام بیٹھے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو کیونکہ وہ ایسی ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس ساعت میں ایمان والے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں پس اس وقت میں آسمان و زمین کی برکات مجتمع ہو جاتی ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ وہ گھڑی عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے کیونکہ وہ وقت احکام الٰہی کے نزول کا ہے، اور بعض کتب الٰہیہ میں ہے کہ اس گھڑی میں حضرت آدمؑ پیدا کئے گئے ہیں اور میرے نزدیک یہ سب تخمینی بیان ہے اور ان سے تعیین ثابت نہیں ہوتی، پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ جمعہ کے وجوب کو اور اس کے بارے میں تاکید کو بیان کیا جائے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگوں کو ترک جمعہ سے باز آنا چاہئے ورنہ خدا تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ بے خبر ہو جائیں گے''۔ میں کہتا ہوں یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس کے ترک کرنے سے سستی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اس سبب سے شیطان غالب آ جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بجز عورت اور بچے اور غلام کے ہر مسلمان پر جمعہ واجب ہے''، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو اذان کی آواز سنے اس پر جمعہ واجب ہے''۔

میں کہتا ہوں یہ افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کی رعایت معذوروں کے لئے اور ان کے لئے جن کو وہاں تک پہنچنا دشوار ہے یا ان کے وہاں جانے سے فتنہ کا خوف ہے ان کے لئے تخفیف ہے اور اس بات کی بھی ضرورت پڑی کہ ان کے لئے نہانے اور مسواک کرنے اور خوشبو لگانے اور کپڑوں کے پہننے کے ساتھ پاکیزگی مستحب کی جائے کیونکہ یہ چیزیں طہارت کو کامل کرنے والی ہیں پس ان کے سبب سے طہارت کی عادت پر اور زیادہ تنبیہ ہوتی ہے اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا'' اور نیز لوگوں کے لئے ایک دن ایسا بھی ہونا ضروری ہے جس میں غسل کریں اور خوشبو لگائیں کیونکہ یہ بنی آدمؑ کی عمدہ عادات میں سے ہے اور چونکہ ہر دن ان چیزوں کا کرنا آسان نہ تھا اس لئے جمعہ کے دن ان کو کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ اس پابندی سے اس کی رغبت بھی ہوتی ہے اور نماز بھی کامل

ہوتی ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’ہر مسلمان پر لازم ہے کہ سات روز میں سے ایک روز غسل کیا کرے جس میں اپنا سر اور بدن دھویا کرے‘‘ اور نیز وہ اپنا کام خود کیا کرتے تھے اور جب جمع ہوتے تھے تو ان میں سے بھیڑوں کی سی بو آتی تھی اس واسطے ان کو نہانے کا حکم دیا گیا تاکہ نفرت کا سبب دور ہو اور ان کا باہم خوب اجتماع ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ نے اس کو بیان فرمایا ہے اور نیز اس بات کی ضرورت پڑی کہ ان کو خاموش رہنے کا اور امام سے قریب ہونے کا اور لغویات ترک کرنے کا اور جلد آنے کا حکم دیا جائے تاکہ نصیحت سننے کا اور اس میں تدبر کرنے کا زیادہ موقع ملے، اور اس بات کی ضرورت پڑی کہ جمعہ کی نماز کے لئے پیدل آنے کا اور سواری ترک کرنے کا حکم دیا جائے کیونکہ اس میں اپنے رب کے لئے تواضع اور خاکساری زیادہ پائی جاتی ہے اور نیز جمعہ میں تنگدست اور غنی سب جمع ہوتے ہیں اس واسطے یہ احتمال ہے کہ جس کو سواری نہ ملے تو وہ شرم محسوس کرے، پس اس دروازہ کا بند کرنا مناسب ہوا، اور اس بات کی بھی ضرورت ہوئی کہ خطبہ سے پیشتر نماز مستحب کی جائے جس کی وجہ نماز پنج گانہ کی سنتوں میں ہم بیان کر چکے ہیں، پس جب کوئی شخص ایسے وقت میں آئے کہ امام خطبہ پڑھتا ہے تو اس کو دو رکعت مختصر سی پڑھنی چاہیے تاکہ سنت راتبہ اور ادب خطبہ دونوں کی بقدر امکان رعایت ہو جائے اور اس مسئلہ کے بارے میں تمہارے شہر کے لوگ جو شور کرتے ہیں ان کے دھوکہ میں نہ آنا کیونکہ اس کے حق میں حدیث صحیح وارد ہے جس کا اتباع واجب ہے اور نیز اس بات کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں کی گردنوں پر سے اور دو شخصوں کو ہٹا کر چلنے سے اور کسی کو اپنی جگہ پر بٹھانے سے (تاکہ وہ اس کی نیابت کرے اور کوئی دوسرا شخص نہ بیٹھے) منع کیا جائے کیونکہ جاہل لوگ اکثر ایسا کرتے ہیں اور اس سے باہم فساد پیدا ہوتا ہے اور وہ کینہ کا بیج ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا ثواب بیان فرمایا جس نے جمعہ کو تمام آداب کے ساتھ اچھی طرح سے ادا کیا کہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ نور الٰہی اور مومنین کی دعا اور ان کی صحبت کی برکات اور وعظ اور ذکر الٰہی وغیرہ کی برکت کے دریا میں غرق ہونے کے لئے یہ نماز کافی مقدار ہے، پھر آپ نے اس نماز میں جلد آنے کے درجات اور ان کے اوپر جو ثواب مرتب ہوتا ہے اس کو اونٹ اور گائے اور دنبہ اور مرغی کے ساتھ مثال دے کر بیان

فرمایا، اور یہ ساعتیں وجوب جمعہ کے وقت سے قیام خطبہ تک مختصر اوقات ہیں۔

واضح ہو کہ جس نماز میں ادنیٰ اور اعلیٰ سب جمع ہوتے ہیں وہ ایک ہی شفع (دو رکعت) ہے تا کہ لوگوں پر گراں نہ گزرے اس کے علاوہ ان میں کمزور اور مریض اور صاحب حاجت اشخاص بھی ہوتے ہیں، اور اس نماز میں قرأت جہراً پڑھی جاتی ہے تا کہ وہ قرآن میں غور و فکر کر سکیں اور کتاب اللہ کی عظمت بھی پائی جائے اور ایسی نماز میں خطبہ بھی مقرر کیا گیا ہے تا کہ ناواقف واقف ہو جائے اور غافل کو یاد آ جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ میں دو خطبے اور ان کے درمیان جلسہ مسنون فرمایا تا کہ مقصد پورا حاصل ہو اور اس کے ساتھ خطیب کو آرام مل جائے اور اس کا اور لوگوں کا نشاط تازہ ہو جائے۔

اور خطبہ پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور کلمہ شہادتین پڑھے اور کلمۂ فصل لائے اور وہ کلمہ 'اما بعد' ہے، اور لوگوں کو نصیحت کرے اور تقویٰ کا حکم کرے اور دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی سے ڈرائے اور کچھ قرآن پاک پڑھے اور مسلمانوں کے لئے دعا خیر کرے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے نصیحت کے ساتھ خدا تعالیٰ اس کے نبی اور قرآن پاک کو ملایا ہے اس واسطے کہ خطبہ دین کے شعائر میں سے ہے پس اذان کی طرح یہ چیزیں خطبہ میں بھی ضرور ہونی چاہئیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے، جس خطبہ میں کلمۂ شہادت نہ ہو تو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے اور معنا نہ کہ لفظا امت کو یہ بات مسلسل حاصل ہوتی رہی کہ جمعہ میں جماعت اور ایک قسم کی شہریت شرط ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ جمعہ شہروں ہی میں قائم کرتے تھے اور دیہات کے لوگوں سے کچھ تعرض نہ کرتے تھے بلکہ ان کے عہد میں دیہات میں جمعہ نہ ہوتا تھا پس اس بات سے لوگ قرناً بعد قرن و عصراً بعد عصر یہ سمجھنے لگے کہ جمعہ کے لئے جماعت اور شہریت شرط ہے۔

میں کہتا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ جمعہ کی حقیقت شہر میں دین کی اشاعت ہے اس واسطے شہریت اور جماعت کا اعتبار ضروری ہوا، اور میرے نزدیک صحیح تر قول یہ ہے کہ کم سے کم جس پر قریہ کا اطلاق ہوتا ہو وہ نماز جمعہ کے لئے کافی ہے کیونکہ چند ایسے طرق سے جو بعض بعض کی تائید

کرتے ہیں یہ مروی ہے کہ "پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ نہیں"۔ اور ان میں دیہات والوں کو بھی شمار کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جمعہ پچاس آدمیوں پر واجب ہے"۔

میں کہتا ہوں پچاس آدمیوں سے قریہ (۱) بن جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم "ہر قریہ پر جمعہ واجب ہے" اور کم سے کم جس پر جماعت کا اطلاق ہوتا ہے وہ جمعہ کے لئے کافی ہے اور حدیث (۲) انفضاض اس پر دلالت کرتی ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ وہ لوگ نماز جمعہ سے چلے جانے کے بعد پھر واپس نہیں آئے، واللہ اعلم۔

پس جب جماعت حاصل ہو جائے تو جمعہ واجب ہو جاتا ہے اور جو اس میں شامل نہ ہو تو وہ گنہگار ہے اور چالیس آدمیوں کی تعداد شرط نہیں ہے، اور نیز اس حکم کا دینا بھی ضروری تھا کہ نماز قائم کرنے کے مستحق امرا ہیں، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "امام سمیت چار ہوں، الخ۔ اور امام کا ہونا شرط نہیں ہے، واللہ اعلم۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا بیان

اصل ان میں یہ ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک دن مقرر ہوتا ہے اس میں تجمل کرتے ہیں اور خوب زینت کے ساتھ اپنے شہروں سے نکلتے ہیں اور یہ ایک ایسی رسم ہے کہ اس سے عرب وعجم کی کوئی قوم خالی نہیں ہے اور جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ان کے لئے دو دن مقرر تھے کہ ان میں کھیل کود کرتے تھے، آپ نے فرمایا یہ دو روز کیسے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا ان دونوں دنوں میں ایام جاہلیت میں ہم کھیل کود کرتے تھے، آپ نے فرمایا، خدا تعالیٰ نے تم کو ان کے بدلہ میں ان سے بھی بہتر دو روز عطا فرمائے وہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر ہیں"۔ بعض نے کہا کہ وہ دو روز جن میں وہ کھیلتے تھے نیروز اور مہرجان (۳) تھے، اور ان دونوں کو اس لئے بدلا کہ لوگوں میں کوئی دن خوشی کا نہیں ہوتا مگر اس کے پائے جانے کا سبب شعائر دین کی تعظیم یا ائمہ مذہب کی موافقت یا اسی قسم کی کوئی بات ہوتی ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا خوف ہوا کہ اگر آپ نے ان کو اسی عادت پر چھوڑ دیا تو شعائر جاہلیت کی تعظیم یا ان کے اسلاف کے طریقہ کی ترویج پائی

---

(۱) حدیث انفضاض سے اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر قرآن شریف کی ان آیتوں میں ہے۔ وَاِذَا رَاَوْ تِجَارَۃً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا۔ (۲) گاؤں (۳) پارسیوں کی عید

جائے گی اس واسطے آپ نے ان کو دو اور دنوں کے ساتھ بدل دیا کہ ان میں ملت حنفیہ کے شعائر کی تعظیم پائی جاتی ہے اور ان دونوں دنوں میں تجمل کے ساتھ ذکر الٰہی اور ابواب بندگی کو بھی ملایا تا کہ مسلمانوں کا اجتماع محض کھیل کود ہی نہ ہو، اور تا کہ ان کا اجتماع اعلاء کلمۃ اللہ سے خالی نہ ہو، ان دونوں دنوں میں سے ایک وہ دن ہے جس میں وہ اپنے روزہ سے فارغ ہوتے ہیں اور ایک قسم کی زکوۃ ادا ہوتی ہے اس لئے دو فرحتیں حاصل ہوتی ہیں ایک فرحت طبعی جو ان کو روزہ کی عبادت شاقہ سے فراغت پانے سے اور فقیر کو صدقات لینے سے حاصل ہوتی ہے اور ایک فرحت عقلی جو خدا تعالیٰ کیطرف سے عبادت مفروضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمانے کی وجہ سے اور ان کے اہل وعیال کو دوسرے سال تک سلامت سے رکھنے کا انعام عطا فرمانے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، اور دوسرا وہ دن ہے جس میں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کیا ہے اور خدا تعالیٰ نے ان کے عوض میں ذبح عظیم عنایت کیا کیونکہ اس میں ملت حنفیہ کے ائمہ کے حالات کی یاد دہانی اور خدا تعالیٰ کی طاعت میں ان کے جان و مال خرچ کرنے اور ان کے بہت زیادہ صبر کرنے کے ساتھ لوگوں کو عبرت دلانا ہے اور اس میں حاجیوں کے ساتھ مشابہت اور ان کی تعظیم ہے اور جس کام میں وہ مشغول ہیں اس کا شوق دلانا ہے اسی وجہ سے تکبیر کا کہنا مسنون ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اور خدا تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اور بعوض اس کے کہ اس نے تم کو ہدایت فرمائی“ یعنی اس کے شکر میں کہ اس نے تم کو روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور اسی لئے قربانی اور آواز کے ساتھ تکبیر کہنا ایام منی میں مسنون ہوا اور جو شخص قربانی کا ارادہ کرے اس کے لئے سر نہ منڈانا مستحب ہوا اور نماز اور خطبہ مسنون ہوا تا کہ ان کا کوئی اجتماع اللہ تعالیٰ کے ذکر اور شعائر دین کی عظمت کے بدون نہ پایا جائے اور شارع نے اس کے ساتھ منجملہ مقاصد شرع کے ایک اور مقصد رکھا اور وہ یہ ہے کہ ہر ملت کے لئے ایک دن ضرور ہوتا ہے جس میں تمام شہر والے جمع ہوتے ہیں تا کہ ان کی شوکت ظاہر ہو اور ان کی کثرت معلوم ہو، اسی لئے عیدگاہ میں سب کا جانا مستحب ہوا حتی کہ بچوں اور عورتوں اور پردہ والی و حائضہ عورتوں کا نکلنا بھی مستحب ہے لیکن حائضہ عورتیں عیدگاہ سے علیحدہ ہو کر بیٹھیں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں اور اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے راستہ سے آتے تھے تا کہ دونوں راستوں والے مسلمانوں کی

شوکت دیکھیں، اور چونکہ عید کی اصل زینت ہے اس واسطے اچھا لباس پہننا اور دف بجانا اور راستہ کا بدلنا اور عید گاہ میں جانا مستحب ہوا۔

نماز عیدین کا مسنون طریقہ ہے کہ بغیر اذان واقامت کے نماز شروع کی جائے جس میں قرأت جہر سے کی جائے، جب تخفیف مقصود ہو تو سورۂ **سبح اسم ربک الاعلیٰ** اور سورہ **ھل اتاک** پڑھے اور جب طوالت کے ساتھ پڑھنا ہو تو سورہ ق اور سورہ **اقتربت الساعة** پڑھے، پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہے اور اہل کوفہ کے نزدیک یہ ہے کہ نماز جنازہ کی تکبیر کی طرح پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے چار تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد چار تکبیریں کہے، اور یہ دونوں طریقے مسنون ہیں لیکن جس پر اہل حرمین کا عمل ہے وہ راجح ہے۔

نماز کے بعد خطبہ پڑھے اس میں خدا تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم کرے اور وعظ ونصیحت کرے اور عید الفطر میں یہ بات خاص ہے کہ جب تک چند چھوہارے نہ کھالے نماز کو نہ نکلے اور ان کو طاق عدد میں کھانا چاہئے اور نماز کو جانے سے پہلے ہی صدقہ فطر ادا کردے تاکہ ایسے دن میں مساکین کو بھی غنا حاصل ہو جائے اور فراغت قلب کے ساتھ وہ نماز میں شریک ہوں اور تاکہ ماہ رمضان کے گزرنے پر جو اس کی تعظیم مراد ہے اس وقت عادت روزہ کے خلاف پایا جائے اور عید الاضحیٰ میں یہ بات خاص ہے کہ جب تک نماز سے فارغ نہ ہو کچھ نہ کھائے پھر اپنی قربانی کا گوشت کھائے کیونکہ اس میں قربانی کی عظمت اور اس کی طرف رغبت کا ہونا اور اس کا متبرک سمجھنا پایا جاتا ہے اور نماز کے بعد قربانی کرے کیونکہ ذبح کرنا محض حجاج کے ساتھ مشابہت ہونے کی وجہ سے عبادت شمار کیا جاتا ہے اور یہ مشابہت نماز کے لئے جمع ہونے سے ان کو حاصل ہو سکتی ہے اور قربانی کے لئے بھیڑ کا ایک برس کا بچہ اور دنبہ کا چھ مہینہ کا بچہ ہر گھر والے کی طرف سے کافی ہے اور قربانی کو ہدی پر قیاس کر کے گائے اور اونٹ کی قربانی کو سات آدمیوں کی طرف سے کافی سمجھا۔

اور چونکہ قربانی اللہ کے لئے مال خرچ کرنے کے قبیل سے ہے اور اس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے ''ان کے گوشت اور خون خدا کے پاس کبھی نہیں پہنچتے۔ لیکن تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے'' اس واسطے قربانی کے جانور کو موٹا کرنا اور اچھے کو پسند کرنا مستحب ہوا کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی

طرف صحیح رغبت ہونے پر دلالت پائی جاتی ہے پس اسی وجہ سے چار قسم کی قربانیوں سے منع کیا گیا ہے، ایک لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور ایک وہ جانور جس کی آنکھ صاف پھوٹی ہوئی ہو اور ایک وہ جانور جس کی بیماری ظاہر ہو اور ایک نہایت دبلا جانور جس کی ہڈیوں کا مغز بھی گھل گیا ہو، اور ایسے جانور کی قربانی کرنا بھی منع ہے جس کا سینگ یا کان نہ ہو اور آنکھ و کان کا دیکھ لینا مستحب ہے اور جس جانور کا کان سامنے سے کٹا ہوا ہو اس کی قربانی نہ کی جائے اور نہ اس جانور کی قربانی کی جائے جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو اور نہ اس جانور کی جس کا کان پھٹا ہوا ہو اور نہ اس جانور کی جس کے کان میں سوراخ ہو، اور نر سینگ والے کی قربانی مسنون ہے جس کی آنکھیں سیاہ ہوں اور پیٹ اور سینہ سیاہ ہو اور پاؤں سیاہ ہوں کیونکہ یہ سب باتیں بکرے کے پورے جوان ہونے کی ہیں، اور قربانی کے وظائف میں سے یہ ہے: **انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض الخ، اللھم منک والیک و لک من اللہ واللہ اکبر.**

جنازوں کا بیان

واضح ہو کہ مریض کی عیادت کرنا اور مبارک دعاؤں سے اس کا تمسک کرنا اور نزع کے وقت نرمی کی باتیں کرنا اور میت کی تکفین وتدفین کرنا اور اس کے ساتھ نیکی کرنا اور اس پر رونا اس کے پس ماندوں سے ماتم پرسی کرنا اور قبروں کی زیارت کرنا یہ ایسے امور ہیں جو عرب کے تمام لوگوں میں مروج ہیں، اور یہ یا ان کی نظیر تمام عجم میں مستعمل ہیں اور یہ ایسی رسوم ہیں جن سے سلیم المزاج لوگ خالی نہیں اور نہ ان کے لئے مناسب ہے کہ وہ ان سے جدا رہیں، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ نے ان کی عادات کو ملاحظہ فرمایا اور ان کی اصلاح فرمائی اور ان میں جو ناقص تھیں ان کی تصحیح فرمائی، اور مصلحت جس کا لحاظ رکھا گیا ہے دنیا کے اعتبار سے یا آخرت کے اعتبار سے یا تو وہ خاص مریض کی طرف راجع ہوتی ہے اور زیادہ انہی دونوں اعتباروں میں سے کسی اعتبار سے اس کے اہل وعیال کی طرف راجع ہوتی ہے یا وہ ملت کی طرف راجع ہوتی ہے۔

اور مریض اپنی دنیوی زندگی میں اس بات کا حاجتمند ہوتا ہے کہ اس کی تکلیف ومصیبت کو تسلی بخش باتوں سے دور کیا جائے اور نرمی برتی جائے اور جس کام کو وہ خود نہ کر سکے اس میں لوگ اس کی اعانت کریں اور وہ امر بغیر اس بات کے ممکن نہیں کہ اس کے بھائی بند اور شہر والوں کو اس کے ہاں آنا سنت لازمہ قرار دیا جائے۔

اور امور آخرت میں اس بات کی طرف حاجت ہے کہ صبر کرے اور تمام سختیاں اس کو ایسی دکھائی دیں جیسے تلخ دوا جس کا ذائقہ اس کو ناگوار لگتا ہے لیکن اس کے نفع کی امید رکھتا ہے تاکہ بیماری حیات دنیا میں غرق ہونے کا اور خدا تعالیٰ سے محجوب اور کنارہ کش ہونے کا سبب نہ ہو جائے

بلکہ اس کی جان کے اجزا تحلیل ہونے کے ساتھ وہ بیماری اس کے گناہوں کی کمی ہونے کا باعث ہو اور یہ بات بغیر اس کے ممکن نہیں کہ صبر کے فوائد اور تکالیف کے منافع پر آگاہ کیا جائے، اور جان نکلنے کا وقت اس کے حق میں دنیا کا اخیر دن اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے پس اس وقت ضروری ہے کہ اس کو ذکر الٰہی اور توجہ الی اللہ کی طرف رغبت دلائی جائے تا کہ اس کی جان ایمان کے جامہ میں اس دنیا میں مفارقت کرے اور آخرت میں اس کا ثمرہ اس کو حاصل ہو، اور انسان جبکہ وہ سلیم المزاج ہو جس طرح اس کی سرشت میں مال اور اولاد کی محبت داخل ہوتی ہے اسی طرح یہ بات بھی اس کی سرشت میں داخل ہوتی ہے کہ حالت زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد اس کو لوگ بھلائی کے ساتھ یاد کریں اور اس کا کوئی عیب ان پر ظاہر نہ ہو حتی کہ ہر گروہ کے بڑے بڑے صحیح العقل اس بات کو دل سے پسند کرتے ہیں کہ مال کثیر صرف کر کے کوئی بلند عمارت تیار کی جائے جس سے ان کا ذکر باقی رہے اور ہلاکتوں میں گھس پڑتے ہیں تا کہ مرنے کے بعد لوگ ان کو بہادر کہیں، اور کوئی یہ وصیت کرتا ہے کہ اس کی قبر بلند بنائی جائے تا کہ لوگ یہ کہیں کہ وہ اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی بڑا صاحب نصیب ہے اور حتی کہ ان کے حکما نے یہ کہہ دیا کہ جس کا ذکر لوگوں میں موجود ہے وہ مردہ نہیں ہیں۔ اور جبکہ یہ ایسی بات تھی کہ اسی پر لوگ پیدا ہوتے ہیں اور اسی پر مرتے ہیں تو ان کے خیال کی تصدیق اور ان کے وعدہ کا پورا کرنا ان کے مرنے کے بعد ایک طرح کا ان کے ساتھ احسان کرنا ہے۔

اور نیز جب روح جسم سے جدا ہوتی ہے تو وہ بدستور سابق حساس رہتی ہے جو حس مشترک وغیرہ سے ادراک کرتی ہے اور جو علوم اور خیالات دنیوی زندگی میں اس کے ساتھ تھے مرنے کے بعد بھی اس میں باقی رہتے ہیں اور اس پر عالم بالا سے اور زائد معلوم مترشح ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی ہمتیں حظیرۃ القدس تک پہنچتی ہیں پس جب وہ میت کے لئے نہایت گڑگڑا کر دعا خیر کرتی ہیں یا اس کے لئے کوئی بڑا صدقہ دیتی ہیں تو خدا تعالیٰ کی تدبیر سے وہ میت کے لئے نافع پڑتا ہے اور اس فیض کے ساتھ مل کر جو اس پر حظیرۃ القدس سے نازل ہوتا ہے اس میت کی درستی حالت کا سبب ہو جاتا ہے اور اہل میت کو اس کی موت سے بہت صدمہ اور غم لاحق ہوتا ہے تو دنیوی اعتبار سے ان کے لئے مصلحت اس میں ہے کہ

لوگ ماتم پرسی کے لئے آئیں تا کہ ان کا غم کچھ کم ہو، اور میت کے دفن کرانے میں ان کی اعانت کریں اور ان کے لئے اتنا کھانا تیار کر کے دیں جو ان کو ایک دن رات سیر کر دے، اور آخرت کے اعتبار سے ان کے لئے بھلائی اس میں ہے کہ ان کو اجر عظیم کی ترغیب دلائی جائے تا کہ ہمہ تن وہ غم میں نہ پڑیں اور توجہ الی اللہ کا دروازہ ان پر کشادہ ہو جائے، اور نوحہ کرنے سے اور گریباں پھاڑنے سے اور تمام ان چیزوں سے منع کیا جائے جو غم اور مصیبت کو یاد دلاتی ہیں اور جو غم اور پریشانی کو زیادہ کرتی ہیں کیونکہ اہل میت اس وقت میں بہ منزلہ مریض کے ہوتا ہے اس کو مرض کے علاج کی ضرورت ہے نہ یہ کہ اس کا مرض اور بڑھایا جائے اور اہل جاہلیت نے بہت سی ایسی رسمیں ایجاد کر رکھی تھیں جو شرک کی طرف داعی تھیں اس واسطے مصلحت شرعی کا یہ مقتضی ہوا کہ یہ دروازہ بھی بند کر دیا جائے جب تم کو یہ سب باتیں معلوم ہو گئیں تو اب ہم تم کو ان احادیث کے معنی بتلاتے ہیں جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس مسلمان کو کوئی مصیبت مرض وغیرہ کی پہنچتی ہے تو اس کے سبب سے خدا تعالیٰ اس کے گناہ کو کم کر دیتا ہے جس طرح درخت سے اس کے پتے جھڑ جاتے ہیں“۔

میں کہتا ہوں گناہوں کے معاف ہونے کے اسباب کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، منجملہ ان اسباب کے ایک سبب حجاب نفسانی کا کمزور ہو جانا اور روح بہیمیہ کا جو اخلاق رذیلہ کو اٹھائے پھرتی ہے تحلیل ہو جانا ہے اور اہل مصیبت کا دنیوی زندگی کے اطمینان سے ایک طرح کا بیزار ہو جانا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی حالت نرم شاخ کی سی ہے اور منافق کی حالت صنوبر کے درخت کی سی ہے“، الحدیث۔

میں کہتا ہوں اس میں یہ بھید ہے کہ انسان کے نفس میں دو قوتیں ہیں ایک قوت بہیمیہ اور دوسری قوت ملکیہ، اور انسان کی یہ خاصیت ہے کہ کبھی اس کی بہیمیت دب جاتی اور ملکیت ظاہر ہو جاتی ہے سو اس وقت وہ ملائکہ میں شمار ہونے لگتا ہے اور کبھی ملکیت دب جاتی ہے اور بہیمیت کا ظہور ہو جاتا ہے سو اس وقت وہ انسان چوپائے کی طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک بے قدر ہو جاتا ہے اور جب انسان قوت بہیمیہ سے نکل کر قوت ملکیہ کی سلطنت کی طرف آتا ہے تو اس کو مختلف حالات پیش آتے ہیں جن میں ان دونوں قوتوں کا باہم مقابلہ رہتا ہے کبھی قوت بہیمیہ ملکیہ پر غلبہ کرتی ہے

اور کبھی قوت ملکیہ بہیمیہ پر، اور دنیا میں جزا اور سزا دینے کے یہی مواقع ہوتے ہیں، اور دنیا کے اندر جزا اور سزا کی حقیقت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں پس اس کو دیکھ لیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ بیمار یا مسافر ہوتا ہے تو اس کے لئے اتنا ہی عمل لکھا جاتا ہے جو حالت صحت واقامت میں وہ کرتا تھا''۔

میں کہتا ہوں جب آدمی کسی کام کو کرنے کا پورا قصد کرتا ہے اور بجز مانع خارجی کے اور کوئی چیز نہیں روکتی تو اس نے دل کا کام پورا کرلیا اور تقویٰ خاص دل ہی میں ہوتا ہے اور باقی اعمال تقویٰ کی شرح اور اس کے لئے موکد ہوتے ہیں جن کو بوقت قدرت کیا جاتا ہے اور بوقت عجز ترک کردیا جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شہید پانچ لوگ ہیں یا یہ فرمایا کہ سات لوگ ہیں'' الحدیث،

میں کہتا ہوں وہ سخت مصیبت جو بندے کے اختیار سے نہیں ہوتی گناہوں کے دور کرنے میں اور اس شخص پر رحمت الٰہی نازل کرنے میں شہادت کا کام کرتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو واپس آنے تک جنت کے پھل چنتا رہتا ہے''۔

میں کہتا ہوں شہر والوں کی آپس میں محبت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ایک دوسرے کی حاجت کے وقت مدد کریں اور اللہ تعالیٰ کو وہ چیز پسند ہے جس میں ان کے شہر کی بھلائی ہو اور باہم محبت پیدا کرنے کے لئے عیادت کرنا بہت عمدہ سبب ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا'' اے ابن آدم میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت بھی نہ کی الخ''۔

میں کہتا ہوں اس تجلی کا حال بہ نسبت اس روح اعظم کے جس کا بیان اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: الملئكة والروح، اس صورت کا سا حال ہے جو انسان کو خواب میں بہ نسبت اس انسان کے ظاہر ہوتی ہے پس جس طرح انسان کا اعتقاد اپنے رب کی نسبت یا اس کے حکم اور رضا کی نسبت اس شخص کے حق میں عالم خواب میں رب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اسی لئے مومن کامل کی یہ شان ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو خواب میں نہایت حسین صورت میں دیکھتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا اور اسی لئے جو شخص خواب میں خدا تعالیٰ کو اپنے دروازہ کی دہلیز میں طمانچہ

مارتے دیکھے تو اس کی یہ تعبیر ہے کہ اس دہلیز میں اس نے خدا تعالیٰ کا کوئی قصور کیا ہے، اسی طرح خدا تعالیٰ کا حق اور اس کا حکم اور اس کی رضا مندی اور اس کی تدبیر اور افراد انسان کے لئے اس کی قیومت اور اس کا ان کے وجود کا مبدا ہونا اور وہ اعتقاد جو افراد انسان کو بوقت صحت مزاج اور استقامت نفوس اپنے رب کی نسبت ہوتا ہے یہ سب امور افراد انسان کے اندر صورت نوعیہ کے عطا کے موافق عالم آخرت میں بہت سی شکلوں کے ساتھ متمثل ہو کر ظاہر ہوں گے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان کیا ہے اور یہ تجلی اس روح اعظم کی تجلی ہے جو افراد انسان کی جامع اور ان کی کثرت کا مبلغ اور دنیا و آخرت میں ان کی ترقی کا منتہی ہے، اس سے میری یہ مراد ہے کہ وہاں پر اللہ تعالیٰ کی باعتبار اس کی قومیت اور اس کے حکم کے ایک شان کلی ہے جس کو آخرت میں اپنے دلوں کی بینائی سے ہمیشہ دیکھتے رہیں گے اور کبھی جب کسی صورت مناسبہ میں وہ شان ظاہر ہو گی تو اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھیں گے، الحاصل پس اسی لئے یہ تجلی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے حق کے ساتھ صورت نوعیہ کے فیضان کے موافق انسان کے افراد میں ظاہر ہوتی ہے جیسے باہم ان کا مانوس ہونا اور ان کا کمال انسانی کو جو نوع انسان کے ساتھ خاص ہے حاصل کرنا، اور پسندیدہ مصلحت کا اپنے اندر قائم کرنا، اس واسطے جو چیز لوگوں کی حالتوں میں سے ہے اس علاقہ کی وجہ سے اپنی طرف اس کا منسوب کرنا ضروری ہوا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منتروں کی اجازت دی ہے جو پورے اور کامل ہیں جن کے اندر خدا تعالیٰ کا ذکر اور اس سے مدد مانگنا مذکور ہے، اس سے آپ کو یہ منظور ہے کہ اللہ کی رحمت ان پر چھا جائے اور ان کے مصائب دور ہو جائیں، اور زمانہ جاہلیت میں لوگ جو اپنے بتوں سے مدد مانگا کرتے تھے اس سے ان کو روکنا مقصود تھا اور اس کے عوض میں عمدہ منتر ان کے لئے مقرر کرنا تھا۔

منجملہ ان منتروں (۱) کے یہ ہے کہ منتر پڑھنے والا اپنا دایاں ہاتھ مریض پر پھیرتا جائے اور یہ پڑھتا جائے۔ **اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافي لا شفاء الا شفاؤک شفاء لايغادر سقما**، اور از اں جملہ یہ ہے: **بسم الله ارقیک من کل شئ یؤذیک من شر کل نفس او عین حاسد الله یشفیک باسم الله ارقیک**، اور از اں جملہ یہ

---

(۱) ان میں غیر شرعی کلمات نہیں ہیں بلکہ یہ تعویذ کے کلمات ہیں۔ (قاسمی)

ہے: اعیذک بکلمات اللہ التامة من کل شیطان وھامة ومن کل عین لامة، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ سات مرتبہ اس کو پڑھے۔ اسال اللہ العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر دم کرے اور جس جگہ مریض کے جسم پر درد ہو وہاں ہاتھ پھیرے اور تین بار بسم اللہ کہے اور سات بار کہے اعوذ بعزة اللہ وقدرته من شر ما اجد واحاذر، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ پڑھے بسم اللہ الکبیر اعوذ باللہ العظیم من شر کل عرق نعار ومن شر حر النار، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ پڑھے، ربنا اللہ الذی فی السماء تقدس اسمک امرک فی السماء والارض کما رحمتک فی السماء فاجعل رحمتک فی الارض اغفرلنا حوبنا وخطایانا انت رب الطیبین انزل رحمة من رحمتک وشفاء من شفائک علی ھذا الوجع.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے'' الحدیث،

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں منجملہ آداب انسان سے یہ بھی ہے کہ وہ نعمت خداوندی کے زوال کو چاہنے کی جرأت نہ کرے، اور زندگی خدا تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، کیونکہ وہ نیکی کمانے کا ذریعہ ہے اس واسطے کہ انسان جب مر جاتا ہے تو اس کے اکثر عمل منقطع ہو جاتے ہیں اور سوائے طبعی ترقی کے کچھ ترقی نہیں کر سکتا، اور نیز موت کی آرزو کرنا نہایت بے باکی اور بے اطمینانی ہے اور یہ دونوں بدترین اخلاق میں سے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص خدا تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے خدا اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو شخص خدا سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے خدا اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے''۔

میں کہتا ہوں خدا تعالیٰ سے ملنے کے یہ معنی ہیں کہ ایمان بالغیب سے ترقی کر کے ایمان عینی وبالمشاہدہ کی طرف منتقل ہو جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ بہیمیت کے بھاری بھاری پردے اس سے دور ہو کر ملکیت کا نور اس پر ظاہر ہو جائے اور عالم قدس سے اس پر یقین مترشح ہونے لگے اور جن چیزوں کا اس سے وعدہ کیا گیا تھا وہ سب اس کو دکھائی اور سنائی دینے لگیں، اور مومن بندہ جو ہمیشہ اپنی بہیمیت کے دفع کرنے میں اور اپنی ملکیت کو قوی کرنے میں کوشش کرتا ہے تو اس حالت

کی طرف ایسا مشتاق ہوتا ہے جیسے ہر عنصر اپنے مکان طبعی کا مشتاق ہوتا ہے اور ہر ذی حس اس چیز کی طرف مشتاق ہوتا ہے جو اس حس کی لذت ہے، اگر چہ باعتبار نظام جسمانی کے اس کو موت اور اس کے اسباب سے نفرت اور تکلیف ہوتی ہے اور نافرمان بندہ جو ہمیشہ بہیمیت کے فربہ کرنے کی کوشش کرتا ہے دنیوی زندگی کا مشتاق اور اس کی طرف مائل رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی کراہیت جو حدیث میں وارد ہوئی ہے وہ بطور مشاکلہ کے ہے اور اس سے مراد نافع یا مضر چیزوں کو موجود ومہیا کرنا اور اس کی گھات میں لگا رہنا ہے۔

اور چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر دونوں چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ مشتبہ ہو گئی تھیں اس واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کی ظاہر ترین حالت کا جس کا عالم بالا سے فیضان ہوتا ہے اور جو دوسری حالت کے ساتھ مشتبہ نہیں ہوتی اور وہ ملائکہ کے ظاہر ہونے کی حالت ہے ذکر کر کے معنی مراد پر مطلع کر دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اس حال میں کہ وہ اپنے رب سے حسن ظن رکھتا ہو‘‘۔

واضح ہو کہ کوئی عمل صالح اس چیز کے ادا کرنے کے بعد جس سے نفس راستی پر آتا ہے اور جس سے اس کی کجی دور ہوتی ہے یعنی فرائض کو ادا کرنا اور کبائر سے بچنا، انسان کے لئے اس سے زیادہ نافع نہیں ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے بھلائی کی امید کرے کیونکہ پر امید ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نازل ہونے کا سبب بننے میں بہ منزلہ ایسی دعا کے ہے جس میں کمال رغبت ہو اور بہ منزلہ مضبوط ارادہ کے ہے اور خوف الٰہی تو ایک تلوار ہے جس سے دشمنان خدا سے جو قوت شہوانیہ اور قوت سبعیہ اور وساوس شیطانی کے مستحکم پردے ہیں، مقاتلہ کیا جاتا ہے اور جس طرح کوئی شخص جو لڑائی میں مہارت نہیں رکھتا کبھی تلوار سے حملہ کرتے وقت اپنے ہی لگا لیتا ہے اسی طرح جو آدمی تہذیب نفس میں کامل نہیں ہوتا کبھی کبھی خوف الٰہی کو بے محل استعمال کرتا ہے اور وہ اپنے تمام اعمال حسنہ کو عجب اور ریا اور تمام آفات میں آلودہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے اجر سے بالکل ناامید ہو جاتا ہے اور اپنے تمام صغیرہ گناہوں اور لغزشوں کے متعلق یہی گمان کرتا ہے کہ ان کا وبال ضرور بالضرور واقع ہوگا، پس جب وہ مر جاتا ہے تو اس کے گناہ متمثل ہو کر اس کے گمان میں اس کو کاٹتے ہیں اور ان خیالی صورتوں میں قوت مثالیہ کے فیضان کا وہ سبب بن جاتا ہے پس وہ ایک قسم کے

عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ان شکوک اور خیالات کی وجہ سے وہ اپنے اعمال صالحہ کا معتد بہ فائدہ نہیں حاصل کرتا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ”میں اپنے بندہ کے گمان کے موافق پیش آتا ہوں“ اور چونکہ انسان اپنے مرض اور ضعف کی حالت میں بسا اوقات خوف کی تلوار کو اس کے موقع پر نہیں استعمال کرسکتا یا وہ موقع اس پر مشتبہ ہو جاتا ہے اس واسطے اس کے حق میں یہی مسنون کیا گیا کہ بہ نسبت خوف کے اس کی امید زیادہ ہونی چاہئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لذتوں کو قطع کرنے والی چیز کا ذکر اکثر کیا کرو“۔

میں کہتا ہوں حجاب نفسانی کے توڑنے میں اور طبیعت کو دنیا کی زندگی کے لذائذ سے باز رکھنے میں ذکر موت سے زیادہ کوئی چیز نافع نہیں کیونکہ موت کی یاد دنیا سے مفارقت کی صورت کو اور اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کی ہیئت کو اس کی آنکھوں کے سامنے متشکل کر دیتی ہے اور اس تصویر کا عجیب اثر ہوتا ہے اور اس کا تھوڑا سا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں وہاں دیکھ لینا چاہئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا“۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ موت اس کو گھیرے ہوئے ہے اس کا اللہ تعالیٰ کی یاد میں اپنے دل کو لگانا اس کے ایمان کی صحت کی اور دل میں محبت ایمان کے داخل ہونے کی دلیل ہے اور نیز مرتے وقت اس کا اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا دل نیکی کے رنگ میں رنگا ہوا ہے پس جو ایسی حالت میں مر گیا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو، اور آپ نے فرمایا ”اپنے مرنے والوں کے پاس سورہ یٰسین پڑھا کرو“۔

میں کہتا ہوں مرنے والے کے ساتھ باعتبار اس کی آخرت کی درستی کے یہ بہت بڑا احسان ہے اور لا الٰہ الا اللہ کو اس لئے خاص کیا کہ وہ افضل الذکر ہے جو توحید پر اور نفی شرک پر مشتمل ہے اور اذکار اسلام میں سب سے عمدہ ہے اور سورہ یٰسین کو اس لئے خاص کیا کہ وہ قرآن کا دل ہے اور اس کا بیان عنقریب آئے گا، دوسرے یہ کہ وہ نصیحت کے لئے کافی مقدار ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس کسی مسلمان پر کوئی مصیبت پڑے اور پھر وہ حسب حکم الٰہی یہ کہے: **انا للہ انا الیہ راجعون اللّٰھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا**، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے

بہتر معاوضہ دے گا“۔

میں کہتا ہوں یہ حکم اس لئے ہے کہ مصیبت زدہ کو وہ ثواب یاد آجائے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اور وہ یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر بدلہ دینے پر قادر ہے تاکہ اس کا رنج کم ہو جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب تم کسی مردہ کے پاس جاؤ تو اس کے لئے خیر کی بات کہو“ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سلمہؓ کے حق میں کہا تھا: اے اللہ تعالیٰ ابو سلمہ کی مغفرت فرما اور اس کا درجہ بلند کر“ الحدیث،

میں کہتا ہوں زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے اوپر بد دعا کیا کرتے تھے (۱) اور کبھی وہ قبولیت کی ساعت میں واقع ہوتی تھی پس وہ بد دعا قبول ہو جاتی تھی پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بدل کر ایسے کلمہ کا حکم فرمایا جو میت کے لئے اور لوگوں کے لئے نافع ہے، اور نیز یہ پہلا صدمہ ہوتا ہے پس یہ دعا مسنون ہوئی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کا وسیلہ ہو جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی زینب کے لئے عورتوں سے کہا تھا ”اس کو طاق طاق نہلاؤ تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ پانی اور بیری کے پتوں سے، اور اخیر مرتبہ میں کافور لگاؤ اور فرمایا کہ اس کی دائیں طرف سے شروع کرو اور اس کے وضو کے مواضع سے شروع کرو“۔

میں کہتا ہوں مردہ کے نہلانے میں اصل یہ ہے کہ اس کو زندہ کے غسل پر قیاس کیا جائے کیونکہ وہ اپنی زندگی میں ایسا ہی غسل کرتا تھا اور غسل دینے والے اپنے لئے بھی ایسا ہی غسل کرتے ہیں اس واسطے میت کی تعظیم میں اس غسل سے بڑھ کر نہلانے کی اور کوئی صورت نہیں۔

اور بیری کے پتے اور کئی دفعہ دھونے کا اس لئے حکم دیا کہ مرض میں بدن پر میل اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور اخیر میں کافور لگانے کا اس لئے حکم دیا کہ اس کی تاثیر یہ ہے کہ جس چیز میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے وہ جلدی نہیں بگڑتی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے لگانے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ موذی جانور اس کے قریب نہیں آتا اور دائیں جانب سے شروع کرنے کا اس لئے حکم دیا تاکہ مردوں کا غسل بہ منزلہ زندوں کے غسل کے ہو جائے اور تاکہ ان اعضا کی تعظیم معلوم ہو۔

اور شہید کے بارے میں غسل نہ دینے کی اور اس کے کپڑوں میں اور اس کے خون میں دفن

---

(۱) آج بھی بعض جہلا بعض اوقات اسی قسم کے کلمات بد خود اپنے ہی حق میں کہہ جاتے ہیں۔ (قاسمی)

کرنے کی جو سنت جاری ہے وہ اس لئے کہ اس کے اس فعل کی عظمت ہو اور ظاہر میں اس کے بقا عمل کی صورت متمثل ہو اور اس لئے کہ نفوس بشریہ جب اپنے جسموں کو چھوڑتے ہیں تو وہ حساس ہوتے ہیں اور ان کو اپنی جانوں کا علم رہتا ہے اور ان میں سے بعض کو ان چیزوں کا بھی علم رہتا ہے جو ان کے ساتھ کی جاتی ہیں پس جب اس جیسے عمل کا اثر باقی رکھا جائے گا تو اس کو اس عمل کے یاد دلانے میں مدد دیگا اور اس کے سامنے متشکل رہے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے یہی مراد ہے ''قیامت کے روز شہیدوں کے زخموں سے خون جاری ہوں گے، رنگ خون کا سا ہوگا اور خوشبو مشک کی سی ہوگی اور محرم (۱) کے حق میں بھی حدیث صحیح وارد ہے ''اس کو دونوں کپڑوں میں کفنادو اور نہ اس کو خوشبو لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانکو کیونکہ وہ قیامت کے روز تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا پس اس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا۔

اور اسی نکتہ کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ''قیامت کے روز مردہ اپنے ان کپڑوں میں اٹھے گا جن میں وہ مرا ہے''۔ اور کفن میت میں اصل اس سونے والے کے ساتھ مشابہت کا ہونا ہے جو اپنے کپڑے میں لپٹ کر سوتا ہے، مرد کے حق میں پورا کفن تہبند اور کرتا اور اوپر کی چادر ہے یا حلہ یعنی دو کپڑے ہیں اور عورت کے حق میں پورا کفن ان کپڑوں کے ساتھ کچھ اور بھی ہے کیونکہ اس کے لئے زیادہ ستر مناسب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زیادہ قیمتی کفن نہ دو کیونکہ وہ بہت جلد اس سے جدا ہو جائے گا''۔ اس سے افراط وتفریط کے درمیان اعتدال مراد ہے اور یہ کہ زیادہ قیمتی کفن (۲) دینے میں جاہلیت کی عادت نہ اختیار کریں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جنازہ کو جلدی لے جاؤ''۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ دیر کرنے میں میت کی لاش کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے اور اس کے قرابت والوں کو بیقراری ہوتی ہے کیونکہ جب وہ میت کو دیکھیں گے تو ان کو بے چینی زیادہ ہوگی اور جب وہ ان کی نظر سے غائب ہو جائے گا تو وہ اور کام میں مشغول ہو جائیں گے اور

---

(۱) اتفاق سے کسی محرم کا حالت احرام میں انتقال ہو جائے۔ (قاسمی)

(۲) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ سے فرمایا تھا کہ نئے کپڑوں کا زندے زیادہ مستحق ہیں مجھے، پرانے کپڑے ہی میں دفن کیا جائے (قاسمی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سببوں کی طرف ایک کلمہ میں اشارہ فرمایا، آپ نے فرمایا ''کسی مسلمان کی لاش کو اس کے گھر والوں کے سامنے روکے رکھنا مناسب نہیں ہے''۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ ''اگر وہ نیک ہے (۱)'' الخ۔

میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک یہ کلام حقیقی معنی پر محمول ہے اور بعض نفوس جب اپنے بدن سے جدا ہوتے ہیں تو جو کچھ ان کے بدن کے ساتھ کیا جاتا ہے اس کو وہ محسوس کرتے ہیں اور روحانی کلام کے ساتھ کلام کرتے ہیں جو نفوس پر مترشح ہونے کی وجہ سے سمجھا جاتا ہے اور کانوں کے ذریعہ نہیں سنا جاتا جو لوگوں کا طریق مالوف ہے، اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سوائے انسان کے اس کی آواز کو ہر چیز سنتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص ایمان و ثواب سمجھ کر مسلمان کے جنازے کے پیچھے چلا (۲)'' الخ۔

میں کہتا ہوں جنازہ کے ساتھ چلنے کا حکم دینے میں راز یہ ہے کہ اس میں میت کی تعظیم اور اس کے رشتہ داروں کے دلوں کو تسلی ہوتی ہے اور تاکہ وہ مسلمانوں کے ایک صالح گروہ کا میت کے حق میں دعا کرنے کے واسطے، اس کے دفن کرنے میں اس کے رشتہ داروں کی مدد کرنے کے واسطے اجتماع کا ذریعہ بنے اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کے لئے ٹھیرنے میں رغبت دلائی یہاں تک کہ اس کے دفن کرنے سے لوگوں کو فراغت ہو جائے اور جب تک جنازہ اتار کر زمین پر نہ رکھ دیا جائے لوگوں کو بیٹھنے سے منع کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تحقیق موت پریشانی کی چیز ہے پس جب تم کسی جنازہ کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ'' (۳)۔

میں کہتا ہوں جبکہ لذتوں کے دور کرنے والی شئے کا یاد کرنا اور اپنے بھائیوں کی عمر تمام ہو جانے سے عبرت پکڑنا مقصود تھا اور یہ ایک پوشیدہ بات تھی کہ اس کے کرنے والے اور نہ کرنے والے میں تمیز نہ ہو سکتی تھی اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطلوب کا انضباط قیام کے ساتھ کر دیا لیکن آپ نے ان کو ضروری قرار نہیں دیا اور نہ ہی وہ سنت قائمہ ہے، اور بعض نے اس کو

---

(۱) اور اس کی نماز پڑھی اور دفن سے فارغ ہو کر واپس آیا تو قیراط کے برابر اس کو ثواب ملے گا۔

(۲) اس کا اخیر جملہ یہ ہے کہ تو کہتا ہے مجھے جلدی پہنچاؤ اور اگر بد ہے تو کہتا ہے ہائے ہائے مجھے کہاں لئے جاتے ہو۔

(۳) بعض مواقع پر حضورؐ کا یہودیوں کے جنازے کو دیکھ کر کھڑا ہونا بھی ثابت ہے۔ (قاسمی)

منسوخ کہا ہے اور نسخ کی تقدیر پر اس کے منسوخ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ اہل جاہلیت ایسے افعال کیا کرتے تھے جو کھڑے ہونے کے مشابہ تھے پس آپ کو اس بات کا خوف ہوا کہ یہ کھڑا ہونا غیر محل پر محمول کر لیا جائے اور اس طرح ممنوعات کا دروازہ کھل جائے، واللہ اعلم۔

اور نماز جنازہ اس لئے مقرر کی گئی مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش کرنے کے واسطے جمع ہونا میت پر رحمت الٰہی نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے اور نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ امام اس طرح پر کھڑا ہو کہ میت اس کے اور قبلہ کے درمیان ہو اور لوگ اس کے پیچھے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں اور امام چار تکبیریں کہے اور ان میں میت کے لئے دعا کرے پھر سلام پھیر دے اور یہ وہ طریقہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مقرر ہوا اور اس پر تمام صحابہ اور تابعین نے اجماع کیا اگرچہ اس باب میں متخالف حدیثیں بھی وارد ہیں، اور اس نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی مسنون ہے کیونکہ وہ سب دعاؤں میں بہتر اور جامع ہے خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں بندوں کو اس کی تعلیم فرمائی ہے اور ان دعاؤں میں سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر پڑھی ہیں اور محفوظ چلی آئی ہیں یہ ہے: **اللهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا وصغيرنا وكبيرنا وذكرنا وانثانا اللهم من احييته منا فاحيه على الاسلام ومن توفيته منا فتوفه على الايمان اللهم لاتحرمنا اجره ولا تفتنا بعده**، اور **اللهم ان فلان بن فلان في ذمتك وحبل جوارك فقه من فتنة القبر وعذاب النار وانت اهل الوفا والحق اللهم اغفرله وارحمه انك انت الغفور الرحيم**، اور **اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وابدله داراً خيرا من داره واهلا خيراً من اهله وزوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار**، اور ایک روایت میں ہے، **وقه فتنة القبر وعذاب النار**.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ قبریں اہل قبور پر تاریکی سے پر ہوتی ہیں اور خدا تعالیٰ میری نماز سے ان کو پرنور کرتا ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو کوئی مسلمان ایسا مرتا ہے کہ اس کے جنازہ پر ایسے چالیس آدمی جو خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے کھڑے ہو کر دعا

کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ ان کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول فرماتا ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ "اس کے جنازہ پر سو مسلمانوں کا گروہ نماز پڑھے"۔

میں کہتا ہوں جبکہ اس شخص کی دعا کا پورا اثر ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک معزز ہے تا کہ اس کی دعا حجابوں کو پھاڑ کر رحمت الٰہی نازل کرنے کا باعث ہو جس طرح استسقا میں اس واسطے دو امروں میں سے ایک میں رغبت دلانا ضروری ہوا، یا تو ایک شخص عالی مرتبہ ہو جو ایک جماعت کے برابر ہو یا ایک جماعت کثیر ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے اس میت کی ثنا خیر کی ہے اس کے لئے جنت واجب ہو گئی" الحدیث۔

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو ملاء اعلیٰ کو بھی اس سے محبت ہوتی ہے پھر اس کی قبولیت ملاء سافل میں نازل ہوتی ہے پھر نیک بندے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو اسی طرح اس کی ناراضگی درجہ بدرجہ نازل ہوتی ہے، پس جس بندہ کے لئے نیک مسلمانوں کی ایک جماعت خلوص دل سے بلا ریا اور بغیر اتفاق عادت کے نیکی کی گواہی دے تو یہ اس شخص کے ناجی ہونے کی دلیل ہے اور جب وہ کسی کی برائی بیان کریں تو یہ اس کے ہلاک ہونے کی علامت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو" تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم مورد الہام اور ترجمان غیب ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مردوں کو برا مت کہو کیونکہ وہ اپنے اعمال کی جزا تک پہنچ چکے ہیں"۔

میں کہتا ہوں چونکہ مردوں کو برا کہنا زندوں کی دلسوزی اور ایذا کا سبب ہے اور اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے اور نیز بہت سے لوگوں کا حال سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اس لئے برا کہنے سے لوگوں کو روکا گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب کو اہل جاہلیت کے ایک مردہ کو برا کہنے اور حضرت عباسؓ کا اس کی وجہ سے غصہ ہونے کے قصہ میں بیان فرما دیا ہے اب رہی یہ بات کہ جنازہ کے آگے چلنا چاہئے یا پیچھے اور اس کو چار آدمی اٹھائیں یا دو اور قبر میں پاؤں کی طرف سے اتاریں یا قبلہ کی طرف سے، پس اس میں مختار قول یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی گنجائش ہے اور ہر امر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث یا کوئی اثر مروی ہے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم لوگوں

کے لئے لحد ہے اور ہمارے سوا دوسروں کے لئے شق ہے"۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ لحد میت کی تعظیم کے مناسب ہے اور بلا ضرورت میت کے منہ پر مٹی ڈالنا بے ادبی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص اس لئے بھیجا تھا کہ کوئی تصویر مٹائے بغیر نہ چھوڑیں اور جس قبر کو اونچا دیکھیں اس کو گرا کر زمین کے برابر کر دیں اور قبر کو پختہ کرنے سے اور اس پر عمارت بنانے سے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا اور آپ نے فرمایا قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو کیونکہ یہ اس بات کا ذریعہ ہے کہ لوگ قبروں کی پرستش کرنے لگیں اور لوگ ان قبروں کی اتنی زیادہ تعظیم کرنے لگیں جس کی وہ مستحق نہیں پس لوگ اپنے دین میں تحریف کر ڈالیں جیسا کہ اہل کتاب نے کیا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اور قبر پر بیٹھنے کے معنی بعض نے یہ بیان کئے ہیں کہ اس سے زیارت کرنے والوں کا قبر پر ٹھیرنا مراد ہے اور بعض نے یہ کہا کہ اس سے قبروں پر پیر رکھنا مراد ہے اور اس تقدیر پر میت کی تعظیم ملحوظ ہے پس حق یہ ہے کہ توسط اختیار کرے نہ تو مردہ کی اس قدر تعظیم کرے جو شرک کے قریب ہو اور نہ اس کی اہانت اور اس کے ساتھ عداوت کرے۔

اور جبکہ میت پر رونا اور اس پر غم کرنا ایک طبعی امر جو لوگوں سے دور نہیں ہو سکتا اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ترک کی تکلیف دینے کو جائز نہ رکھا اور یہ ہونا بھی نہ چاہئے کیونکہ رونا اور غم کرنا ہم جنس ہونے کی رقت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور، یہ رقت قلبی قابل حمد ہے کیونکہ اہل مدینہ کا باہم مالوف و مانوس ہونا اس پر موقوف ہے اور نیز انسان کی سلامت مزاج کا یہ مقتضی ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں پر ہی رحم کرتا ہے" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسوؤں اور دل کے غمگین ہونے کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا لیکن اس کے سبب سے عذاب دیتا یا رحم کرتا ہے اور آپ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا" اور آپ نے فرمایا "جس نے رخساروں کو پیٹا اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی طرح چیخا چلایا وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

اس میں راز یہ ہے کہ ان باتوں سے غم بڑھتا ہے اور مصیبت زدہ جس کا کوئی مر گیا ہو وہ بہ

منزلہ مریض کے ہوتا ہے جو قابل علاج ہے تا کہ اس کا مرض کم ہو اور یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے درد کے زیادہ کرنے میں کوشش کی جائے اور اسی طرح وہ مصیبت زدہ اس مصیبت سے فارغ ہو گیا ہے جو اس پر پڑ چکی اور اب مناسب نہیں ہے کہ قصداً اس مصیبت میں پڑا رہے اور نیز اس بات کا بھی امکان ہے کہ بے قراری کا بڑھنا حکم الٰہی پر راضی نہ ہونے کا سبب بن جائے، اور نیز اہل جاہلیت لوگوں کے دکھانے کو رویا کرتے تھے اور یہ عادت خبیث اور ضرر رساں ہے اس واسطے اس سے لوگوں کو منع کیا گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی عورت کے بارے میں فرمایا

''قیامت کے روز اس کو کھڑا کیا جائے گا اس پر قطران (۱) کا کرتا اور گندھک کی چادر ہوگی''۔

میں کہتا ہوں یہ اس لئے ہوا کہ اس کے گناہ نے ہر طرف سے اس کو گھیر لیا اس واسطے گناہ کی صورت میں اس کو سزا دی گئی کہ بدبو اس کے سارے جسم کو گھیر لے، اور اس کو کھڑا اس لئے کیا جائے گا تا کہ اس کی شہرت ہو یا اس لئے کہ نوحہ کرتے وقت وہ کھڑی ہوئی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری امت میں جاہلیت کی چار باتیں ہیں جن کو وہ نہ چھوڑیں گے (۲)'' الحدیث،

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات کہ وہ ان خصلتوں کو ترک نہ کریں گے اس وجہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ باتیں طبیعت بشریہ کے حد سے بڑھ جانے کا مقتضیٰ ہیں جیسا کہ حد سے زیادہ شہوت جماع کا بڑھ جانا کیونکہ نفوس کے اندر ایک طرح کی غیرت ہے جو انساب میں ظاہر ہوتی ہے اور مردوں کے ساتھ ان کو محبت ہے جو رونے پیٹنے پر آمادہ کرتی ہے اور ایک طرح کی اٹکل ہے جو ستاروں سے بارش طلب کرنے کا سبب بنتی ہے اور اسی لئے عرب وعجم سب قوموں میں تم اس طریقہ کو دیکھتے ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کے بارے میں فرمایا جو جنازہ کے پیچھے چلتی تھیں ''لوٹ جاؤ تمہارے لئے گناہ ہے نہ کہ ثواب''۔

میں کہتا ہوں عورتوں کو اس لئے منع کیا گیا کہ ان کے حاضر ہونے سے شور اور رونے پیٹنے اور بے صبری اور بے پردگی کا احتمال ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس مسلمان کے تین بچے مر جائیں تو وہ دوزخ میں نہ

---

(۱) ایک روغنی سیال، وہ جو صنوبر جیسے درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ (قاسمی)

(۲) وہ چار چیزیں یہ ہیں: احساب میں فخر کرنا، انساب میں طعن کرنا، ستاروں سے بارش چاہنا، اور نوحہ کرنا۔

جائے گا‘‘۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے صبر کر کے اپنے نفس سے جہاد کیا اور دیگر وجوہات ہیں جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں پس ان کو وہاں دیکھنا چاہئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے گا تو اس کو بھی اس کے برابر ثواب ملے گا‘‘۔

میں کہتا ہوں اس کے دو سبب ہیں ایک یہ ہے کہ آنے والے کو ایسی رقت ہوتی ہے جیسی مصیبت زدہ کو اور دوسرے یہ ہے کہ عالم مثال کا مبنیٰ معانی مناسبہ کے ظاہر ہونے پر ہے پس مصیبت زدہ کی تعزیت کرنے میں مصیبت کی صورت ظاہر ہوتی ہے اس واسطے اس کی جزا کے مشابہ اس کو جزا دی گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کو ایسا حادثہ پیش آیا ہے جس نے ان کو اور کاموں سے روک دیا ہے‘‘۔

میں کہتا ہوں یہ اہل مصیبت کے ساتھ انتہائی ہمدردی ہے اور بھوک سے مرنے سے ان کی حفاظت کرنا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’میں نے تم کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کر دیا تھا اب تم ان کی زیارت کرو‘‘۔

میں کہتا ہوں آپ نے ان کو قبروں کی زیارت سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ اس سے قبر پرستی کا دروازہ کھلتا تھا پس جب اسلامی اصول مستحکم ہو گئے اور غیر اللہ کی عبادت کی حرمت لوگوں کے دلوں میں پیوست ہو گئی تو آپ نے ان کو زیارت کرنے کی اجازت دے دی اور اجازت دینے کی علت بھی بیان فرما دی کہ اس کا بڑا فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے موت یاد آتی ہے اور دنیا کے انقلاب پر عبرت حاصل ہونے کا کافی سبب ہے اور زیارت کرنے والا اہل قبور کے لئے یہ دعا پڑھے: السلام علیکم یا اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء الله بکم لاحقون نسال الله لنا ولکم العافية.

اور ایک روایت میں ہے: السلام علیکم یا اهل القبور، یغفر الله لنا ولکم وانتم سلفنا ونحن بالاثر، والله اعلم.

زکوۃ سے متعلق امور کا بیان

واضح ہو کہ زکوۃ میں سب زیادہ جس کی رعایت کی گئی ہے وہ دو مصلحتیں ہیں، ان میں سے ایک مصلحت انجام کار تہذیب نفس کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نفوس کے اندر بخل پایا جاتا ہے اور بخل اخلاق میں سے بدترین عادت ہے جو آخرت کے اندر نہایت ضرر رساں ہے اور جب بخیل شخص مرجاتا ہے تو اس کا دل مال کے ساتھ الجھا رہتا ہے اور اس وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے، اور جو زکوۃ کا عادی ہوجاتا ہے اور بخل کو اپنے نفس سے دور کردیتا ہے تو وہ اس کے لئے نافع ہے اور آخرت میں خدا تعالیٰ کی فرماں برداری کے بعد تمام اخلاق میں سب سے زیادہ نافع دل کی سخاوت ہے پس جس طرح خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری نفس کے لئے خدا تعالیٰ کی کبریائی پر مطلع ہونے کی صفت پیدا کردیتی ہے۔ اسی طرح سخاوت اس کی دنیاوی صفات رذیلہ سے بری کردیتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سخاوت کی اصل یہ ہے کہ ملکیت بہیمیت پر غالب آجائے اور ملکیت اس پر حاکم ہوجائے اور بہیمیت ملکیت کے رنگ میں رنگین ہوکر اس کا حکم قبول کرنے لگے۔

اور ان اوصاف میں سے جن سے نفس کو تنبیہ ہوتی ہے اپنی ضرورت کے باوجود مال کا خرچ کرنا ہے اور ظالم کے ظلم کو معاف کرنا ہے اور حوادث کی سختیوں پر صبر کرنا ہے اس طرح سے کہ آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے دنیا کی تکلیف اس کو آسان معلوم ہو اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کا حکم فرمایا اور ان میں سب سے زیادہ جو مشکل امر تھا یعنی مال کا خرچ کرنا ان کو چند حدود کے ساتھ منضبط فرمایا اور اس کا ذکر قرآن میں بہت سی جگہ نماز اور ایمان کے ساتھ آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے حال کی حکایت میں فرمایا ہے ''ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے

اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور بکنے والوں کے ساتھ بکا کرتے تھے"۔ اور نیز جب کسی مسکین کو کوئی سخت حاجت پیش آتی ہے اور تدبیر الٰہی یہ چاہتی ہے کہ اس کی ضرورت اس طرح پر دور کی جائے کہ کسی شخص کے دل میں اس پر کچھ مال صرف کرنے کا الہام ہو تو وہ یونہی ہوتا ہے کہ اس کا دل الہام کے لئے کشادہ ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کو ایک روحانی انکشاف ہوتا ہے اور و رحمت الٰہی کے لئے سبب اور اس کے نفس کی تہذیب میں نہایت نافع ہوتا ہے اور وہ الہام جو احکام کے اندر لوگوں کی طرف بالاجمال متوجہ ہوتا ہے فوائد میں الہام تفصیلی سے کم درجہ کا ہوتا ہے اور نیز مزاج سلیم کی سرشت میں جنسی ہمدردی داخل ہوتی ہے اور یہ ایسی خصلت ہے جس پر بہت سے اخلاق جن کا انجام لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی ہوتا ہے موقوف ہوتے ہیں پس جس شخص میں یہ خصلت نہیں اس میں ایک عیب ہے جس کا دور کرنا ضروری ہے، اور نیز صدقات سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور برکات زیادہ ہوتے ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور دوسری مصلحت شہر سے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ شہر میں ناتواں اور حاجتمند ضرور ہوتے ہیں اور یہ حوادث صبح ایک پر اور شام کو دوسرے پر ہوتے رہتے ہیں پس اگر فقرا اور حاجتمندوں کے ساتھ ہمدردی کا طریقہ لوگوں میں نہ ہو تو وہ ہلاک ہو جائیں اور بھوکے مر جائیں اور نیز شہر کا انتظام اس پر موقوف ہے کہ ایک مال مجتمع رہے جس سے ان لوگوں کی پرورش کی جائے جو شہر کی حفاظت میں مصروف رہتے ہیں اور اس کی تدبیر اور سیاست میں رہتے ہیں اور چونکہ وہ لوگ جو شہر کے رفاہ عام کے کاموں میں مشغول ہو کر اپنے اکتساب معاش سے باز رہتے ہیں تو ان کی پرورش بھی شہر کے ذمہ ہونی چاہئے اور مشترکہ اخراجات کے بعض تو بسہولت کفیل نہیں ہو سکتے یا بعض ان کو برداشت ہی نہیں کر سکتے اس واسطے ضروری ہوا کہ رعایا کے مال میں کچھ حصہ لینا مقرر کیا جائے۔ اور چونکہ آسان تر اور مصلحت کے زیادہ موافق اس سے بڑھ کر کوئی طریقہ نہ تھا کہ دونوں مصلحتوں میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے اس واسطے شرع نے ایک کو دوسرے کے اندر داخل کر دیا۔

پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ مقدار زکوٰۃ کو معین کیا جائے کیونکہ اگر کوئی اندازہ مقرر نہ ہوتا تو دینے والا کم کر کے دیتا اور لینے والا زیادتی سے لینا چاہتا، اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مقدار نہ تو نہایت کم ہو کہ اس کے دینے سے ان کو بار نہ گزرے اور ان کے بخل کی بیخ کنی میں کوئی اثر نہ ہو

اور نہ اس قدر زیادہ ہو جس کا ادا کرنا ان پر مشکل ہو جائے، اور اس بات کی بھی ضرورت پڑی کہ ایک مدت مقرر کی جائے جس میں لوگوں سے زکوٰۃ لی جائے اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ مدت نہ تو اس قدر کم ہو کہ اس کا دوران جلد جلد ہونے لگے اور ان میں زکوٰۃ کا ادا کرنا مشکل پڑ جائے اور نہ وہ مدت اس قدر دراز ہو کہ اس میں ادا کرنے سے ان کے بخل میں کوئی اثر نہ ہو اور محتاج اور محافظین کو بہت زیادہ انتظار کے بعد حاصل ہو اور مصلحت کے مناسب یہی ہے کہ زکوٰۃ لینے میں اس قانون کی رعایت کی جائے کہ لوگ عادل بادشاہوں کا اپنی رعایا سے زکوٰۃ وصول کرنے میں اس کے عادی ہوں کیونکہ جس چیز کے تمام عرب وعجم عادی ہیں اور وہ مثل ایک ضروری چیز کے ہے جس سے ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہیں ہوتی اور وہ لوگوں کے نزدیک ایسی مسلم ہے جس کی محبت نے ان کی کوفت کو دور کر دیا ہے اس چیز سے لوگوں کو مکلّف کرنا ان کے قبول کرنے کے قریب اور ان پر مہربانی کرنے کے مناسب ہے۔ اور معتدل ملکوں کے صالح بادشاہ جن ابواب کے عادی ہیں اور وہ ان پر گراں بھی نہیں ہیں اور ان کو عقول نے قبول بھی کیا ہے وہ چار باب ہیں۔

اوّل یہ ہے کہ زکوٰۃ اموال نامیہ (۱) میں سے لی جائے کیونکہ انہی اموال کی زیادہ حفاظت کرنی پڑتی ہے اس واسطے کہ اموال کا بڑھنا شہر کے باہر آمد و رفت سے ہی پورا ہوتا ہے، اور نیز ان میں سے زکوٰۃ نکالنا ان پر بھی آسان تر ہے کیونکہ ہر وقت اس مال کو زیادہ ہوتے دیکھتے ہیں پس زکوٰۃ کی ادائیگی زائد مال سے ہو جاتی ہے اور بڑھنے والے اموال کی تین قسمیں ہیں۔

ایک تو جنگل میں چرنے والے مویشی جن کی نسلیں بڑھتی رہتی ہیں، دوسری زراعت، تیسری تجارت۔ اور دوم یہ ہے کہ زکوٰۃ ان لوگوں سے لی جائے جو متمول اور صاحب خزانہ ہیں کیونکہ سب سے زیادہ ان کو چوروں سے اور لٹیروں سے مال کی حفاظت کی ضرورت ہے اور ان پر اور اخراجات بھی پڑتے رہتے ہیں جن میں زکوٰۃ داخل کرنے سے ان پر کوئی بار نہیں پڑتا“۔

اور سوم یہ ہے کہ زکوٰۃ ان اموال نافعہ سے لی جائے جو لوگوں کو بغیر مشقت کے حاصل ہوتے ہیں جیسے زمانہ جاہلیت کے دفینے اور دشمنوں سے ہاتھ لگے ہوئے خزائن کیونکہ وہ بہ منزلہ مفت کے ہوتے ہیں جن میں سے زکوٰۃ کا دینا آسان ہے۔

---

(۱) وہ مال جس میں بڑھنے اور نمو کی صلاحیت ہو۔ (قاسمی)

چہارم یہ ہے کہ کمانے والوں پر کچھ ٹیکس مقرر کیا جائے (۱) کیونکہ وہ مخلوق میں عام اور بہ کثرت ہوتے ہیں اور جب ہر ایک سے تھوڑا تھوڑا وصول کیا جائے گا تو ان کو اس کا ادا کرنا آسان ہوگا اور فی نفسہٖ وہ کثیر ہوگا اور چونکہ دور کے شہروں سے تجارتوں کا جاری رہنا اور کھیتوں کا کٹنا اور پھلوں کا توڑا جانا سال میں ایک بار ہوتا ہے اور زکوٰۃ کی قسموں میں یہ قسم سب سے بڑی ہے اس واسطے ان چیزوں کے لئے ایک سال کی مدت مقرر کی گئی، اور نیز سال کے اندر ہر قسم کی فصلیں آتی ہیں جن کی طبائع مختلف ہیں اور سال کے اندر ان کے بڑھنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اور ایک سال کی مدت اس قسم کے اندازوں کے لئے نہایت موزوں ہے، اور زیادہ سہل اور مصلحت کے موافق یہ صورت ہے کہ زکوٰۃ اموال کی قسم ہی سے لی جائے پس اونٹوں کی قطار میں سے ایک اونٹنی اور گایوں کے گلہ میں سے ایک گائے اور بکریوں کے ریوڑ میں سے ایک بکری لی جائے، پھر یہ ضرور ہے کہ مثال اور تقسیم اور تلاش سے ان اموال میں سے ہر ایک کو معلوم کیا جائے تاکہ وہ ان کی جامع مانع تعریفوں کی پہچان کا ذریعہ بن جائے پس اکثر شہروں میں اونٹ گائے اور بکریوں کو مویشی کہا جاتا ہے اور ان سب کو انعام کہتے ہیں اور گھوڑوں کے گلے اور ان کی نسلیں بہت کم ملکوں میں پائی جاتی ہیں جیسے ترکستان ہے، اور کھیتیاں اور اناجوں کو اور پورے ایک برس تک باقی رہنے والے پھلوں کو کہتے ہیں اور جو ایک برس تک باقی نہ رہ سکیں ان کو ترکاریاں کہتے ہیں، اور تجارت اس کا نام ہے کہ کوئی چیز اس غرض سے خریدی جائے کہ اس میں نفع ہو کیونکہ جو شخص ہبہ یا میراث سے کسی چیز کا مالک ہوجائے اور اتفاقاً اس نے اس کو فروخت کیا اور اس میں اس کو نفع ہوا تو اس کو تاجر نہیں کہتے، اور خزانہ، سونے اور چاندی کی بڑی مقدار کو کہتے ہیں، جو مدت دراز تک محفوظ رہے پس دس درہم یا بیس درہم کو خزانہ نہیں کہتے اگرچہ وہ سالہا سال تک باقی رہیں اور اسی طرح سونے چاندی کے علاوہ تمام اسباب کو بھی خزانہ نہیں کہتے گو وہ کثیر ہی ہو، اور جو چیز صبح اور شام آتی جاتی رہے اور وہ مستقل طور پر نہ ہو تو اس کو بھی خزانہ نہیں کہتے ہیں، پس یہ وہ مقدمات ہیں جو زکوٰۃ کے باب میں مسلمہ اصول کے مرتبہ میں قرار دیئے گئے ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ان اشیا میں سے جو مبہم ہیں ان کو ان تعریفوں کے ساتھ منضبط فرما دیں جو عرب میں مشہور تھیں اور ان کے ہاں ہر امر میں مستعمل تھیں۔

---

(۱) یہ ٹیکس کوئی زیادہ بھاری نہ ہو بلکہ مناسب اور متوازن ہو جیسا کہ آپ نے اس کتاب میں دوسری جگہ اس کی تشریح کی ہے اور بھاری ٹیکس لگانے سے منع کیا ہے۔ (قاسمی)

سخاوت کی فضیلت اور بخل کی قباحت کا بیان

امور مذکورہ بالا کے بعد اس کی ضرورت پڑی کہ خرچ کرنے کے فضائل اور اس کی ترغیب بیان کی جائے تاکہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا دلی رغبت اور سخاوت سے ہو اور یہی زکوٰۃ کی روح ہے اور اسی سے وہ اصلاح حاصل ہوتی ہے جس پر تہذیب نفس کا مدار ہے اور نیز اس بات کی ضرورت ہوئی کہ بخل کی برائیاں اور اس سے بے رغبتی کا حال بیان کیا جائے کیونکہ بخل ہی زکوٰۃ نہ دینے والے کے لئے ضرر کا مبدا ہے اور یہ ضرر یا تو دنیا میں ہوتا ہے کہ فرشتہ کہتا ہے اے اللہ تعالیٰ خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا کر، اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے اے اللہ تعالیٰ بخیل کو برباد کر دے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے تباہ کر دیا'' الحدیث، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صدقہ خدا تعالیٰ کی غضب کو فرو کرتا ہے'' اور آپ نے فرمایا ''صدقہ گناہوں کو اس طرح سے دبا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے'' اور آپ نے فرمایا ''پس خدا تعالیٰ صدقہ کو اپنے داہنے ہاتھ میں قبول فرماتا ہے اور پھر صدقہ دینے والے کے لئے اس کی پرورش کرتا ہے'' الحدیث،

میں کہتا ہوں اس حدیث کا بھید یہ ہے کہ عالم بالا کی دعا جو نبی آدم کے حال کی اصلاح میں ہوتی ہے اور رحمت جو اصلاح شہر یا تہذیب نفس میں کوشش کرنے والے کے حق میں پائی جاتی ہے اس خرچ کرنے والے کی طرف جھک پڑتی ہے اور ملاء سافل اور بنی آدم کے قلوب میں اس بات کا القا کرتی ہے کہ اس کے ساتھ احسان کریں اور وہ رحمت اس کے گناہوں کی معافی کا سبب ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کے اس صدقہ کو قبول فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ عالم مثال میں اس عمل کی صورت

صاحب عمل کی طرف منسوب ہو کر پیدا ہو جاتی ہے پس اس جگہ ملاء اعلیٰ کی دعاؤں اور خدا تعالیٰ کی رحمت سے وہ صورت مکمل ہو جاتی ہے اور یا زکوٰۃ نہ دینے والے کے لئے یہ ضرر آخرت میں ہوتا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو کوئی سونا یا چاندی رکھتا ہے اور اس میں سے اس کا حق ادا نہیں کرتا قیامت کے روز اس کی تختیاں بنا کر اس کو داغ دیا جائے گا'' اور آپ نے فرمایا ''اس کا مال اس کے لئے زہریلا سانپ کی شکل میں ظاہر ہوگا'' اور اونٹ اور گائے اور بکری کے بارے میں بھی آپ نے ایسا ہی ارشاد کیا ہے

میں کہتا ہوں زکوٰۃ نہ دینے والے کو ایسی سزا ملنے کے دو سبب ہیں، ایک تو اصلی سبب ہے اور دوسرا اس کیلئے بہ منزلہ تاکید کے ہے، وہ سبب یہ ہے کہ جس طرح ایک صورت ذہنیہ دوسری صورت کو کشش کر لیتی ہے جیسا کہ نفس کے خیالات کا سلسلہ کہ ایک خیال سے دوسرا خیال پیدا ہوتا چلا جاتا ہے اور جس طرح ذہن کے اندر ایک صورت متضائفہ کا حاضر ہونا دوسری صورت متضائفہ کے حاضر ہونے کا تقاضہ کرتی ہے مثلاً بیٹا ہونا اور باپ ہونا اور جس طرح مٹی کے ظروف کا مٹی سے بھر جانا اور قوائے فکریہ کے اندر اس کے بخارات کا جوش مارنا، خواب میں عورتوں کی صورتیں دیکھنے کی طرف نفس میں تحریک پیدا کرتا ہے اور جس طرح دماغ کا تاریک بخارات سے پر ہو جانا نفس کے اندر ان چیزوں کی صورتیں پیدا کر دیتا ہے جو ایذا دینے والی اور ہولناک ہوتی ہیں مثلاً ہاتھی کی صورت، پس اسی طرح جب نفس پر قوت مثالیہ کا فیضان ہوتا ہے تو ادراکات کی طبیعت اس بات کو چاہتی ہے کہ اس کا بخل مال کی صورت میں اس کے سامنے ظاہر ہو اور اس صورت سے جس مال کے ساتھ بخل کرتا تھا اور جس کی نگرانی میں بہت تکلیف اٹھاتا تھا اور جس سے اس کے قوائے فکریہ پُر تھے اس کی صورت بھی ظاہر ہو جس سے وہ اسی طریقہ کے موافق تکلیف اٹھائے جو طریقہ ان چیزوں سے تکلیف پہنچانے کا خدا تعالیٰ نے جاری کیا ہے، پس سونے اور چاندی سے تکلیف پہنچنے کی صورت داغ لگایا جانا ہے اور اونٹ سے تکلیف پہنچنے کی صورت اس کا پیروں تلے دابنا اور کاٹنا ہے وعلی ہذا القیاس۔

اور چونکہ ملاء اعلیٰ کو یہ معلوم تھا اور ان کے نزدیک بندوں پر وجوب زکوٰۃ متعین تھا اور نفوس بشریہ کا ان چیزوں سے ایذا پانا بھی ان کے نزدیک متمثل تھا اس واسطے یہ میدان حشر میں اس

صورت کے فیضان کا سبب ہوگیا اور اس مال کا سانپ اور تختیوں کی صورت میں ظاہر ہونے میں فرق یہ ہے کہ سانپ کی صورت اس شخص کے لئے ظاہر ہوگی جس پر اجمالاً مال کی محبت غالب ہے اس واسطے فی نفسہٖ مال کی صورت ایک چیز کی صورت میں ظاہر ہوگی اور اس مال کا نفس پر طوق کی طرح احاطہ کرلینا اور نفس کا اس سے ایذا پانا نہایت زہریلے سانپ کے ڈسنے کی صورت میں ظاہر ہوگا اور دوسری صورت ایسے شخص کے لئے ظاہر ہوگی جس کو سونے چاندی سے بعینہٖ محبت ہے اور اس کی حفاظت میں اپنی جان کھوتا ہے اور اس کے قوائے فکریہ درہم و دینار کی صورتوں سے پُر ہیں پس یہ صورتیں اس کے لئے بڑی بڑی تکلیف دینے والی صورتوں میں ظاہر ہوں گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سخی اللہ تعالیٰ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، دوزخ سے دور ہے، اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے، اور جاہل سخی خدا تعالیٰ کو عابد بخیل سے پیارا ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کا خدا تعالیٰ سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ وہ شخص خدا تعالیٰ کی معرفت کے اور حجاب نفسانی کے دور کرنے کے قابل ہوجاتا ہے اور جنت سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ وہ شخص صفات رذیلہ کو جو قوت ملکی کے بالکل منافی ہیں ترک کرکے اس بات کے قابل ہوجاتا ہے کہ اس کی قوت بہیمی جو ان صفات کا محل تھی قوت ملکی کے رنگ میں رنگ جائے، اور اس کا لوگوں سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور کوئی منازعت سے پیش نہیں آتا کیونکہ لڑائی جھگڑے کی اصل بخل ہی ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا اسی نے ان کو باہم خونریزی کرنے پر اور اپنے محارم کو حلال سمجھنے پر آمادہ کیا''۔ اور اللہ تعالیٰ کو جاہل سخی عابد بخیل سے زیادہ محبوب اس وجہ سے ہے کہ طبیعت جب کسی چیز کی سخاوت کرتی ہے تو اس کا اثر بہ نسبت اس کے زیادہ اور پورا ہوتا ہے کہ دباؤ اور مجبور ہوکر کچھ دیا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بخیل اور سخی کی حالت ان دو شخصوں کی سی ہے جن پر لوہے کی دو ڈھالیں ہوں''، الحدیث۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں سخاوت اور بخل کی حقیقت اور ان کی روح کی طرف اشارہ ہے اور یہ اس لئے کہ جب انسان کو خرچ کرنے کے مقتضیات ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اور وہ خرچ

کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص اگر سخی النفس ہے تو اس کو ایک روحانی مسرت اور مال پر ایک طرح کا غلبہ حاصل ہوتا ہے اور اس کے سامنے مال حقیر و ذلیل معلوم ہوتا ہے اور اس کو اس مال کا خرچ کرنا آسان ہوتا ہے بلکہ اس کے خرچ کرنے سے اس کو راحت ہوتی ہے اور نفس کو صفات رذیلہ بہیمیت کے ساتھ جو تعلقات ہوتے ہیں اور جو نفس میں منقش ہوتی ہیں ان سب تعلقات کے ترک کرنے کے لئے یہ خصلت بہت عمدہ ہے، اور اگر وہ شخص بخیل ہے تو اس کا نفس مال کی محبت میں غرق ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس مال کی خوبی متمثل ہو جاتی ہے اور اس کے دل پر قبضہ کر لیتی ہے پس وہ اس سے رہائی نہیں پا سکتا، اور نفس کے اندر صفات رذیلہ جم جانے میں اور نفس کو ان صفات کے ساتھ الجھا دینے میں یہ خصلت بخل نہایت موثر ہے اور اس تحقیق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معنی بھی معلوم ہو جاتے ہیں ''جنت میں نہ چغل خور داخل ہوگا اور نہ بخیل اور نہ احسان جتلانے والا'' اور نیز اس قول کے بھی ''کسی بندہ کے دل میں ایمان اور بخل کبھی جمع نہیں ہوگا''۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جنت کے آٹھ دروازے ہیں پس جو نمازی ہے وہ نماز کے دروازہ سے داخل ہوگا''۔ الحدیث

میں کہتا ہوں واضح ہو کہ جنت کی حقیقت ان امور سے نفس کا راحت پانا ہے جو عالم بالا سے نفس پر مترشح ہوتے ہیں اور وہ امور رضامندی اور موافقت اور اطمینان وغیرہ ہیں چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ''خدا تعالیٰ کی رحمت میں آ کر وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے'' اور اس کے خلاف خدا تعالیٰ کا دوسرا قول ہے ''وہی لوگ ہیں جن پر خدا تعالیٰ اور ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے اور ہمیشہ وہ اس میں رہیں گے'' اور بہیمیت کی تاریکیوں سے راحت کی طرف نفس کے نکلنے کا راستہ اسی خلق سے ہو سکتا ہے جس خلق میں ملکیت کے غالب ہونے پر اور بہیمیت کے مغلوب ہونے پر نفس پیدا کیا گیا ہے، پس بعض نفوس خشوع اور طہارت کی صفت میں ملکیت پر پیدا کئے گئے ہیں اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو نماز سے بڑا حصہ ملتا ہے۔ اور بعض نفوس سخاوت کی صفت میں ملکیت پر پیدا کئے گئے ہیں اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس شخص کا صدقات کے دینے میں اور ظالموں سے درگزر کرنے میں اور مسلمانوں کے ساتھ تواضع کرنے میں باوجود اپنی عزت نفس کے بڑا حصہ ہوتا ہے اور بعض نفوس وصف شجاعت ملکیت پر پیدا کئے گئے ہیں پس بندوں کی اصلاح کے لئے تدبیر الٰہی کا نفوس

میں القا ہوتا ہے پس اس القا کو قبول کرنے والی پہلی چیز جو ہے وہ شجاعت ہے پس اس شخص کو جہاد سے بڑا حصہ ملتا ہے، یا اس کا نفس ان لوگوں کے نفوس میں سے ہوتا ہے جن کے قوائے بہیمیہ اور ملکیہ میں باہم کشمکش رہتی ہے پھر اس کو الہام یا اس کا اپنا تجربہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ روزہ رکھنے سے اور اعتکاف کرنے سے قوت بہیمی کو شکست ہوتی ہے اور نفس کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں پس وہ اس کو خوب سن کر خلوص دل سے قبول کر کے عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے تب اس کو رب الرّیان سے پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے۔

یہ وہی دروازے ہیں جن کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تصریح کی ہے اور ممکن ہے کہ انہیں میں علما راسخین کا دروازہ ہو اور مصیبت زدہ اور فقرا کا دروازہ ہو اور اہل انصاف کا دروازہ ہو، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سات شخصوں میں جن کو خدا تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دیگا امام عادل کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان باہمی اتفاق میں وہ بڑی کوشش کرتا ہے اور ممکن ہے کہ باب التوکل اور بدشگونی پر عمل نہ کرنے کا باب بھی انہیں میں سے ہو اور ان ابواب میں سے ہر باب کے متعلق بہت سی احادیث مشہورہ وارد ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نفس کے رحمت الٰہی میں داخل ہونے کے یہ بڑے بڑے دروازے ہیں اور حکمت الٰہی کا تقاضا! یہ ہے کہ اس جنت کے بھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے ان دروازوں کے مقابلہ میں آٹھ دروازے ہوں اور سابقین میں سے جو کاملین ہیں ان پر دو دو تین تین اور چار چار احسان کے دروازے کھولے جاتے ہیں پس قیامت کے روز ان کو ان دروازوں سے بلایا جائے گا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کا وعدہ کیا گیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے کہ ”جس نے خدا کی راہ میں جوڑا خرچ کیا اس کو جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا“۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے بعض دروازوں سے بلایا جائے گا، اس امر کو زیادہ اہتمام کی غرض سے ذکر کے ساتھ خاص کیا ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”پانچ وسق (۱) سے کم کھجوروں میں صدقہ نہیں ہے اور نہ پانچ اوقیہ (۲) سے کم چاندی میں صدقہ ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ (۳) ہے“۔

میں کہتا ہوں غلہ اور کھجوروں میں پانچ وسق کی مقدار اس لئے مقرر فرمائی کہ یہ مقدار ایک چھوٹے سے کنبے کے لئے ایک سال تک کافی ہوسکتی ہے اس واسطے کہ چھوٹے سے کنبے میں خاوند بیوی اور ایک نوکر یا ان کا ایک بچہ ہوتا ہے اور جو اس کے قریب قریب ہو وہ بھی اقل بیوت (۴) سے ہے، اور آدمی کی اکثر وبیشتر خوراک ایک رطل یا ایک مد ہوتی ہے پس جب ان میں سے ہر شخص اس غلہ میں سے اس قدر کھائے گا تو وہ ان کو سال بھر کو کافی ہوسکتا ہے اور کسی قدر دیگر حوائج اور سالن کے لئے باقی رہ سکتا ہے، اور چاندی میں پانچ اوقیہ کی مقدار اس لئے مقرر فرمائی کہ یہ مقدار بھی ایک چھوٹے سے چھوٹے گھر کو پورے سال کے لئے کافی ہوسکتی ہے بشرطیکہ اکثر ملکوں میں غلہ کا نرخ قریب قریب ہو، اور معتدل ملکوں کے لوگوں کی عادات کو تلاش کرنے سے گرانی اور ارزانی میں اس بات کا علم ہوسکتا ہے اور اونٹ کی مقدار پانچ مقرر کی گئی اور اس کی زکوٰۃ ایک بکری قرار دی گئی اگرچہ زکوٰۃ میں اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ اسی مال میں سے لی جائے اور نیز زکوٰۃ کا نصاب ایک کثیر مقدار کو مقرر کیا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ تمام مویشیوں میں عظیم الجثہ اور سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا جانور ہے اس کو ذبح کر کے بھی کھا سکتے ہیں اور اس کی سواری بھی لے سکتے

---

(۱) وسق عرب میں ایک پیمانہ ہے جس میں ساٹھ صاع اناج آتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے۔

(۲) ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم چار آنہ سے کسی قدر کم ہوتا ہے۔ (۳) صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے۔

(۴) گھروں کے کم از کم خرچ۔

ہیں اس کا دودھ بھی پی سکتے ہیں اور اس سے نسل بھی بڑھا سکتے ہیں اور اس کے بال اور کھال سے بھی نفع حاصل کر سکتے اور بعض لوگ صرف تھوڑی سی اونٹنیاں پال لیتے تھے اور وہ ایک پوری دانگ (۱) کو کافی ہو جاتی تھیں اور اس زمانہ میں ایک اونٹ دس بکریوں اور کوئی آٹھ بکریوں اور کوئی بارہ بکریوں کے برابر شمار کیا جاتا تھا جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے اس واسطے پانچ اونٹ بکریوں کے ادنیٰ نصاب کے برابر مقرر کئے گئے اور ان میں ایک بکری ان کی زکوٰۃ مقرر کی گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ نسل بڑھانے کے لئے غلاموں کو جمع کرنے کا دستور نہیں ہے اور اس طرح بہت سے ملکوں میں گھوڑوں کی ایسی کثرت نہیں ہے جس کا مویشیوں کے بڑھنے کے لحاظ سے اعتبار کیا جائے اس واسطے غلام اور گھوڑا اموال نامیہ میں سے نہیں ہیں مگر جبکہ ان کو تجارت کی غرض سے پالا جائے، اور ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، ابن مسعود اور عمرو بن حزم وغیرہم رضی اللہ عنہم کی روایت سے ثابت ہے بلکہ تمام مسلمانوں میں یہ بات متواتر ہے کہ ہر پانچ اونٹ کی زکوٰۃ ایک بکری ہے پس جب پچیس ہو جائیں تو پینتیس تک ایک بنت مخاض (وہ بچہ جو ایک برس کا ہو کر دوسرے میں لگ جائے) ہے، پس جب چھتیس ہو جائیں تو پینتالیس تک ایک بنت لبون (وہ بچہ جو تیسرے برس میں لگ جائے) ہے، اور جب چھیالیس ہو جائیں تو ساٹھ تک ایک حقہ (وہ بچہ جو چوتھے برس میں ہو) ہے، پس جب اکسٹھ ہو جائیں تو پچھتر تک ایک جذعہ (وہ بچہ جو پانچویں برس میں شروع ہو) ہے، پس جب چھہتر ہو جائیں تو نوے تک دو بنت لبون ہیں، پس جب اکیانوے ہو جائیں تو ایک سو بیس تک دو حقے ہیں، پس جب ایک سو بیس سے زیادہ ہو تو ہر چالیس اونٹوں پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ ہے۔

میں کہتا ہوں اس میں اصل یہ ہے کہ جب اونٹنیوں کو اونٹوں کے گلوں پر تقسیم کرنا چاہا تو چھوٹی اونٹنی کو چھوٹے گلہ کے لئے اور بڑی اونٹنی کو بڑے گلہ کے لئے انصاف کی رعایت رکھتے ہوئے مقرر کیا اور یہ بات بھی دیکھی گئی کہ گلہ کا اطلاق ان کے عرف میں بیس سے زیادہ پر ہوتا ہے اس واسطے پچیس سے اس کو منضبط کیا، پھر ہر دس پر ایک برس کی زیادتی کو جو عرب میں نہایت

---

(۱) چھرتی کا وزن۔ دانگانہ، گھر کا ساز و سامان اور اسباب

مرغوب ہے مقرر کیا اس کے بعد ہر پندرہ میں اس زیادتی کو مقرر کیا۔

اور نیز بکریوں کی زکوٰۃ میں ان کی روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب چالیس ہو جائیں تو ایک سو بیس تک میں ایک بکری ہے پس جب ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو دو سو تک میں دو بکریاں ہیں، پس جو دو سو سے زیادہ ہو جائیں تو تین سو تک میں تین بکریاں ہیں پس جب تین سو سے زیادہ ہو جائیں تو ہر سو پر ایک بکری ہے۔

میں کہتا ہوں اس میں اصل یہ ہے کہ بکریوں کا گلہ بڑا بھی ہوتا ہے اور چھوٹا بھی ہوتا ہے اور اس کے گلوں میں باہم بڑا فرق ہوتا ہے کیونکہ بکریوں کا پالنا آسان ہے اور ہر شخص اپنی گنجائش کے موافق پال سکتا ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے گلہ کا اندازہ چالیس بکریوں کے ساتھ کیا اور بڑے گلہ کا اندازہ چالیس کے سہ چند کے ساتھ کیا پھر ہر سو پر ایک بکری مقرر کی تا کہ حساب میں آسانی رہے اور گائے بیل کی زکوٰۃ میں حدیث صحیح مروی ہے کہ ہر تیس میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھیہ ہے اور ہر چالیس میں دو سال کا بچھڑا یا بچھیہ ہے اور یہ اس لئے ہے کہ گائے بیل کی جنس اونٹ اور بکری کے درمیان میں ہے اس لئے اس میں دونوں کی مشابہت کا لحاظ رکھا گیا اور احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ چاندی کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے پس اگر ایک سو نوے درہم چاندی ہے تو اس میں کچھ زکوٰۃ نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا چاندی نہایت عمدہ مال ہے جس کے اندر مقدار کثیر صرف کرنے سے لوگوں کو ضرر ہوتا ہے اس واسطے اس کی زکوٰۃ سب اموال کی زکوٰۃ سے کم ہونا مناسب ہے اور سونے کو چاندی پر محمول کیا گیا ہے اور اس زمانہ میں ایک دینار دس درہم میں چلتا تھا اس واسطے سونے کا نصاب بیس مثقال (۱) مقرر ہوا، اور جو کھیت بارش یا چشموں سے سیراب ہوں یا وہ زمین عشری ہو تو اس میں دسواں حصہ ہے اور جن کھیتوں میں ہاتھ سے پانی دیا جائے تو ان میں بیسواں حصہ ہے کیونکہ جس میں محنت کم ہے اور پیداوار زیادہ ہے اس میں لگان زیادہ ہونا چاہئے اور جس میں محنت زیادہ ہے اور پیداوار کم ہے تو اس کے لگان میں تخفیف مناسب ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور اور چھواروں کے تخمینہ کرنے میں فرمایا ’’تہائی چھوڑ دو اور اگر تہائی نہ چھوڑ و تو چوتھائی چھوڑ دو‘‘۔

---

(۱) بیس مثقال ساڑھے چار ماشہ کے برابر ہوتے ہیں۔

میں کہتا ہوں تخمینہ کے جائز کرنے میں یہ راز ہے کہ اس میں کاشتکاروں کے لئے سہولت ہے کیونکہ وہ لوگ کچا پکا سب کھاتے ہیں اور صدقہ لینے والوں کے لئے بھی آسانی ہے کیونکہ وہ کھیتی کی حفاظت کرنے میں بڑی دقت برداشت کرتے ہیں اور چونکہ تخمینہ کرنے میں کمی بیشی کا احتمال ہوتا ہے اور زکوٰۃ میں تخفیف مناسب ہے اس واسطے تہائی یا چوتھائی چھوڑ دینے کا حکم فرمایا، اور جو چیز تجارت کے لئے ہو تو اس کی زکوٰۃ میں قیمت کا اعتبار ہے پس نقد کی زکوٰۃ پر اس کو قیاس کرنا ضروری ہے اور دفینہ میں پانچواں حصہ زکوٰۃ ہے کیونکہ اس کو ایک طرح سے مال غنیمت سے اور ایک طرح سے مفت سے مشابہت ہے اس واسطے اس کی زکوٰہ پانچواں حصہ مقرر کی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ہر غلام اور حر (۱) اور مرد اور عورت اور چھوٹے و بڑے پر صدقہ فطر میں ایک صاع چھوارے یا ایک صاع جو فرض کئے ہیں اور ایک روایت میں ایک صاع پنیر یا ایک صاع منقیٰ بھی آیا ہے۔

اور ایک صاع کی مقدار اس لئے مقرر کی کہ یہ ایک گھر کو شکم سیر کر سکتا ہے پس اس مقدار میں فقیر پورے طور پر بے پرواہ ہو سکتا ہے اور غالباً دینے والے کو بھی اس مقدار میں کچھ ضرر نہیں ہوتا، اور بعض روایات میں نصف صاع گیہوں کو ایک صاع جو کے برابر رکھا ہے کیونکہ اس وقت میں گیہوں کی گرانی تھی اس کو مالدار ہی کھا سکتے تھے اور غریب لوگ نہیں کھا سکتے تھے، زید بن ارقمؓ نے سرقہ کے قصہ میں اس کو بیان کیا ہے، پھر حضرت علیؓ نے فرمایا ''جب خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے وسعت کرے تو تم بھی وسعت کرو'' اور صدقہ فطر کا وقت عید الفطر میں چند وجوہ سے مقرر کیا، ازاں جملہ یہ ہے کہ اس کے سبب سے عید الفطر کے شعائر الٰہی ہونے کی تکمیل ہوتی ہے اور اس میں روزہ داروں کے لئے طہارت اور ان کے روزہ کی تکمیل ہوتی ہے جس طرح فرض نمازوں کی تکمیل سنتوں سے ہو جاتی ہے اور زیورات میں زکوٰۃ ہے یا نہیں اس امر میں مختلف احادیث وارد ہیں اور اس پر کنز کا اطلاق کرنا بعید ہے البتہ اس میں کنز کے معنی پائے جاتے ہیں مگر زیور کی زکوٰۃ ادا کر کے اختلاف سے بچنے میں زیادہ احتیاط ہے۔

---

(۱) آزاد۔

زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

مصارف کے اندر اصل یہ ہے کہ شہر دو قسم کے ہوتے ہیں ان میں سے بعض ایسے شہر ہیں جہاں خالص مسلمان رہتے ہیں اور کسی غیر ملت کے لوگ ان کے ساتھ نہیں رہتے ایسے شہروں پر تخفیف کرنا مناسب ہے کیونکہ ایسے شہروں کو فوج جمع کرنے کی اور لڑائی کرنے کی ضرورت نہیں اور بسا اوقات ان شہروں میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو عوام کے نفع کے کام اپنے متعلق کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے محسنین کے لئے جس اجر کا وعدہ کیا ہے اس کی تصدیق کی وجہ سے وہ رفاہ عام کے کام کرتے ہیں اور ان لوگوں کی معاش اپنے مالوں میں ہوتی ہے کیونکہ مسلمانوں کی بہت سی جماعتیں ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوتیں اور بعض ایسے شہر ہوتے ہیں جن میں ہر مذہب کے لوگ رہتے ہیں پس ایسے شہروں میں سختی کرنا مناسب ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' کافروں پر سخت ہیں باہم مہربان ہیں'' اور ایسے شہروں میں بہت سی فوج اور قوی مددگاروں کی ضرورت پڑتی ہے اور نیز اس کی بھی ضرورت ہے کہ ہر نافع کام پر اس کے قابل آدمی کو متعین کیا جائے اور اس کی ضروریات بیت المال سے پوری کی جائیں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قسم کے شہروں میں سے ہر ایک کے لئے ایک طریقہ مقرر فرمایا اور محاصل کو مصارف کے لحاظ سے مقرر فرمایا، دوسری قسم کے مباحث عنقریب کتاب الجہاد میں آتے ہیں، خالص مسلمان آبادی کے شہروں سے جو عمدہ مال حاصل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں جس طرح مصرف کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ مال ہے جو مالک کے قبضہ سے نکل گیا جیسے میت کا ترکہ جس کا کوئی وارث نہیں ہے اور گم شدہ مویشی جن کے مالک کا پتہ نہیں اور وہ گری پڑی چیز جو بیت المال کے لوگوں کو دستیاب ہوئی اور اس کی تشہیر کی گئی اور اس کا

کوئی مالک نہ معلوم ہوا اور اسی قسم کے اموال، ان سب اموال کو ایسے کاموں میں خرچ کرنا چاہیے جن کا نفع عام ہو اور اس میں کسی کی تملیک نہ پائی جائے جیسے نہروں کا جاری کرنا، پلوں کا بنانا، مساجد کی تعمیر کرنا، چشموں اور کنوؤں کا کھودنا اور اسی قسم کے کام اور دوسری قسم مسلمانوں کے صدقات ہیں جو بیت المال میں جمع کئے جاتے ہیں ایسے اموال کو ان مواقع میں خرچ کرنا چاہیے جس میں کسی کو مالک بنایا جائے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**انما الصدقات للفقراء والمساکین**" **الایة**۔

اور اس میں مختصر بیان یہ ہے کہ اس نوع کی حوائج اگرچہ بے شمار ہیں لیکن سب سے بڑھ کر ان میں تین ہیں: ایک محتاج لوگ اور ان کو شارع نے فقرا اور مساکین اور مسافروں اور قرضداروں کے اندر منحصر کیا ہے، دوسرے محافظین ہیں اور شارع نے ان کو مجاہدین اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں میں منحصر کیا ہے، اور تیسرے یہ ہے کہ وہ مال ان فتنوں کے دور کرنے میں صرف کیا جائے جو مسلمانوں میں واقع ہو گئے ہیں یا غیر مسلموں کی طرف سے ان فتنوں کے واقع کرنے کا خطرہ ہے۔

اور یہ اس طور سے ہوتا ہے کہ کسی ضعیف الاسلام کی معاونت کی جائے جو کفار کے ساتھ میل پیدا کر لیتا ہے یا کوئی کافر جو فریب کا ارادہ رکھتا ہے اس کو مال کے ذریعہ روک دیا جاتا ہے اور ان سب کو مولفہ قلوب کا لفظ شامل ہے، یا مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں میں اس مال کو صرف کیا جاتا ہے اور وہ لفظ غارم میں آتا ہے جو تاوان دینے والا ہے کسی کے بوجھ میں جس کو اس نے اٹھا لیا ہے اور ان پر تقسیم کرنے کی صورت کہ کن لوگوں کو پہلے دیا جائے اور کس قدر دیا جائے امام کی رائے پر موقوف ہے۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ سے آزاد کر سکتا ہے اور حج کے لئے دے سکتا ہے اور امام حسنؒ سے بھی ایسا ہی مروی ہے پھر انھوں نے اس آیت کو پڑھا: **انما الصدقات للفقراء**، ان مواضع سے جس میں دے گا، کافی ہوگا، اور ابوالعاصؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ہم کو حج میں زکوٰۃ کے اونٹوں پر سوار کیا، حدیث صحیح میں وارد ہے "بے شک تم زکوٰۃ طلب کر کے خالد پر ظلم کرتے ہو حالانکہ اس نے اپنی زرہ اور ہتھیار خدا کی راہ میں محبوس

کر دیئے ہیں'' اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ ہے کہ ایک چیز کا بدلہ دوسری چیز کا دینا جبکہ اس میں فقرا کا زیادہ نفع ہو درست ہے، دوسرے یہ کہ راہ خدا میں صرف کر دینا صدقہ کی جگہ کافی ہو سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں اس تقدیر پر اس آیت ''انما الصدقات للفقراء'' میں حصر اضافی ہے یعنی بہ نسبت ان مصارف کے حصر ہے جن میں منافقین اپنی خواہش کے موافق صرف کرنے کے لئے مانگتے تھے جیسا کہ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ حاجات بے شمار ہوتی ہیں اور ان شہروں میں جن کے باشندے صرف مسلمان ہی ہیں بیت المال کے اندر سوائے زکوۃ کے اور کوئی مال کثیر نہیں ہوتا اس واسطے اس میں وسعت دینا ضروری ہے تاکہ وہ مال شہر کی ضروریات کو کافی ہو سکے، واللہ اعلم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ صدقات لوگوں کے میل ہوتے ہیں اور وہ نہ محمد کے لئے حلال ہیں اور نہ محمد کی اولاد کے لئے حلال ہیں''۔

میں کہتا ہوں صدقات کے میل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صدقات گناہوں کو دور کرتے ہیں اور بلا کو دفع کرتے ہیں اور بندہ کی طرف سے ان باتوں میں وہ فدیہ بن جاتے ہیں پس ملاء اعلیٰ کی نظروں میں یہ صدقات بالکل میل ہی دکھائی دیتے ہیں جس طرح صورت ذہنیہ ولفظیہ وخطیہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورتیں اسی شئے خارجی کا وجود ہیں جس کے مقابلہ میں یہ صورتیں ہیں اور اس کو ہم وجود تشبیہی کہتے ہیں، پس بعض نفوس عالیہ کو یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ان صدقات میں ایک قسم کی تاریکی ہے اور بعض امکنہ سافلہ کی طرف اس امر کا نزول ہوتا ہے اور کبھی بعض اہل مکاشفہ کو بھی یہ تاریکی معلوم ہو جاتی ہے۔

اور میرے والد ماجد(۱) قدس سرہ بھی اس امر میں اپنا مکاشفہ بیان فرماتے تھے جس طرح صالحین کو زنا اور اعضاء خبیثہ کا ذکر ناگوار معلوم ہوتا ہے اور وہ اچھی چیزوں کے ذکر کو محبوب رکھتے ہیں اور اللہ پاک کے نام کی تعظیم کرتے ہیں۔

اور نیز جس مال کو انسان بغیر کسی چیز کے عوض کے یا نفع کے لیتا ہے اور اس دینے میں اس

---

(۱) حضرت شاہ عبدالرحیم محدثؒ

انسان کی عزت مقصود نہیں ہوتی تو اس مال کے لینے میں اس شخص کو ذلت اور اہانت حاصل ہوتی ہے اور مال دینے والے کو اس پر فضیلت اور احسان ہوتا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے“ پس اس طرح کا کمانا تمام پیشوں میں بدترین پیشہ ہے اور جو لوگ دین کے بزرگ اور پاک ہیں ان کی شان کے بالکل لائق نہیں، اور اس حکم میں ایک راز ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر خود صدقہ لیتے اور اپنے خاص لوگوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جنکا نفع اپنا ہی نفع ہے اس کے لینے کو جائز فرماتے تو لوگ آپ سے بدگمانی کرتے اور آپ کے حق میں نامناسب باتیں کرتے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دروازہ کو بالکل بند کر دیا اور یہ بات ظاہر کر دی کہ صدقات کے منافع انہیں کے لئے ہیں اور انہیں کے اغنیا سے لیکر انہیں کے فقرا کو دیئے جاتے ہیں تاکہ ان پر رحمت اور شفقت ہو اور ان کو نیکی نصیب ہو اور شر سے امان ہو۔

اور جبکہ سوال کرنے میں بڑی ذلت ہوتی ہے اور سوال کرنے والا حیا سے نکل جاتا ہے اور اس کی مروت میں نقصان آجاتا ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بجز ایسی ضرورت کے جس کی وجہ سے آدمی مجبور ہو سوال کرنے میں بڑی سختی فرمائی اور نیز جب لوگوں کو سوال کرنے کی عادت پڑ جائے اور ان کو سوال کرنے میں کچھ غیرت معلوم نہ ہو اور بھیک کے ذریعہ ان کو زیادہ مال حاصل ہو جائے تو اس کی وجہ سے ضروری پیشوں کا متروک ہونا لازم آتا ہے یا ان پیشوں کی قلت ہو جاتی ہے اور مالداروں پر بلاوجہ تنگی لازم آتی ہے پس حکمت شرعیہ کا مقتضی یہ ہوا کہ سوال سے عار کرنے کی صورت ان کے سامنے ظاہر کی جائے تاکہ بلا سخت ضرورت کے کوئی اس پر اقدام نہ کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو لوگوں سے اس لئے سوال کرتا ہے کہ مال زیادہ ہو تو اس کا منہ چھلا ہوا ہوگا یا انگارہ ہوگا جس کو وہ جہنم سے کھائے گا“۔

میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ اس کا رنج جو لوگوں سے سوال کرتے وقت اس کو پہنچتا ہے اس چیز کی صورت میں ظاہر ہوگا جس کے پکڑنے سے تکلیف ہوتی ہے جیسے انگارہ یا اس کے کھانے سے تکلیف ہوتی ہے جیسے آگ میں بریاں کیا ہوا پتھر، اور اس کا لوگوں میں ذلیل ہونا اور اس کی آبرو کا برباد ہونا اس صورت میں ظاہر ہوگا جو منہ پر خراش ہونے کے بہت مشابہ ہے اور اس شخص کے بارے میں جس کو ایسی مصیبت پہنچی جس کی وجہ سے اس کا تمام مال برباد ہو گیا یہ آیا ہے

کہ اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ اس کی معاش حاصل ہو جائے اور اس غنا کا اندازہ جس کی وجہ سے سوال کرنا منع ہے ایک اوقیہ یا پچاس درہم حدیث میں آیا ہے، اور نیز ایک حدیث میں اس کا اندازہ اتنے کھانے کے ساتھ آیا ہے جو اس کو صبح کے لئے یا شام کے لئے کافی ہو سکے اور ہمارے نزدیک ان احادیث میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ لوگوں کے مختلف درجے ہوتے ہیں اور ہر شخص کا ایک جدا پیشہ ہوتا ہے جس سے جدا ہونا اس کے لئے ناممکن ہے۔ میری مراد امکان سے وہ امکان ہے جو ان علوم میں مستعمل ہوتا ہے جن میں سیاست مدن سے بحث کی جاتی ہے نہ کہ وہ امکان جو علم تہذیب النفس میں بولا جاتا ہے پس جو شخص دستکاری سے کماتا ہے تو جب تک اس کے پاس اس کے حرفہ کے آلات نہ ہوں وہ اس حرفہ سے معذور ہے اور جو شخص تاجر ہے وہ اس وقت تک معذور ہے جب تک اس کے پاس سرمایہ تجارت نہ ہو، اور جو شخص مجاہد ہو کہ صبح وشام غنائم ہی سے کھاتا ہے جیسا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو اس کے لئے اس مقدار کا اندازہ ایک اوقیہ یا پچاس درہم ہے اور جو شخص بازار میں باربرداری کر کے یا لکڑیاں فروخت کر کے اوقات بسر کرتا ہے اور اسی قسم کے پیشے کرتا ہے تو اس کے حق میں غنا کا اندازہ یہ ہے کہ صبح یا شام کو شکم سیر ہو جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”سوال کرنے میں لپٹا نہ کرو، خدا کی قسم ایسا نہیں ہوتا کہ تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کچھ مانگے اور اس کا مانگنا مجھ سے اس کو کچھ دلوا دے مگر میں خوش نہ ہوں اور پھر میری دی ہوئی چیز میں اس کے لئے برکت ہو“۔

میں کہتا ہوں اس کا راز یہ ہے کہ جو نفوس ملاء اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہیں ان میں کراہیت اور رضامندی کی صورت ذہنیہ بہ منزلہ دعائے مستجاب کے ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ مال سبز اور شیریں ہے پس جو اس کو دل کی خوشی سے حاصل کرے گا اس کے لئے اس میں برکت دی جائے گی اور جو اس کو حرص سے لے گا تو اس کے لئے اس میں برکت نہ ہوگی اور اس کا حال اس شخص کا سا ہوگا جو کھاتا ہے اور شکم سیر نہیں ہوتا“۔

میں کہتا ہوں کہ کسی چیز میں برکت ہونے کی چند قسمیں ہیں ادنیٰ قسم یہ ہے کہ اس شئے سے دل مطمئن ہو اور دل کو بیقراری نہ ہو مثلاً دو شخص ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس بیس بیس درہم

ہیں ان میں سے ایک کو اپنے تنگدست ہونے کا خوف ہے اور دوسرے کا دل خوف سے دور ہے اور اس پر امید کا غابہ ہے، اس کے بعد زیادتی نفع برکت کی دوسری قسم ہے جیسے دو شخصوں کے پاس مساوی مال ہے ان میں سے ایک نے ضروری اور نافع کام میں اس کو صرف کیا اور اس کے صرف کرنے میں صالح تدبیر کا الہام ہوا اور دوسرے شخص نے اس مال کو ضائع کر دیا اور اس کو تدبیر نصیب نہ ہوئی اور نفس اس برکت کو اس طرح کھینچ لیتا ہے جس طرح دعا کھینچ لے جاتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص سوال کرنے سے بچے گا خدا تعالٰی اس کو محفوظ رکھے گا'' الحدیث۔

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کیفیات نفسانیہ کے حاصل کرنے میں ہمت کے مجتمع ہونے اور ارادہ کے مضبوط ہونے کو بڑا دخل ہے۔

زکوٰۃ سے متعلق امور کا بیان

اس کے بعد لوگوں کو اس بات کی نصیحت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ صدقہ وصول کرنے والے کو خوش دلی سے صدقہ ادا کیا کریں اور اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تمہارے پاس صدقہ وصول کرنے والا آئے تو چاہئے کہ وہ تم سے خوش ہو کر رخصت ہو'' (۱) اور اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ اصلاح جو نفس سے متعلق ہے پائی جائے اور آپ نے یہ بھی چاہا کہ زکوٰۃ روکنے میں لوگوں کے اس عذر کا دروازہ بند ہو جائے کہ ان سے یہ جبر وصول کی جاتی ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پس اگر صدقہ وصول کرنے والے انصاف کریں گے تو اپنے لئے کریں گے اور اگر ظلم کریں گے تو اپنے اوپر کریں گے'' اور اس حدیث میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کوئی اختلاف نہیں کہ ''جس شخص سے اس سے زیادہ مانگا جائے تو وہ نہ دے'' اس واسطے کہ ظلم کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک وہ صورت ہے جس کا حکم نص نے ظاہر کر دیا اور اس کے متعلق یہ ہے کہ نہ دینا چاہئے اور ایک صورت ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور گمان متعارض ہوتے ہیں ان مواضع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کے دروازہ کو بند کر دیا، اور صدقہ وصول کرنے والے کو بھی اس بات کی وصیت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ صدقہ وصول کرنے میں زیادتی نہ کرے اور ان کے نفیس نفیس مال سے بچے اور خیانت نہ کرے تا کہ انصاف پایا جائے اور بہت سے مقاصد حاصل ہو سکیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے ''پس قسم اس ذات کی

---

(۱) اسی حکم میں مدارس کے محصلین وسفرا بھی شامل ہیں۔ اہل ثروت کو ان کا احترام کرنا چاہئے اور زکوٰۃ کی رقومات کی ادائیگی میں ٹال مٹول کا طریقہ نہیں اپنانا چاہئے۔ اور سفرائے مدارس عربیہ کو بھی ضبط وتحمل سے کام لینا چاہئے۔

جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس میں سے وہ کچھ نہ لے گا مگر قیامت کے دن اپنی گردن پر لائے گا اگر وہ اونٹ ہے تو بلبلاتا ہوگا“ اس کا راز ہمارے اس بیان سے خوب ظاہر ہوتا ہے جو ہم نے مانعین زکوۃ کے بارے میں ذکر کیا، اور نیز اس بات کی بھی ضرورت ہوئی کہ مال والوں کے حیلے اور فریب کا دروازہ بند کیا جائے اور اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کے ڈر سے متفرق اموال کو مجتمع نہ کیا جائے اور نہ مجتمع اموال کو متفرق کیا جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ” آدمی کا اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرنا مرتے وقت سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ” ایسے وقت میں دینے والے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص سیر ہو جائے اور پھر اوروں کو ہدیہ دے“۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ جس چیز کی اس کو حاجت نہیں ہے اور نہ اس کو اپنے لئے اس کی حاجت کی امید ہے ایسی چیز کا صدقہ کرنا پوری پوری سخاوت پر مبنی نہیں ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خصلتوں کی تعلیم کا قصد کیا جو بخل کو دور کر دیں یا تہذیب نفس یا باہم الفت ومحبت میں کام آئیں پس ان کو بھی صدقہ کے قبیل سے گردانا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ثمرات میں وہ صدقات کے ساتھ شریک ہیں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ” دو شخصوں میں انصاف کر دینا صدقہ ہے اور اپنی سواری پر بٹھا کر کسی کو مدد کرنا صدقہ ہے اور اچھی بات کہنا صدقہ ہے اور ہر قدم جو نماز کے لئے اٹھتا ہے صدقہ ہے اور لا الٰہ الا اللہ کہنا اور اللہ اکبر کہنا اور سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور اسی قسم کی باتیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ” جو کوئی مسلمان کسی ننگے بدن مسلمان کو کپڑا پہنائے گا خدا تعالیٰ اس کو جنت کا لباس پہنائے گا“۔ الحدیث۔

میں کہتا ہوں کہ ہم کئی بار یہ ذکر کر چکے ہیں کہ طبیعت مثالیہ یہ چاہتی ہے کہ معانی اپنے مناسب اور مشابہ صورت میں متشکل ہوں اور مثلاً کھانا کھلانے میں کھانے کی صورت پائی جاتی ہے اور خواب اور واقعات میں اور معانی کا جسموں کی صورتوں کے ساتھ متشکل ہونے میں اس بات کا معتبر ہونا تم کو ظاہر ہو سکتا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی وبا کو جو ایک سیاہ عورت کی صورت میں دیکھا اس کی وجہ

اس مقام سے تم کو معلوم ہو سکتی ہے، پھر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے اہل و اقارب کو چھوڑ کر غیروں کو صدقہ دیا کرتے ہیں اور اس کے اندر ان لوگوں کی رعایت کا جن کی رعایت کرنا زیادہ ضروری ہے ترک پایا جاتا ہے اور اس میں سو تدبیر ہے اور قریب لوگوں کے ساتھ الفت اور محبت کو ترک کرنا ہے اس واسطے ضرورت ہوئی کہ اس دروازہ کو بھی بند کر دیا جائے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایک وہ دینار ہے جس کو تو خدا کی راہ میں خرچ کرے اور ایک وہ دینار ہے جس کو تو کسی کی جان چھڑانے میں خرچ کرے اور ایک وہ دینا ہے جو تو کسی مسکین کو دے اور ایک وہ دینار ہے جس کو تو اپنے اہل پر خرچ کرے ان سب میں اس دینار کا اجر زیادہ ہے جس کو تو نے اپنے اہل پر خرچ کیا ہے'' اور اس حدیث میں کہ ''بہتر صدقہ وہ ہے جو حالت غنا میں دیا جائے اور پہلے اس کو دو جو تمہارے اہل و عیال میں سے ہے'' اور اس حدیث میں کہ ''کسی نے آپ سے عرض کیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا تنگدست کا صدقہ کی وجہ سے تکلیف برداشت کرنا، اور اپنے اہل و عیال سے دینا شروع کرو'' کچھ منافات نہیں ہے کیونکہ ہر حدیث ایک معنی اور ایک خاص وجہ پر محمول ہو سکتی ہے، پس غنا سے اصطلاحی غنا مراد نہیں ہے بلکہ غنا نفس یا کنبہ کے لئے رزق کا کافی ہونا مراد ہے یا ہم کہتے ہیں غنی کے صدقہ سے اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور مفلس کا صدقہ اس لئے افضل ہے کہ وہ بخل کو خوب دور کرتا ہے اور وہ قوانین شرعیہ کے زیادہ مناسب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خزانچی مسلمان امانت دار جو مالک کے حکم کے موافق پورا پورا دیتا ہے وہ بھی بہ منزلہ صدقہ دینے والے کے ہے''۔

میں کہتا ہوں کسی ایسی چیز کا نکالنا جو اس پر واجب اور طیب خاطر اور خوش دلی کی وجہ سے دینے سے انکار نہ کرنا اس شخص کی سخاوت کی پہچان ہے لہٰذا اصلی متصدق کے بعد یہ شخص بھی متصدق ہے اور ان دونوں حدیثوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے، یعنی ''جو عورت اپنے شوہر کی کمائی میں سے اس کی بلا اجازت صدقہ دے گی تو اس کو نصف اجر ملے گا'' اور یہ کہ آپ نے حجۃ الوداع میں فرمایا ''کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر میں سے بلا اجازت کچھ خرچ نہ کرے اس پر کسی نے کہا کیا کھانا بھی نہ دے؟ آپ نے فرمایا وہ تو ہمارے مالوں میں سب سے افضل مال ہے'' اور نہ اس حدیث میں کوئی تعارض ہے کہ ''ایک عورت نے آپ سے عرض کیا کہ ہم اپنی اولاد اور اپنے مال

باپ اور اپنے خاوندوں پر بوجھ ہوتے ہیں پس ان کے مالوں میں سے ہم کو کس قدر حلال ہے؟ آپ نے فرمایا تر چیزیں کہ تم ان کو کھا سکتی ہو اور دے سکتی ہو، اور تعارض نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اول حدیث اس موقع میں ہے جہاں خاوند نے عموماً یا دلالۃً اجازت دی ہو اور کسی چیز کی صراحت کے ساتھ اور خصوصیت کے ساتھ اجازت نہ دی ہو اور خاوند صدقہ نہ دیتا ہو پس جب عورت نے صدقہ نکالا ہے تو یہ اس سے تسلیم کیا جائے گا اور خاوند کے مال میں اس قدر تصرف درست ہے جس قدر لوگوں میں دستور ہے اور اس میں خاوند کے مال کی اصلاح بھی ہو جیسے ہری چیزیں کہ اگر وہ کسی کو نہ دی جائیں تو خراب ہو کر ضائع ہو جائیں اور ان کے سوا اور چیزوں میں تصرف درست نہیں ہے اگر چہ کھانے کی قسم سے ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صدقہ دے کر واپس نہ لو کیونکہ جو دے کر پھر لیتا ہے گویا وہ اپنی قئے کو کھاتا ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ صدقہ کرنے والا جب خریدنا چاہتا ہے تو اس کے حق میں رعایت کی جاتی ہے یا وہ خود رعایت چاہتا ہے پس اسی قدر اس صدقہ کے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے کیونکہ صدقہ کی روح مال سے قلبی تعلق کا ہٹا لینا ہے اور جب اس کے دل میں یہ خیال رہا کہ وہ چیز اس کو بہ رعایت مل جائے تو اس کو اس چیز سے پوری بے تعلقی نہ ہوئی اور نیز شارع کو عمل کی صورت کا کامل ہونا مطلوب ہے اور اس کے واپس لینے میں نقصان پایا جاتا ہے اور جس زمین سے ہجرت کر جائے پھر اس میں آ کر مرنے کی کراہت کی یہی وجہ ہے، واللہ اعلم۔

روزہ کی تفصیلات

چونکہ قوت بہیمی کی شدت قوت ملکی کے احکام ظاہر ہونے سے مانع تھی اس واسطے اس کا مغلوب کرنا ضروری ہوا اور چونکہ اس کی شدت اور جوش کا باعث کھانا پینا اور لذائذ شہوانیہ میں منہمک ہونا تھا اور اس انہماک کا وہ اثر ہوتا ہے جو شکم سیر کھانے پینے کا بھی نہیں ہوتا اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کے مغلوب کرنے کا طریق ان اسباب میں کمی کرنے سے ہو، اسی وجہ سے جو لوگ احکام ملکی کا ظاہر ہونا چاہتے ہیں وہ سب باوجود اختلاف مذاہب کے اور ملکوں کے دور دراز ہونے کے ان اسباب کی تقلیل اور نقص میں متفق ہیں اور یہ بھی مقصود ہے کہ بہیمیت ملکیت کی اس طرح تابع ہو جائے کہ اس کے کہنے پر عمل کرے اور اسی کے رنگ میں رنگین ہو جائے اور یہ بھی مقصود ہے کہ ملکیت اس سے اس طرح علیحدہ رہے کہ اس کے خراب رنگ کو قبول نہ کرے اور اس میں اس کے نقوش رذیلہ منقش نہ ہوں جس طرح مہر کے نقوش موم کے اندر منقش ہو جاتے ہیں اور اس کا سوائے اس کے کوئی طریقہ نہیں ہے کہ قوت ملکی کسی شئے کا تقاضا کرے اور قوت بہیمی کو اس کا القا کرے اور اس کے سامنے پیش کرے پس وہ اس کو تسلیم کر لے اور اس سے سرکشی نہ کرے اور کسی طرح سے انکار نہ کرے اور پھر کسی بات کا تقاضا کرے اور اسی طرح پھر قوت بہیمی اس کو تسلیم کرے اور پھر بار بار یہی امر پیش ہوتی کہ اس کو اطاعت کی عادت ہو جائے اور وہ امور جن کو ملکیت چاہتی ہے اور وہ بہیمیت پر بہت شاق گزرتے ہیں ایسے ہیں جن سے ملکیت کو سرور اور بہیمیت کو انقباض ہوتا ہے جیسے عالم ملکوت سے تشبیہ پیدا کرنا اور خدا تعالیٰ کی کبریائی پر معرفت حاصل کرنا کیونکہ یہ امور ملکیت کا خاصہ ہیں بہیمیت کو ان سے بہت بعد ہے یا ان چیزوں کا ترک کرنا جن کو بہیمیت

چاہتی ہے اور ان سے لذت حاصل کرتی ہے اور ہیجان کی حالت میں ان چیزوں کی بہت مشتاق رہتی ہے اور یہ بات روزہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور چونکہ ان امور پر مداومت کرنا باوجود تدابیر ضروریہ اور ازواج واموال کے ساتھ مشغول ہونے کے سب لوگوں سے ممکن نہ تھا اس واسطے یہ امر ضروری ہوا کہ کچھ زمانہ کے بعد ایک مقدار معین کا التزام کیا جائے جس میں ملکیت کے ظہور کا حال اور اس کے مقتضیات سے خوش ہونا معلوم ہو جایا کرے اس سے پیشتر جو کوتاہی ہوگئی ہے اس کا کفارہ ہو جایا کرے اور اس کا حال اس گھوڑے کا سا ہو جائے جس کا رسہ کسی میخ سے بندھا ہوتا ہے اور وہ دائیں بائیں چکر لگا کر پھر وہیں تھان پر آ کھڑا ہوتا ہے، مداومت حقیقی کے بعد اس مداومت کا درجہ ہے، پھر یہ ضروری ہوا کہ اس کی ایک مقدار مقرر کی جائے تا کہ اس میں کوئی کمی نہ کر سکے اور وہ کمی کرنے والا اس عبادت کو اس قدر عمل میں لائے جو اس کے لئے کافی و نافع نہ ہو، یا افراط کرنے والا اس قدر زیادتی کرے کہ اس کو اتنا عمل میں لائے جس سے اس کے ارکان میں کاہلی پیدا ہو اور اس کا نشاط جاتا رہے اور اپنے نفس کو ہلاک کر کے درگور ہو جائے، روزہ ایک تریاق ہے جو سموم نفسانیہ کے دور کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ اس کے اندر لطیفہ انسانیہ کے مقام اور اس کے جائے ظہور یعنی بدن کو تکلیف اور مشقت بھی پہنچتی ہے اس واسطے بقدر ضرورت اس کا معین کرنا ضروری ہوا، پھر خورد ونوش کم کرنے کے دو طریق ہیں ایک تو یہ کہ بہت ہی کم کھایا جائے دوسرے یہ کہ کھانے پینے میں مقدار معتاد سے زیادہ دیر کرے اور شرع کے اندر تقلیل کا دوسرا طریق معتبر ہے کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی کمزور ہوتا ہے اور تھکتا ہے اور اس وقت بھوک و پیاس کی کیفیت محسوس ہو جاتی ہے اور بہیمیت کو اس کی وجہ سے پریشانی اور خوف لاحق ہو جاتا ہے اور ان امور کا طاری ہونا اس کو محسوس ہوتا ہے، اور تقلیل کے پہلے طریق میں ایک طرح کا ضعف برابر ہوتا رہتا ہے اور نفس کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی حتی کہ انسان اس سے بالکل تھک جاتا ہے، اور نیز تقلیل کے پہلے طریق کا بغیر مشقت کے سب لوگوں کو حکم نہیں دیا جا سکتا کیونکہ لوگوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں کسی کی خوراک ایک رطل اور کسی کی خوراک دو رطل ہوتی ہے اور جو خوراک ایک کے لئے پوری ہوتی ہے وہ دوسرے کے لئے باعث ہلاکت ہوتی ہے اور جس قدر مدت کا کھانے میں فصل ہوتا ہے اس پر تمام عرب وعجم اور تمام صحیح المزاج لوگوں کا اتفاق ہے اور وہ سب صبح وشام کھاتے

ہیں یا رات اور دن میں ایک بار کھارتے ہیں، اور رات تک کھانا نہ کھانے سے بھوک کی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ مکلفین کی رائے پر مقدار قلیل کو چھوڑا جائے اور یہ کہہ دیا جائے کہ ہر ایک اتنا کھالیا کرے جس سے قوت بہیمی مغلوب رہے کیونکہ یہ قاعدہ شرعیہ کے خلاف ہے۔

مثل مشہور ہے کہ جس نے بھیڑیئے کو بکریوں کا چرواہا بنایا تو اس نے ظلم کیا اور احسانیات میں ایسی باتوں کی گنجائش ہے، پھر یہ بھی ضرور ہے کہ یہ درمیانی مدت مہلک نہ ہو جیسے تین شب و روز کیونکہ یہ بھی مقصود شرعی کے خلاف ہے اور نہ ہی تمام مکلفین اس پر عمل کر سکتے ہیں اور نیز یہ بھی ضروری ہے کہ بھوکا رہنا بار بار ہوتا کہ وہ اس کے عادی ہو جائیں اور ان میں تابعداری کا مادہ پیدا ہو ورنہ ایک مرتبہ بھوکا رہنے میں کچھ فائدہ نہیں ہے خواہ کیسی ہی سخت بھوک ہو، اور یہ بات بھی ضروری تھی کہ نفس کا مغلوب ہونا جو غیر مہلک ہے اس کا انضباط اور اس کی تکرار کا انضباط ان مقداروں سے کیا جائے جو ان میں مستعمل ہیں جن کو ہر ذی عقل اور بے وقوف، شہری اور دیہاتی سب جانتے ہیں اور ان کو یا ان کی نظیر کو لوگوں کی بڑی بڑی جماعتیں استعمال میں لاتی ہیں تا کہ ان کی شہرت اور تسلیم سے ان کی دشواری جاتی رہے ان امور کے اعتبار کرنے سے یہ بات ضروری ہوئی کہ روزہ کا انضباط پورے مہینہ تک ہر روز کھانے اور پینے اور جماع سے نفس کو باز رکھنے کے ساتھ کیا جائے کیونکہ ایک دن سے کم کی مقدار کھانا دیر سے کھانے میں شمار ہے اور رات میں ان امور کا ترک کرنا ایک امر عادی ہے جس کی لوگ کچھ پرواہ نہیں کرتے اور ہفتہ دو ہفتہ ایسی قلیل مقدار ہے جو نفس پر پورا اثر نہیں کرتی، اور دو ماہ کی مقدار ایسی ہے جس میں آنکھیں بیٹھ جاتی ہیں اور نفس تھک جاتا ہے اور ہم نے اس امر کا بے شمار دفعہ مشاہدہ کیا ہے اور ان امور کے اعتبار کرنے سے یہ بات بھی ضروری ہوئی کہ دن کا انضباط صبح صادق کے طلوع سے غروب آفتاب تک کیا جائے کیونکہ عرب کا یہی حساب ہے اور یہی ان کے دن کی مقدار ہے اور عاشورہ کے دن روزہ رکھنے میں ان کے ہاں یہی حساب مشہور ہے، اور مہینہ کا حساب ایک چاند دیکھنے سے دوسرے چاند دیکھنے تک ہے کیونکہ اسی کو عرب مہینہ کہتے ہیں اور شمسی مہینوں سے وہ حساب نہیں کرتے اور جبکہ سب کو مکلّف بنانا اور تمام لوگوں کی اصلاح اور تمام عرب وعجم کی بہبودگی مطلوب تھی تو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں کو اس مہینہ میں اختیار نہ دیا جائے تا کہ ہر شخص اپنے لئے اس مہینہ کو اختیار

کرلیا کرے جس میں روزہ رکھنا آسان ہو کیونکہ اس میں عذر کرنے کا اور بچ کر نکل جانے کا دروازہ کھلتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہوتا ہے اور اس میں اسلام کے ایک عظیم الشان عبادت کا گمنام کردینا ہے اور نیز اہل اسلام کی بڑی بڑی جماعتوں کا ایک زمانہ میں ایک چیز پر اجتماع کرنا اور ایک کا دوسرے کو دیکھنا ان کے لئے اس عبادت کا عمل پر ہمت کے پیدا ہونے کا اور اس کے آسان ہونے کا سبب ہے، اور نیز ان کے اس اجتماع سے ہر خاص و عام پر قوت ملکی کی برکات نازل ہوتی ہیں اور کاملین سے کم درجہ کے لوگوں پر ان کے انوار کا پرتو پڑتا ہے اور پھر ان کی دعائیں سب کو گھیر لیتی ہیں۔

اور جب ایک مہینہ کا مقرر کرنا ضروری ہوا تو اس مہینہ سے کوئی مہینہ بہتر نہیں ہے جس میں قرآن نازل ہوا اور ملت مصطفوی کی تکمیل ہوئی اور شب و روز کے پائے جانے کا بھی اس مہینہ میں قوی احتمال ہے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے پھر اس مرتبہ کا بیان کرنا بھی ضروری ہے جو ہر غافل و ہوشیار اور ہر فارغ و مشغول کے لئے درکار ہے اور جس نے اس میں کوتاہی کی اس نے اصل حکم میں کوتاہی کی اور مرتبہ کمال کا بیان کرنا بھی ضروری تھا جو نیک لوگوں کا طریقہ اور سابقین کا دستور ہے، پس اول مرتبہ رمضان کا روزہ رکھنا اور پنج گانہ نماز پر اکتفا کرنا ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے عشا اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا اس نے تمام شب عبادت کی اور دوسرا مرتبہ پہلے مرتبہ پر کمیت اور کیفیت میں بڑھا ہوا ہے اور وہ رمضان کی راتوں میں عبادت کرنا اور تمام اعضا اور زبان کو بری باتوں سے روکنا ہے اور ماہ شوال میں چھ روز اور ہر ماہ میں تین روز اور یوم عاشورہ اور یوم عرفہ کا روزہ رکھنا اور رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرنا ہے پس یہ مقدمات روزہ کے باب میں بہ منزلہ اصول کے ہیں پس جب یہ مقدمات ثابت ہو گئے تو اب ہم ان احادیث کی شرح کرتے ہیں جو روزہ کے باب میں وارد ہیں۔

روزہ کی فضیلت کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں باندھ دیئے جاتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں: واضح ہو کہ رمضان کے مہینہ میں یہ فضل صرف جماعت مسلمین کے لئے ہے کیونکہ کفار رمضان کے مہینہ میں بہ نسبت اور مہینوں کے زیادہ اندھے اور گمراہ ہوتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ شعائر الٰہی کی ہتک کرنے میں اور بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں لیکن مسلمان جب روزہ رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور جو ان میں سے کاملین ہیں وہ انوار کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور ان کی دعائیں ان کو چاروں طرف سے احاطہ کر لیتی ہیں اور ادنیٰ لوگوں پر ان کے انوار کا پرتو پڑتا ہے اور ان کی برکات تمام جماعت پر چھا جاتی ہیں اور ہر شخص حسب استعداد عبادات سے قریب اور معاصی سے بعید ہوتا ہے تو اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ ان پر جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ جنت کی اصل خدا تعالیٰ کی رحمت اور دوزخ کی اصل خدا تعالیٰ کی لعنت ہے، اور کیونکہ زمین والوں کا ایک صفت پر متفق ہونا اس کے موافق خدا تعالیٰ کے وجود کو متوجہ کر لیتا ہے جیسا کہ ہم نے استقا اور حج میں بیان کیا ہے اور اس بات کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ شیاطین قید کر لئے جاتے ہیں اور فرشتے ان میں پھیلا دیئے جاتے ہیں کیونکہ شیطان اسی شخص میں اثر کرتا ہے جو اس کے اثر کو قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہے اور یہ استعداد بہیمیت کے غلبہ سے پیدا ہوتی ہے اور وہ روزہ کے سبب سے مغلوب ہو جاتی ہے اور فرشتے بھی اسی کے قریب ہوتے ہیں جس میں ان کے اثر کو قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے اور وہ استعداد قوت ملکی کے ظہور سے ہوتی ہے اور روزہ کے سبب سے قوت ملکی کا ظہور ہو جاتا ہے اور نیز رمضان میں اس رات کے ہونے کا احتمال ہے جس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر چیز کی تقسیم ہوتی ہے پس ضرور بالضرور اس وقت میں انوار مثالیہ اور ملکیہ منتشر ہو جاتی ہیں اور ان کی [illegible] جاتی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور ثواب کے ارادہ سے رکھے اس کے تمام پہلے گناہ بخشے جاتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے روزے رکھنے میں قوت ملکی کے غالب ہونے اور قوت بہیمی کے مغلوب ہونے کا احتمال ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی رحمت کے دریا میں غوطہ لگانے کے لئے یہ کامل مقدار ہے اس واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ نفس کو ایک حال سے دوسرے حال میں بدل دیتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے ایمان اور ثواب کے قصد

سے شب قدر میں عبادت کی اس کے پہلے گناہ بخشے گئے‘‘۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ روحانیت کے انتشار کے وقت اور عالم مثال کے غلبہ کے ظاہر ہوتے وقت جب کوئی عبادت پائی جاتی ہے تو اس وقت میں وہ عبادت نفس میں وہ اثر کرتی ہے جو دوسرے اوقات میں کئی مرتبہ اس عبادت کو کرنے سے بھی اس جیسا اثر نہیں کرتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’بنی آدم کے ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک زیادہ دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا سوائے روزے کے کیونکہ وہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دونگا اور روزہ دار میرے لئے اپنی خواہش اور کھانے کو ترک کر دیتا ہے‘‘۔

میں کہتا ہوں نیکی کے بڑھ جانے کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب مر جاتا ہے اور قوت بہیمی کی مدد اس سے منقطع ہو جاتی ہے اور جو لذتیں اس کے مناسب تھیں ان سے روگردانی کر لیتا ہے تو قوت ملکی کا ظہور ہوتا ہے اور بالطبع اس کے انوار روشن ہو جاتے ہیں اور اعمال کی جزا اور سزا ملنے کی یہی وجہ ہے کہ پس اگر نیک عمل ہوتا ہے تو تھوڑا عمل بھی ملکیت کے ظہور اور اس عمل کے اس کے مناسب ہونے کی وجہ سے اس وقت بہت ہو جاتا ہے اور روزہ کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کا صحائف میں لکھا جانا اس طرح پر ہوتا ہے کہ ہر عمل کی صورت عالم مثال کے ایک مقام میں جو اس شخص کے لئے خاص ہے اس طرح متصور ہوتی ہے کہ اس کے سبب سے اس کے عمل کی جزا کی صورت جب وہ شخص جسمانی حجابات سے الگ ہو جاتا ہے ظاہر ہو جاتی ہے اور ہم نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا ہے اور نیز اس امر کا مشاہدہ کیا ہے کہ اعمال کی جزا لکھنے والے فرشتے بسا اوقات اس عمل کے جزا کے ظاہر کرنے میں جو شہوات نفسانیہ کے ساتھ مجاہدہ کرنے کے قبیل سے ہے توقف کرتے ہیں کیونکہ اس کے ظاہر کرنے میں اس خلق نفس کی مقدار معلوم کرنے کو دخل ہے، جس سے یہ عمل صادر ہوا ہے اور فرشتے اس ذوق سے اور اس وجہ سے ان سے بھی آگاہ نہیں ہوتے ہیں اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ فرشتے کفارات اور درجات کے بارے میں باہم نزاع کرتے ہیں اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ بس اس وقت خدا تعالیٰ فرشتوں کو وحی کرتا ہے کہ اس عمل کو بعینہ لکھ لو اور اس کی جزا میرے سپرد کر دو، اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ’’میرا بندہ روزہ دار اپنی خواہش اور کھانا میرے لئے ترک کرتا ہے‘‘ اس طرف اشارہ ہے کہ روزہ ان کفارات میں سے ہے جن کی سختی نفس بہیمیہ کو پہنچتی

ہے اور اس حدیث کے لئے ایک بطن اور ہے جس کی طرف اسرار صوم میں ہم نے اشارہ کر دیا ہے اس کو وہاں دیکھنا چاہئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور ایک خدا تعالیٰ سے ملنے کے وقت پہلی خوشی تو طبعی ہے کہ جو نفس کو مطلوب کے حاصل ہونے کے وقت ہوتی ہے اور دوسری خوشی الٰہیہ ہے کہ جو روزہ دار کے حجاب جسمانی سے الگ ہونے اور عالم بالا سے علم یقین کا فیضان ہونے کے وقت تقدس کے آثار ظاہر ہونے کے قابل ہونے سے ہوتی ہے جس طرح نماز سے تجلی ثبوتی کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’طلوع اور غروب کے پہلے تم کسی نماز پر مغلوب نہ کئے جاؤ گے‘‘ اس مقام پر اور بہت سے اسرار ہیں جن کو ظاہر کرنے کی اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’البتہ روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔

میں کہتا ہوں اس کا راز ہے کہ عبادت کے پسندیدہ ہونے سے اس کا اثر بھی پسندیدہ ہو جاتا ہے اور عالم مثال میں عبادت کی جگہ وہ اثر متمثل ہو جاتا ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ملائکہ کے خوش ہونے اور خدا تعالیٰ کی رضامندی کو ایک پلہ میں رکھا اور مشک سونگھنے سے بنی آدم کے سرور کو ایک پلہ میں رکھا تا کہ یہ غیبی راز آپ ان پر ظاہر کر دیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’روزے ڈھال ہیں‘‘۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ شیطان اور نفس کے شر سے بچاتا ہے اور ان کے اثر سے انسان کو دور رکھتا ہے اور ان کی مخالفت پر آمادہ کرتا ہے اس واسطے روزہ کے لئے مناسب یہی ہے کہ آدمی اپنی زبان کو اقوال اور افعال شہوانی سے محفوظ رکھ کر کامل طور پر اس کو ڈھال بنائے اور اسی طرف آپ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے ’’کہ روزہ دار بری بات نہ کہے‘‘۔ اور بہیمیت کے افعال سے بھی باز رہے اور اس کی طرف آپ نے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ ’’روزہ دار شور و شغب نہ کرے‘ اور اقوال کی طرف اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ ’’جو کوئی روزہ دار کو گالی دے‘ اور افعال کی طرف اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ ’’جو کوئی اس سے لڑے‘‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’پس روزہ دار کو کہنا چاہئے کہ میں روزہ دار ہوں‘‘ بعض کے نزدیک تو اس کو

زبان سے ہی کہہ دینا کافی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دل میں یہ کہہ دے اور بعض کے نزدیک فرض کے روزے اور نفل کے روزے میں فرق ہے اور ہر ایک میں گنجائش کا موقع ہے۔

روزہ کے احکام کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ‘‘نہ بغیر چاند دیکھے روزہ رکھو اور نہ بغیر چاند دیکھے افطار کرو، پھر اگر ابر ہو جائے تو اندازہ کرلو، اور ایک روایت میں ہے کہ تیس روزے پورے کرلو۔

میں کہتا ہوں چونکہ روزہ کا زمانہ قمری مہینہ کے ساتھ رویت ہلال کے اعتبار سے منضبط تھا اور وہ کبھی تیس دن اور کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے اس واسطے اشتباہ کی صورت میں اس اصل کی طرف رجوع کرنا واجب ہوا اور نیز احکام کی بنیاد ان امور پر ہونی چاہئے جن کو ان پڑھ لوگ بھی جانتے ہوں نہ کہ تعمق اور محاسبات نجومیہ پر بلکہ شریعت نے ان چیزوں کو مٹایا ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ‘‘ہم ان پڑھ لوگ ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب کرنا’’ اور آپ نے فرمایا ‘‘عید کے دونوں مہینے کم نہیں ہوتے رمضان اور ذی الحجہ’’ بعض کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ دونوں مہینے ایک ساتھ انتیس انتیس کے نہیں ہوتے، اور بعض نے کہا کہ تیس اور انتیس کا اجر برابر ہے اور باہم کچھ فرق نہیں ہے اور یہ اخیر معنی قواعد شرعیہ کے زیادہ مناسب ہیں گویا آپ نے اس بات کو دفع کرنا چاہا کہ کسی کے دل میں یہ خیال نہ گزرے کہ انتیس کا اجر کم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ روزہ کے باب میں تعمق کے اسباب بند کرنا اور جو تکلّفات لوگوں نے پیدا کر لئے ہیں ان کا رد کرنا اہم مقاصد میں سے تھا کیونکہ یہ عبادت یہود اور نصاریٰ اور عرب میں سے ان لوگوں میں جنھوں نے اہل کتاب کا دین پسند کیا تھا شائع اور جاری تھی اور چونکہ انھوں نے اس بات کا خیال کیا کہ روزہ میں اصل نفس کا مغلوب کرنا ہے اس واسطے انھوں نے تعمق کیا اور روزہ کے اندر وہ امور ایجاد کئے جن سے نفس اور زیادہ مغلوب ہوتا ہے اور اس کے اندر دین الٰہی کی تحریف ہوتی ہے اور یہ تحریف یا زیادتی کم ہوتی ہے اور یا زیادتی کیف سے ہوتی ہے، پس کمیت کی زیادتی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح منع فرمایا کہ ‘‘رمضان سے ایک یا دو روز پہلے کوئی روزہ نہ رکھے مگر جو شخص پہلے سے اس دن روزہ رکھتا ہو سو وہ روزہ رکھ لے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن اور شک کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روزہ میں اور رمضان

میں کوئی فصل نہیں ہے پس شاید وہی لوگ اس کو سنت سمجھ لیں اور پھر متاخرین اس کو ان سے لے لیں اور اسی طرح ان کے بعد کا طبقہ، اور دین میں تحریف ہو جائے، اور حقیقت میں تعمق یہ ہے کہ موضع احتیاط کو لازم بنالیا جائے اور یوم شک اسی میں داخل ہے۔

اور کیف کے اندر زیادتی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح منع کیا ہے کہ آپ نے لوگوں کو صوم وصال سے منع فرمایا ہے اور سحری کھانے کی رغبت دلائی ہے اور سحری کو دیر سے کھانے کا حکم دیا ہے اور روزہ جلد افطار کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ یہ سب باتیں تشدد اور تعمق کی ہیں جو جاہلیت کے افعال میں سے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ ”جب نصف مہینہ شعبان کا گزر جائے تو اس میں روزہ نہ رکھو، اور ام سلمہؓ کی اس حدیث میں کہ ”میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے شعبان اور رمضان کے کبھی پے در پے دو مہینے کے روزے رکھتے نہیں دیکھا“ کچھ تعارض نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود ایسے افعال کیا کرتے تھے جن کا اپنی امت کو حکم نہیں دیتے تھے اور اکثر یہ افعال ذرائع بند کرنے اور مظنات کلیہ کے مقرر کرنے کے قبیل سے ہوتے تھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی شئے کو بے محل استعمال کرنے یا جس حد تک ان افعال کو عمل میں لانے کا حکم دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر ملال خاطر اور ضعف جسمانی کی طرف پہنچنے سے مامون ومحفوظ تھے اور بجز آپ کے اور کوئی شخص مامون نہیں ہے پس وہ قانون شرعی کے مقرر کرنے اور باب تعمق کے بند کرنے کی طرف محتاج ہیں، اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو چار بیویوں سے زیادہ رکھنے سے منع کرتے تھے اور آپ کے لئے نو بلکہ اس سے بھی زیادہ حلال کی گئی تھیں کیونکہ منع کرنے کی علت یہ ہے کہ ظلم لازم نہ آئے۔

پھر چاند کا دیکھنا ایک نیک مسلمان یا مستور الحال کی اس شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے کہ میں نے چاند دیکھا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے دونوں صورتوں میں چاند کا ہو جانا ثابت ہوتا ہے ”ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں نے چاند دیکھا ہے آپ نے فرمایا کہ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے؟ الحدیث (۱)

---

(۱) کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اس بات کا اعلان کردو کہ کل وہ روزہ رکھیں۔

اور ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ انھوں نے چاند دیکھا ہے تو آپ نے روزہ رکھ لیا، اور جس قدر امور دینیہ ہیں ان سب کا یہی حکم ہے اور ان کا حال مثل روایت حدیث کے ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے''۔

میں کہتا ہوں اس میں دو برکتیں ہیں ان میں سے ایک اصلاح بدن سے تعلق رکھتی ہے کہ وہ خراب نہیں ہوتا اور نہ وہ ضعیف ہوتا ہے کیونکہ ایک پورے دن کا امساک روزہ کی مقدار ہے پس اس میں زیادتی نہیں کرنی چاہئے اور دوسری برکت تدبیر دینی سے تعلق رکھتی ہے کہ دین کے اندر تعمق نہ ہو اور اس میں تحریف اور تغیر داخل نہ ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے خیریت سے رہیں گے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہمارے اور اہل کتاب کے روزہ میں فرق سحری کھانے کا ہے'' اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ''میرے سب بندوں میں میرے نزدیک وہ زیادہ محبوب ہیں جو جلدی افطار کرتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس مسئلہ میں اہل کتاب سے تحریف ہوگئی ہے پس ان کی مخالفت کرنے اور ان کی تحریف رد کرنے میں ملت اسلامی کا قیام ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ پر روزہ رکھنے سے منع فرمایا تو کسی نے عرض کیا کہ آپ تو پے در پے روزہ رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا تم میں سے مجھ سا کون ہے مجھ کو اللہ تعالیٰ رات میں کھلاتا اور پلاتا ہے۔

میں کہتا ہوں صوم وصال سے منع کرنے کے دو سبب ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ روزہ جان کی ہلاکت کا سبب نہ ہو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور دوسرا سبب یہ ہے کہ دین کی تحریف نہ ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ آپ ہلاک نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ کو قوت ملکیہ نوریہ سے تائید ہوتی رہتی ہے اور آپ ہلاکت سے مامون ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ ''جس نے فجر سے پیشتر روزہ کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں ہوتا'' اور اس قول میں جس وقت آپ کو کھانا نہیں ملتا تھا کہ ''میں اس وقت روزہ رکھنے والا ہوں'' کوئی تعارض نہیں، کیونکہ اوّل قول فرض روزہ کے بارے میں ہے اور دوسرا نفل روزہ کے بارے میں ہے اور نفی سے مراد نفی کمال ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی جب اذان سنے اور اس کے ہاتھ میں برتن

ہوتو جب تک اپنی حاجت پوری نہ کرلے برتن نہ رکھے“۔

میں کہتا ہوں اذان سے مراد خاص اذان ہے یعنی (۱) حضرت بلالؓ کی اذان اور یہ حدیث اس حدیث کا اختصار ہے کہ ”بلال رات میں اذان دیتا ہے“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص افطار کرے تو چھوارے سے افطار کرے کیونکہ اس سے روزہ کھولنے میں برکت ہے اور اگر چھوارے نہ ملے تو پانی سے افطار کرے کیونکہ وہ پاک چیز ہے“۔

میں کہتا ہوں شیریں چیز کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے بالخصوص بھوک لگنے کے بعد اور جگر شیریں چیز کو پسند کرتا ہے اور عرب کے طبائع چھوارے کی طرف مائل ہوتی ہیں اور ایسے امور میں میلان طبع کو ایک اثر ہوتا ہے پس لامحالہ طبیعت اس شئے کو بدن کے ایک محل مناسب میں استعمال کرلیتی ہے، اور یہ ایک قسم کی برکت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس نے روزہ دار کا روزہ افطار کرایا یا کسی مجاہد کو سامان جنگ دیا تو اس شخص کو بھی صائم اور مجاہد کے برابر اجر ملے گا“۔

میں کہتا ہوں جو شخص روزہ دار کا روزہ یہ سمجھ کر افطار کرائے کہ وہ روزہ دار تعظیم کا مستحق ہے تو اس کا یہ افطار کرانا ایک قسم کا صدقہ اور روزہ کی تعظیم اور اہل طاعت کے ساتھ سلوک کرنا ہے پس جب اس کی صورت نامہ عمل میں متمثل ہوئی تو کئی طرح پر وہ صورت روزہ کے معنی پر مشتمل تھی تو اس کو بھی روزہ کے ساتھ جزا دی گئی۔

وہ اذکار جن کا پڑھنا افطار کے وقت مسنون ہے

اور روزہ افطار کرتے وقت جن اذکار کا پڑھنا مسنون ہے ان میں سے ایک یہ ہے: ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء الله اور ان کلمات کے اندر ان حالات پر شکر ہے جن کو انسان طبیعت اور عقل دونوں سے پسند کرتا ہے۔

اور ان اذکار میں سے یہ بھی ہے: اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت۔ اس میں اخلاص عمل اور نعمت پر شکر کرنے کی تاکید ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے مگر وہ شخص جو اس سے پہلے یا اس کے بعد رکھ لیا کرے“ اور آپ

---

(۱) حضرت ام مکتومؓ آخر میں اذان دیتے تھے، جو دراصل آذان فجر تھی۔

نے فرمایا ''جمعہ کی رات کو قیام کے ساتھ خاص نہ کرو'' الحدیث،

میں کہتا ہوں اس میں دو حکمتیں ہیں ایک تو تعمق کا بند کرنا کیونکہ جب شارع نے روز جمعہ کو عبادات کے لئے خاص کیا اور اس کی فضیلت بیان کی تو اس میں یہ احتمال تھا کہ تعمق کرنے والے تعمق کر کے اس دن میں روزہ کو عبادات میں شمار کر لیں، دوسری حکمت عید کے معنی کا ثابت کرنا ہے کیونکہ عید میں سرور اور لذت حاصل کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں اور جمعہ کے عید قرار دینے میں یہ حکمت ہے کہ لوگوں کو اس بات کا خیال رہے کہ جمعہ کے اندر اس قسم کا اجتماع ہوتا ہے جس کی طرف اس کے دل بغیر جبر کے راغب ہوتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن، اور آپ نے فرمایا ''ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں''۔

میں کہتا ہوں اس کے اندر عید کے معنی کا ثابت کرنا اور خشک عبادت اور دین کے اندر تعمق کرنے سے ان کی طبیعت کو روکنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کسی عورت کو اپنے خاوند کی موجودگی میں بلا اس کی اجازت کے روزہ رکھنا جائز نہیں''۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے روزہ رکھنے سے مرد کے بعض حقوق فوت ہوتے ہیں اور اس کی بشاشت اور خوشی میں خلل پڑتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ ''نفل روزہ رکھنے والا اپنے دل کا مختار ہے چاہے روزہ رکھے اور چاہے افطار کرے اور اس قول میں جو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ ''اس کی بجائے دوسرے دن تم روزہ قضا کر لینا'' کچھ تعارض نہیں، کیونکہ اول قول کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اگر روزہ رکھنے والا چاہے تو اپنے اوپر قضا لازم کر کے روزہ افطار کر لے اور دونوں بیویوں کو بطور استحباب کے قضا کا حکم دیا ہو کیونکہ جس چیز کو لازم کیا اس کے پورا کرنے سے ہی دل خوش ہوتا ہے یا آپ کا امر ان دونوں کے لئے مخصوص تھا جبکہ آپ نے اس سے ان کے دلوں میں حرج محسوس کیا جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ''لوگ حج و عمرہ کر کے واپس ہوئے اور میں فقط حج کر کے واپس ہوئی تو آپ نے حضرت عائشہؓ کو مقام تنعیم سے عمرہ کا حکم دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا لیا یا پی لیا تو وہ اپنے روزہ کو پورا کر لے کیونکہ اس کو خدا تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے''۔

میں کہتا ہوں صرف روزہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے نسیان کی وجہ سے آدمی کو معذور قرار دیا اور کسی عبادت میں وہ معذور قرار نہیں دیا گیا کیونکہ روزہ کے اندر کوئی ایسی ہیئت نہیں ہے جو روزہ یاد دلانے والی ہو بخلاف نماز اور احرام کے کیونکہ ان دونوں کو ہیئت مثلاً استقبال قبلہ اور بے سلا ہوا کپڑے پہننا ہیئت مذکورہ ہے اس واسطے روزہ کی حالت میں معذور رکھنا مناسب ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے جس نے روزہ کے دن میں اپنی عورت سے مجامعت کر لی تھی فرمایا ''ایک غلام آزاد کر'' الحدیث۔

میں کہتا ہوں اس نے چونکہ شعائر الٰہی کی حرمت کا ہتک کیا تھا اور اس کا مبدا افراط طبعی تھا اس واسطے اس کے مقابلہ میں نہایت سخت وشاق عبادت جب ہوئی تا کہ اس کے سامنے اس کی صورت پیش رہے اور نفس کی سرکشی سے اس کو باز رکھے، اور اس حدیث میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں مسواک کرتے تھے اور آپ کے اس انسان میں کہ ''روزہ دار کے منہ کی بو خدا تعالیٰ کو مشک کی بو سے زیادہ پسندیدہ ہے'' کچھ تعارض نہیں ہے کیونکہ ایسے کلام سے مبالغہ مقصود ہوتا ہے گویا آپ نے یہ فرمایا کہ وہ خدا تعالیٰ کو ایسا محبوب ہے کہ اگر اسکے منہ کی بو بھی ہوتی تو وہ بھی اس کی محبت کی وجہ سے اچھی معلوم ہوئی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں ''سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں ہے، جو لوگ روزہ نہیں رکھتے وہ اجر والے ہیں'' اور آپ کے اس فرمان میں ''جس شخص کے پاس سواری ہو جو منزل تک اس کو آرام سے پہنچا سکے تو رمضان کو جس جگہ چاہے روزہ رکھے کچھ تعارض نہیں ہے کیونکہ اوّل قول اس شخص کے حق میں ہے جس کو روزہ رکھنا شاق ہو جس سے ضعف اور غشی تک نوبت پہنچے جیسا کہ راوی کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر سایہ کر دیا گیا تھا یا مسلمانوں کو ایسی ضرورت درپیش ہے جو بغیر افطار کے سرانجام نہیں پا سکتی جیسا کہ راوی کا قول ہے کہ روزہ دار گر پڑے اور بے روزہ کھڑے ہو گئے یا کوئی شخص اپنے دل میں اس رخصت کو مکروہ سمجھتا ہے اور اسی قسم کے دیگر اسباب کی صورت میں یہ حکم ہے اور دوسرا قول اس صورت میں ہے کہ جب سفر میں چنداں مشقت نہ ہو اور اسباب مذکورہ سے خالی ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ''جس شخص کے ذمہ کوئی روزہ ہو اور وہ مر جائے تو اس کی طرف سے اس کا وارث روزہ رکھے'' اور اسی کے بارے میں آپ کے اس قول میں ''پس اس کو چاہئے کہ ہر دن کی جگہ ایک مسکین

کو کھانا کھلائے کیونکہ دونوں باتوں کا کافی ہونا ممکن ہے، اور اس میں دو راز ہیں ایک تو میت کے اعتبار سے ہے کیونکہ بہت سے نفوس جو اپنے جسموں سے مفارقت کرتے ہیں اور اس بات کا ادراک کرتے ہیں کہ عبادت میں سے کوئی سی عبادت جو ان پر واجب تھی اور جس کے ترک کرنے سے ان سے مواخذہ کیا جاتا ہے ان سے فوت ہوگئی ہے پس ان کو رنج و الم ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ان پر وحشت کا دروازہ کھل جاتا ہے ایسی حالت میں ان پر بڑی شفقت یہ ہے کہ لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ اس میت کا قریب ہے پس وہ اس کا سا عمل کرے اور اس بات کا قصد کرے کہ وہ یہ عمل اسی کی طرف سے کرتا ہے کیونکہ اس کی ہمت اس امر میں مفید ہوگی جیسا کہ قرابت داروں میں ہوتا ہے یا کوئی دوسرا کام اسی کام کے مثل کرے، اور ایسا ہی حال اس شخص کا ہے جس نے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور وہ بغیر صدقہ کئے مر گیا تو اس کا وارث اس کی طرف سے صدقہ کرے۔

اور ہم نے نماز جنازہ میں یہ بات بیان کردی ہے کہ جب زندہ لوگ مردوں کی طرف سے صدقہ دیتے ہیں تو ان کو نفع پہنچتا ہے اور دوسرا راز دین کے اعتبار سے ہے اور وہ نہایت درجہ تاکید کرنا ہے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ روزہ کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتا حتی کہ مرنے سے بھی۔

روزہ سے متعلق امور کا بیان

واضح ہو کہ روزہ کا کمال یہ ہے کہ وہ افعال اور اقوال شہوانیہ وسبعیہ اور شیطانیہ سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ یہ امور نفس کو اخلاق رذیلہ یاد دلاتے ہیں اور اوصاف قبیحہ کے لئے نفس کو برانگیختہ کرتے ہیں اور جو چیزیں روزہ ٹوٹنے کے دواعی اور اسباب ہیں ان سے محفوظ رکھتا ہے پس اول کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پس بیہودہ گفتگو نہ کرے اور شور نہ مچائے اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو اس کو یہ کہنا چاہئے کہ میں روزہ سے ہوں'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص روزہ میں جھوٹ بات کہنے اور اس پر عمل کرنے سے باز نہ آئے تو خدا تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا ترک کرنے کی کوئی حاجت نہیں'' یہاں نفی سے مراد کمال کی نفی کرنا ہے، اور دوسرے امر کے متعلق آپ نے فرمایا ''پچھنے لگانے والا اور لگوانے والا دونوں نے روزہ افطار کرلیا'' کیونکہ پچھنے لگوانے والا تو ضعف کے سبب سے افطار کے لئے آمادہ ہوگیا اور لگانے والا اس سے محفوظ نہیں رہتا کہ

چوسنے سے کوئی چیز اس کے پیٹ میں چلی جائے اور بوسہ لینا اور مباشرت کرنا بھی اسی قبیل سے ہے اور لوگوں نے اس کے اندر زیادہ افراط اور تعمق کرلیا تھا اور اس سے بچنے کو رکن کے درجہ میں سمجھنے لگے تھے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قول وفعل سے اس بات کو بیان کردیا کہ اس سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ اس سے روزہ کو کوئی نقصان پہنچتا ہے اور لفظ رخصت سے اس امر کی طرف اشارہ کردیا کہ آپ کے سوا دوسرے کے لئے یہ ترک اولی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بیان شریعت پر مامور تھے اس لئے آپ کے حق میں ان کا کرنا اولیٰ تھا اور یہی حال ان سب چیزوں کا ہے جن میں محسنین کے درجہ سے نزول ہوکر عامہ مومنین کے درجہ کی طرف نوبت پہنچتی ہے، واللہ اعلم۔

روزہ کے اندر انبیا علیہم السلام کے طریقے مختلف رہے ہیں پس نوح علیہ السلام ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک روز روزہ رکھتے تھے اور دو روز یا کئی روز افطار کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود کبھی اس قدر روزہ رکھتے تھے کہ یہ کہا جاتا تھا کہ آپ افطار نہیں کریں گے اور کبھی اس قدر افطار کرتے تھے کہ گویا آپ روزہ نہ رکھیں گے اور بجز رمضان کے مہینہ کے آپ پورا مہینہ روزہ نہ رکھتے تھے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ روزہ تریاق ہے اور تریاق کا استعمال بقدر مرض ہوتا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی امت بڑی مضبوط تھی حتی کہ ان کے بڑے بڑے حالات مروی ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام نہایت قوی اور مضبوط آدمی تھے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب کسی سے بھڑ جاتے تھے تو بھاگتے نہ تھے'' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضعیف البدن فارغ البال تھے نہ ان کا گھر تھا اور نہ مال پس ان میں سے ہر ایک نے جو صورت مناسب حال دیکھی اس کو اختیار کرلیا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے فوائد سے خوب واقف تھے اور اپنے مزاج اور اس کے مناسب امور سے خوب مطلع تھے پس مصلحت وقت کے موافق جو مناسب سمجھا اس کو اختیار کرلیا اور اپنی امت کے لئے بھی چند روزے پسند فرمائے۔

از آں جملہ عاشورہ کے دن کا روزہ ہے اور اس کی مشروعیت میں یہ حکمت ہے کہ وہ ایسا وقت ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی اور

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھ کر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یہ روزہ اہل کتاب اور عرب میں مروج تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو برقرار رکھا۔

از آں جملہ عرفہ کے دن کا روزہ ہے اس میں راز یہ ہے کہ اس روزہ سے حاجیوں کے ساتھ مشابہت اور ان کی طرف شوق اور اس رحمت کی امید ہوتی ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے اور عاشورہ کے روزہ پر اس روزہ کی فضیلت حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عرفہ کا روزہ رکھنا اس رحمت کے دریا میں غوطہ لگانا ہے جو اس روز بندوں پر نازل ہوتی ہے اور عاشورہ کے دن روزہ رکھنے میں اس رحمت کی امید ہوتی ہے جو گزر چکی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت الٰہی کے دریا میں غوطہ لگانے کے ثمرہ کی طرف ملاحظہ کیا اور وہ ثمرہ سابقہ گناہوں کا مٹ جانا اور آئندہ گناہوں سے دور رہنا ہے بایں معنیٰ کہ آدمی کا دل ان کو قبول نہیں کرتا پس یہ ثمرہ آپ نے عرفہ کے روزہ میں مقرر کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں عرفہ کا روزہ نہیں رکھا اس کی وجہ وہی ہے جو قربانی اور عید کی نماز میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ان سب کی بنیاد حجاج کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے پر ہے، اور مشابہت وہی لوگ پیدا کر سکتے ہیں جو حجاج نہیں ہیں۔

از آں جملہ ماہ شوال کے چھ روزے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے تمام سال روزے رکھے'' اور ان روزوں کی مشروعیت میں یہ راز ہے کہ یہ روزے ایسے ہیں جیسے فرض نمازوں میں سنتوں کا درجہ ہے جن کی وجہ سے ان لوگوں کے فائدہ کی تکمیل ہو جاتی ہے جو اصل نماز سے پورہ فائدہ حاصل نہیں کرتے اور ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات کہ ''وہ پورے سال روزہ رکھنے کے برابر ہے'' اس واسطے مخصوص کی کہ قواعد مقررہ میں سے یہ امر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے اور ان چھ روزوں سے یہ حساب پورا ہو جاتا ہے۔

از آں جملہ ہر ماہ میں تین روزوں کا رکھنا ہے کیونکہ وہ بھی ایک نیکی کے دس گنا اجر کے حساب سے سال بھر کے روزوں کے برابر ہیں اور یہ بھی بات ہے کہ کثرت کا ادنی درجہ تین ہے اور ان ایام کے اختیار کرنے میں مختلف روایات وارد ہیں پس ایک روایت میں آیا ہے ''اے ابوذر! جب تو مہینہ میں تین روزے رکھے تو مہینہ کی تیرہویں اور چودھویں اور پندرھویں کو روزہ رکھا کر''

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ میں ہفتہ اور اتوار اور پیر کو روزہ رکھتے تھے اور دوسرے مہینہ میں منگل اور بدھ اور جمعرات کے دن روزے رکھا کرتے تھے اور ہر مہینہ کی پہلی تاریخ سے لیکر تین دن تک روزہ رکھنا بھی آیا ہے، اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ کو تین دن کے روزے رکھنے کا حکم دیا تھا جن کا پہلا دن پیر اور جمعرات تھا اور ہر ایک کی ایک وجہ ہے۔

واضح ہو کہ شب قدر کی دو راتیں ہیں ایک تو وہ رات ہے جس میں تمام امور حکمیہ کی تقسیم ہوتی ہے اور اسی رات میں پورا قرآن شریف ایک بارگی پہلے آسمان پر اترا ہے پھر تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا اور یہ سال بھر میں ایک رات ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ رمضان ہی میں ہو ہاں رمضان میں اس کے پائے جانے کا ظن غالب ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ جس سال قرآن اترا ہے اس سال یہ رات رمضان کے مہینہ میں واقع ہوئی تھی۔

اور دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحانیت کا ایک قسم کا پھیلاؤ ہوتا ہے اور ملائکہ مقربین زمین کی طرف آتے ہیں پس مسلمان اس شب میں عبادتوں میں مشغول ہوتے ہیں اور باہم ان کے انوار کا سایہ ایک دوسرے پر پڑتا ہے، اور ملائکہ ان کے پاس آتے ہیں اور شیاطین ان سے دور بھاگتے ہیں اور ان کی دعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں اور یہ رات ہر رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے لیکن عشرہ اخیرہ سے باہر نہیں ہوتی، پس جو شخص شب قدر سے پہلی شب مراد لیتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ شب قدر سال بھر میں کبھی نہ کبھی ہوتی ہے اور جو شخص شب قدر سے دوسری شب مراد لیتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ وہ رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تمہارے خواب کو ستائیسویں شب میں متفق پاتا ہوں پس جو اس کو تلاش کرے تو اخیر ہفتہ میں تلاش کرے'' اور آپ نے فرمایا ''مجھے یہ رات دکھائی گئی پھر میں اس کو بھول گیا اور میں نے اپنے آپ کو پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے دیکھا''۔

اور یہ بات یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر پانی اور مٹی کا اثر اکیسویں شب کی صبح کو لوگوں نے دیکھا اور صحابہ کے درمیان شب قدر کے بارے میں اختلاف اس کے دیکھنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

جو شخص شب قدر کو دیکھے اس کو یہ دعا پڑھنی چاہئے

اللهم انک عفو تحب العفو فاعف عنی.

اور چونکہ مسجد کے اندر اعتکاف کرنا دلجمعی اور قلب کی صفائی اور عبادت کے لئے فراغت اور ملائکہ کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے اور شب قدر پانے کے لئے منتظر رہنے کا سبب تھا اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عشرہ اخیرہ میں پسند فرمایا اور اپنی امت کے محسنین کے لئے اس کو مسنون فرمایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، معتکف کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ کسی مریض کی عیادت کو نہ جائے اور نہ کسی کے جنازہ میں شریک ہو اور نہ عورت کو ہاتھ لگائے اور نہ اس سے مباشرت کرے اور نہ بغیر ضرورت کے مسجد سے باہر آئے اور بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں ہوتا اور نہ ہی مسجد جامع کے سوا کہیں اعتکاف ہوتا ہے‘‘(۱)۔

میں کہتا ہوں ایسا کرنا اعتکاف کے معنی ثابت کرنے کے لئے ہے اور تاکہ عبادت کی قدر ہو اور نفس پر مشقت ہو اور عادت کی مخالفت پائی جائے، واللہ اعلم۔

---

(۱) یہی شرعی اعتکاف ہے۔ مذکورہ شرائط کے ساتھ ہی اعتکاف ہوتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے شرعی اعتکاف کی پوری تشریح فرمادی ہے۔ جو لائق عمل ہے۔ (قاسمی)

حج کی تفصیلات

حج کے اندر جن مصلحتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ چند امور ہیں از آں جملہ تعظیم بیت اللہ ہے کیونکہ وہ شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم خدا تعالیٰ کی تعظیم ہے، اور از آں جملہ اجتماع کے معنیٰ کا ثابت کرنا ہے کیونکہ ہر دولت اور ہر ملت کے لئے ایک اجتماع کا دن ہوتا ہے جس میں ادنیٰ اور اعلیٰ سب جمع ہوتے ہیں تاکہ ایک دوسرے کی معرفت حاصل کریں اور دین کے احکام سیکھیں اور اس کے شعائر کی تعظیم کریں، اور حج مسلمانوں کے اجتماع کا اور ان کی عظمت کے ظاہر ہونے کا اور ان کے لشکروں کے جمع ہونے کا اور دین کی تعظیم کا دن ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور جبکہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کا مرجع اور ان کے لئے امن کی جگہ بنایا" (۱)۔

اور از آں جملہ اس دستور کے ساتھ موافقت کرنا ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام سے لوگوں میں چلا آتا ہے کیونکہ وہ دونوں ملت حنیفیہ کے امام اور عرب کے لئے اس کے احکام مقرر کرنے والے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی ملت کو ظاہر کرنے کے لئے اور سب ملتوں پر اس کو غالب کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تمہارے باپ ابراہیم کی ملت" پس اس کے اماموں سے جو طریقہ چلا آتا ہے اس کی حفاظت کرنا ضروری ہوا جیسے فطرت کے خصائل اور امور حج، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اپنے مشاعر پر قائم رہو کیونکہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کے ورثہ میں سے تم کو یہ ورثہ ملا ہے۔

---

(۱) حرمین۔ حنابلہ کے نقطہ نظر سے حرم اور مقام امن ہیں مگر احناف مکہ مکرمہ کو مقام امن اور حرم قرار دیتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو اور حضورؐ نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا۔

اور ازآں جملہ ایک ایسے امر کا پایا جانا ہے جس میں ہر خاص و عام کے لئے سہولت ہے جیسے منی میں اترنا اور مزدلفہ میں رات کو قیام کرنا، کیونکہ اگر ایسی بات مقرر نہ کی جاتی تو ان کو سخت دشواری پیش آتی اور اگر اس کی تاکید نہ کی جاتی تو باوجود اس کثرت اور انتشار کے سب لوگ ایک بات پر متفق نہ ہوتے۔

اور ازآں جملہ ایسے اعمال ہیں جن سے ان کے کرنے والے کا موحد ہونا اور حق کا تابع ہونا اور ملت حنیفی کا پابند ہونا اور اس ملت کے پیشواؤں پر جو کچھ خدا تعالیٰ نے احسان کیا ہے اس پر خدا تعالیٰ کا شکر گزار ہونا معلوم ہوتا ہے جیسے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

اور ازآں جملہ یہ ہے کہ اہل جاہلیت حج کیا کرتے تھے اور حج ان کے دین کے اصول میں سے تھا لیکن انھوں نے اس کے اندر ایسے اعمال کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول نہیں تھے اور انھوں نے ان کو ازخود پیدا کیا تھا، شامل کر لیا تھا اور ان اعمال میں شرک پایا جاتا تھا جیسے اساف ونائلہ کی تعظیم اور منات طاغیہ (۱) کے لئے احرام باندھنا اور جیسے تلبیہ میں ان کا یہ کہنا: **لا شریک لک الا شریکا ھو لک**، اور یہ اعمال ایسے تھے جن سے نہایت تاکید کے ساتھ روکنا ضروری تھا، اور بعض اعمال ایسے تھے جن کو وہ بطور فخر اور خود پسندی کے اپنی طرف سے کیا کرتے تھے جیسے قریش کا یہ کہنا کہ ہم خدا تعالیٰ کے ہمسایہ ہیں اس واسطے ہم اللہ تعالیٰ کے حرم سے نہ نکلیں گے اس لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ”پھر تم چلو جس راستہ سے لوگ چل دیئے“ اور جیسے ایام منی میں وہ لوگ اپنے آباواجداد کی بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی ”خدا تعالیٰ کی یاد ایسی کیا کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کیا کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ“ اور جب انصار کو یہ اصل معلوم ہوئی تو انھوں نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے سے عذر کیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ”صفا اور مروہ خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں“۔

اور ازآں جملہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی طرف سے قیاسات فاسدہ ایجاد کر رکھے تھے جو دین میں رائے زنی کے قبیل سے تھے اور جن سے لوگوں کی بڑی دقت تھی اور وہ اس قابل تھے کہ ان کو مٹایا جائے اور ترک کیا جائے جیسا کہ ان کا یہ کہنا کہ محرم گھر کے دروازوں سے داخل نہ ہوں

---

(۱) یہ ایام جاہلیت کے بت تھے۔

اور پشت کی طرف سے چڑھ کر گھروں میں آیا کرتے تھے یہ سمجھ کر کہ دروازہ سے مکان کے اندر آنا ایک ایسا ارتفاق ہے جو احرام کی ہیئت کے منافی ہے اس واسطے یہ آیت نازل ہوئی ''پشت کی طرف سے تمہارا گھروں میں آنا کچھ بھلائی کی بات نہیں ہے'' اور جیسا کہ ایام حج میں خرید وفروخت کو برا جاننا اس خیال سے کہ ایام حج میں تجارت کرنا اخلاص عمل کے منافی ہے پس یہ آیت نازل ہوئی ''اپنے پروردگار سے فضل کی تلاش میں تم پر کچھ مضائقہ نہیں'' اور جیسا کہ بغیر سامان کے حج کرنا مستحب سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو توکل کرنے والا کہتے تھے اور لوگوں پر تنگی اور زیادتی کرتے تھے پس یہ آیت نازل ہوئی'' اور راستہ کے لئے سامان لے لو البتہ بہتر سامان بچاؤ کرنا ہے'' اور جیسا کہ ان کا یہ کہنا کہ حج کے ایام میں عمرہ کرنا بڑا سخت گناہ ہے اور ان کا یہ کہنا جب صفر کا مہینہ گزر جائے اور اونٹوں کی پشت اچھی ہو جائیں اور سفر کے آثار جاتے رہیں تو عمرہ کرنے والے کے لئے عمرہ کرنا درست ہو گیا اور اس میں دور دراز سے آنے والوں کے لئے بڑی دقت تھی کیونکہ عمرہ کے لئے ان کو دوبارہ سفر کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اس بات کا حکم دیا کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھیں اس کے بعد حج کریں اور اس امر میں بہت سختی کی اور ان کی عادت پر اور جو چیز ان کے دلوں میں پیوست ہو گئی اس پر نہایت توبیخ کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اے لوگو! خدا تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے پس تم حج کرو، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہر سال؟ آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا پس آپ نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال کے لئے واجب ہو جاتا اور تم سے ادا نہ ہوتا''۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ وہ بات جو کسی خاص وقت پر وحی الٰہی نازل ہونے کا تقاضا کرتی ہے وہ لوگوں کا ایک امر پر متوجہ ہونا اور ان کے علوم اور ان کی ہمتوں کا اس امر کو قبول کر لینا اور اس مقدار کا لوگوں میں مشہور اور متداول ہونا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کرنا اور خدا تعالیٰ سے اس کا طلب کرنا ہوتا ہے پس جب یہ دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں تو اس کے موافق وحی کا نازل ہونا ضروری ہو جاتا ہے اور یہ بات تم اس سے معلوم کر سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے کوئی کتاب ایسی نازل نہیں کی جو اس قوم کی زبان میں نہ ہو(۱) اور جس کو وہ سمجھتے نہ ہوں اور کوئی دلیل اور کوئی

---

(۱) تا کہ افہام وتفہیم میں سہولت ہو۔ (قاسمی)

حکم ایسا بیان نہیں کیا جو قریب الفہم نہ ہو، اور یہ ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ وحی کا مدار خدا تعالی کی عنایت پر ہے اور عنایت اس میں پائی جاتی ہے کہ جس امر کو آسانی سے وہ قبول کر سکیں وہی بات ان کے لئے تجویز کی جائے، اور کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا سب اعمال میں کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالی اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پھر عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، پھر سوال کیا اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا حج مبرور'' اور اس حدیث میں اور آپ کے اس قول میں جو آپ نے ذکر کی فضیلت میں فرمایا کہ ''کیا میں تمہارے اعمال میں سے افضل ترین عمل نہ بتلا دوں'' کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ فضیلت اعتبار کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے اور یہاں پر فضیلت کا دین الہی کی تعظیم اور شعائر الہی کے ظہور کے اعتبار سے بیان کرنا مقصود ہے اور اس اعتبار سے ایمان کے بعد جہاد اور حج جیسا کوئی عمل نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے اللہ تعالی کے لئے حج کیا اور لغو باتیں نہ کیں اور فسق کے کام نہ کئے تو حج کرنے سے ایسا ہو گیا جیسے اپنی ماں کے بطن سے آج پیدا ہوا'' اور آپ نے فرمایا ''ایک عمرہ سے دوسرا عمرہ درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں'' اور آپ نے فرمایا ''حج اور عمرہ ملایا کرو''۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالی کے شعائر کی تعظیم اور رحمت الہی کے سمندر میں غوطہ لگانا گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور دخول جنت کا سبب بنتا ہے اور چونکہ حج مبرور اور حج و عمرہ کا ملانا اور ان کو زیادہ عمل میں لانا رحمت الہی کے قابل ہونے کے لئے ایک پورا انصاب تھا اس واسطے اس کو ان دونوں کی طرف منسوب کیا اور لغو باتیں اور فسق کے کام ترک کرنا اس لئے شرط کیا تا کہ یہ غوطہ لگانا پایا جائے کیونکہ جو فسق اور لغو باتیں کرتا ہے اس سے رحمت دور ہو جاتی ہے اور اس کے حق میں پوری نہیں پائی جاتی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ماہ رمضان میں عمرہ کرنا ایک حج کرنے کے برابر ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ حج کو عمرہ پر جو فضیلت ہے تو محض اس لئے ہے کہ حج میں شعائر اللہ کی تعظیم اور لوگوں کا نزول رحمت کے لئے مجتمع ہونا پایا جاتا ہے اور عمرہ میں یہ بات نہیں ہے، رمضان کے مہینہ میں جو عمرہ پایا جاتا ہے وہ حج کا کام دیتا ہے کیونکہ ماہ رمضان محسنین کے

انوار کا پرتو پڑنے کا اور روحانیت کے نازل ہونے کا وقت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کے پاس سفر کا سامان اور سواری ہو جو بیت اللہ تک پہنچا سکے اور اس نے حج نہیں کیا تو کچھ عجب نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے'' (۱)۔

میں کہتا ہوں ارکان اسلام میں سے کسی رکن کا ترک کرنا دین سے خارج ہونے کے مشابہ ہے اور تارک حج کو یہودی اور نصرانی کے ساتھ اور تارک نماز کو مشرک کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی کہ یہود و نصاریٰ نماز پڑھتے تھے، حج نہیں کرتے تھے اور مشرکین عرب حج کرتے تھے نماز نہیں پڑھتے تھے، کسی نے آپ سے عرض کیا حج کرنے والا کیسا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا سر میں خاک، بدن میں بدبو، پھر عرض کیا گیا کون سا حج افضل ہے؟ آپ نے فرمایا با آواز بلند تلبیہ کہنا اور قربانی کرنا، پھر عرض کیا گیا سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا خرچ راہ اور سواری۔

میں کہتا ہوں حج کرنے والوں کی یہ شان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے نفس کو عاجز اور ذلیل بنا دے اور حج کے اندر جس مصلحت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ اعلاء کلمتہ اللہ اور حضرت ابرہیم کی سنت کی موافقت اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا ہے اور خرچ راہ اور سواری سے راستہ کی توقیت اس لئے کی گئی کہ ان دونوں چیزوں سے وہ آسانی پائی جاتی ہے جس کی رعایت کرنا حج جیسی عبادت شاقہ میں ضروری اور واجب ہے اور ہم نماز جنازہ میں اور میت کی طرف سے روزہ رکھنے میں وہ بیان ذکر کر چکے ہیں کہ جب اس کو دوسرے شخص کی طرف سے حج کرنے کے متعلق بیان کیا جائے تو ہو سکتا ہے۔

مناسک کا بیان

واضح ہو کہ صحابہ اور تابعین اور تمام مومنین سے جو مناسک ثابت ہیں وہ چار ہیں: حج مفرد، عمرہ مفردہ، حج تمتع اور حج قران، پس مکہ کے رہنے والوں کے لئے حج کی یہ صورت ہے کہ مکہ سے احرام باندھیں اور احرام کی حالت میں جماع اور اس کے دواعی اور سر منڈوانے اور ناخن ترشوانے اور سلا ہوا کپڑا پہننے اور سر ڈھکنے اور خوشبو لگانے اور شکار کرنے سے پرہیز کرے اور ایک قول کے موافق نکاح سے بھی پرہیز کرے پھر عرفات کو جائے اور عرفہ کی شام کو وہاں رہے پھر بعد غروب

---

(۱) سخت ترین وعید ہے۔ قاسمی

آفتاب وہاں سے واپس ہو اور رات کو مزدلفہ میں رہے اور آفتاب نکلنے سے پیشتر وہاں سے چل کر منیٰ میں آئے اور بڑے منارے پر کنکریاں مارے، اگر قربانی ساتھ ہو تو وہیں اس کو ذبح کرے اور سر منڈوائے یا بال کتروائے، پھر ایام منیٰ میں طواف افاضہ کرے اور صفا، مروہ میں سعی کرے۔

اور دور سے آنے والے کے لئے حج کی صورت یہ ہے کہ میقات سے احرام باندھے اور عرفات میں ٹھیرنے سے پہلے اگر وہ مکہ میں آگیا تو طواف قدوم کرے اور اس میں اکڑ کر چلے اور صفا و مروہ میں سعی کرے پھر احرام اسی طرح سے قائم رکھے یہاں تک کہ عرفات میں مقیم ہو اور رمی کرے اور سر منڈوائے اور طواف کرے اور اس وقت نہ رمل کرے اور نہ سعی کرے۔

اور عمرہ کی ترکیب مکہ والوں کے لئے یہ ہے کہ حل سے احرام باندھے اور اگر دور سے آنے والا ہے تو اپنے اپنے میقات سے احرام باندھے اس کے بعد طواف کرے اور سعی کرے اور سر منڈوائے یا بال کتروائے۔

اور حج تمتع کی صورت یہ ہے کہ آفاقی حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھے پھر مکہ میں آئے اور اپنا عمرہ پورا کر کے احرام سے باہر آئے اور حج کرنے تک بغیر احرام کے رہے اور جو اس کو میسر ہو اس کی قربانی کرے۔

اور حج قران کی صورت یہ ہے کہ باہر کا آدمی معاً حج و عمرہ کے لئے احرام باندھے پھر مکہ میں آئے اور اپنے احرام کو قائم رکھے یہاں تک کہ افعال حج سے فارغ ہو جائے اور اس کو ایک طواف اور ایک سعی کرنی چاہئے اور ایک قول کے موافق دو طواف اور دو سعی کرنی چاہئے بعد ازاں جو گائے بکری میسر ہو ذبح کرے پھر جب مکہ سے کوچ کرنے کا قصد کرے تو طواف وداع کرے۔

میں کہتا ہوں: واضح ہو کہ حج و عمرہ میں احرام باندھنا ایسا ہے جیسا نماز میں تکبیر کہنا، احرام کے اندر اخلاص و تعظیم کی صورت اور ایک ظاہری فعل کے ساتھ حج کے ارادہ کا انضباط پایا جاتا ہے اور اس میں لذت کی چیزوں کے ترک کرنے کے سبب سے اور عادات مالوفہ اور ہر قسم کی زینت کی باتیں ترک کرنے کے سبب سے نفس خدا تعالیٰ کے سامنے ذلیل اور متواضع بن جاتا ہے اور اس میں مشقت اور پریشانی اور اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی حالت کا بدلنا پایا جاتا ہے اور محرم کو ان اشیا کے ترک کرنے کا اس لئے حکم دیا گیا تا کہ ذلت اور ترک زینت اور خراب خستہ ہونا پایا جائے اور خوف

الٰہی اور اس کی تعظیم ظاہر ہونے کا موقع پایا جائے اور نفس کو اپنی خواہشات پورا کرنے میں مطلق العنانی نہ ہو۔

اور شکار کرنا لہو (۱) میں داخل ہے اور ایک قسم کا توسع ہے اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے شکار کا پیچھا کیا اس نے لہو کیا'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کبائر صحابہ سے شکار کرنا ثابت نہیں ہے اگرچہ آپ نے فی الجملہ اس کی اجازت دی ہے اور جماع کرنا شہوت بہیمیہ میں منہمک ہونا ہے اور جبکہ اس باب کو بالکلیہ بند کرنا درست نہ تھا کیونکہ وہ قانون شرعی کے خلاف تھا اس واسطے کم از کم بعض حالات میں منع کرنا ضروری ہوا جیسے احرام اور اعتکاف اور روزہ کی حالت اور نیز بعض مقامات میں اس سے ممانعت کی گئی جیسے مساجد کے اندر، کسی شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا محرم کو کس قسم کے کپڑے پہننے چاہئیں؟ آپ نے فرمایا ''نہ قمیص پہنو نہ عمامے باندھو اور نہ پائجامہ پہنو اور نہ باراں کوٹ اور نہ موزے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا ''یہ خوشبو جو تیرے لگی ہوئی ہے اس کو تین مرتبہ دھو اور جبہ کو اتار دے'' سلے ہوئے کپڑے میں اور اس جیسے کپڑے میں اور اس کپڑے میں جو سلا ہوا نہ ہو یہ فرق ہے کہ پہلی قسم میں ارتفاق اور تجمل اور زینت ہے اور دوسری قسم میں محض ستر عورت ہے اور پہلے کے ترک کرنے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع پائی جاتی ہے اور دوسرے کے ترک کرنے میں بے ادبی پائی جاتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''محرم نہ نکاح کرے اور نہ نکاح کرائے اور نہ نکاح کی بات چیت کرے'' اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے حالت احرام میں میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔ میں کہتا ہوں صحابہ، تابعین اور فقہا میں سے اہل حجاز کے نزدیک محرم کے لئے سنت یہ ہے کہ نکاح نہ کرے اور اہل عراق کے نزدیک محرم کا نکاح کرنا جائز ہے اور تم پر یہ مخفی نہیں ہے کہ احتیاط پر عمل کرنا افضل ہے اور اوّل قول کے موافق اس میں یہ راز ہے کہ نکاح کرنا ارتفاقات مطلوبہ میں داخل ہے اور بہ نسبت شکار کے زیادہ مطلوب چیز ہے اور نکاح کرنے کو نکاح کے باقی رکھنے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ خوشی اور سرور ابتدا میں ہوتا ہے اور اسی لئے اس امر میں عروس ضرب المثل ہے اور اس کا باقی رکھنا ضرب المثل نہیں ہے۔

---

(۱) کھیل کود

پھر شکار کے معنی کو بھی منضبط کرنا ضروری تھا کیونکہ انسان کبھی تو اس چیز کو قتل کرتا ہے جس کو کھانا چاہتا ہے اور کبھی ایسی چیز کو قتل کرتا ہے جس کو کھانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف شکار کی مشق کرنا منظور ہوتا ہے اور کبھی کسی چیز کو اس غرض سے قتل کر دینا ہے کہ اس کے شر سے خود بچنا چاہتا ہے یا لوگوں کو بچانا چاہتا ہے اور کبھی کسی گائے بکری کو ذبح کرتا ہے پس ان میں سے کس کو شکار کہنا چاہئے لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کے حرم اور احرام میں مار ڈالنے پر مارنے والے پر کچھ گناہ نہیں ہے چوہا، چیل، کوا، بچھو، اور دیوانہ کتا'' اور ان سب میں علت مشترکہ یہ ہے کہ یہ سب جانور موذی اور انسان یا اس کے متاع پر حملہ کرنے والے ہیں اور اگر عرف سے بھی تلاش کی جائے تو ان کے مارنے کو عرف میں شکار نہیں کہتے، اور اسی طرح گائے، بکری اور مرغی اور ان جیسے جانور جن کو گھروں میں پالنے کا دستور ہے ان کے ذبح کرنے کو بھی شکار نہیں کہتے لیکن دیگر اقسام میں ظاہر یہ ہے کہ ان پر شکار کا اطلاق ہوتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میقات کی تعیین اس طرح فرمائی کہ اہل مدینہ کے لئے ذو الحلیفہ اور اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل نجد کے لئے قرن المنازل اور اہل یمن کے لئے یلملم ہے، پس جو لوگ ان مواقیت میں رہتے ہیں اور جو لوگ باہر سے ان مواقیت میں آتے ہیں جو حج اور عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں ان سب کے لئے یہ مواقیت ہیں اور جو لوگ ان میقاتوں سے ورے ہیں تو ان کو اپنی جائے سکونت سے احرام باندھنا چاہئے حتی کہ اہل مکہ خاص مکہ سے احرام باندھیں۔

میں کہتا ہوں مواقیت کے اندر اصل یہ ہے کہ جبکہ مکہ میں ایسی حالت میں آنا مطلوب تھا کہ سر میں خاک ہو اور بدن میں بدبو آنے لگی ہو اور نفس ذلت کی حالت میں ہو اور لوگوں کو اس بات کا حکم کرنے میں کہ وہ اپنے اپنے شہروں سے احرام باندھ کر آیا کریں بڑی دقت تھی جو کہ ظاہر ہے کیونکہ ان میں سے بعض شہر مکہ سے ایک ماہ کی مسافت پر اور بعض دو ماہ کی مسافت پر رہتے ہیں اور بعض اس سے بھی زیادہ مسافت پر رہتے ہیں تو ضروری ہوا کہ مکہ کے چاروں طرف چند معلوم مقامات خاص کئے جائیں جہاں سے لوگ احرام باندھا کریں اور ان مقامات کے بعد احرام کو موخر نہ کریں اور ضرور ہے کہ یہ مقامات ظاہر اور مشہور ہوں اور ان کو ہر شخص جانتا ہو اور اہل آفاق وہاں سے گزرتے ہوں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق فرما کر ان مقامات کا حکم فرمایا اور اہل مدینہ

کے لئے سب سے دور میقات مقرر کیا کیونکہ وہ شہر وحی نازل ہونے کی جگہ اور ایمان کا مرکز اور دار الہجرت اور پہلی بستی ہے جو خدا اور رسول پر ایمان لائی اس واسطے اس کے رہنے والے اس قابل ہیں کہ اعلا کلمۃ اللہ میں نہایت درجہ کوشش کریں اور زیادہ عبادت کے ساتھ مخصوص کئے جائیں اور نیز مدینہ تمام ان اطراف سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایمان لائے تھے اور اپنے ایمان میں مخلص تھے سب سے زیادہ قریب ہے بخلاف جواثی، طائف اور یمامہ وغیرہ کے پس مدینہ والوں کو اس میں کچھ دقت نہیں۔

اور عرفات پر قیام کرنے میں یہ راز ہے کہ ایک زمانہ اور ایک مکان میں مسلمانوں کا اجتماع خدا تعالیٰ کی رحمت کی طرف راغب ہوتے ہوئے اور خشوع وخضوع کے ساتھ اس سے دعا کرتے ہوئے برکات الٰہی کے نازل ہونے اور روحانیت کے انتشار میں بڑا اثر رکھتا ہے اور اس لئے شیطان اس دن سب دنوں سے زیادہ حقیر وذلیل ہوتا ہے اور نیز اس اجتماع میں مسلمانوں کی شان وشوکت معلوم ہوتی ہے اور اس دن اور اس مقام کی خصوصیت تمام انبیا علیہم السلام سے ثابت ہوتی چلی آئی ہے جیسا کہ اخبار میں حضرت آدمؑ اور ان کے بعد کے انبیا سے مذکور ہے اور توقیت وتعیین کے باب میں اس طریقہ کی پابندی کرنا جو سلف صالح سے منقول ہے بڑا اصل الاصول ہے۔

اور منیٰ میں اترنے میں یہ راز ہے کہ یہ جگہ جاہلیت کے بازاروں میں سے ایک بڑا بازار تھا جیسا کہ عکاظ اور مجنہ اور ذی المجاز وغیرہ اور انھوں نے اس جگہ کو اس لئے مقرر کیا کہ حج میں دور دور کے بے شمار لوگ جمع ہوتے ہیں اور تجارت کے لئے اس سے زیادہ مناسب اور بہتر کوئی صورت نہیں ہے کہ اس کا موسم اس اجتماع کے وقت مقرر کیا جائے اور نیز اس بے شمار فوج کے لئے مکہ میں گنجائش نہیں پس اگر شہری اور دیہاتی غافل اور ہوشیار کے لئے منیٰ جیسے میدان میں اترنا مقرر نہ کریں تو ان کو بڑی دقت پڑے اور اگر بعض لوگوں کو خاص کر کے منیٰ میں اتارا جائے تو ان کو ملال گزرے اور جب وہاں ٹھیرنے کا دستور عام ہو گیا تو عرب کی عادت اور حمیت کا یہ مقتضی ہوا کہ ہر قبیلہ اپنا فخر اور اپنی کثرت ثابت کرنے میں اور اپنے بزرگوں کی سوانح بیان کرنے میں اور ان کی بہادری اور ان کے انصار کی کثرت ظاہر کرنے میں کوشش کرے تا کہ اس بات کو سب نزدیک ودور کے لوگ دیکھیں اور دور دراز ملکوں میں اس کی شہرت ہو اور اسلام کو بھی ایسے اجتماع کی ضرورت تھی

جس سے مسلمانوں کی شوکت اور ان کا سامان اور ان کی کثرت ظاہر ہوتا کہ دین الٰہی غالب ہو اور دور دور تک اس کی آواز پہنچے اور تمام اطراف میں اس کا غلبہ ہو جائے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجتماع کو باقی رکھا اور اس پر شوق دلایا اور اس کی طرف متوجہ کیا لیکن تفاخر اور آباواجداد کے حالات ذکر کرنے سے ممانعت فرمائی اور اس کی جگہ ذکر الٰہی کو مقرر فرمایا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ضیافتوں اور ولیموں میں سے نکاح کے ولیمہ اور اولاد کے عقیقہ کو باقی رکھا کیونکہ ان میں آپ نے تدبیر منزل کے بارے میں بڑے بڑے فوائد ملاحظہ فرمایا، اور مزدلفہ میں شب میں رہنے میں یہ راز ہے کہ یہ عرب کے اندر قدیم دستور تھا اور شاید انھوں نے اس کو اس لئے مقرر کر رکھا تھا کہ وہاں لوگوں کا اس قدر اجتماع ہوتا ہے کہ پھر کہیں ایسا نہیں ہوتا اور ایسے موقع پر اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ لوگ آپس میں دب نہ جائیں اور وہ مغرب کے بعد عرفات سے لوٹتے ہیں اور تمام دن لوگ مشقت اور تکان میں رہتے ہیں جو دور دور دراز سے وہاں آ کر جمع ہوتے ہیں، پس اگر ایسی حالت میں منیٰ آنے کا قصد کریں تو تھک جائیں اور اہل جاہلیت غروب سے پہلے عرفات سے اتر آتے تھے اور چونکہ یہ اندازہ ظاہر نہ تھا اور نہ قطعاً متعین ہو سکتا تھا اور ایسے اجتماع میں وقت کی ایسی تعیین ضروری تھی جس میں ابہام کا احتمال بھی نہ رہے اس واسطے غروب آفتاب کے ساتھ اس کی تعیین ضروری ہوئی۔

اور مشعر حرام میں ٹھیرنے کا اس لئے حکم دیا گیا کہ اہل جاہلیت باہم تفاخر اور شوکت دکھلانے کے لئے قیام کرتے تھے پس اس کی بجائے کثرت سے ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ ان کی عادت کو دور کرے اور اس جگہ میں توحید کی تعظیم ہو اور یہ ایسا ہے جیسا کہ آپس کی حرص ہو یا ان سے یہ کہا گیا کہ تم خدا تعالیٰ کی یاد زیادہ کرتے ہو یا اہل جاہلیت اپنے مفاخر زیادہ بیان کرتے ہیں۔

اور رمی جمار میں وہی راز ہے جو نفس حدیث میں وارد ہے کہ رمی جمار اللہ عزوجل کا ذکر قائم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ توقیت ذکر کے اقسام میں احسن اور اکمل اور [illegible] نسبت کے لئے جامع تر یہ ہے کہ اس کو ایک زمانہ اور مقام کے ساتھ معین کیا جائے اور اس کے ساتھ ایسی چیز قائم کی جائے جو اس کی تعداد کو محفوظ رکھے اور اس کے پائے جانے کو سب کے سامنے ثابت کرے اور کچھ مخفی نہ رہے اور ذکر الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ جس سے خدا

تعالیٰ کے دین کی فرمانبرداری مقصود ہوتی ہے اور اس قسم کے ذکر میں اصل یہ ہے کہ اس کو لوگوں کے مجمع میں اختیار کیا جائے، نفس ذکر کی کثرت ضروری نہیں اور رمی جمار اسی قبیل سے ہے اسی وجہ سے اس میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، اور ایک قسم وہ ہے جس سے نفس کو خدا تعالیٰ کی کبریائی کے لئے مطیع کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس ذکر میں کثرت کی حاجت ہے اور نیز احادیث میں آیا کہ رمی جمار کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے جس وقت آپ نے شیطان کو دفع کیا تھا تو اس پر عمل کیا تھا پس ایسے فعل کی حکایت کرنے میں نفس کو خوب تنبیہ ہوتی ہے۔

اور ھدی میں یہ راز ہے کہ اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس فعل کے ساتھ مشابہت ہے جو انھوں نے اس جگہ خدا تعالیٰ کی طاعت اور اس کی طرف متوجہ ہونے کے لئے اپنے فرزند کو ذبح کرنے کا قصد کیا تھا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی یاددہانی ہوتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوگوں کے باپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر خدا تعالیٰ نے فرمائی تھی اور اس وقت میں اور اسی زمانہ میں ایسے فعل کے کرنے سے نفس کو نہایت تنبیہ ہوتی ہے اور متمتع اور قارن پر یہ ھدی واجب ہوئی کہ تاکہ خدا تعالیٰ کی اس نعمت کا شکریہ ادا کیا جائے کہ اس نے اس مسئلہ میں جاہلیت کے وبال کو ان سے دور کر دیا، اور سر منڈانے میں یہ راز ہے کہ سر منڈانے سے احرام سے نکلنے کے لئے ایسے فعل کے ساتھ ایک طریقہ کی تعیین ہوتی ہے جو وقار کے منافی نہیں ہے پس اگر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو ہر شخص جدا جدا راہ اختیار کرتا اور نیز اس میں پراگندگی کے ختم ہونے کا پورا ثبوت ہے اور سر منڈانا ایسا ہے کہ جیسا نماز میں سلام اور طواف الافاضہ سے قبل سر منڈانے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ اس کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہو جائے جو پراگندگی اور غبار دور کر کے سلاطین کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔

اور طواف کرنے کی یہ صورت ہے کہ حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دے پھر اس کے دائیں طرف سے چل کر سات مرتبہ طواف کرے اور ہر مرتبہ حجر اسود کو بوسہ دے یا لکڑی وغیرہ سے جو اس کے ہاتھ میں ہو اس کی طرف اشارہ کرے اور تکبیر کہے اور رکن یمانی کو بوسہ دے اور طواف کی حالت میں طہارت سے ہو اور ستر کھلا نہ ہو اور سوائے اچھی بات کے زبان سے کچھ نہ کہے پھر مقام ابراہیمؑ میں آئے اور دو رکعت نماز پڑھے لیکن حجر اسود سے شروع کرنا، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ

تشریع کے وقت ابتدا کا مقام اور چلنے کی جانب کا معین کرنا ضروری ہے اور حجر اسود بیت اللہ کے تمام مواضع میں سب سے بہتر ہے کیونکہ یہ جنت سے نازل ہوا ہے اور دونوں طریقوں میں دائیں طرف متبرک ہوتی ہے اور طواف قدوم بہ منزلہ تحیۃ المسجد کے ہے یہ خانہ کعبہ کی تعظیم کے لئے مشروع ہوا ہے اور نیز طواف کی جگہ اور اس کے زمانہ میں اس کے تمام اسباب مہیا ہوتے ہوئے اس میں دیر کرنا ایک قسم کی بے ادبی ہے اور بیت اللہ کے پہلے طواف میں اکڑنا اور سینہ نکال کر چلنا ہے اور اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا ہے اور اس کی چند وجوہ ہیں۔

از آں جملہ وہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا ہے یعنی مشرکین کے دلوں کو خائف کرنا اور مسلمانوں کے غلبہ کا ظاہر کرنا اور اہل مکہ یہ کہتے تھے کہ یثرب کے بخار نے ان کو ضعیف کر دیا پس یہ فعل جہاد کے افعال میں داخل ہے اور یہ سبب باقی نہیں رہا اور گزر گیا۔

اور از آں جملہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں رغبت کرنے کا اظہار کرنا ہے اور یہ کہ دور دراز کے سفر نے اور رحمت عظیم نے ان میں شوق اور رغبت ہی کو زیادہ کیا جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

اونٹنی چلتے چلتے جبکہ تکان کی شکایت کرتی ہے تو اس کا سوار وصال کی
راحت کا وعدہ کرتا ہے تو اس وعدہ کے سننے سے اس میں جان پڑ جاتی ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قصد کیا تھا کہ طواف کے اندر اکڑ کر چلنے کو اور کپڑے کو بغل کے نیچے سے نکالنے کو ترک کر دیں کیونکہ ان دونوں کا سبب باقی نہیں رہا ہے پھر اجمالاً انھوں نے اس بات کو سمجھا کہ ان دونوں کا ایک اور سبب بھی ہے جو باقی رہنے والا ہے اس واسطے انھوں نے ان دونوں کو ترک نہیں کیا اور عمرہ کے اندر عرفات میں ٹھیرنا اس لئے مشروع نہیں ہوا کہ اس کا کوئی وقت معین نہیں ہے کہ اجتماع کے معنی پائے جائیں اس واسطے عمرہ میں قیام کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر اس کے لئے کوئی وقت مقرر ہوتا تو وہ حج ہو جاتا اور ایک سال میں دو بار اجتماع میں بڑی دقت تھی جو مخفی نہیں ہے۔

اور عمرہ میں عمدہ بات بیت اللہ کی تعظیم اور اس کی نعمت کا شکر ہے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے میں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے یہ راز ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ کو جب زیادہ پریشانی ہوئی تو انھوں نے صفا اور مروہ کے درمیان تیز رفتاری

سے چلنا شروع کیا جیسے کوئی مصیبت زدہ دوڑتا پھرتا ہے پس خدا تعالیٰ نے ان کی مشقت کو اس طرح دور کر دیا کہ زمزم برآمد کر دیا اور لوگوں کے اندر اس جنگل میں آباد ہونے کا الہام کر دیا اس واسطے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد پر اور اس کے متبعین پر اس نعمت کا شکر اور اس نشانی خارق عادت کا یاد کرنا ضروری ہوا تا کہ ان کی قوت بہیمی حیران ہو جائے اور خدا تک ان کی رہنمائی کرے اور اس بارے میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ مکہ میں داخل ہوتے ہی اپنے دل کو ان کے ساتھ ایسے فعل کے ذریعہ لگا دے جو ظاہر منضبط اور قوم کی عادت کے خلاف ہے جس میں ان کے لئے ایک قسم کی ذلت ہے اور یہ اس فعل کا نقل کرنا ہے جس میں حضرت ہاجرہؑ کو تکلیف اور مشقت ہوئی تھی اور ایسے امور میں کسی حال کا نقل کرنا زبانی ذکر سے بدرجہا مفید ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص اخیر وقت خانہ کعبہ کا طواف کئے بغیر مکہ سے نہ جائے اور حائض کو آپ نے معاف کیا''۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں راز یہ ہے کہ اخیر وقت پر خانہ کعبہ کا طواف کرنے میں اس کی تعظیم ہے اس طرح سے کہ ابتدا بھی اسی سے ہوتی تھی اور انتہا بھی اسی پر ہوئی تا کہ ان کے اس سفر سے خانہ کعبہ کا مقصود بالذات ہونا ظاہر ہو جائے اور لوگوں کی اس عادت کے ساتھ موافقت بھی ہو جائے کہ قاصد لوگ رخصت ہوتے وقت اپنے بادشاہوں سے مل کر جاتے ہیں، واللہ اعلم۔

حجۃ الوداع کا بیان

حجۃ الوداع میں حضرت جابر، حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم کی حدیث اصل ہے۔

واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو برس تک مدینہ میں تشریف فرما رہے اور اس عرصہ میں آپ نے حج نہیں کیا تھا پھر دسویں سال لوگوں میں اس بات کا اعلان کیا گیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حج کرنے والے ہیں بس مدینہ میں بہت لوگ آ گئے پس آپ مدینہ سے نکل کر ذوالحلیفہ میں تشریف لائے اور وہاں غسل کر کے خوشبو لگائی اور مسجد میں دو رکعت پڑھیں اور ایک تہبند اور ایک چادر پہن کر احرام باندھا اور اس طرح تلبیہ پڑھا: **لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک.**

میں کہتا ہوں اس مقام پر دو باتوں میں اختلاف ہے ایک یہ ہے کہ آپ کا حج حج مفرد تھا یا حج تمتع، اس طرح پر کہ عمرہ سے باہر آ کر حج کے لئے احرام باندھا ہو یا یہ کہ حج کا احرام باندھا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے اندر عمرہ داخل کرنے کا اشارہ کر دیا پس آپ اپنے اسی احرام پر قائم رہے یہاں تک کہ حج سے فارغ ہوئے اور احرام سے باہر نہیں آئے کیونکہ آپ ہدی روانہ کر چکے تھے، دوم یہ ہے کہ آپ نے تلبیہ نماز کے وقت پڑھا تھا یا جس وقت آپ اونٹنی پر سوار ہوئے تھے یا جس وقت آپ ٹیلہ بیداء پر چڑھے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد لوگ آتے تھے پر ہر ایک جس طرح کرتے دیکھتا ویسی ہی خبر دیتا، اور شروع احرام آپ کا اس وقت تھا جبکہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور آپ کا غسل کرنا اور دو رکعت نماز پڑھنا اس لئے تھا کہ اس میں شعائر اللہ کی زیادہ تعظیم ہے اور اس لئے تھا کہ اس میں ایسے فعل کے ساتھ نیت کا ضبط کرنا پایا جاتا ہے جو ظاہر ہے، منضبط ہے اور جو خدا تعالیٰ کے ساتھ اخلاص اور اس کی فرمانبرداری کے اہتمام پر دلالت کرتا ہے اور اس لئے کہ اس طرح سے لباس کا بدلنا خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے نفس کو تنبیہ کرتا ہے اور اس کو بیدار کرتا ہے، اور آپ کو خوشبو لگانے کا سبب یہ ہے کہ احرام کا زمانہ گرد و غبار میں آلودہ رہنے کا وقت ہے اس واسطے احرام سے پہلے کسی قدر اس کا تدارک ضروری ہے، اور تلبیہ میں آپ نے اس وجہ سے ان کلمات کو اختیار کیا کہ ان کے اندر اپنے مولیٰ کی فرمانبرداری میں کھڑے رہنے کا بیان ہے اور ان میں خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی یاد دہانی ہے اور اہل جاہلیت اپنے بتوں کی تعظیم کیا کرتے تھے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خیال کو رد کرنے کے لئے اور مسلمانوں کو ان سے ممتاز کرنے کے لئے **لا شریک لک** کے کلمات اس میں داخل کر دیئے اور یہ مستحب ہے کہ خدا تعالیٰ سے اس کی رضا کا اور جنت کا کثرت سے سوال کرے اور اس کی رحمت سے دوزخ سے بچنے کی دعا کرے اور جبرئیل علیہ السلام نے احرام اور تلبیہ کے وقت آوازوں کو بلند کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کوئی مسلمان تلبیہ کرنے والا نہیں مگر جو چیز دائیں اور بائیں ہیں، پتھر یا درخت یا ڈھیلہ سب تلبیہ کہتے ہیں یہاں تک کہ زمین ادھر سے اُدھر تک ختم ہو چکتی ہے''۔

میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ تلبیہ شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس میں ذکر الٰہی کی تعظیم

ہے اور اس قسم کے اذکار کو پکار کر کہنا مستحب ہے اس طرح سے کہ ہر غافل اور خبردار کو اس کی خبر ہو اور اس طرح سے کہ وہ دار دارالاسلام ہو جائے پس جب ایسا ہوگا تو اس شخص کے نامۂ اعمال میں ان مواضع کی تلبیہ کی صورت لکھی جائے گی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کے کوہان میں دائیں جانب ایک زخم سا کر دیا اور وہاں سے خون پونچھ دیا اور نعلین اس کی گردن میں لٹکائیں۔

میں کہتا ہوں اس خون بہانے میں یہ راز ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم پائی جائے اور ملت حنیفیہ کا استحکام سب ادنیٰ اور اعلیٰ پر ظاہر ہو جائے اور قلب کا فعل ظاہری فعل سے منضبط ہو جائے اور اسماء بنت عمیسؓ کے ہاں ذوالحلیفہ پہنچنے پر ولادت ہوگئی تو آپ نے ان سے فرمایا ”تو غسل کر لے اور ایک کپڑے کی گدی باندھ لے اور احرام باندھ“۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ حتی الامکان احرام کی سنت ادا ہوتی رہے اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مقام سرف میں حیض لاحق ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر مقرر کیا ہے پس جو کچھ حج کرنے والا کرتا ہے تو بھی وہی کر بجز اس کے کہ جب تک تو پاک نہ ہو بیت اللہ کا طواف نہ کیجیو“۔

میں کہتا ہوں آپ نے کلام میں اس بات کی تمہید بیان کی کہ حیض کا آنا کثیر الوقوع ہے پس حکمت شرائع کا مقتضی ہے کہ ایسی شئے سے دقت دفع کر دی جائے اور اس کے لئے ایک ظاہر طریقہ مقرر ہو، پس اس واسطے حائضہ سے طواف قدوم اور طواف وداع ساقط ہو گیا اس کے بعد جب آپ مکہ کے قریب پہنچے تو ذی طویٰ میں نزول فرمایا اور دن کے وقت مکہ میں بالائی طرف سے داخل ہوئے اور پست جانب سے نکلے اور یہ آپ نے اس لئے کیا تا کہ مکہ میں داخل ہونا اطمینان قلب کی حالت میں ہو نہ کہ دقت کی حالت میں تا کہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت پر آگاہی ہو سکے اور تا کہ سب لوگ آپ کو بیت اللہ کا طواف کرتا ہوا دیکھیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طاعت کی زیادہ عظمت ہے، اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مناسک کی تعلیم منظور تھی اس لئے آپ نے ان کو یہاں تک مہلت دی کہ سیکھنے کے لئے آمادہ ہو کر کثرت سے آپ کے پاس جمع ہو جائیں اور آمد و رفت میں آپ نے راستہ اس لئے بدلا تا کہ دونوں راستوں میں مسلمانوں کی

شوکت ظاہر ہو اور اس کی نظیر عید ہے، پھر جب آپ بیت اللہ کے پاس آئے تو رکن یمانی کو ہاتھ لگایا اور سات طواف کئے، تین طواف میں سینہ نکال کر چلے اور چار طواف میں معمولی رفتار سے چلے اور صرف دونوں رکن یمانی کو ہاتھ لگایا اور ان کے درمیان یہ دعا پڑھی: **ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الأخرة حسنة وقنا عذاب النار** پھر مقام ابراہیمؑ کی طرف آگے بڑھے اور یہ آیت پڑھی: **واتخذوا من مقام ابراهیم مصلی** ، اور دو رکعت نماز پڑھی اور مقام ابراہیمؑ کو اپنے کعبہ کے درمیان کرلیا اور آپ نے ان دو رکعتوں میں **قل ھو اللہ احد** اور **قل یا ایھا الکفرون** پڑھیں پھر رکن یمانی کی طرف واپس تشریف لائے اور اس کو ہاتھ سے چھوا۔

میں کہتا ہوں سینہ نکال کر چلنے اور دائیں بغل سے بائیں کاندھے پر چادر ڈالنے کا سبب تو ہم بیان کرچکے ہیں اور بالخصوص دونوں رکن یمانیوں کو چھونے کی وجہ وہی ہے جو حضرت ابن عمرؓ نے بیان کی کہ یہ دونوں رکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر باقی ہیں ان کے علاوہ دونوں رکن ایسے نہیں ہیں کیونکہ اہل جاہلیت نے ان کو بدل دیا ہے اور طواف کے اندر نماز کی شرطیں لگانے کا وہی سبب ہے جو حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا کہ خدا تعالیٰ اور اس کے شعائر کی تعظیم میں طواف نماز کے ساتھ مشابہ ہے اس واسطے طواف کو نماز پر قیاس کیا گیا اور اس کے بعد دو رکعتیں اس لئے مسنون کی گئیں کہ بیت اللہ کی پوری تعظیم پائی جائے کیونکہ اس کی پوری تعظیم یہ ہے کہ نماز میں اس کی طرف منہ کیا جائے اور ان دو رکعتوں کو پڑھنے کے لئے مقام ابراہیمؑ کو اس لئے خاص کیا کہ مسجد میں سب سے اچھی جگہ یہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ظاہر ہوئی اور ان امور کی یاددہانی ہی حج کے اندر مقصود ہے، اور دونوں رکنوں کے درمیان یہ دعا مانگنا: **ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الأخرة حسنة، الخ** ، اس لئے مستحب ہوا کہ یہ ایک جامع دعا ہے جو قرآن پاک میں نازل ہوئی ہے اور اس کے کلمات مختصر ہیں جو اس قلیل فرصت کے مناسب ہیں، پھر دروازہ سے نکل کر کوہ صفا کی طرف آپ تشریف لے گئے پس جب آپ صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی، تحقیق صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہیں'' اور جس چیز کا خدا تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے اسی سے آپ نے ابتدا فرمائی پس صفا سے آپ نے ابتدا کی اور اس پر آپ چڑھے یہاں تک کہ آپ نے بیت اللہ کو اس پر سے دیکھا پس اس کی

طرف منہ کر کے خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی بڑائی بیان کی اور یہ کہا: **لا الـــه الا الـلـــه وحـده لاشریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شئ قدیر لا اله الا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده** ، پھر اس کے درمیان میں دعا کر کے تین مرتبہ یہی پڑھا پھر آپ اتر کر مروہ کی طرف چلے یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں بطن وادی میں پڑنے لگے تو آپ جلدی جلدی چلنے لگے یہاں تک کہ جب بلندی شروع ہوگئی تو آپ معمول کے موافق چلنے لگے یہاں تک کہ آپ کوہ مروہ پر چڑھ گئے اور جیسا کہ آپ نے کوہ صفا پر توحید اور تکبیر بیان کی تھی ویسا ہی کوہ مروہ پر کیا۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت سے یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ نے مروہ پر صفا کے ذکر کو جو مقدم کیا ہے اس سے مشروع کے ساتھ مذکور کا مطابق کرنا مقصود ہے اور تمام اذکار میں سے ان اذکار کو جن کے اندر خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کے ایفا عہد اور دشمنوں پر فتحیاب کرنے کا بیان ہے اس وجہ سے خاص کیا تا کہ خدا تعالیٰ کی نعمت کی یاددہانی اور بعض معجزات کا اظہار اور شرک کی بیخ کنی ہو اور تا کہ اس بات کا بیان ہو کہ یہ سب چیزیں آپ کے قدموں تلے ہیں اور تا کہ ایسی جگہ میں کلمۃ اللہ کا اور اس کے دین کا اعلان ہو جائے ، پھر آپ نے فرمایا ”جو حال مجھ کو بعد میں معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہوتا تو ہدی روانہ نہ کرتا اور حج کو عمرہ کر لیتا پس تم میں سے جس کے پاس ہدی نہیں ہے وہ احرام سے باہر آ جائے اور حج کو عمرہ کر لے، کسی نے کہا ”کیا اسی سال کے لئے یا ہمیشہ کے لئے؟ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ ابدالابد کے لئے“ سب لوگ احرام سے باہر آ گئے اور بال کترو الئے بجز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان لوگوں کے جن کے ساتھ ہدی تھی۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چند امور کا انکشاف ہوا، از آں جملہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل لوگ ایام حج میں عمرہ کرنا بڑا ہی گناہ سمجھتے تھے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا ارادہ فرمایا کہ ان کی اس تحریف کو پورے طور پر مٹا دیں۔

اور از آں جملہ یہ ہے کہ وہ اپنے دلوں میں اس بات سے تنگی محسوس کرتے تھے کہ حج شروع کرنے سے پہلے جماع کر لیا جائے حتی کہ انھوں نے یہ بات کہی ”کیا ہم عرفہ کو ایسی حالت میں آئیں کہ ہمارے اعضا سے منی ٹپکتی ہو“ اور ان کی یہ بات رائے زنی کے قبیل سے تھی پس نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس دروازہ کو بند کرنے کا ارادہ فرمایا اور از آں جملہ یہ ہے کہ حج کے وقت احرام باندھنے میں خانہ کعبہ کو پوری پوری تعظیم پائی جاتی ہے اور ہدی کا روانہ کرنا احرام سے باہر آنے سے اس لئے مانع ہے کہ ہدی کا روانہ کرنا گویا یہ نذر کر لینا ہے کہ وہ ہدی کے ذبح ہونے تک اسی حالت پر باقی رہے گا اور جس چیز کو انسان اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے تو جس وقت وہ دل کا خیال ہوتا ہے یا ارادہ ہوتا ہے جو کسی فعل کے ساتھ منضبط نہیں ہوتا تو ایسی بات کا اعتبار نہیں ہوتا اور جس وقت اس ارادہ کے ساتھ کوئی فعل بھی مل جاتا ہے اور اس کا انضباط ہو جاتا ہے تو اس ارادہ کی رعایت واجب ہو جاتی ہے اور انضباط مختلف طرح سے ہوتا ہے پس اس کا ادنی درجہ زبان سے کہہ دینا ہے اور اس کا اعلیٰ درجہ قول کے ساتھ کسی ایسے فعل ظاہر کا ملانا ہے جو اعلانیہ ہو اس حالت کے ساتھ مخصوص ہو جس کا اس نے ارادہ کیا ہے جیسے ہدی کا روانہ کرنا، پھر جب ترویہ کا دن ہوا تو سب لوگ منی کو چلے اور حج کا احرام باندھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور منی میں ظہر اور عصر اور مغرب اور عشا اور فجر کی نماز پڑھی پھر تھوڑی سی دیر ٹھیرے یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا تب آپ چلے حتی کہ آپ نے نمرہ میں نزول فرمایا۔

میں کہتا ہوں ترویہ کے دن منی کا اس لئے قصد فرمایا تا کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو آسانی رہے کیونکہ اس روز لوگ کثیر تعداد میں مجتمع ہوتے ہیں اور ان میں ضعیف اور مریض بھی ہوتے ہیں پس آپ نے ان کے ساتھ آسانی کرنے کو مناسب سمجھا اور وقت سے پیشتر عرفات میں اس لئے نہیں گئے کہ لوگ اس کو سنت نہ سمجھنے لگیں اور بے وقت جانے کو بھی عبادت سمجھنے لگیں، پھر نمرہ میں سورج خوب روشن ہو گیا تو آپ نے ناقہ قصواء کو طلب کیا پس وہ کسی گئی اور آپ سوار ہو کر بطن وادی میں آئے اور لوگوں کو خطبہ سنایا اور آپ کے اس دن کے خطبہ میں سے یہ جملہ یاد رہ گیا ہے "تمہارے خون تمہارے اوپر حرام ہیں" پھر بلالؓ نے اذان دی اس کے بعد اقامت کہی پس آپ نے نماز ظہر ادا کی پھر بلالؓ نے اقامت کہی اور آپ نے نماز عصر پڑھی اور ان کے درمیان کچھ اور نماز نہ پڑھی۔

میں کہتا ہوں اس روز آپ نے خطبہ کے اندر وہ احکام بیان فرمائے جن کی لوگوں کو حاجت تھی اور جن کا جاننا ضروری تھا کیونکہ وہ دن لوگوں کے جمع ہونے کا دن ہوتا ہے اور ایسی فرصت کو

ایسے احکام کے لئے غنیمت سمجھا جاتا ہے جن کی تبلیغ تمام مخلوق کے لئے مقصود ہوتی ہے اور ظہر وعصر اور عشاء ومغرب کو اس لئے ملا کر پڑھا کہ اس روز لوگوں کا ایسا اجتماع ہوتا ہے جو بجز اس مقام کے کہیں نہیں ہوتا اور شارع کو ایک جماعت کا ہونا مطلوب ہے اور ایسے اجتماع میں ایک جماعت کا قائم کرنا ضروری ہے تا کہ سب لوگ اس کو دیکھیں اور دو وقتوں میں سب کا مجتمع ہونا مشکل تھا اور نیز اس روز لوگ ذکر اور دعا میں مشغول ہوتے ہیں اور وہ اسی روز کا وظیفہ ہیں اور اوقات کی پابندی تمام سال کا وظیفہ ہے اور ایسے وقت میں بدیع ونادر شئے کو ترجیح دی جاتی ہے پھر آپ وہاں سے سوار ہو کر موقف میں تشریف لائے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے پس آپ وہیں کھڑے رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوا اور زردی کم ہو گئی پھر وہاں سے علیحدہ ہوئے۔

میں کہتا ہوں غروب کے بعد وہاں سے اس لئے علیحدہ ہوئے تا کہ جاہلیت کی تحریف مٹ جائے کیونکہ وہ لوگ غروب سے پہلے ہی ہٹ جاتے تھے اور نیز غروب سے پہلے کا وقت غیر معین ہے اور بعد غروب معین ہے اور ایسے دن میں امر منضبط کا حکم دینا چاہئے، پھر وہاں سے چل کر مزدلفہ میں تشریف لائے اور وہاں مغرب وعشا کی نماز ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھی اور ان کے درمیان کوئی نفل نماز نہیں پڑھی پھر سو گئے یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی پھر جب صبح خوب روشن ہو گئی تو فجر کی نماز ایک اذان اور ایک اقامت سے پڑھی پھر قصواء پر سوار ہوئے حتی کہ مشعر الحرام میں تشریف لائے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے خدا تعالیٰ سے دعا مانگی اور تکبیر وتہلیل اور توحید بیان کی اور برابر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ خوب سویرا ہو گیا پھر آفتاب طلوع ہونے سے پیشتر چل پڑے حتی کہ بطن محسر میں تشریف لائے اور سواری کو تھوڑا تیز کر دیا۔

میں کہتا ہوں مزدلفہ کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز اس لئے نہیں پڑھی کہ آپ جم غفیر کے اندر بہت سے مستحبات کو ترک کر دیا کرتے تھے تا کہ لوگ ان کو سنت نہ سمجھنے لگیں اور مشعر حرام میں قیام کا راز ہم بیان کر چکے ہیں اور بطن محسر میں اس لئے سواری کو تیز کیا کہ وہ جگہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کا مقام ہے پس جس شخص کی شان یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کی طاقت سے ڈرتا ہے اس کو اس مقام میں خوف معلوم ہوتا ہے اور غضب الٰہی سے ڈر کر بھاگتا ہے اور چونکہ اس خوف کا معلوم کرنا ایک امر خفی تھا اس واسطے اس کا انضباط ایسے ظاہری فعل سے کیا جو

خوف کو یاد دلانے والا ہو اور اس خوف پر نفس پر تنبیہ کرنے والا ہو، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمرۃ العقبہ میں تشریف لائے اور اس کی طرف سات کنکریاں پھینکیں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور بطن وادی سے انگلیوں سے کنکریاں پھینکیں۔

میں کہتا ہوں اول دن میں رمی الجمار صبح کے وقت اور باقی دنوں میں شام کے وقت ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اول دن میں قربانی اور سر منڈانا اور طواف افاضہ کرنا ہوتا ہے اور یہ سب کام بعد رمی کے ہوتے ہیں اس واسطے صبح کے وقت رمی جمار کرنے میں دوسرے کاموں کی وسعت ہے اور باقی ایام تجارت اور بازار قائم کرنے کے ہوتے ہیں اس واسطے ضروریات سے فراغت پانے کے بعد رمی الجمار میں سہولت ہے اور فراغت اکثر اخیر دن میں ہوتی ہے اور رمی الجمار میں طاق عدد کا مقرر ہونا اور صفا و مردہ کے درمیان سعی کے اعداد کا طاق ہونا اسی وجہ سے ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ طاق عدد خدا تعالیٰ کو پسند ہے اور واحد حقیقی کا قائم مقام تین یا سات کا عدد ہے پس سات سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے اگر اس میں کفایت ہو سکے اور انگلیوں سے کنکریوں کو اس لئے پھینکا کہ اس سے کم میں وہ محسوس نہیں ہوتیں اور اس سے زیادہ میں ایسے موقع پر ایذا پہنچنے کا احتمال ہے پھر آپ قربانی کرنے کی جگہ میں تشریف لائے پس آپ نے تریسٹھ بدنے اپنے ہاتھ سے ذبح کئے پھر حضرت علیؓ کو چھری عطا فرمائی تاکہ باقی کو ذبح کریں اور اپنی قربانی میں حضرت علی کو شریک کیا پھر حکم دیا کہ ہر بدنہ میں سے ایک ایک ٹکڑا لیکر سب کو ایک ہانڈی میں پکایا جائے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس گوشت میں سے کچھ کھایا اور کچھ شوربا پیا۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس قدر قربانیاں اس لئے کیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کی عمر کے ہر سال کے عوض ایک بدنہ عطا فرمایا، اور اس میں سے اس لئے کھایا اور پیا تاکہ ہدی کی تعظیم پائی جائے اور اللہ تعالیٰ کی چیز سے تبرک حاصل کریں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اس جگہ قربانی کی ہے اور منی سب کی سب قربانی کی جگہ ہے پس تم لوگ اپنے اپنے مقام پر قربانی کرو اور میں یہاں پر ٹھیرا اور عرفات میں سب جگہ ٹھیرنے کی ہے اور میں یہاں پر ٹھیرا اور جمع یعنی مزدلفہ سب کی سب ٹھیرنے کی جگہ ہے اور ایک روایت میں یہ بھی زائد ہے "مکہ کی ہر گلی، راستہ قربانی کی جگہ ہے"۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں جس کو تشریعا کیا تھا اور اس امر میں جس کو بحسب اتفاق یا کسی ایسی مصلحت کے اعتبار سے جو اس دن کے ساتھ خاص تھی یا اچھے امر کے اختیار کرنے کے طور پر کیا تھا، فرق کر دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور مکہ کی طرف چلے پس مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی اور طواف کیا اور زمزم سے پانی پیا۔

میں کہتا ہوں آپ نے بیت اللہ کی طرف اس لئے جلدی کی تا کہ اول وقت میں عبادت ہو اور دوسرے یہ کہ ہر وقت انسان کو کوئی مانع پیش آ سکتا ہے اور زمزم سے پانی اس لئے آپ نے پیا تا کہ شعائر اللہ کی تعظیم ہو اور خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جو ایک چیز ظاہر کی ہے اس سے برکت حاصل ہو پھر جب منیٰ کے دن پورے ہو چکے تو آپ ابطح میں ٹھیرے اور طواف وداع کر کے تشریف لے گئے۔

میں کہتا ہوں ابطح میں نزول فرمانے کے اندر اختلاف ہے کہ وہ عبادت کے طور پر تھا یا عادت کے طور پر، پس حضرت عائشہ نے فرمایا ابطح کے اندر اترنا سنت نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ اس لئے ٹھیرے تھے کہ وہاں سے کوچ کرنا آسان تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ ”ہم کل انشاء اللہ اس جگہ ٹھیریں گے جہاں لوگوں نے کفر پر قسم کھائی تھی“ اس بات کو اخذ کیا کہ آپ نے وہاں پر ٹھیرنے سے دین کی شوکت کا قصد فرمایا تھا اور پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

حج کے ساتھ متعلق امور کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”حجر اسود جنت سے اتارا گیا ہے اور وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا پس بنی آدم کے گناہوں نے اس کو سیاہ کر دیا“ اور آپ نے اس کے بارے میں فرمایا ”اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اور جس نے اس کو اللہ کے لئے بوسہ دیا ہے اس کی شہادت بیان کرے گا“ اور فرمایا ”رکن یمانی اور مقام دو یاقوت ہیں“۔

میں کہتا ہوں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ دونوں جنت سے لائے گئے ہوں پس جب وہ زمین پر نصب کئے گئے تو حکمت کا یہ مقتضی ہوا کہ ان میں زمین کے مزاج کی رعایت کی جائے اس واسطے ان کا نور سلب کر دیا گیا اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ان دونوں کی عظمت کی طرف ملائکہ کی توجہ

اور ملاء اعلیٰ اور بنی آدم میں صالحین کی ہمتوں کے تعلق کے سبب سے ان دونوں کے ساتھ ایک قوت مثالیہ کا اختلاط ہوا حتی کہ ان میں قوت ملکیہ پیدا ہو گئی، اور حضرت ابن عباسؓ کے اس قول میں اور محمد بن حنفیہؒ کے اس قول میں کہ ''زمین کے پتھروں میں سے وہ ایک پتھر ہے'' تطبیق کی یہی صورت ہے اور ہم نے آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ خانہ کعبہ قوت ملکیہ سے گویا پر ہے، اس واسطے ضروری ہوا کہ عالم مثال میں حجر اسود کو آنکھیں اور زبان دی جائے جو جاندار چیزوں کی خاصیت ہے، اور چونکہ خانۂ کعبہ مومنین کے ایمان اور خدا تعالیٰ کی تعظیم کرنے والوں کی تعظیم کو بتلانے والا تھا اس واسطے ضروری ہوا کہ زبان میں شہادت کی صورت کا ظہور ہو جیسا کہ ہم نے پاؤں اور ہاتھ کے گویا ہونے کے راز میں بیان کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے اس گھر کا سات مرتبہ شمار کر کے طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی تو یہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہوا اور جو شخص ایک قدم رکھتا یا اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کے لئے ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گناہ دور کرتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے''۔

میں کہتا ہوں اس فضیلت میں دو چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ طواف کرنا جبکہ رحمت الٰہی میں غوطہ لگانے کے اور عالم بالا کی دعاؤں کے متوجہ ہونے کے مشابہ تھا اور اس کا مظنہ تھا تو اس کی خاصیت قریبہ کو بیان کر دیا اور دوسرے یہ کہ جب انسان خدا تعالیٰ پر یقین رکھ کر اور اس کے وعدہ کو سچا سمجھ کر کسی کام کو کرتا ہے تو یہ کام اس کے ایمان کی شرح اور بیان ہو جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عرفہ کے دن سے زیادہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جس میں اللہ تعالیٰ بندہ کو دوزخ سے نجات دے اور اس دن لوگوں سے نہایت قریب ہوتا ہے پھر ان کے ساتھ فرشتوں سے فخر بیان کرتا ہے''

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب سب لوگ مل کر خدا تعالیٰ سے عاجزی کرتے ہیں تو ان پر رحمت کے نازل ہونے میں اور ان کے اندر روحانیت کے پھیلنے میں کچھ دیر نہیں لگتی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سب دعاؤں سے بہتر عرفہ کے دن کی دعا ہے اور بہتر بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیا نے کہی ہے ''لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ الخ ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ کلمہ ذکر کے بہت سے اقسام کو جامع ہے اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اور سبحان اللہ اور الحمد للہ کی بہت سے مقامات اور اوقات میں بہت ترغیب دی ہے جیسا کہ

دعاؤں کے باب میں اس کا ذکر آتا ہے، اور ہدی کا بھیجنا مسنون ہے اگرچہ حج کو نہ جائے تاکہ حتی الامکان اعلاء کلمۃ اللہ کی اقامت ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بال منڈانے والوں کے لئے تین بار اور بال ترشوانے والوں کے لئے ایک بار دعا کی تاکہ سر منڈانے کی فضیلت ظاہر ہو جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سر منڈانے سے گرد و غبار زیادہ دور ہوتا ہے جو بادشاہوں کے پاس جانے والوں کی ہیئت کے مناسب ہے اور اس میں عبادت کا اثر زیادہ باقی رہتا ہے اور یہ اثر سر منڈانے سے دکھائی دیتا ہے تاکہ عبادت الٰہی پر تنبیہ ہو، اور آپ نے عورت کو سر منڈانے سے اس لئے منع فرمایا کیونکہ وہ اس کے حق میں مثلہ ہے اور مردوں کے ساتھ مشابہت کا پایا جانا ہے اور جس شخص نے ذبح سے پیشتر سر منڈایا یا رمی سے پیشتر قربانی کی یا شام ہونے کے بعد رمی کی یا سر منڈانے سے پہلے طواف کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے یہ فتویٰ دیا کہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور کفارہ کا حکم نہیں دیا اور ضرورت کے وقت سکوت کرنا بیان ہے اور کاش میں یہ جانتا کہ استحباب کے بیان میں لاحرج کے لفظ سے زیادہ صریح کوئی اور لفظ ہے اور تشریع اس کے بغیر تمام نہیں ہوتی کہ شدائد کے وقت رخصتوں کو بیان کیا جائے، پس منجملہ ان شدائد کے وہ تکلیف ہے جس کی وجہ سے احرام کی حرام چیزوں سے اجتناب نہ کر سکے اور اس امر میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''پس تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو روزوں سے یا صدقہ سے یا قربانی سے اس کا فدیہ دے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی ہے جو کعب بن عجرہؓ سے فرمایا تھا کہ ''اپنے سر کو منڈا لے اور ایک فرق (۱) چھوارے مساکین کو کھلا دے'' الخ۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ رخصت کے اقسام میں سے سب سے بہتر وہ ہے جس کے ساتھ کوئی ایسی چیز مقرر کر دی جائے جو اصل عبادت کو یاد دلاتی رہے اور جس نے اصل عبادت کا قصد کر رکھا تھا اس عبادت کے ترک کرتے وقت اس کی دلجمعی کرے اور وجوب کفارہ میں جو زیادتی کی گئی ہے وہ بطریق اولی اس پر محمول ہے، اور من جملہ ان شدائد کے ایک احصار ہے اور اس امر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ جب کفار قریش نے بیت اللہ جانے سے روکا تو آپ نے اپنی ہدایا کی قربانی کی اور سر منڈایا اور احرام سے باہر ہو گئے اور مکہ اور مدینہ کے حرم میں یہ راز ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک خاص تعظیم

---

(۱) ایک وزن کا نام ہے۔

ہوتی ہے اور مقامات کی تعظیم یہ ہے کہ ان کے اندر کی چیزوں میں سے کسی برائی کے ساتھ تعرض نہ کیا جائے اور اس تعظیم کی اصل بادشاہوں کی حد اور ان کی شہر پناہوں سے ماخوذ ہے کیونکہ قوم کا ان کے سامنے مطیع ہونا اور ان کی تعظیم کرنا یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر اس بات کو مقرر کر لیتی ہے کہ ان حدود کے اندر جو درخت وچوپائے وغیرہ ہیں ان سے وہ کچھ تعرض نہ کریں گے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ "ہر بادشاہ کا ایک حرم ہے اور خدا تعالیٰ کا حرم اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں" پس یہ بات ان میں مشہور ہو گئی تھی اور ان کے دلوں میں پیوست ہو گئی تھی اور حرم کا ادب ایک یہ ہے کہ جو چیز غیر حرم میں واجب ہے جیسے عدل کا قائم کرنا، یا جو چیز حرام ہے حرم کے اندر اس کے وجوب کی اور اس کی تحریم کی نہایت تاکید کی جائے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حرم کے اندر غلہ کا بند کرنا اس میں الحاد کرنا ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے ایمان والو احرام کی حالت میں شکار نہ کرو" الا یہ۔

میں کہتا ہوں چونکہ حرم اور احرام کے اندر شکار کرنا اور احرام کی حالت میں جماع کرنا ایک طرح کی افراط ہے جو شہوت نفس کے توغل (۱) کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تو ضروری ہوا کہ کفارہ کے ساتھ اسے روکا جائے اور شکار کی جزا میں اختلاف ہے کہ مثلیت کا اعتبار صورت کے اندر ہے یا قیمت کے اندر ہے اور حق یہ ہے کہ دو عادل شخصوں سے یہ بات دریافت کی جائے پس اگر وہ اس بارے میں سلف کے مانند رائے دیں تو اس پر عمل کرنا چاہئے اور اگر قیمت تجویز کریں تو قیمت دینی چاہئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں سے جو شخص مدینہ کی مصیبتوں پر صبر کرے گا میں قیامت میں اس کے لئے شفیع ہوں گا"۔

میں کہتا ہوں اس فضیلت کا راز یہ ہے کہ مدینہ کا آباد کرنا دین کے شعائر کا بلند کرنا ہے پس یہ ایسا فائدہ ہے جو دین کی طرف رجوع کرتا ہے اور ایسے مواضع میں جانا اور مسجد نبوی میں داخل ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو یاد دلاتا ہے اور یہ ایسا فائدہ ہے جو مکلّف کی ذات کی طرف رجوع کرتا ہے۔

---

(۱) ہمہ تن مشغول ہونا۔ غلوئے نفس۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو عزت دی اور اس کو حرم بنا دیا اور میں نے مدینہ کو حرم بنایا‘‘۔

میں کہتا ہوں اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے دعا اور آپ کے پختہ ارادہ کو توقیتات کے نزول میں بہت بڑا دخل ہے، واللہ اعلم۔

ابواب احسان

واضح ہو کہ ایجاب یا تحریم کی وجہ سے شارع نے بندوں کو بالذات جن امور کی تکلیف دی ہے وہ اعمال ہیں اس اعتبار سے کہ وہ اعمال ان ہیئات نفسانیہ سے پیدا ہوتے ہیں جو آخرت میں نفوس کو نفع یا نقصان پہنچائے گی اور یہ اعمال ان ہیئات نفسانیہ کو بڑھاتے ہیں اور ان ہیئات کا بیان ہیں اور یہ اعمال ان کی اشباح اور صور ہوتے ہیں اور ان اعمال سے دو طرح پر بحث کی جاتی ہے اور یہ ہے کہ تمام لوگوں کو اس کی پابندی پر مجبور کیا جائے اور اس امر میں عمدہ یہ ہے کہ ان ہیئات کے مظان یعنی اعمال کو اختیار کیا جائے اور اس طریق ظاہر کو اختیار کیا جائے جو ہر شخص پر ظاہر ہو اور جو سب لوگوں کے سامنے ہوں پس وہ لوگ حیلہ و بہانہ نہ کر سکیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی بنیاد میانہ روی پر ہو اور امور منضبطہ پر ہو، اور دوسری قسم یہ ہے کہ ان اعمال سے نفوس کی تہذیب اور ان ہیئات کی طرف پہنچانا مقصود ہو جو ان اعمال سے مطلوب ہیں اور اس امر میں عمدہ ان ہیئات کی معرفت ہے اور اعمال کی معرفت ہے اس جہت سے کہ وہ اعمال ان ہیئات کی طرف پہنچا دیں اور ان کا مبنی وجدان اور مکلّف کے اختیار میں دے دینے پر ہے پس جس علم میں ان اعمال سے پہلی جہت سے بحث ہوتی ہے وہ علم الشرائع ہے اور جس علم میں دوسری جہت سے بحث ہوتی ہے اور وہ علم علم الاحسان ہے۔

پس مباحث احسان میں نظر کرنے والے کو دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک تو اعمال کی طرف اس طرح پر نظر کرنا کہ وہ ہیئات نفسانیہ کی طرف پہنچا دیں کیونکہ کبھی کبھی عمل ریا اور سمعہ یا عادت کے طور پر ادا کیا جاتا ہے یا اس کے ساتھ خود پسندی اور احسان جتانا اور ایذا رسانی پائی جاتی

ہے پس ایسے عمل سے وہ چیز حاصل نہیں ہوتی جو اس سے مقصود ہوتی ہے اور کبھی اس فعل کو اس طرح پر ادا کیا جاتا ہے کہ نفس کو اس عمل کی روح پر وہ تنبہ حاصل نہیں ہوتا ہے جو محسنین کو حاصل ہونا چاہئے اگر چہ بعض ایسے نفوس ہوتے ہیں جو اس کے مثل پر متنبہ ہو جاتے ہیں جیسے وہ شخص جو اصل فرائض پر اکتفا کرتا ہے نہ کمیت میں زیادتی کرتا ہے اور نہ اس کی کیفیت میں زیادتی کرتا ہے اور ایسا شخص ذکی نہیں ہوتا اور دوسرے ان ہیأت نفسانیہ کی طرف نظر کرنا تا کہ ان کی پوری معرفت ہو اور ایسی بصیرت کے ساتھ ان کو عمل میں لائے جو ان سے مقصود ہے پس وہ اپنے نفس کو طبیب بن کر اس پر ایسی حکومت کرے جیسے طبیب طبیعت پر حکومت کرتا ہے کیونکہ جو شخص اس چیز کو نہیں جانتا جو آلات سے مقصود ہے تو وہ جب ان آلات کو برتتا ہے تو اندھی اونٹنی کی طرح بد حواس ہو جاتا ہے اور اس کی حالت اس شخص جیسی ہو جاتی ہے جو رات کے وقت لکڑیاں چنتا پھرتا ہے اور جن اخلاق سے اس فن میں بحث کی جاتی ہے ان کے چار اصول ہیں جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں ایک تو طہارت ہے جس سے ملکوت کے ساتھ مشابہت حاصل ہوتی ہے اور دوسرے خدا تعالیٰ کے لئے عاجزی اور فرمانبرداری کرنا ہے جو جبروت پر اطلاع کا سبب بنتا ہے پہلے کے لئے وضو اور غسل اور دوسرے کے لئے نماز، اذکار اور تلاوت مقرر کئے گئے، اور جب دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو ہم اس کو سکینہ اور وسیلہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

چنانچہ حذیفہؓ کا قول جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے محفوظ لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ یعنی عبداللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ وسیلہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں، اور شارع نے طہارت کو اپنے اس قول میں ایمان فرمایا ہے ''پاکی نصف ایمان ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کے حال کو اس طرح بیان فرمایا ''خدا تعالیٰ پاک ہے پاکی کو پسند کرتا ہے'' اور دوسرے کی طرف اس قول سے اشارہ فرمایا ''احسان اس کو کہتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح پر عبادت کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے پس تو اس کو اگر نہیں دیکھتا ہے تو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے'' پس طہارت کے حاصل کرنے میں عمدہ ان عبادات کا اختیار کرنا جو انبیا علیہم السلام سے منقول ہیں اور ان کی ارواح اور ان کے انوار کا لحاظ کرنا اور کثرت سے ان کو عمل میں لانا اور ان کی ہیأت اور اذکار کا خیال رکھنا ہے، پس طہارت کی روح

باطن کا منور ہونا اور انس و سرور کی حالت کا پیدا ہونا اور پریشان افکار کا دور ہونا اور پراگندگی اور پریشانی اور حیرانی اور گھبراہٹ کا رک جانا ہے اور نماز کی روح خدا تعالیٰ کے ساتھ حضور اور جبروت پر مطلع ہونا اور خدا تعالیٰ کی کبریائی کا یاد کرنا اور اس کے ساتھ تعظیم کا ہونا ہے جس میں محبت اور طمانیت پائی جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے ''**الاحسان ان تعبدالله** '' الخ۔ اور آپ نے نفس کو نماز کے عادی ہونے کی کیفیت پر اس قول سے اشارہ کیا ہے ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے نماز کو اپنے اور بندہ کے درمیان نصف نصف تقسیم کر لیا ہے اور میرے بندہ کے لئے وہ چیز ہے جو وہ مانگے پس جب بندہ '**الحمدلله رب العالمین**' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ نے میری حمد کی اور جب '**الرحمن الرحیم**' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ نے میری ثنا کی، اور جب بندہ **مالک یوم الدین** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ نے میری بزرگی بیان کی اور جب بندہ **ایاک نعبد و ایاک نستعین** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرے بندہ کے لئے وہ ہے جو وہ مانگتا ہے اور جب بندہ کہتا ہے **اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین**، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ خاص میرے بندہ کے لئے ہے اور جو کچھ وہ مانگتا ہے وہ اس کے لئے ہے''۔

پس یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ہر کلمہ میں جواب کا لحاظ ہے کیونکہ اس سے حضور قلبی پر نفس کو تنبیہ بلیغ ہوتی ہے اور وہ دعائیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر مسنون فرمائی ہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں مذکور ہیں ان میں بھی اسی کیفیت کی طرف اشارہ ہے اور تلاوت قرآن کی روح یہ ہے کہ نہایت شوق اور تعظیم سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کے مواعظ میں غور کرے اور اس کے احکام میں اطاعت کا شعور حاصل کرے اور قرآن کی امثال اور قصص سے عبرت حاصل کرتا جائے اور جب اللہ تعالیٰ کی کسی آیت، صفات اور اس کی نشانیوں پر سے گزرے تو سبحان اللہ کہے اور جب جنت اور رحمت کی آیت پڑھے تو اس کے فضل کو مانگے اور جب دوزخ اور غضب کی آیت پر سے گزرے تو اس کی پناہ طلب کرے پس یہ وہ امر ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کو نصیحت حاصل کرنے کا خوگر

ہونے کے لئے مسنون فرمایا ہے، اور ذکر کی روح حضور اور جبروت کی طرف متوجہ ہونے میں غرق ہو جاتا ہے اور اس کا خوگر اس طرح ہوتا ہے کہ کہے **لا اله الا الله و الله اكبر**، پھر خدا تعالیٰ سے اس کے جواب میں اس کا یہ قول سنئے، **لا الٰه الا انا وانا اكبر**، پھر کہے **لا الٰه الا وحده لاشريك له**، پھر اللہ تعالیٰ سے اس کے جواب میں یہ سنے **لا اله الا انا وحدى لاشريك لى**، اور اسی طرح کیا کرے حتی کہ حجاب رفع ہو اور استغراق حاصل ہو جائے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور دعا کی روح یہ ہے کہ یہ سمجھے کہ ہر چیز سے روکنا اور ہر چیز کی قدرت دینا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس طرح ہو جائے جس طرح نہلانے والے کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے یا جس طرح حرکت دینے والے کے ہاتھ میں مورت ہوتی ہے اور مناجات کی لذت حاصل کرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز کے بعد اس کے شفعوں کے درمیان میں ایک بڑی دعا مسنون فرمائی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور یارب یارب کہہ کر دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگے اور مصائب سے پناہ مانگے اور نہایت تضرع اور نیازمندی سے مانگے، اور اس میں شرط یہ ہے کہ اس کا دل امور دنیوی سے فارغ ہو اور بول و براز کی حاجت نہ ہو اور نہ بھوکا ہو اور نہ غضب ناک ہو، پس جب انسان حضوری کی حالت معلوم کرلے اور پھر وہ حضور اس سے مفقود ہو جائے تو اس حضور کے جاتے رہنے کا سبب اس کو سوچنا چاہئے پس اگر قوت جسمانی اس کا باعث ہے تو اس کو روزہ رکھنا چاہئے کیونکہ روزہ اس کے لئے قاطع ہے اور اکثر دو مہینہ کے پے در پے روزہ رکھنے سے یہ بات حاصل ہو سکتی ہے اور اگر جماع کی خواہش ہے اور کھانے پینے سے فارغ ہونے کی حاجت ہے یا اس کا سرور جاتا رہا ہے اور اس کا اعادہ چاہتا ہے تو کسی عورت سے نکاح کر کے حاجت جماع کو رفع کرے لیکن لذائذ اور اختلاط میں منہمک نہ ہو اور اس کو دوا کے طور پر سمجھے کہ اس سے نفع اٹھائے اور اس کی مضرت سے بچے اور اگر کاروبار اور لوگوں کی صحبت میں مشغول رہتا ہو تو ان کے ساتھ عبادات کو شامل کر کے علاج کرے اور اگر دماغ میں خیالات مشوشہ اور افکار ناقصہ بھرے ہوئے ہوں تو لوگوں سے کنارہ کش ہو کر گھر یا مسجد میں گوشہ نشینی اختیار کرے اور اپنی زبان کو بجز ذکر الٰہی کے اور اپنے قلب کو بجز اس فکر کے جس کے وہ درپے ہے روکے اور بیدار ہوتے وقت ذکر الٰہی کی عادت ڈالے تا کہ سب سے پہلے اس کے دل میں ذکر

الٰہی داخل ہو اور سوتے وقت بھی ایسا کرے تاکہ تمام اشغال سے دل کو فراغت ہو۔

اور تیسرا اصول سماحت نفس ہے اور سماحت نفس یہ ہے کہ قوت ملکی قوت بہیمی کے دواعی کی مطیع نہ ہو جائے کہ لذت طلب کرے اور انتقام لینے کی خواہش کرے اور غصہ کو اور بخل کو پسند کرے اور مال و جاہ کی حرص کرے کیونکہ جب انسان ان امور کو عمل میں لانے کا مرتکب ہوتا ہے تو کسی وقت میں نفس کے اندر ان کے الوان لگ جاتے ہیں پس اگر نفس میں سماحت ہوتی ہے تو ان ہیئات رذیلہ کا ترک کرنا اس پر آسان ہوتا ہے اور نفس ایسا ہو جاتا ہے گویا اس میں اس قسم کی بات کبھی نہ تھی اور نفس خالص ہو کر رحمت الٰہی میں داخل ہو جاتا ہے اور ان انوار کے دریا میں مستغرق ہو جاتا ہے جن کی نفوس کی جبلت مقتضی ہوتی ہے بشرطیکہ موانع نہ ہوں اور اگر نفس میں صفت سماحت نہیں ہے تو ان اعمال کے الوان نفس کے اندر اس طرح پیوست ہو جاتے ہیں جس طرح موم کے اندر مہر کے نقوش منقش ہو جاتے ہیں اور دنیوی زندگی کا میل اس میں جم جاتا ہے اور ان کا ترک کرنا نفس کے لئے آسان نہیں ہوتا پھر جب ایسا نفس جسم سے جدا ہوتا ہے تو وہ برے اعمال سامنے اور پیچھے سے اور دائیں اور بائیں سے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں اور نفس اور ان انوار کے درمیان جن کا جبلت نفوس تقاضا کرتی ہے بہت سے غلیظ پردے پڑ جاتے ہیں اور اس سبب سے نفس کو ایذا و تکلیف پہنچتی رہتی ہے اور اس سماعت کو جب خواہش شکم اور خواہش فرج کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اس کو عفت کہتے ہیں اور جب آرام و آرائش کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اس کو اجتہاد کہتے ہیں اور جب بیقراری اور اضطراب کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اس کو صبر کہتے ہیں اور جب انتقام کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اس کو عفو کہتے ہیں اور جب حب مال کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اس کو سخاوت اور قناعت کہتے ہیں اور جب مخالفت شرع کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اس کو تقویٰ کہتے ہیں۔

اور یہ سب باتیں ایک میں جمع ہو جاتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ سماحت کی اصل نفس کا خواہشات نفسانیہ کی نافرمانی کرنا ہے اور صوفیہ اس کو تعلقات دنیویہ کے قطع کرنے یا خسائس بشریہ کے فنا کرنے یا حریت کے نام سے موسوم کرتے ہیں پس اس خصلت کو مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں اور اس صفت کے حاصل کرنے میں زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان افعال کو اختیار نہ کرے جن سے ان

چیزوں میں گرفتار ہونے کا گمان ہو اور دل کو ذکر الٰہی میں لگائے رکھے اور نفس کو عالم تجرد کی طرف متوجہ کرے چنانچہ زیدؓ بن حارثہ کا قول ہے "میرے نزدیک پتھر اور ڈھیلا سب برابر تھے حتی کہ مجھ کو مکاشفہ سے خبر دی گئی"۔

چوتھا اصول عدالت ہے اور وہ ایک ملکہ اور صفت کا نام ہے جس سے بہ سہولت وہ نظام عادل جو تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ وغیرہ کے لئے مصلح ہے سرزد ہوتا ہے اور اس کی اصل جبلت نفسانیہ ہے جس سے افکار کلیہ اور ایسی سیاستیں پیدا ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے موافق ہوتی ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو منظور ہے کہ عالم میں انتظام قائم رہے اور ایک دوسرے کی اعانت کرے اور کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور باہم الفت اور محبت سے رہیں اور اس طرح مل کر رہیں جس طرح ایک بدن کے اعضا ہوتے ہیں کہ جب اس کے ایک عضو میں درد ہوتا ہے تو بخار اور بیخوابی میں باقی تمام اعضا اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں، اور لوگوں کی نسل پھیلے، ان میں سے نافرمانوں کی توبیخ کی جائے اور عادل لوگوں کی تعظیم کی جائے اور ان میں رسوم فاسدہ کو مٹا دیا جائے اور لوگوں کے اندر بھلائی اور شرائع حقہ کو پھیلایا جائے پس اس کے پیدا کرنے میں اللہ سبحانہ کی ایک قضا اجمالی ہے اور یہ سب کچھ اس کی شرح اور تفصیل ہے اور اس کے ملائکہ مقربین نے اس کو معلوم کرلیا ہے اور جو شخص لوگوں کی اصلاح کرنے میں سعی کرتا ہے اس کے لئے وہ دعا کرتے ہیں، اور جو ان کے فساد میں سعی کرتا ہے تو اس پر وہ لعنت کرتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کئے ہیں خدا تعالیٰ نے ان سے اس بات کا وعدہ کرلیا ہے کہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان لوگوں کو اس نے خلیفہ بنایا ہے جو ان سے پہلے تھے اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس پر ان کو قدرت دے گا اور ان کے خوف کے بعد ان کو بدلہ میں امن دے گا، وہ میری عبادت کرتے ہیں کسی کو میرا شریک نہیں کرتے اور جنھوں نے اس کے بعد کفر کیا وہی لوگ نافرمان ہیں" اور فرماتا ہے "جو لوگ خدا کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو نہیں توڑتے اور جس چیز کے جوڑنے کا حکم خدا نے دیا ہے اس کو جوڑتے ہیں" الایہ۔

اور فرماتا ہے "جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے جس چیز کے جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو قطع کرتے ہیں"، پس جو شخص ان اعمال صالحہ کو عمل میں

لاتے ہیں تو خدا تعالیٰ کی رحمت اور فرشتوں کی دعا اس کو شامل ہو جاتی ہے خواہ اس شخص کو اس کا علم ہو یا نہ ہو، اور مہربانیاں اس کو اس طرح محیط ہو جاتی ہیں جس طرح چاند اور سورج کی شعائیں انسان کا احاطہ کر لیتی ہیں اس کے سبب سے بنی آدم اور ملائکہ کے قلوب میں اس شخص کے ساتھ بھلائی کرنے کا الہام ہوتا ہے اور وہ آسمان اور زمین میں مقبول ہو جاتا ہے اور جب وہ عالم تجرد کی طرف جاتا ہے تو یہ مہربانیاں جو اس کے ساتھ متصل تھیں ان کو محسوس کرتا ہے اور لذت حاصل کرتا ہے اور ایک قسم کی کشادگی اور قبولیت پاتا ہے اور اس کے اور فرشتوں کے درمیان ایک دروازہ کھل جاتا ہے، اور جو شخص برے اعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب اور فرشتوں کی لعنت اس کو گھیر لیتی ہے اور ہر طرف سے تاریکیاں اس کو گھیر لیتی ہیں جو غضب سے پیدا ہوتی ہیں، پس اس کے سبب سے ملائکہ اور لوگوں کے دلوں میں اس کے ساتھ برائی سے پیش آنے کا القا ہوتا ہے اور آسمان اور زمین میں وہ شخص قابل نفرت ٹھیرتا ہے، اور جب وہ عالم تجرد کی طرف جاتا ہے تو ایسی تاریک شعاعوں کو پاتا ہے جو اس کو کاٹتی ہیں اور اس سے اس کے نفس کو تکلیف ہوتی ہے اور ایک قسم کی تنگی اور نفرت کو پاتا ہے اور وہ ان سے ہر جانب سے گھر جاتا ہے پس باوجود کشادگی کے زمین اس پر تنگ ہو جاتی ہے اور عدالت کی صفت کا جب انسان کے ان اوضاع کے ساتھ لحاظ کیا جاتا ہے جو اس کے قیام وقعود خواب و بیداری، چلنے، کلام کرنے اس کے لباس اور اس کے شعار سے متعلق ہیں تو اس کو ادب کہتے ہیں اور جب مال کے ساتھ اور اس کے جمع کرنے اور صرف کرنے کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کو کفایت کہتے ہیں اور جب تدبیر منزل کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کو حریت کہتے ہیں اور جب تدبیر شہر کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کو سیاست کہتے ہیں اور جب عزیزوں کی الفت رکھنے کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کو حسن محاضرہ اور حسن معاشرہ کہتے ہیں، اور عدالت کے حاصل کرنے میں زیادہ ضروری چیز رحمت اور محبت اور نرم دلی اور قساوت قلب کا نہ ہونا اور اس کے ساتھ افکار کلیہ کے تابع ہونا اور انجام کار پر نظر رکھنا ہے۔

اور ان دونوں خصلتوں یعنی سماحت اور عدالت میں ایک قسم کا تنافر اور مخالفت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تجرد کی طرف قلب کا میلان اور رحمت اور مودت کے لئے اس کا مطیع ہونا اکثر لوگوں کے حق میں یہ دونوں وصف جمع نہیں ہوتے خصوصا ان لوگوں کے اندر جن کی قوت بہیمی و ملکی میں

کشاکشی رہتی ہے اسی وجہ سے تم بہت سے اہل اللہ کو دیکھتے ہو کہ انھوں نے لوگوں سے قطع تعلق کر لیا اور اہل وعیال سے جدا ہو گئے اور لوگوں سے دور دور رہنے لگے اور عام لوگوں کو تم اہل وعیال کے ساتھ اتنا مشغول دیکھتے ہو کہ وہ اللہ کے ذکر کو بھی بھول گئے ہیں اور انبیا علیہم السلام دونوں مصلحتوں کی رعایت کا حکم دیتے ہیں اسی لئے ان دونوں وصفوں کے اندر مبہم کے ضبط اور مشکل کے تمیز کی ان کو زیادہ ضرورت پڑی، سو یہ وہ اخلاق ہیں جو شرائع میں معتبر ہیں اور بعض افعال اور ہیئات ایسے بھی ہیں جو ان اخلاق کا اور ان اخلاق کے اضداد کا کام دیتے ہیں اس جہت سے کہ ان افعال وغیرہ سے ملائکہ کا مزاج یا شیاطین کا مزاج پیدا ہوتا ہے یا ملائکہ اور شیاطین کے دونوں قبیلوں میں سے ایک کی طرف نفس کے میلان سے یہ افعال وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اس واسطے ان کا بھی انہیں اخلاق کے ساتھ حکم دیا جاتا ہے اور ان میں سے بعض کو ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

اور اسی باب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ''شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مقطوع الاعضا شیطان ہے'' اور آپ نے فرمایا ''جس طرح فرشتے صف باندھتے ہیں تم اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال کا بھی حکم دیا ہے جن میں ان اخلاق کے پائے جانے کا گمان ہے پس ایسے اذکار کا آپ نے حکم دیا ہے جن سے ہر وقت فرمانبرداری اور تضرع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور صبر کرنے اور خدا کی راہ میں صرف کرنے کا حکم دیا اور موت اور آخرت کی یاد کرنے کی رغبت دلائی اور دنیا کو ان کی آنکھوں میں حقیر ظاہر کیا اور خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظیم الشان قدرت میں فکر کرنے کا ان کو شوق دلایا تا کہ ان کے اندر صفت سماحت حاصل ہو اور مریض کی عیادت اور نیکی اور صلہ رحمی اور سلام کو رائج کرنے اور حدود کو قائم کرنے اور اچھی باتوں کی نصیحت کرنے اور بری باتوں سے منع کرنے کا ان کو حکم دیا تا کہ صفت عدالت ان کے اندر پیدا ہو اور ان افعال اور ہیئات کو نہایت عمدہ طور سے بیان کر دیا، خدا تعالیٰ اس نبی کریم کو ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ایسی جزا خیر دے جس کے وہ لائق ہے۔

جب تم کو یہ اصول معلوم ہو گئے تو اب ہم کسی قدر تفصیل کرتے ہیں، واللہ اعلم۔

اذکار اور ان کے متعلقات کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب کوئی قوم ذکر الٰہی کے لئے بیٹھتی ہے تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے''۔

میں کہتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور اس کے ذکر کے ساتھ مسلمانوں کا اجتماع رحمت اور سکینہ کو کھینچ لاتا ہے اور ملائکہ سے قریب کر دیتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مفرد لوگ سبقت کر گئے''۔

میں کہتا ہوں سابقین میں سے ایک گروہ مفردین کا ہے ان کو مفردین اس لئے کہتے ہیں کہ ذکر الٰہی نے ان کے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ پاک فرماتا ہے میں اپنے بندہ کے اس گمان کے ساتھ ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے اور جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھ کو دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ کو مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے بہتر مجلس میں یاد کرتا ہوں''۔

میں کہتا ہوں بندہ کی سرشت جس سے اس کے اخلاق اور علوم پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہیئت جس کو اس کا نفس حاصل کرتا ہے اس رحمت کے نزول کے لئے مخصص ہے جو اس بندہ کے لئے خاص ہے پس بہت سے بندے جن میں سماحت کی صفت ہوتی ہے خدا تعالیٰ سے یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ ان کے گناہوں سے درگزر کرے گا اور ذرا ذرا سی بات پر نہ پکڑے گا اور ان کے ساتھ سماحت کا برتاؤ کرے گا پس ان کی یہ امید ان کے گناہ دور ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہے اور بہت سے بخیل آدمی اپنے رب سے اس بات کا گمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ذرا ذرا سی بات پر

پکڑے گا اوران کے ساتھ سخت لوگوں کا سا معاملہ کرے گا اور ان کے گناہوں سے تجاوز نہ کرے گا پس یہ بات دنیوی ہیئات کے اعتبار سے دل میں خوب جم جاتی ہے جو اس کو موت کے بعد گھیر لے گی اور یہ فرق صرف ان امور کے اندر ہے جن کی نسبت حظیرۃ القدس میں تاکیدی حکم نہیں ہوا لیکن کبائر اور ان کے قریب قریب گناہوں کے اندر صرف بالا جمال اس کا ظہور ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''میں بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں'' معیت قبول کی طرف اور حظیرۃ القدس میں ایک شان کے ساتھ ہونے کی طرف اشارہ ہے پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنے دل میں کرے گا اور اس کے انعامات میں غور کرنا شروع کرے گا تو اس کے بدلہ میں اس کے اس راستہ سے حجاب دور کر دے گا یہاں تک کہ اس تجلی تک پہنچ جائے گا جو حظیرۃ القدس میں قائم ہے اور اگر خدا تعالیٰ کا مجلس میں ذکر کرے گا اور اس کا قصد اشاعت دین اللہ اور اعلاء کلمتہ اللہ بھی ہوگا تو خدا تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کی محبت عالم بالا کے دلوں میں القا کرے گا کہ وہ اس کے لئے دعا کریں اور برکت کے طالب ہوں پھر زمین میں وہ مقبول ٹھیرایا جاتا ہے اور بہت سے عارف باللہ ایسے ہیں جن کو معرفت کا درجہ حاصل ہے لیکن نہ تو زمین میں وہ مقبول ہیں اور نہ ملاء اعلیٰ میں ان کا تذکرہ ہے اور بہت سے ایسے ناصر دین ہیں جو بڑے مقبول اور متبرک ہیں مگر ان کے حجاب دور نہیں ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس گنا ثواب ملے گا یا اس سے بھی زائد میں کروں گا اور جو کوئی برائی کرے گا تو اس کے برابر بدلہ پائے گا یا میں بخش دوں گا، اور جو کوئی میری طرف ایک بالشت آئے گا میں اس کی طرف گز بھر آؤں گا اور جو میری طرف گز بھر آئے گا تو میں اس کی طرف دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر آؤں گا اور جو میری طرف چل کر آئے گا تو میں اس کی طرف دوڑ کر آؤں گا اور جو مجھ سے زمین کے برابر گناہ لے کر ملے گا بشرطیکہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراتا ہو تو میں اس سے اسی قدر مغفرت کے ساتھ ملوں گا''۔

میں کہتا ہوں انسان جب مرجاتا اور دنیا کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کی بہیمیت کی تیزی کمزور ہو جاتی ہے اور اس کی ملکیت کے انوار چمکنے لگتے ہیں تو اس کی تھوڑی نیکی بھی بہت ہو جاتی ہے اور عارضی چیز ذاتی چیز سے ضعیف رہتی ہے اور تدبیر الٰہی کی بنیاد بھلائی پہنچانے پر ہے اور خیر وجود سے نہایت قریب اور شر اس سے بہت بعید ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے ''خدا تعالیٰ کی رحمت

کے سو حصے ہیں جن میں سے ایک حصہ زمین کی طرف اتار رکھا ہے'' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رحمت کو بالشت اور گز اور باع اور چلنے اور دوڑنے کے ساتھ بیان کیا ہے اور آخرت میں جبروت تک پہنچنے اور اس کی طرف توجہ کرنے سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ''**من لقینی بقراب الارض خطیئة لایشرک بی شیئا لقیته بمثلها مغفرة** '' یہی مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بھی یہی معنی مراد ہے'' میرا بندہ اس بات کو جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ بھی کرتا ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص کسی میرے دوست سے عداوت کرتا ہے میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں اور بندہ کو مجھ سے کسی چیز سے وہ تقرب حاصل نہیں ہوتا جو فریضہ ادا کرنے سے ہوتا ہے اور بندہ مجھ سے بسبب نوافل کے جب ہمیشہ تقرب چاہتا ہے تو میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب مجھ کو کسی بندہ سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور جو مجھ سے مانگتا ہے اس کو ضرور دیتا ہوں اور اگر میری پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو اپنی پناہ میں ضرور لے لیتا ہوں اور مجھ کو کسی چیز میں جس کے کرنے کا میں نے ارادہ کیا ہے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا مومن کے نفس سے تردد ہوتا ہے وہ موت مکروہ سمجھتا ہے اور مجھے اس کی تکلیف گوارا نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے اور اس کی محبت عالم بالا میں نازل ہوتی ہے پھر وہ زمین میں بھی مقبول ہو جاتا ہے پس کوئی شخص اس نظام الٰہی کی مخالفت کرتا ہے اور اس بندہ سے عداوت کرتا ہے اور اس کے کام کے رد کرنے میں اور اس کے بگڑنے میں سعی کرتا ہے تو وہ رحمت الٰہی جو اس محبوب کے لئے ہے اس کے دشمن کے حق میں لعنت بن جاتی ہے اور جو رضا اس کے لئے ہوتی ہے وہ اس کے دشمن کے حق میں غضب الٰہی بن جاتی ہے اور جب خدا تعالیٰ شریعت کے ظاہر کرنے اور اقامت دین کی وجہ سے اپنے بندوں کے قریب ہوتا ہے اور حظیرة القدس میں ان سنن اور شرائع کو تحریر فرماتا ہے تو یہ سنن اور عبادات سب چیزوں سے زیادہ رحمت الٰہی کو کھینچنے والی اور اس کی رضامندی کے زیادہ موافق ہو جاتی ہیں اور یہ تھوڑی سی چیزیں بھی بہت ہوتی ہیں اور جب بندہ فرائض ادا کرنے کے بعد نوافل زیادہ کر کے خدا تعالیٰ سے برابر قربت

حاصل کرتا رہتا ہے تو خدا تعالیٰ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے اور اس کی رحمت اس کو محیط ہو جاتی ہے اور اس وقت میں اس کے اعضا کو نور الٰہی سے تائید ہوتی ہے اور اس کی ذات اور اس کے اہل وعیال اور اس کے مال میں برکت دی جاتی ہے اور اس کی دعا قبول کی جاتی ہے اور اس کو شر سے بچایا جاتا ہے اور اس کی اعانت کی جاتی ہے اور ہمارے نزدیک اس قرب کا نام قربت الاعمال ہے اور اس حدیث میں جو تردد کا لفظ آیا ہے اس سے عنایت الٰہی کا تعارض مراد ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کو ہر نظام نوعی اور شخصی کے ساتھ ایک توجہ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کی وہ توجہ جو بدن انسانی سے متعلق ہے اس بات کو مقتضی ہے کہ اس کی موت و بیماری اور تکلیف کا حکم دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی وہ توجہ جو اس کے محبوب کے ساتھ متعلق ہے اس کا یہ تقاضا ہے کہ ہر طرف سے اس کے لئے راحت و آرام مہیا کرے، اور ہر برائی سے بچائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتلاؤں جو تمہارے سب اعمال میں بہتر ہو اور تمہارے بادشاہ کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ ہو اور سب اعمال سے زیادہ تمہارے درجات بلند کرنے والا ہو اور تمہارے حق میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہو اور تمہارے لئے اس بات سے بہتر ہو کہ تم اپنے دشمن سے مقابلہ کرو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں؟ صحابہ نے عرض کیا 'ہاں' آپ نے فرمایا کہ وہ خدا کا ذکر ہے''۔

میں کہتا ہوں افضلیت مختلف اعتبار سے ہوتی ہے اور اس اعتبار سے کہ نفس کو جبروت تک پہنچنا ہے ذکر الٰہی سے زیادہ کوئی عمل افضل نہیں ہے خاص کر ان نفوس ذکیہ میں جن کو ریاضت کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ صرف توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو کوئی کسی مجلس میں بیٹھ کر ذکر الٰہی نہ کرے تو اس کے حق میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک خسارہ ہے اور جو کسی جگہ لیٹے اور ذکر الٰہی نہ کرے تو اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک خسارہ ہے' اور آپ نے فرمایا ''جو کوئی قوم کسی مجلس سے کھڑی ہو جس میں یاد الٰہی نہ کیا ہو تو گویا وہ مردار گدھے کو کھا کر اٹھے ہیں اور وہ مجلس ان پر ایک حسرت ہوگی'' اور آپ نے فرمایا ''بجز ذکر خداوندی کے کوئی کلام کثرت سے مت کرو کیونکہ بجز ذکر الٰہی کے کثرت کلام سخت دلی پیدا کر دیتا ہے اور سب لوگوں میں سے خدا تعالیٰ سے دور قاسی القلب ہے''۔

میں کہتا ہوں جس نے ذکر الٰہی کی حلاوت پائی اور ذکر الٰہی سے اطمینان حاصل ہونے کی

کیفیت معلوم کرلی اور یہ بات جان لی کہ کس طرح دل سے حجاب دور ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ شخص ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا خدا تعالیٰ کو عیاناً دیکھ رہا ہے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ جب وہ شخص دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اہل وعیال اور مال واسباب میں دل لگاتا ہے تو ان کیفیات میں سے بہت کچھ بھول جاتا ہے اور ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اس چیز کو جو اس کو حاصل ہوئی تھی کم کر دیا ہے اور اس شخص کے اور اس چیز کے درمیان جس کو یہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا ایک پردہ پڑ جاتا ہے اور یہ خصلت دوزخ اور ہر برائی کی طرف انسان کو بلاتی ہے اور ان سب باتوں میں بڑا نقصان ہے اور جب ایسے نقصانات جمع ہو جاتے ہیں تو نجات کا کوئی طریقہ نہیں رہتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نقصانات کا پورا پورا علاج بتلایا ہے اس طرح پر کہ ہر وقت کے لئے اس وقت کے مناسب ایک ذکر مقرر فرمایا ہے تاکہ وہ غفلت کے زہر کو دور کرنے والا تریاق ہو پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اذکار کا فائدہ اور ان سے غافل رہنے کے نقصانات ظاہر فرما دیئے۔

واضح ہو کہ اس کی بھی ضرورت تھی کہ ذکر کے الفاظ کا انضباط کیا جائے تاکہ کوئی تصرف کرنے والا اپنی ناقص عقل سے اس میں تصرف کر کے خدا تعالیٰ کے اسما میں کجروی نہ کرے یا جو مقام جس ذکر کے مناسب ہے اس کو ادا نہ کرے اور اذکار کے باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسنون کیا ہے ان میں عمدہ اور بہتر دس اذکار ہیں جن میں سے ہر ایک میں وہ راز ہے جو دوسرے میں نہیں ہے اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر ان میں سے کئی کئی ذکر کے جمع کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ صرف ایک ذکر پر موقوف کرنا عامہ مکلفین کے حق میں اس ذکر کو صرف زبانی حرکت کر دینا ہے اور بعض اذکار سے بعض کی طرف انتقال کرنے سے نفس کو تنبیہ اور غافل کو بیداری حاصل ہوتی ہے۔

ازآں جملہ سبحان اللہ ہے اور اس کی حقیقت خدا تعالیٰ کو تمام ادناس (۱) اور عیوب اور نقائص سے پاک سمجھنا ہے اور ان میں سے ایک الحمد للہ ہے اور اس کی حقیقت خدا تعالیٰ کے لئے کمالات اور اوصاف کاملہ کا ثابت کرنا ہے پس جب یہ دونوں باتیں ایک کلمہ میں جمع ہو گئیں تو انسان کو اپنے پروردگار کی جو معرفت حاصل ہو سکتی ہے وہ کلمہ اس کا پورا پورا بیان ہے کیونکہ انسان خدا تعالیٰ کو بغیر اس

---

(۱) ج دنس۔ گندگی، میل۔

کے نہیں پہچان سکتا کہ ایک ذات ایسی ثابت کرے جو ان تمام نقائص سے پاک ہو جن کا ہم اپنے اندر مشاہدہ کرتے ہیں اور جس قدر کمالات کمال ہونے کی جہت سے ہم اپنے اندر دیکھتے ہیں وہ سب اس ذات کے لئے ثابت ہوں پس جب اس ذکر کی صورت صفحہ خیال میں جم جاتی ہے تو یہ معرفت پوری پوری ظاہر ہو جاتی ہے جس کا کامل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اور قرب الٰہی کا ایک بڑا دروازہ اس کے سبب سے کھل جاتا ہے اور اسی معنی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے ''سبحان اللہ نصف میزان ہے اور الحمد للہ اس کو پر کر دیتا ہے'' اسی لئے سبحان اللہ وبحمدہ کا کلمہ زبان پر آسان اور وزن میں بہت ہے اور خدا تعالیٰ کو پیارا ہے اور اس کے پڑھنے والے کے لئے ایک درخت بویا جاتا ہے جو شخص اس کو سو مرتبہ پڑھے اس کے حق میں وارد ہے کہ اس کے تمام گناہ دور ہو جاتے ہیں اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، اور قیامت کے روز کوئی شخص ان کلمات کے پڑھنے والے سے افضل نہ آئے گا مگر جو اس کلمہ کو اس قدر پڑھے یا اس سے بھی زیادہ کر لے اور یہ افضل الکلام ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لئے ممتاز کر لیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے ''سب سے پہلے جنت میں وہ لوگ بلائے جائیں گے جو مصیبت اور آرام کے وقت اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں'' اس میں یہ راز ہے کہ ان لوگوں کا عمل ثبوتی ہے قوی ثبوتیہ سے پیدا ہوا ہے اور جنت کی نعمتوں میں سے سب لوگوں سے زیادہ ان قوی والوں کا حصہ ہے اور یہ جو فرمایا کہ بہترین دعا الحمد للہ ہے، اس میں یہ راز ہے کہ دعا کی دو قسمیں ہیں جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے اور الحمد للہ میں دونوں قسمیں موجود ہیں کیونکہ شکر سے نعمت میں زیادتی ہوتی ہے اور وہ معرفت ثبوتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا راز کہ ''الحمد للہ شکر کی اصل ہے'' یہ ہے کہ شکر زبان، دل اور ہاتھ، پاؤں سے ادا ہوتا ہے اور زبان ان دونوں سے زیادہ شکر پر دلالت کرتی ہے۔

اور ان اذکار میں سے ایک ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور اس کے کئی بطون ہیں بطن اول شرک جلی کا دور کرنا ہے اور بطن دوم شرک خفی کا دور کرنا ہے اور بطن سوم ان حجابات کا دور کرنا ہے جو معرفت الٰہی تک پہنچنے سے روکتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے ''لا الٰہ الا اللہ کے لئے خدا سے ورے کوئی پردہ نہیں یہاں تک کہ تو اس کے پاس پہنچ جاتا ہے'' اور موسیٰ علیہ السلام اس کے بطون میں سے پہلے دو بطنوں کو جانتے تھے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس بات کو بعید سمجھا کہ آپ کے لئے جو ذکر خاص کیا گیا ہے وہ یہی ہے پس خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے اس کا حال ظاہر کر دیا اور آپ پر یہ بات روشن کر دی کہ یہ کلمہ خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے اختیار کرنے اور آنکھوں کے سامنے متمثل ہونے سے روکتا ہے اور یہ کہ اگر اس کے سوا تمام کلمات ایک پلہ میں رکھے جائیں اور یہ کلمہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو ان سب کو جھکا دے کیونکہ اس کے مقابلہ میں سب کلمے کم درجہ کے اور حقیر ہیں، اور تہلیل جس میں نفی اور اثبات کی کسی قدر تفصیل ہے یہ ہے: **لا الٰه الا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير**۔

اور اس کلمہ کو سو مرتبہ کہنے والے کی فضیلت میں یہ آیا ہے کہ اس کو دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے الخ، کیونکہ اس میں معرفت ثبوتیہ اور سلبیہ دونوں ہیں اور سلبیہ کو گناہوں کے مٹانے میں نہایت مناسبت ہے اور ثبوتیہ کو حسنات کے پائے جانے میں اور جزا کے متمثل ہونے میں بڑا دخل ہے۔

اور ان اذکار میں سے ایک اللہ اکبر ہے اور اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت اور اس کی سلطنت کا ملاحظہ ہے اور اس میں معرفت ثبوتیہ کی طرف اشارہ ہے اور اسی لئے اس کی فضیلت میں یہ وارد ہے کہ یہ کلمہ آسمان اور زمین کی فضا کو بھر دیتا ہے اور یہ چاروں کلمات سب کلاموں سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں اور جنت میں بولے جاتے ہیں اور حضرت جویریہؓ والی حدیث جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں نے تیرے بعد چار کلمے تین بار کہے ہیں ان کے مقابلہ میں جو کچھ تو نے آج تک کہا ہے اگر وزن کیا جائے تو یہی کلمات غالب رہیں اور وہ یہ کلمات ہیں: **سبحان الله وبحمده عدد خلقه ورضاء نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته**، اس میں یہ راز ہے کہ عمل کی صورت جب نامۂ اعمال میں ثابت ہوتی ہے تو جزا کے وقت اس صورت کا پھیلاؤ اور اس کی وسعت ان کلمات کے معنی کے موافق ہوتی ہے پس اگر اس میں ایسا کلمہ ہے جیسے **عدد خلقه** تو اس کا پھیلاؤ بھی اسی قدر ہے۔

واضح ہو کہ جس شخص کا زیادہ میلان اس طرف ہو کہ نفس معنی ذکر کی کیفیت سے رنگین ہو تو اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ کثرت سے ذکر کرے اور جس شخص کا زیادہ میلان اس طرف ہو

کہ عمل کی صورت نامہ اعمال میں محفوظ رہے اور اس کا ظہور جزا کے دن ہو تو اس کے حق میں ایسے ذکر کا اختیار کرنا زیادہ نافع ہے جو کیفیت میں سب اذکار پر فوقیت رکھتا ہو، اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ جب ان کلمات کا تین مرتبہ کہنا تمام اذکار سے افضل ہوا تو اذکار کی کثرت اور ان میں تمام اوقات کا لگانا بے فائدہ ہوا اس لئے کہ فضیلت ایک اعتبار سے ہے دوسرے اعتبار سے نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہؓ کو اقرب اعمال کی طرف رہنمائی کی تھی اور اس میں بڑی رغبت دلائی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کے اندر تہلیل کے ساتھ اللہ اکبر اور باقی کلمات ملانا جو مسنون فرمایا ہے اس میں یہ راز ہے کہ نفس کو ذکر پر تنبیہ ہوتی رہے اور محض زبانی حرکت نہ رہے اور ان اذکار میں سے ایسے امور کا سوال کرنا ہے جو اس کے بدن یا اس کے نفس کے لئے پیدائش کے اعتبار سے یا حصول اطمینان کے اعتبار سے نافع ہو، یا تدبیر منزل اور اس کے مال و جاہ کے اعتبار سے فائدہ بخشے، اور ان امور سے پناہ مانگنا ہے جو اس کے لئے ان اعتبارات سے مضر ہوں اور اس کے اندر راز اللہ تعالیٰ کی تاثیر کا عالم میں مشاہدہ کرنا اور بجز اللہ تعالیٰ کے سب کی قدرت اور طاقت کی نفی کرنا ہے۔

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں مقرر فرمائی ہیں ان میں سے یہ دعائیں زیادہ جامع ہیں: **اللھم اصلح لی دینی التی ھو عصمة امری، واصلح لی دنیای التی فیھا معاشی، واصلح لی اخرتی التی فیھا معادی، واجعل الحیاة زیادة لی فی کل خیر، واجعل الموت راحةً لی من کل شر، اللھم انی اسالک الھدی والتقی والعفاف والغنا، اللھم اھدنی وسددنی،**

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لفظ ہدی کے ساتھ **ھدایتک الطریق** اور لفظ سداد کے ساتھ **سداد السھم** ذکر کرو:

اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وعافنی وارزقنی اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الأخرة حسنة وقنا عذاب النار، رب اعنی ولا تعن علی وانصرنی ولا تنصر علیّ وامکرلی ولا تمکر علی واھدنی ویسر الھدی لی وانصرنی علی من بغی علی، رب اجعلنی لک شاکراً لک ذاکراً لک راھبا لک مطواعاً

لک مخبتا علیک اوّاها منیبا، رب تقبل توبتی واغسل حوبتی واجب دعوتی وثبت حجتی وسدد لسانی واهد قلبی واسلل سخیمة صدری، اللهم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی حبه عندک اللهم ما رزقتنی مما احب فاجعله قوة لی فیما تحب اللهم مازویت عنی مما احب فاجعله فراغاً لی فیما تحب اللهم اقسم لنا من خشیتک ما تحول به بیننا وبین معاصیک ومن طاعتک ما تبلغنا به جنتک ومن الیقین ماتهون به علینا مصیبات الدنیا ومتعنا باسماعنا وابصارنا وقوتنا ما احییتنا واجعله الوارث منا واجعل ثارنا علی من ظلمنا وانصرنا علی من عادانا ولا تجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر همنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا. اور پناہ مانگنے کے بارے میں جو دعائیں آپ نے مقرر فرمائی ہیں ان میں سے یہ دعائیں زیادہ جامع ہیں:

اعوذ بالله من جهد البلاء ودرک الشقاء وسوء القضاء وشماتة الاعداء، اللهم انی اعوذبک من الهم والحزن و العجز والکسل والجبن والبخل وضلع الدین وغلبة الرجال، اللهم انی اعوذ بک من الکسل والهرم والمغرم والماثم، اللهم انی اعوذبک من عذاب النار وفتنة النار وفتنة القبر وعذاب القبر ومن شر فتنة الغنی ومن شر فتنة الفقر ومن شر فتنة المسیح الدجال، اللهم اغسل خطایای بماء الثلج والبرد ونق قلبی کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وباعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب، اللهم ات نفسی تقواها وزکّها انت خیر من زکاها انت ولیها و مولاها، اللهم انی اعوذبک من علم لاینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوة لا یستجاب لها، اللهم انی اعوذبک من زوال نعمتک وتحول عافیتک وفجاة نقمتک وجمیع سخطک اللهم انی اعوذبک من الفقر والقلة والذلة واعوذبک من ان اظلم او اظلم.

ازآں جملہ خضوع اور فرمانبرداری کا بیان کرتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے

''میرے منہ نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا'' الخ۔

واضح ہو کہ وہ دعائیں جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ دعائیں ہیں جن سے مقصود یہ ہے کہ قوی فکریہ جلال الٰہی اور اس کی عظمت کے ملاحظہ سے پر ہو جائیں یا خضوع اور فرمانبرداری کی حالت حاصل ہو کیونکہ زبان سے اس چیز کو جو اس حالت کے مناسب ہے زبان سے بیان کرنے میں نفس کو متوجہ کرنے کے لئے بڑا اثر ہے، اور دوسری قسم کی وہ دعائیں ہیں جن میں دنیا و آخرت کی بھلائی کی طرف رغبت مقصود ہوتی ہے اور ان کی برائی سے پناہ مانگی جاتی ہے کیونکہ نفس کا ارادہ اور بہت کوشش سے اس کا کسی چیز کو طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے جود کے دروازہ کو کھڑکھڑاتا ہے جس طرح دلیل کے مقدمات نتیجہ کے فیضان کا سبب ہوتے ہیں اور نیز اس کے دل کو تکلیف دینے والی حاجت اس کو مناجات کی طرف متوجہ کر دیتی ہے اور اللہ پاک کی عظمت کو اس کے روبرو پیش کر دیتی ہے اور ایسے وقت میں آدمی کی ہمت خدا تعالیٰ کی طرف مائل ہو جاتی ہے پس یہ حالت نیک آدمی کے لئے بہت غنیمت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دعا عبادت ہی ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ اصل عبادت تعظیم کی صفت کے ساتھ حضور کے اندر مستغرق ہو جانا ہے اور دعا اپنی دونوں قسموں کے ساتھ اس کا کامل نصاب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بہترین عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ نزول رحمت کے طلب کرنے میں رغبت کے ساتھ امید کرنا جس قدر موثر ہے اس قدر عبادت کرنا بھی مؤثر نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرماتا ہے یا اس کے برابر مصیبت کی برائی اس سے روک لیتا ہے''۔

میں کہتا ہوں اشیا کے لئے عالم مثال سے زمین پر ظاہر ہونے کا ایک تو طبعی طریق ہے اگر کوئی خارجی مانع نہ ہو، اور ایک غیر طبعی طریق ہے اگر اسباب میں مزاحمت پائی جائے پس غیر طبعی کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی مصیبت کے دفع کرنے کی طرف یا اس کی وحشت کے دور کرنے کی طرف اور اس کے دل میں خوشی القا کرنے کی طرف یا اس حادثہ کو اس کی جان سے ٹال کر اس کے

مال کی طرف مائل کرنے کے لئے رحمت الٰہی متوجہ ہوتی ہے اور اسی قسم کی اور صورتیں بھی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یہ نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھ کو بخش دے اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر اور اگر تو چاہے تو مجھ کو رزق دے بلکہ کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کا دباؤ نہیں ہے“۔

میں کہتا ہوں دعا کی روح اور اس کا بھید نفس کا کسی چیز میں رغبت کرنا ہے جس کے ساتھ تشبہ بالملائکہ اور جبروت پر اطلاع یابی کی صفت پائی جاتی ہو اور شک کے ساتھ طلب کرنا ارادہ کے اندر پراگندگی پیدا کرتا ہے اور بہیمیت کو سست کرتا ہے اور مصلحت کلیہ کے ساتھ موافقت حاصل ہوتی ہے کیونکہ کوئی سبب مصلحت کلیہ کی رعایت کرنے سے خدا تعالیٰ کو نہیں روکتا چنانچہ نبی نے فرمایا ہے ”وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بجز دعا کے کوئی چیز قضا الٰہی کو نہیں ٹالتی“۔

میں کہتا ہوں قضا سے مراد یہاں وہ صورت ہے جو عالم مثال میں پیدا کی جاتی ہے اور جو عالم کون میں اس حادثہ کے پیدا ہونے کا سبب ہوتی ہے اور وہ صورت تمام مخلوق کی طرح محو واثبات کو قبول کرتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”دعا اس چیز سے جو نازل ہوئی اور اس چیز سے جو نازل نہیں ہوئی نفع دیتی ہے“۔

میں کہتا ہوں دعا جب اس حادثہ کا علاج کرتی ہے جو نازل نہیں ہوا ہے تو وہ مضمحل ہو جاتا ہے اور کسی چیز کو زمین پر اس حادثہ کے موجود ہونے کا سبب نہیں ہونے دیتی اور اگر دعا نازل شدہ بلا کے علاج میں واقع ہوتی ہے تو وہاں رحمت الٰہی اس کے رنج کی تخفیف کی صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کی وحشت دفع کرنے کے لئے نازل ہو جاتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص یہ چاہتا ہے کہ خدا سختی کے وقت اس کی دعا قبول کیا کرے تو اس کو لازم ہے کہ آرام کی حالت میں بھی دعا مانگا کرے“۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا اس شخص کی قبول ہوتی ہے جس کی رغبت قوی اور ارادہ مصمم ہوتا ہے اور اس مصیبت کے نازل ہونے سے پیشتر اس کو دعا کی عادت بھی ہو اور ہاتھوں کا اٹھانا اور منہ پر ہاتھ پھیرنا اس رغبت کی صورت اور ہیئت نفسانیہ اور اس کے مناسب ہیئت بدنیہ میں

مطابقت اور نفس کو اس حالت پر متنبہ کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس شخص کے لئے دعا کا دروازہ کھولا گیا اس کے لئے رحمت کے سب دروازے کھولے گئے“۔

میں کہتا ہوں جو شخص دلی رغبت سے دعا کرنے کی کیفیت جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کس صورت میں قبولیت ظاہر ہوتی ہے اور وہ صفت حضور کا عادی بھی ہے تو اس کے لئے دنیا میں رحمت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور ہر مصیبت میں اس کی مدد کی جاتی ہے اور جب وہ مر جاتا ہے اور اس کے گناہ اس کو گھیر لیتے ہیں اور ہیئت دنیوی کا پردہ اس کو ڈھانکتا ہے تو وہ شخص جس طرح عادی تھا اسی طرح رغبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے پس اس کی دعا مقبول ہو جاتی ہے اور گناہوں میں سے ایسا صاف اور پاک نکل جاتا ہے جس طرح آٹے میں سے بال نکل جاتا ہے۔

واضح ہو کہ دعاؤں میں سے زیادہ قریب بقبولیت وہ دعا ہوتی ہے جو ایسی حالت میں پائی جائے جس میں نزول رحمت کا موقع ہوتا ہے یا تو اس لئے کہ اس حالت میں نفس انسانی کو کمال کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ نمازوں کے بعد دعا کرنا یا افطار کے وقت روزہ دار کا دعا کرنا یا اس لئے کہ وہ حالت اللہ تعالیٰ کی بخشش کے طلب نزول کا سبب ہوتی ہے جیسا کہ عرفہ کے دن دعا مانگنا، یا اس لئے کہ وہ حالت نظام عالم میں عنایت الٰہی کی موافقت کا سبب ہوتی ہے جیسا کہ مظلوم کا دعا مانگنا کیونکہ خدا تعالیٰ کو ظالم سے بدلہ لینے کی طرف نہایت توجہ ہوتی ہے اور یہ دعا مانگنا اس سے اس توجہ کی موافقت کرنا ہے اور مظلوم کے باب میں آیا ہے کہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا، یا وہ حالت اس سے راحت دنیا کے انقلاب کا سبب ہوتی ہے پس اس وقت اس کے حق میں رحمت الٰہی دوسری صورت میں ہو کر متوجہ ہوتی ہے جیسا کہ بیمار یا مصیبت زدہ کا دعا کرنا، یا وہ حالت دعا کے اخلاص کا سبب ہوتی ہے جیسا کہ غائب کا اپنے بھائی کے لئے دعا کرنا یا والد کا بیٹے لئے دعا کرنا، یا وہ دعا ایسے وقت میں ہو جس میں روحانیت کا انتشار ہوتا ہے اور رحمت الٰہی کا قرب ہوتا ہے جیسا کہ شب قدر یا وہ ساعت مروجہ جو جمعہ کے دن ہوتی ہے، یا دعا مانگنا ایسے مکان میں ہو جہاں فرشتے حاضر ہوتے ہیں جیسا کہ مکہ کے مقامات، یا ان مقامات میں جانے سے نفس کو حضور وخضوع کی حالت پر تنبہ ہوتا ہو جیسا کہ انبیا علیہم السلام کے نشانات، اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا راز بھی معلوم ہو جاتا ہے ”بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے

جب تک گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے بشرطیکہ جلدی نہ کرے"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر نبی کی ایک دعا مستجاب ہوتی ہے سو ہر نبی نے اپنی دعا میں جلدی کی اور میں نے اپنی دعا روز قیامت میں امت کی شفاعت کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہے پس یہ دعا انشاء اللہ میری امت میں سے اس شخص کو پہنچے گی جو اس حالت میں مرگیا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہوگا"۔

میں کہتا ہوں انبیا علیہم السلام کے لئے بہت سی مقبول دعائیں ہوتی ہیں اور اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں بہت مقامات میں مستجاب ہوئی ہیں لیکن ہر نبی کے لئے ایک خاص دعا ہوتی ہے جو اس رحمت کا اثر ہوتی ہے جو اس کی نبوت کا مبداء ہے۔ پھر وہ لوگ ایمان لاتے ہیں تو وہ دعا ان کے حق میں برکات ہو جاتی ہے اور اس نبی کے دل میں ان کے لئے دعا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اور اگر وہ لوگ اس کی اطاعت سے اعراض کرتے ہیں تو وہ دعا ان کے حق میں عذاب بن جاتی ہے اور نبی کے دل میں ان پر بددعا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ آپ کی بعثت سے عظیم مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کے شفیع ہوں اور روز محشر میں رحمت خاصہ کے نزول کا واسطہ ہو جائیں اس واسطے آپ نے اس بڑی دعا کو جو آپ کی اصل نبوت سے پیدا ہوئی ہے اس دن کے لئے پوشیدہ رکھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ میں نے تجھ سے ایک عہد لے رکھا ہے" الخ،

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت پر جو رحم و کرم ہے اس کا مقتضی یہ ہوا کہ آپ پہلے سے خدا تعالیٰ سے ایک عہد کرلیں اور حظیرۃ القدس میں آپ کی ہمت متمثل ہو جائے جس سے اس کے احکام برابر سرزد ہوتے رہیں اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کی امت کے بارے میں آپ کی اس ہمت کا اعتبار کرے جو باطنی اور پوشیدہ ہے نہ کہ اس ارادہ کا جو ظاہر ہے اور یہ اس لئے کہ قول یا فعل کے ساتھ مسلمانوں کی تعزیر فرمانے میں آپ کا مقصد ان کے درمیان اس دین کا قائم کرنا تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے اور آپ کا یہ مقصود تھا کہ وہ راستی پر آجائیں اور ان سے کجی دور ہو جائے اور جن لوگوں پر کفر کا حکم ہوا ان پر سختی کرنے سے آپ کا مقصود اس غضب الٰہی کے ساتھ موافقت کرنا تھا جو ان لوگوں سے متعلق ہے پس دونوں طریقے مختلف ہیں

اگر چہ صورت ایک ہے، اور ان میں سے ایک توکل ہے اور اس کی روح خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے اس اعتقاد سے کہ اعتماد اسی پر ہے اور اسی کی طرف سے تدبیر کو دیکھنا ہے اور سب لوگوں کو اس کی تدبیر میں مقہور سمجھنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مشہد(۱) ہے "وہی خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر محافظین کو بھیجتا ہے اور اس امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اذکار مسنون فرمائے ہیں۔

ازآں جملہ یہ قول ہے "**لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**" اور اس کی فضیلت میں آیا ہے کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلمات نفس کو معرفت جلیلہ کے قابل بنا دیتے ہیں۔

ازآں جملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "**بک اصول وبک احول**" اور جواذ کار اس اسلوب پر وارد ہیں، اور ایک آپ کا یہ قول "**توکلت علی اللہ**" اور آپ کا یہ قول "**اعلم ان اللہ علی کل شیٔ قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیٔ علما**" اور اس کے امثال،

اور ان میں سے ایک استغفار ہے اور اس کی روح یہ ہے کہ اپنے ان گناہوں کا ملاحظہ کرے جو نفس کو گھیرے ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی خیال کرے اور نفس سے مدد روحانی اور فیض ملکی کے ذریعہ ان کا دور کرنا ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں۔

ازآں جملہ اللہ کی رحمت کا کسی ایسے عمل سے اس کو شامل ہو جانا جو عالم بالا کی دعاؤں کو اس کی طرف متوجہ کرے یا اس عمل میں تدبیر الٰہی کی کوئی شاخ ہو جس سے جمہور کو نفع ہوتا ہے یا کسی محتاج کی حاجت روائی ہوتی ہے یا اس قسم کی کوئی اور بات ہوتی ہے اور ازآں جملہ فرشتوں کے ساتھ ان کی ہیئات میں اور ملکی انوار کے روشن ہونے میں اور بہیمیت کے اجزا کے ضعیف ہو جانے اور اس کے ہیجان کے ٹوٹ جانے کے سبب سے بہیمیت کی برائیوں کے فرو ہونے میں مشابہت پیدا کرنا ہے۔

اور ازآں جملہ جبروت تک پہنچنا اور خدا تعالیٰ کی معرفت اور اس کا یقین کرنا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا" پس جب بندہ اس اعانت

---

(۱) صوفیہ کی اصطلاح میں مشہد اس کو کہتے ہیں جو آیت کے معانی میں تامل اور فکر کرنے سے فائض ہو۔

روحانی کو اپنے نفس سے گناہ دور ہونے میں استعمال کرتا ہے تو وہ گناہ اس سے دور ہو جاتے ہیں۔

استغفار کے سب اذکار میں سب سے زیادہ جامع یہ ہیں: **اللھم اغفرلی خطیئتی وجھلی واسرافی فی امری وما انت اعلم به منی، اللھم اغفرلی جدی وھزلی و خطئی وعمدی وکل ذالک عندی، اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت الموخر وانت علی کل شئ قدیر**، اور سید الاستغفار یہ ہے: **اللھم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک مااستطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء بذنبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت**۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے دل پر بھی ابر سا آجاتا ہے اور میں خدا سے دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں''۔

میں کہتا ہوں اس ابر کی حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ اپنے نفس کو عامۃ المومنین کے ساتھ اس ہیئت میں رکھیں جو ملکیت اور بہیمیت سے مرکب ہے تاکہ جو امور لوگوں کے لئے مقرر فرمائیں ان میں لوگوں کی رہنمائی ذوق اور وجدان کے طور پر کریں نہ کہ صرف قیاس وتخمین کے طور پر، اور اس ہیئت پر رہنے میں ابر اور کدورت کا عارض ہونا لازم ہے، واللہ اعلم۔

از آں جملہ اللہ تعالیٰ کے نام سے تبرک حاصل کرنا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر عالم میں ایک قرب ہے اور عالم حروف میں اس کا قرب اسماء الٰہیہ ہیں جو اہل لسان کی زبانوں پر جاری اور ملاء اعلیٰ میں مروج ہیں پس جب بندہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو رحمت الٰہی کو قریب پاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو یاد کرلے گا جنت میں داخل ہوگا''۔

میں کہتا ہوں اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسماء اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کی معرفت کے لئے کافی مقدار ہیں اور ان کے لئے حظیرۃ القدس میں عزت اور برکت ہے اور ان اسما کی صورت جب صحیفہ عمل مندرج ہو جاتی ہے تو اس صورت کی وسعت ضرور رحمت عظیمہ ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم جس کے ساتھ مانگا جائے تو ملتا ہے اور جس کے ساتھ دعا

کی جائے تو قبول ہوتی ہے وہ اسم ہے جو تقربات باری تعالیٰ میں سے نہایت جامع تقرب پر دلالت کرتا ہے اور جس نام کو ملاء اعلیٰ میں کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے اور جو ہر زمانہ میں اہل لسان کی زبانوں پر جاری ہے اور ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ زید شاعر اور کاتب ہے اس میں اس کی ایک صورت شاعر ہونے کی ہے اور ایک کاتب ہونے کی ہے اور اسی طرح حق تعالیٰ کے لئے عالم مثال کے ہر مقام میں تقربات ہوتے ہیں اور یہ معنی اس پر صادق آتے ہیں: **انت اللہ لا الٰہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد** ، اور اس پر صادق آتے ہیں: **لک الحمد لا الٰہ الا انت الحنان المنان بدیع السمٰوات والارض یاذالجلال والاکرام یا حی یا قیوم**، اور اسی قسم کے دیگر اسما پر یہ معنی صادق آتے ہیں۔

ازآں جملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے خدا تعالیٰ اس پر دس بار رحمت کرتا ہے'' اور آپ نے فرمایا '' قیامت کے دن سب سے زیادہ نزدیک میرے وہ شخص ہوگا جو کثرت سے مجھ پر درود بھیجتا ہے''۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ نفوس بشریہ کے لئے ضروری ہے کہ حالات الٰہی کی طرف متوجہ ہوں اور متوجہ ہونے میں اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے کہ تقربات کے انوار اور اللہ تعالیٰ کے شعائر جو زمین پر پائے جاتے ہیں ان کی طرف توجہ کی جائے اور ان کے سامنے ہاتھ پھیلائے جائیں اور ان میں غور کیا جائے اور ان پر وقوف کیا جائے بالخصوص ان مقربین کی ارواح کی طرف جو ملاء اعلیٰ میں بزرگ ترین ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی بخشش جو زمین والوں پر ہوتی ہے اس کا وسیلہ ہیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعظیم سے ذکر کرنا اور آپ کے حق میں خدا تعالیٰ سے خیر طلب کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہونے کا ایک عمدہ سبب ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس سے تحریف کا دروازہ بند ہوتا ہے، کیونکہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف رحمت خداوندی کی طلب کے قصد سے آپ کا ذکر کیا ہے اور کاملین کی روحیں جب اپنے جسموں سے جدا ہوتی ہیں تو ان کی حالت رکی ہوئی موج کی طرح ہو جاتی ہے کہ ان کو نیا ارادہ یا کوئی عارضی سبب حرکت نہیں دے سکتا لیکن وہ نفوس جو ان سے کم درجہ کے ہوتے ہیں قصد کر کے ان کے ساتھ مل جاتے ہیں اور نور اور ہیئت جو ان کے مناسب ہوتی ہے ان ارواح سے حاصل

کر لیتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں یہی مراد ہے ''جو شخص مجھ پر سلام کرتا ہے تو خدا تعالیٰ میری روح کو مجھ پر اعادہ کرتا ہے حتی کہ میں اس کو سلام کا جواب دیتا ہوں'' ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ منورہ کا مجاور (۱) تھا تو بیشمار مرتبہ میں نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری قبر کی زیارت کو عید نہ بناؤ''۔

میں کہتا ہوں اس میں تحریف کا راستہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے جیسے یہود و نصاری نے اپنے انبیا کی قبروں کے ساتھ کیا اور ان کی زیارت کو حج کی طرح عید اور موسم مقرر کر لیا تھا۔

واضح ہو کہ اذکار کے اوقات معین کرنے کی ضرورت ہے اگر چہ ان کی تعیین شرائع کی توقیت سے کم درجہ کی ہے کیونکہ اگر اذکار کی توقیت نہ کی جائے تو سست لوگ کاہلی کر سکتے ہیں اور یہ پابندی اوقات سے یا اسباب سے ہوتی ہے اور ہم نے صراحتاً یا اشارۃً اس بات کا ذکر کر دیا ہے کہ بعض اوقات کو خاص کرنے کی وجہ یا تو ان اوقات میں روحانیت کا ظہور ہے جیسے صبح و شام کے اوقات یا نفس کا ہیئت رذیلہ سے خالی ہونا ہے جیسے خواب سے بیدار ہونے کا وقت یا وہ وقت کاروبار اور دنیا کے قصوں سے فارغ ہونے کا وقت ہے تا کہ اس وقت میں ذکر کرنا بہ منزلہ صیقل کے ہو جائے جیسے سونے کا ارادہ کرتے وقت، اور سببیت کے لئے مخصص وہ شئے ہو سکتی ہے جو ذکر الٰہی سے بھلانے اور جناب باری کی طرف توجہ سے نفس کو غافل کرنے کا سبب ہو پس ایسے وقت میں ذکر الٰہی سے علاج کرنا ضروری ہے تا کہ اس غفلت کے زہر کے لئے تریاق اور اس کے نقصان کا تدارک کرنے والا ہو، یا وہ مخصص کوئی عبادت ہوتی ہے جس کا پورا نفع اور کامل فائدہ بغیر ذکر ملائے نہیں ہوتا جیسے وہ اذکار جو نمازوں کے بعد مسنون ہیں، یا وہ مخصص کوئی ایسی حالت ہوتی ہے جو نفس کو خوف الٰہی اور اس کے عظیم الشان غلبہ کے ملاحظہ کرنے پر متنبہ کرتی ہے، کیونکہ یہ حالت اس کو اعمال حسنہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے خواہ اس کو علم ہو یا نہ ہو جیسے آیات الٰہی مثلاً آندھی اور تاریکی اور کسوف کے وقت کا اذکار، یا وہ ایسی حالت ہوتی ہے جس میں نقصان پہنچنے کا خوف ہوتا ہے پس اس حالت کے شروع میں خدا تعالیٰ کے فضل کا طلب کرنا اور اس کی پناہ مانگنا ضروری ہے جیسے سفر کرتے اور سوار ہوتے وقت، یا وہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ اس میں اہل جاہلیت ایسے اعتقادات رکھتے تھے جو

---

(۱) جب مدینۃ الرسول میں مقیم و معتکف تھے۔

اشراک باللہ یا بدشگونی یا اس کے مثل ہوتا تھا جیسے وہ جنون سے پناہ مانگتے تھے اور رویت ہلال کا وقت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض اذکار کے فضائل اور دنیا و آخرت میں ان کے آثار بیان کئے ہیں تاکہ لوگوں کو پورا فائدہ پہنچے اور ان میں کامل ترغیب پیدا ہو اور اس باب میں عمدہ چند امور ہیں۔

ازآں جملہ ذکر کا تہذیب نفس کے لئے مظنہ اور اس کی علامت ہونا ہے پس جو امر تہذیب پر مرتب ہوتا ہے آپ نے اس کو ذکر پر دائر کیا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول جس نے ان کلمات کو کہا اور پھر وہ مر گیا تو فطرت اسلامی پر مرے گا، یا یہ فرمایا کہ جنت میں داخل ہوگا یا یہ فرمایا کہ اس کے گناہ بخشے جائیں گے اور اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں۔

اور ازآں جملہ اس بات کا بیان کہ اس ذکر کرنے والے کو کوئی شئے ضرر نہیں پہنچاتی یا وہ ہر برائی سے محفوظ رہتا ہے اور اس کا یہ سبب ہوتا ہے کہ رحمت الٰہی اس شخص کے شامل حال ہو جاتی ہے اور فرشتوں کی دعائیں اس کا احاطہ کر لیتی ہیں۔

اور ازآں جملہ اس بات کا بیان کہ اس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے اور رحمت الٰہی کے محیط ہونے سے گناہ زائل ہو جاتے ہیں اور قوت ملکی زیادہ ہو جاتی ہے اور ازاں جملہ شیاطین کا اس شخص سے دور ہو جانا ہے اس کا سر بھی بعینہٖ وہی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اوقات میں ذکر مسنون فرمایا ہے۔ صبح اور شام اور خواب کے وقت، اور اکثر اذکار میں جاگنے کا وقت مقرر نہیں فرمایا کیونکہ غالبًا وہی وقت صبح کے طلوع ہونے یا اس کے روشن ہونے کا ہوتا ہے پس صبح اور شام کے اذکار میں سے بعض اذکار یہ ہیں: اللھم عالم الغیب و الشھادة فاطر السموٰات و الارض رب کل شئ و ملیکہ اشھد ان لا الٰہ الا انت اعوذبک من شر نفسی و من شر الشیطان و شرکہ امسینا و امسی الملک للہ و الحمدللہ و لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر، اللھم انی اسالک من خیر ھذہ اللیلة وخیر ما فیھا واعوذ بک من شرھا وشر ما فیھا، اللھم انی اعوذبک من الکسل والھرم وسوء الکبر وفتنة الدنیا وعذاب القبر،

اور صبح کے وظیفہ میں بجائے امسینا کے اصبحنا اور بجائے امسی کے اصبح اور بجائے ھذہ اللیلۃ کے ھذا الیوم بدل دینا چاہئے، بک اصبحنا وبک امسینا وبک نحیا وبک نموت والیک المصیر، اور شام کے وقت اس کی بجائے بک امسینا وبک اصبحنا وبک نحیا وبک نموت والیک النشور پڑھنا چاہئے، باسم الله الذی لا یضر مع اسمه شئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم تین مرتبہ پڑھے، سبحان الله وبحمده ولا قوة الا بالله ما شاء الله کان ومالم یشاء لم یکن اعلم ان الله علی کل شئ قدیر وان الله قد احاط بکل شئ علما، فسبحان الله حین تمسون وحین تصبحون وله الحمد فی السمٰوت والارض وعشیا وحین تظھرون تخرجون تک پڑھے، اور اللھم انی اسألک العافیة فی الدنیا والاٰخرة، اللھم انی اسالک العفو والعافیة فی دینی و دنیاوی واھلی ومالی، اللھم استر عوراتی وامن روعاتی، اللھم احفظنی من بین یدی ومن خلفی وعن یمینی وعن شمالی ومن فوقی واعوذ بعظمتک ان اغتال من تحتی، رضیت باللّٰه ربًا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی الله علیه وسلم نبیًا تین مرتبہ، اعوذ بکلمات الله التامات من شر ماخلق، اللھم ما اصبح بی من نعمة او باحد من خلقک فمنک وحدک لاشریک لک فلک الحمد ولک الشکر، اور سید الاستغفار جو مذکور ہو چکا ہے پڑھے اور جب آدمی سونے کے لئے اپنے بستر پر جائے تو اس وقت کے وظائف میں سے یہ ہے۔ باسمک ربی وضعت جنبی وبک ارفعه ان امسکت نفسی فارحمھا وان ارسلتھا فاحفظھا بما تحفظ به عبادک الصالحین، اور اللھم اسلمت نفسی الیک و وجھت وجھی الیک وفوضت امری الیک والجات ظھری الیک رغبة ورھبة الیک لاملجا ولا منجا منک الا الیک اٰمنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا وکفانا واٰوانا فکم ممن لا کافی له ولا مؤوی له، اور سبحان الله اور الحمدلله ہر ایک تینتیس بار اور الله اکبر چونتیس بار اور اللھم قنی عذابک یوم تبعث عبادک

تین بار، اعوذ بوجهک الکریم وکلماتک التامات من شر ما انت أخذ بناصیته، اللهم انت تکشف المغرم والماثم، اللهم لایهزم جندک ولا یخلف وعدک ولا ینفع ذا الجد منک الجد سبحانک وبحمدک اللهم رب السمٰوات والارض ورب کل شیٔ فالق الحب والنوی منزل التوراۃ والانجیل والقرأن اعوذبک من شر کل ذی شر انت أخذ بناصیته انت الاول فلیس قبلک شیٔ وانت الأخر فلیس بعدک شیٔ وانت الظاهر فلیس فوقک شیٔ وانت الباطن فلیس دونک شیٔ اقض عنی الدین واعذنی من الفقر باسم الله وضعت جنبی، اللهم اغفرلی ذنبی واخسا شیطانی وفک رهانی واجعلنی فی الندی الاعلٰی، الحمد لله الذی کفانی واٰوانی واطعمنی و سقانی والذی من علی فافضل والذی اعطانی فاجزل الحمد لله علی کل حال، اللهم رب کل شیٔ وملیکه واله کل شیٔ اعوذ بک من النار، پھر دونوں ہاتھ ملائے اور سورہ قل هو الله احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر ان میں دم کرے اور دونوں ہاتھوں کو اپنے جسم پر جہاں تک ہوسکے پھیرے اور آیت الکرسی پڑھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے جو کسی عورت سے نکاح کرے یا کوئی خادم خریدے یہ پڑھنا مسنون فرمایا ہے: اللهم انی اسالک خیرها وخیر ما جبلتها علیه واعوذبک من شرها وشر ما جبلتها علیه.

اور جب کسی کو نکاح کی مبارک بادی دے تو یہ کہے: بارک الله لک وبارک علیکما وجمع بینکما فی خیر ، اور جب بیوی کے پاس آنے کا ارادہ کرے تو یہ کہے: بسم الله اللهم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا، اور جو بیت الخلا میں جائے تو یہ کہے: اعوذ بالله من الخبث والخبائث اور جب باہر آئے تو غفرانک کہے، اور جب کسی کو کوئی تکلیف ہو جائے تو یہ کہے: لا اله الا الله الحلیم العظیم لا اله الا الله رب العرش العظیم لا اله الله رب العالمین السموات ورب الارض ورب العرش الکریم اور غصہ کے وقت یہ کہے: اعوذ بالله من الشیطان الرجیم اور مرغ کی آواز سنتے وقت فضل الٰہی

کا سوال کرے، اور گدھے کی آواز سنے تو اعوذ باللہ پڑھے اور جب سوار ہو تو تین بار تکبیر کہہ کر یہ پڑھے سبحان الذی سخرلنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الیٰ ربنا لمنقلبون، تین بار الحمد للہ کہے اللہ اکبر تین بار کہے اور یہ پڑھے، سبحانک اللھم ظلمت نفسی فاغفرلی انہ لایغفر الذنوب الا انت، اور جب سفر کو جائے تو یہ کہے: اللھم انا نسالک فی سفرنا ھذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی، اللھم ھوّن علینا سفرنا ھذا واطولنا بعدہ، اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل، اللھم انی اعوذبک من وعثاء السفر وکابۃ المنقلب وسوء المنظر فی المال والاھل اور جب کسی منزل پر ٹھیرے تو یہ کہے، اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق یا ارض ربی وربک اللہ اعوذ باللہ من شرک ومن شر مافیک و من شر ما خلق فیک ومن شر مایدب علیک واعوذ باللہ من اسد واسود ومن الحیۃ والعقرب ومن شر ساکن البلد ومن والد و ماولد، اور جب سفر کی حالت میں صبح ہو تو یہ کہے: سمع سامع بحمد اللہ وحسن بلائہ علینا ربنا صاحبنا وافضل علینا عائذا باللہ من النار اور جب سفر سے واپس آئے تو ہر بلندی پر تین تکبیریں کہے اس کے بعد کہے: لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر، ائبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ اور جب کافروں پر بددعا کرے تو یہ کہے: اللھم منزل الکتاب سریع الحساب، اللھم اھزم الاحزاب اللھم احزمھم وزلزلھم، اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم اللھم انت عضدی ونصیری بک اصول وبک احول وبک اقاتل، اور جب کسی قوم کا مہمان ہو تو یہ کہے: اللھم بارک لھم فیما رزقتھم واغفرلھم وارحمھم، اور جب چاند دیکھے تو یہ کہے: اللھم اھلہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ والاسلام ربی وربک اللہ، اور جب کسی مصیبت زدہ کو دیکھے تو یہ کہے: الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا۔

اور جب کسی بڑے بازار میں جائے تو یہ کہے: لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ

الملک وله الحمد يحيي ويميت وهو حي لايموت بيده الخير وهو على كل شئ قدير ، اور جب کسی ایسی مجلس سے اٹھے جس میں شوروغل زیادہ ہو تو یہ کہے: سبحانک اللهم وبحمدک اشهد ان لا اله الا انت استغفرک واتوب اليک ، اور جب کسی کو رخصت کرے تو یہ کہے: استودع الله دينک وامانتک وآخر عملک وزودک الله التقوى وغفر ذنبک ويسر لک الخير حيثما كنت، اللهم اطوله البعد وهون عليه السفر ، اور جب گھر سے نکلے تو یہ کہے: بسم الله توکلت على الله اللهم انا نعوذبک من ان نزل او نضل او نظلم او يجهل علينا باسم الله توكلت على الله لاحول ولا قوة الا بالله۔ اور جب گھر میں جائے تو یہ کہے اللهم انی اسالک خير المولج وخير المخرج باسم الله ولجنا وباسم الله خرجنا وعلى الله ربنا توکلنا ، اور جب کسی پر قرض کا بوجھ ہو اور افکار لاحق ہو تو صبح و شام یہ پڑھے۔ اللهم انی اعوذبک من الهم والحزن واعوذبک من العجز والكسل واعوذبک من البخل والجبن واعوذبک من غلبة الدين وقهر الرجال ، اور یہ پڑھے اللهم اكفني بحلالک عن حرامک واغنني بفضلک عمن سواک اور جب نیا کپڑا پہنے تو یہ کہے: اللهم لک الحمد انت كسوتني هذا ، اور اس کپڑے کا نام لے، اسالک خيره وخير ما صنع له واعوذبک من شره وشر ما صنع له الحمد لله الذي كساني ما اواري به عورتي واتجمل به في حياتي اور جب کوئی چیز کھائے یا پیئے تو کہے' الحمد لله الذى اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمين، الحمد لله الذى اطعمني هذا الطعام من غير حول مني ولاقوة الحمد لله الذى اطعم وسقي وسوّغه وجعل له مخرجا ، اور جب دسترخوان سے ہاتھ اٹھائے تو یہ کہے، الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركا فيه غير مكفي ولا مودع ولا مستغني عنه ربنا ، اور جب مسجد کی طرف چلے تو کہے: اللهم اجعل في قلبي نوراً الخ ، اور جب مسجد میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو کہے: اعوذ بالله العظيم وبوجه الكريم وسلطانه القديم من الشيطان الرجيم، اللهم افتح لی ابواب رحمتک ، اور جب مسجد سے نکلے تو کہے: اللهم انی اسالک من

فضلک، اور جب بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک سنے تو کہے **اللھم لاتقتلنا بغضبک ولا تھلکنا بعذابک وعافنا قبل ذالک، اللھم انی اعوذبک من شرھا** اور جب سخت ہوا چلے تو کہے۔ **اللھم انی اسالک خیرھا وخیر ما فیھا وخیر ما ارسلت بہ واعوذبک من شرھا وشر مافیھا وشر ما ارسلت بہ**، اور جب چھینک آئے تو کہے، **الحمد لله حمداً کثیراً طیباً مبارکا**، اور اس کے پاس والا کہے: **یرحمک اللہ** اور چھینکنے والے کے جواب میں کہے **یھدیکم اللہ ویصلح بالکم** اور جب سوئے تو کہے: **اللھم باسمک اموت واحیی**، اور جب بیدار ہو تو کہے: **الحمدللہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور**۔

اور اذان کے وقت پانچ چیزیں مسنون ہیں: ایک یہ کہ جو کچھ مؤذن کہے اس کے جواب میں وہی خود کہے مگر **حی علی الصلوٰۃ** اور **حی علی الفلاح** کے بجائے **لاحول ولاقوۃ الا باللہ** کہے، دوسرے یہ کہ **رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا** کہے، تیسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، چوتھے یہ کہ یہ دعا پڑھے: **اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ ات محمداالوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاماً محمودا الذی وعدتہ انک لاتخلف المعیاد**، پانچویں خدا تعالیٰ سے دنیا وآخرت کی فلاح مانگے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشرہ ذی الحجہ میں کثرت سے ذکر الٰہی کرنے کا حکم فرمایا اور صحابہ اور تابعین ائمہ مجتہدین سے عرفہ کے دن اور ایام تشریق میں مختلف طور تکبیر ثابت ہوئی ہے جن میں سے سب سے بہتر یہ تکبیر ہے کہ عرفہ کے دن فجر سے لیکر امام تشریق کے آخر دن کی عصر تک ہر نماز کے بعد ایک بار یہ کہے: **اللہ اکبر اللہ اکبر لاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد** اور نماز وغیرہ کی دعائیں پہلے مذکور ہو چکی ہیں ان کو وہاں دیکھنا چاہئے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو ان اذکار کا پابند کرے اور ان اوقات میں ان پر مداومت رکھے اور ان میں تدبر کرے تو اس شخص کے حق میں یہ اذکار ہر وقت ذکر کرنے کے برابر ہیں اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہو جاتا ہے ”**والذاکرین اللہ کثیراً والذاکرات**“ واللہ اعلم۔

بقیہ مباحث احسان کا بیان

واضح ہو کہ ان چار اخلاق کے چند اسباب ہیں جن سے یہ اخلاق حاصل ہوتے ہیں اور کچھ موانع ہیں جو ان اخلاق سے روکتے ہیں اور علامات بھی ہیں جن سے ان اخلاق کا تحقق معلوم ہوتا ہے، پس خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا اور اس کی کبریائی کی طرف متوجہ ہونا اور عالم بالا کے رنگ سے رنگین ہونا اور رذائل بشریہ سے پاک ہونا اور دنیاوی زندگی کے نقوش سے نفس کے اندر منقش نہ ہونا اور دنیاوی زندگی پر مطمئن نہ ہونا ان سب امور کے پیدا کرنے میں فکر کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’ایک گھڑی فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے اور فکر کرنے کی چند قسمیں ہیں۔

ازآں جملہ ذات الٰہی میں فکر کرنا اور انبیا علیہم السلام نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ عوام اس فکر کی طاقت نہیں رکھتے اور اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ’’اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرو، اس کی ذات میں فکر مت کرو‘‘ اور یہ بھی مروی ہے ’’ہر شئے میں فکر کرو لیکن خدا کی ذات میں فکر نہ کرو‘‘ اور ازآں جملہ اللہ تعالیٰ کی صفات مثلاً علم اور قدرت اور رحمت اور احاطہ میں فکر کرنا ہے اور اہل سلوک اس فکر کرنے کو مراقبہ کہتے ہیں اور اس میں اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ’’احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے پس اگر یہ نہیں ہو سکتا تو یہ خیال کر کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے‘‘ اور آپ کا یہ قول ہے ’’خدا تعالیٰ کو یاد رکھ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا‘‘ اور اس فکر کرنے کا طریقہ اس شخص کے لئے جو طاقت رکھتا ہے یہ ہے کہ یہ آیت پڑھے: **وهو معكم اينما كنتم** (جہاں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے) یا یہ آیت پڑھے: **وما**

تکون فی شان وماتتلو منه من قرآن ولا تعملون من عمل الا کنا علیکم شهوداً اذ تفیضون فیه وما یعزب عن ربک من مثقال ذرة فی الارض ولا فی السماء ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین (اور تو کسی حال میں نہیں ہوتا اور نہ قرآن میں سے کچھ تلاوت کرتا ہے اور نہ تم لوگ کوئی عمل کرتے ہو مگر ہم تمہارے اوپر موجود ہوتے ہیں جب تم اس کام میں گھستے ہو اور تیرے رب سے ذرہ برابر زمین میں اور نہ آسمان میں چھپا ہوا نہیں ہے اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا مگر ظاہر کرنے والی کتاب میں موجود ہے) اور یا یہ آیت پڑھے: الم تر ان الله یعلم ما فی السمٰوات وما فی الارض ما یکون من نجوی ثلاثة الا هو رابعهم ولا خمسة الا هو سادسهم ولا ادنی من ذالک ولا اکثر الا هو معهم اینما کانوا، (بلاشبہ خدا تعالیٰ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے جانتا ہے کہیں تین شخصوں کا مشورہ نہیں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کا مشورہ ہوتا ہے مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں وہ ہو) یا یہ آیت پڑھے: ونحن اقرب الیه من حبل الورید، (اور رگ گردن سے زیادہ ہم اس سے قریب ہیں) یا یہ آیت پڑھے: وعنده مفاتیح الغیب لا یعلمها الا هو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقة الا یعلمها ولا حبة فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین، (اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے اس کو اس کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا جس کو وہ نہ جانتا ہو اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہرا اور سوکھا ایسا نہیں ہے جو ظاہر کرنے والی کتاب میں موجود نہ ہو) یا یہ آیت پڑھے: والله بکل شیٔ محیط (اور خدا ہر چیز کو گھیر رہا ہے) یا یہ آیت پڑھے: وهو القاهر فوق عباده، (اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر) یا یہ آیت پڑھے: وهو علی کل شیٔ قدیر، (اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو پڑھے "اس بات کو جان لے کہ تمام دنیا اگر اس بات پر متفق ہو کہ تجھ کو کچھ نفع دیں تو کچھ نفع نہ دے سکیں گے مگر اسی قدر جو تیرے لئے خدا نے لکھ رکھا ہے اور اگر تمام لوگ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کچھ ضرر پہنچائیں تو تجھ کو کچھ ضرر نہ دے سکیں گے مگر اسی قدر جو تیرے لئے خدا تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے، قلم

اٹھا لئے گئے اور کاغذ خشک ہو گئے’’ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو پڑھے ‘‘خدا تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے اس نے زمین پر ایک نازل فرمائی ہے’’ الحدیث۔ پھر ان آیات کے معانی کا بغیر تشبیہ و جہت کے تصور کرے بلکہ ان اوصاف کے ساتھ خدا تعالیٰ کے صرف متصف ہونے کو خیال میں رکھے پس جب ان کے تصور کرنے سے تھک جائے تو آیت کا اعادہ کرے اور اس کا تصور بھی کرے اور اس امر کے لئے ایک ایسا وقت مقرر کرے جس میں نہ پیشاب کی حاجت ہو نہ پائخانہ کی حاجت ہو اور نہ بھوک ہو نہ غصہ ہو اور نہ نیند ہو، حاصل کلام یہ ہے کہ دل تشویش سے فارغ ہو۔

اور از آں جملہ خدا تعالیٰ کے افعال عظیم میں فکر کرنا ہے اور اس کی اصل یہ آیت ہے ‘‘جو لوگ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں فکر کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار تو نے اس کو بیکار نہیں پیدا کیا’’ اور اس کی صورت یہ ہے کہ بارش برسانے اور نباتات کے اگانے اور اسی قسم کی چیزوں کا تصور کرے اور احسان الٰہی میں مستغرق ہو جائے۔

اور از آں جملہ ایام اللہ میں تفکر کرتا ہے اور وہ کسی قوم کے بلند ہونے کو اور کسی قوم کے پست ہونے کو یاد کرنا ہے اور اس بارے میں اصل اللہ تعالیٰ کی یہ آیت ہے کہ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا ‘‘پس ان کو خدا تعالیٰ کے دن یاد دلا’’ کیونکہ یہ تفکر نفس کو دنیا سے مجرد کر دیتا ہے۔

اور از آں جملہ موت اور اس کے بعد کے حالات میں تفکر کرنا ہے اور اس بارے میں اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ‘‘لذتوں کے منقطع کرنے والی شئے کو یاد کرو’’ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس بات کا تصور کرے کہ اس کا نفس دنیا سے الگ ہو گیا اور نیکی و بدی جو اس نے کی ہے اور ان کی جزا و سزا جو اس کو ملنے والی ہے اس کے روبرو ہے، اور تفکر کی یہ دونوں قسمیں نفس کے نقوش دنیا قبول نہ کرنے میں سب سے زیادہ نافع ہیں کیونکہ جب انسان اشغال دنیا سے فراغت پا کر ان اشیا میں خوب فکر کرتا ہے اور ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کی بہیمیت مغلوب اور اس کی ملکیت غالب ہو جاتی ہے اور چونکہ عوام کے لئے سب اشغال سے فارغ ہو کر ان امور میں فکر کرنا اور ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاضر کرنا آسان نہ تھا اس واسطے ضروری ہوا کہ اس ذکر اور

فکر کے واسطے اشباہ وصور مقرر کیے جائیں اور ان میں فکر کے اقسام مرتب کیے جائیں اور ان میں فکر کی روح ڈالی جائے تا کہ عام لوگ بھی اس کا قصد کر سکیں اور ان کو سن سکیں اور اپنی تقدیر کے موافق اس سے فائدہ حاصل کر سکیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قرآن دیا گیا ہے جو ان تمام اقسام کو جامع ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل یعنی حدیث بھی عطا کی گئی، اور میرے خیال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان دونوں قرآن وحدیث میں وہ سب کچھ جمع کر دیا گیا جو امم سابقہ میں تھا، واللہ اعلم۔

پھر حکمت کا یہ مقتضی ہوا کہ تلاوت قرآن کی ترغیب دلائی جائے اور اس کی فضیلت اور اس کی سور وآیات کی فضیلت بیان کی جائے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سے جو معنوی فائدہ حاصل ہونے والا ہے اس کو ایک ایسے محسوس فائدہ کے ساتھ تشبیہ دی جو عرب کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز تھا اور وہ بڑی کوہان والی اونٹنی اور فربہ اور حاملہ اونٹنی ہے تا کہ اس معنوی فائدہ کی تمثیل اور تصویر پائی جائے اور آپ نے تلاوت کرنے والے کو فرشتوں کے ساتھ تشبیہ دی اور قرآن کے ہر حرف کا اجر بیان کیا اور لوگوں کے درجات ترنج اور خرما اور اندرائن کے پھل اور ریحان کے ساتھ تشبیہ دیکر بیان کیے اور بیان فرمایا کہ قرآن کی سورتیں قیامت کے روز اجسام میں متشکل ہو کر نظر آئیں گی اور ہاتھوں سے محسوس ہو سکیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے حجت کریں گی اور اس میں عذاب اور نجات کے اسباب کا تعارض اور تلاوت قرآن کا دوسرے اسباب پر رجحان ظاہر کرنا ہے اور آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ بعض سورتوں کو بعض پر فضیلت ہے۔

میں کہتا ہوں یہ فضیلت چند وجوہ سے ہوتی ہے۔ از آں جملہ یہ ہے کہ اس سورت سے صفات الٰہی میں تفکر کرنا حاصل ہوتا ہے اور اس میں صفات جمع ہوتی ہیں مثلاً آیت الکرسی اور سورۂ حشر کے اخیر کے آیات اور قل ہو اللہ احد، کیونکہ اس کا جملہ اسما میں اسم اعظم کا سا درجہ ہے۔

اور از آں جملہ اس کا نزول بندوں کی زبانوں کے موافق ہونا ہے تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ رب کی طرف تقرب حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے جیسے سورۂ فاتحہ اور اس کا درجہ اور سورتوں میں ایسا ہے جیسے فرائض کا تمام عبادات میں ہے اور از آں جملہ یہ ہے کہ وہ سورت تمام سورتوں میں جامع ہو جیسے سورۂ بقرہ اور آل عمران، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ یٰسین کے بارے میں فرمایا

''وہ قرآن کا دل ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ دل سے درمیان میں ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور سورۂ یٰسین ان سورتوں سے جو دو سو آیات یا ان سے زیادہ کی ہیں، کم ہے اور سور مفصلات سے زیادہ ہے اور اس میں توکل اور تفویض اور توحید کی آیات ہیں جو انطاکیہ کے نومسلم کی زبان سے سرزد ہوئیں یعنی اس آیت میں ''اور مجھے کیا ہوا ہے جو اپنے پیدا کرنے والے کی پرستش نہ کروں'' الآیات۔ اور اس میں مقاصد مذکورہ پورے اور کامل طور پر موجود ہیں، اور 'تبارک الذی' کی فضیلت کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اس نے ایک شخص کی شفاعت کی حتی کہ خدا تعالیٰ نے اس کو بخش دیا اور اس شخص کے قصہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض مکاشفات میں دیکھا تھا، اور نیز حکمت شرعی کا یہ مقتضی کہ قرآن کے یاد کرنے کی طرف اور اس میں مشغول رہنے کی طرف رغبت دلائی جائے اور اس کے بھول جانے کی مثال اونٹ کے فرار ہونے کے ساتھ دی جائے اور نیز قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے اور دلجمعی اور جمع خاطر اور زیادہ شوق کے ساتھ تلاوت کرنے کی رغبت دلائی جائے، تاکہ اچھی طرح تدبر ہو اور خوش الحانی سے پڑھا جائے اور پڑھتے وقت گریہ وزاری کی جائے تاکہ وہ مراد جو تفکر کرنا ہے حاصل ہو اور اس کا بھلا دینا حرام کر دیا جائے اور تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنے کی ممانعت کی جائے کیونکہ اس وقت میں وہ قرآن کے معنی نہ سمجھ سکے گا اور لغات عرب میں قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ ان پر سہولت ہو کیونکہ امت میں ان پڑھ اور بوڑھے اور بچے ہوتے ہیں اور وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے علاوہ عطا فرمائی ہے از آں جملہ یہ ہے ''اے میرے بندو! ظلم کو میں نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور تمہارے اندر بھی اس کو حرام کیا ہے اس لئے تم باہم ظلم نہ کرو، اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے مگر جس کو میں ہدایت دوں' الحدیث ''بنی اسرائیل میں سے ایک ایسا شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کا خون کیا تھا'' الحدیث، خدا تعالیٰ کو اپنے بندہ کی توبہ سے نہایت خوشی ہوتی۔ الحدیث، میرا بندہ جب گناہ کرتا ہے۔ الحدیث، خدا کی رحمت کے سو حصے ہیں ان میں سے ایک زمین کی طرف اتارا، الحدیث، جب بندہ اسلام لائے اور اپنے اسلام کو بہتر بنائے، الحدیث، اور وہ احادیث جن میں دنیا کو اس پانی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو دریا میں سے انگلی کو لگ جاتا ہے اور اس بھیڑ کے بچہ کے ساتھ جو کان کٹا اور مرا پڑا تھا تشبیہ دی ہے۔

واضح ہو کہ نیت روح ہے اور عبادت جسم ہے اور بغیر روح کے جسم کی زندگی نہیں ہوتی اور مفارقت بدن کے بعد بھی روح کو ایک قسم کی حیات رہتی ہے البتہ بغیر بدن کے اس کی حیات کے آثار پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ان کے گوشت اور ان کے خون اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں پہنچیں گے لیکن تمہاری پرہیزگاری اس کے پاس پہنچتی ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''البتہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہوتے ہیں'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواضع میں اس شخص کو جس کی نیت صادق اور کسی مانع کی وجہ سے عمل نہ کر سکا اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس نے یہ عمل کیا ہے جیسے مسافر اور مریض جو اپنے دائمی وظیفہ پر قدرت نہیں رکھتے تو وہ اعمال ان کے لئے لکھے جاتے ہیں اور جیسے وہ شخص جو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی صادق نیت رکھتا ہو لیکن بسبب افلاس کے وہ خرچ نہیں کر سکتا تو اس کے لئے خرچ کرنے والے کے برابر اجر لکھا جاتا ہے اور نیت سے مراد وہ معنی ہیں جو عمل پر برانگیختہ کرتے ہیں یعنی اطاعت کرنے والے کے ثواب اور نافرمان کے عذاب کی تصدیق کرنا جس کی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی معرفت خبر دی ہے یا اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانے سے خوش ہونا، اسی لئے شارع کو ریا اور دکھلاوے سے منع کرنا اور ان کی برائیوں کا صاف طور سے بیان کرنا ضروری ہوا اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کے روز سب سے پہلے جن سے حساب لیا جائے گا وہ تین شخص ہوں گے، ایک وہ شخص جو جہاد میں اس لئے لڑ کر مر گیا کہ اس کو لوگ جوانمرد کہیں، دوسرا وہ شخص جس نے اس لئے علم پڑھا پڑھایا کہ اس کو عالم کہیں، تیسرا وہ شخص جس نے ہر امر خیر میں اس لئے خرچ کیا کہ اس کو لوگ سخی کہیں، پس حکم ہوگا کہ ان کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے، (۱) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ''میں شرکا کے شرک سے بری ہوں جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے سوا کسی اور کو بھی شریک کیا میں نے اس کے عمل کو بھی اور اس کے شریک کو بھی چھوڑ دیا'' لیکن وہ حدیث جو ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کوئی نیک کام کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، آپ نے فرمایا ''مومن کی

---

(۱) اللہ ریاکاری سے محفوظ رکھے۔

خوشیوں میں سے جو اس کو پیش آئیں گی یہ پہلی خوشی ہے'' سو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص خالص اللہ تعالیٰ کے لئے وہ عمل کرتا ہے پس اس کی قبولیت زمین کی طرف نازل ہوتی ہے اس واسطے اس سے لوگ بھی محبت کرتے ہیں، اور وہ حدیث جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ''میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنے گھر میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس اثنا ایک شخص میرے پاس آیا پس اس نے جو مجھ کو اس حالت میں دیکھا تو مجھ کو اپنی یہ حالت تو اچھی معلوم ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے، تیرے لئے دو اجر ہیں، ایک اجر پوشیدہ کرنے کا اور دوسرا ظاہر کرنے کا، تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اعجاب نفسانی مغلوب ہونا چاہئے اور صرف وہ عمل کا باعث نہ ہو اور اجر سر سے اخلاص کا اجر مراد ہے جو پوشیدگی میں پایا جاتا ہے اور ظاہر کرنے کا اجر دین الٰہی کے بلند کرنے اور سنت راشدہ کی اشاعت کرنے سے ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں''۔

میں کہتا ہوں چونکہ سماحت اور عدالت میں ایک قسم کا تعارض ہے جس پر ہم متنبہ کر چکے ہیں اور انبیا علیہم السلام کی بنا دونوں مصلحتوں کی رعایت کرنے پر اور نظام دارین کے قائم کرنے پر اور حتی الامکان مصالح کے جمع کرنے پر ہے، اس واسطے ضروری ہوا کہ شرائع میں سماحت کے لئے خاص وہی صورتیں معین کی جائیں جن کے ساتھ عدالت بھی ہو اور جن سے اس کی تائید اور اس پر تنبیہ بھی ہو اس واسطے حسن اخلاق کا حکم دیا گیا اور وہ امور سماحت اور امور عدالت کے ایک مجموعہ کا نام ہے کیونکہ حسن اخلاق، جود اور ظلم کرنے والے سے عفو اور تواضع اور ترک حسد و کینہ و غضب کو شامل ہے اور یہ سب باتیں سماحت کے قبیل سے ہیں اور لوگوں سے محبت اور صلہ رحمی اور لوگوں کے ساتھ حسن صحبت سے پیش آنے اور محتاجوں کی مدد کرنے کو بھی شامل ہے اور یہ سب باتیں عدالت کے قبیل سے ہیں اور پہلی قسم دوسری قسم پر موقوف ہے اور دوسری قسم پہلی قسم کے بغیر ناتمام ہے اور یہ ان رحمتوں میں سے ہے جن کا شرائع الٰہیہ میں اعتبار کیا گیا ہے اور چونکہ انسان کے تمام اعضا میں زبان خیر و شر کی طرف زیادہ پیش قدمی کرنے والی ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اور لوگوں کو کوئی چیز نتھنوں کے بل اوندھا نہ کرے گی مگر جو ان کی زبانوں نے کاٹا ہے'' اور نیز زبان کی آفات اخبات اور سماعت اور عدالت سب میں خلل انداز ہوتے ہیں کیونکہ کثرت سے

کلام کرنا ذکر اللہ سے غافل کرتا ہے اور غیبت اور فحش باتیں اور ان کے مثل باہم فساد ڈالتی ہیں اور زبان سے جو کلام نکلتا ہے دل پر اس کا رنگ چڑھ جاتا ہے پس جب کوئی غصہ کا کلمہ کہتا ہے تو دل کے اندر ایک جوش پیدا ہو جاتا ہے، وعلیٰ ہذا القیاس۔

اور دل کا رنگین ہونا عالم مثال میں متشکل ہونے کا سبب ہوتا ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ شرع میں بہ نسبت اور اعضا کی آفات کے زبان کی آفات سے زیادہ بحث کی جائے اور آفات لسانی کے بہت سے اقسام ہیں از آں جملہ یہ ہے کہ ہر امر میں خوض کرے پس اس کے سبب سے ان چیزوں کی صورتیں آدمی کی حس مشترک میں جمع ہو جاتی ہیں اور جب خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو نہ حلاوت ذکر پاتا ہے اور نہ اذکار میں تدبر کر سکتا ہے اسی وجہ سے لایعنی باتوں سے شریعت نے ممانعت کی ہے اور از آں جملہ یہ ہے کہ وہ لوگوں میں فتنہ پیدا کرتی ہے جیسے غیبت اور لڑائی جھگڑا اور لوگوں کو بہکانا، اور از آں جملہ یہ ہے کہ وہ کلام ایسا ہو جس سے قوت سبعیہ یا قوت شہوت کے اثر سے نفس متاثر ہوتا ہے جیسے گالیاں بکنا اور عورتوں کی خوبصورتیوں کا ذکر کرنا، اور از آں جملہ یہ ہے کہ وہ کلام خدا کے جلال اور کبریائی کے فراموش کرنے کا باعث ہوتا ہے جیسے بادشاہ کو شہنشاہ کہنا اور از آں جملہ یہ ہے کہ وہ کلام مصالح دینی کے خلاف پڑتا ہے بایں طور کہ دین میں جس چیز کے ترک کرنے کا حکم ہے اس کلام سے اس کی ترغیب لازم آتی ہے جیسے شراب کی تعریف کرنا اور انگور کا نام کرم رکھنا یا کتاب اللہ کو عجمی بنانا لازم آتا ہے جیسے مغرب کا نام عشا رکھنا اور عشا کو عتمہ کہنا، اور از آں جملہ یہ ہے کہ وہ کلام مثلاً بیہودہ ہے جیسے افعال شنیعہ جو شیاطین کی طرف منسوب ہوتے ہیں جیسے فحش باتیں اور جماع اور اعضا مستورہ کا صاف صاف الفاظ میں ذکر کرنا اور جیسے اس لفظ کا ذکر کرنا جس سے بدفالی لی جاتی ہے جیسے یہ کہنا کہ گھر میں کامیابی نہیں ہے اور برکت نہیں ہے پھر اس چیزوں کا بیان کرنا بھی ضروری ہے جہاں سماحت بکثرت پائی جاتی ہے اور اخلاق معتبرہ عندالشرائع اور غیر معتبرہ میں تمیز کرنا بھی ضروری ہے، پس از آں جملہ زہد ہے کیونکہ بسا اوقات نفس کو کھانے اور لباس اور عورت کی حرص کی طرف بڑی رغبت ہوتی ہے حتیٰ کہ اس سے ایک فاسد رنگ پیدا ہو جاتا ہے جو نفس کے جوہر میں اثر کرتا جاتا ہے پس جب انسان اس کو اپنے نفس سے دور کر دیتا ہے تو وہ دنیا میں زہد کہلاتا ہے اور خاص ان چیزوں کا ترک مقصود بالذات نہیں

ہے بلکہ ان کے ترک سے اس خصلت کا حاصل کرنا مطلوب ہے اور اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”دنیا کا زہد نہ حلال کے حرام کر لینے سے ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے سے بلکہ دنیا کا زہد یہ ہے کہ جو چیز تیرے قبضہ میں ہے اس پر اس چیز سے زیادہ تجھ کو اعتماد نہ ہو جو خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور جب تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس مصیبت کے ثواب کی رغبت میں اس مصیبت کا باقی رہنا تجھ کو پسند ہو“ اور آپ نے فرمایا ”ابن آدم کا سوائے ان تین چیزوں کے اور میں حق نہیں ہے، ایک گھر جس میں سکونت کرے اور کپڑا جس سے تن ڈھانک سکے اور کسی قدر روٹی اور پانی“ اور آپ نے فرمایا ”ابن آدم کو چند لقمے جن سے پشت کو سیدھا کر سکے کافی ہیں“۔

اور آپ نے فرمایا دو شخصوں کا کھانا تین کو اور تین کا کھانا چار کو کافی ہے“ یعنی وہ کھانا جس سے دو آدمی خوب اچھی طرح شکم سیر ہو سکتے ہیں جب اس کو تین آدمی کھائیں گے تو اوسط درجہ میں ان کو کافی ہو جائے گا اس سے آپ کا مقصد حاجت براری کی ترغیب اور شکم پری کی حرص کو مکروہ سمجھنا ہے، اور از آں جملہ قناعت ہے اور وہ یہ ہے کہ بسا اوقات انسان کے نفس پر مال کی حرص غالب ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے جوہر میں داخل ہو جاتی ہے پس جب اس حرص کو اپنے دل سے دور کر دیتا ہے اور اس کا ترک اس پر آسان ہو جاتا ہے تو اس کو قناعت کہتے ہیں اور قناعت اس کو نہیں کہتے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے بے رغبتی سے اس کو ترک کر دے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”غنی“ کثرت مال و اسباب سے نہیں ہوتا بلکہ غنی دل کا غنی ہوتا ہے“ اور فرمایا ”اے حکیم یہ مال سبز اور شیریں ہے پس جو اس کو نفس کی سخاوت کے ساتھ لیتا ہے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور جو حرص کے ساتھ اس کو لیتا ہے تو اس میں اس کے لئے برکت نہیں ہوتی اور وہ اس شخص کے مثل ہو جاتا ہے جو کھائے چلا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب تیرے پاس اس مال میں سے کچھ آئے اور تو نہ اس کا حریص ہے اور نہ سائل تو تو اس کو لیکر آسودہ ہو ورنہ اپنے نفس کو اس کے پیچھے نہ لگا“۔

اور از آں جملہ اس کا بیان یہ ہے کہ مال کی محبت اور اس کے جمع کرنے کی محبت بسا اوقات دل پر غالب آ کر اس کا احاطہ کر لیتی ہے اور جب آدمی اس کے خرچ کرنے پر قادر رہتا ہے اور کچھ پرواہ نہیں کرتا تو اس کو جود کہتے ہیں اور جود مال کا ضائع کر دینا نہیں ہے اور نہ مال خود کوئی مبغوض

چیز ہے بلکہ یہ ایک بڑی نعمت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بخل سے بچتے رہو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا اسی نے ان کو لوگوں کے قتل کرنے اور محارم کے حلال کرنے پر آمادہ کیا تھا'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دو شخصوں کے سوا کوئی حسد کے قابل نہیں'' الحدیث، اور کسی نے آپ سے دریافت کیا کیا خیر سے شر پیدا ہوتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا البتہ خیر سے شر پیدا نہیں ہوتا اور ربیع میں بعض چیزیں ایسی پیدا ہوتی ہیں جو تخمہ پیدا کر کے ہلاک کر دیتی ہیں یا ہلاکت کے قریب کر دیتی ہیں'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص کے پاس زائد سواری ہو تو جس کے پاس سواری نہیں ہے اس کو وہ سواری دے دے اور جس کے پاس زائد کھانا ہو تو جس کے پاس کھانا نہیں ہے اس کو دے دے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی بہت سے اقسام ذکر کئے یہاں تک کہ ہم کو یہ گمان ہوا کہ زائد چیز میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے اور اس امر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر رغبت اس لئے دلائی کہ لوگ جہاد میں مصروف تھے اور مسلمان ضرورتمند تھے اور اس میں سماحت اور نظام ملت کا قیام اور مسلمانوں کی جان کا باقی رکھنا بھی پایا جاتا ہے، اور از آں جملہ آرزو کا کوتاہ کرنا ہے اس لئے کہ انسان پر زندگی کی محبت اس قدر غالب ہوتی ہے کہ وہ موت کے نام لینے کو بھی مکروہ سمجھتا ہے اور اس قدر زندہ رہنے کی امید رکھتا ہے کہ اس حد تک وہ زندہ نہیں رہ سکتا پس اگر ایسی حالت میں وہ مر جاتا ہے تو جس چیز کا اس کو اشتیاق تھا اس کے حاصل نہ ہونے سے اس کو تکلیف ہوتی رہتی ہے اور زندگی فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ بڑی نعمت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دنیا میں اس طرح رہ گویا تو مسافر یا راہ چلنے والا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع خط کھینچا اور پھر اس کے وسط میں ایک خط کھینچا جو اس کے باہر تک تھا اور پھر اس بیچ والے خط کے ساتھ ملے ہوئے چھوٹے چھوٹے خط کھینچے مگر اسی مقدار کے ساتھ جتنا وہ مربع کے اندر اندر تھا پھر آپ نے فرمایا کہ یہ بیچ کا خط انسان ہے اور یہ مربع اس کی اجل ہے جو اس کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ جو باہر کو نکلا ہوا ہے یہ اس کی امید ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط دنیا کے عوارضات ہیں پس اگر ایک خطا کر گیا تو دوسرا اس کو کاٹتا ہے اور اگر اس سے بچ گیا تو کوئی اور اس کو ڈستا ہے''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طول آرزو کی بیماری کا علاج موت کے ذکر اور زیارت قبور اور

ساتھیوں کی موت سے عبرت حاصل کرنے کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اس کی دعا کرے کیونکہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور از آں جملہ تواضع ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ نفس کو تکبر اور خود پسندی کے دواعی کے تابع نہ کرے جس سے آدمی لوگوں کو حقیر جانے کیونکہ یہ چیز اس کے نفس کو فاسد کرتی ہے اور لوگوں پر ظلم کرنے اور ان کو ذلیل سمجھنے پر برانگیختہ کرتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کے دل میں ذرہ کے برابر تکبر ہے وہ جنت میں نہ جائے گا، ایک شخص نے عرض کیا کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور اس کے پاس اچھا جوتا ہو تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے، تکبر حق کے نہ ماننے اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے کا نام ہے'' اور آپ نے فرمایا ''کیا میں تم کو اہل دوزخ کی خبر نہ دوں وہ سب لوگ جھگڑالو اور متکبر ہیں'' اور آپ نے فرمایا ''ایک شخص حلہ پہنے ہوئے خود پسندی کے ساتھ اتراتا ہوا جارہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اس کو دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا'' اور از اں جملہ حلم اور سہولت اور نرم دلی ہے اور ان کا حاصل یہ ہے کہ وہ غصہ کے اسباب کی پیروی نہ کرے یہاں تک کہ ان میں فکر نہ کرلے اور مصلحت نہ دیکھ لے، اور تمام حالات میں غضب کی صفت مذموم نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ ہر نیکی سے محروم رہا'' اور ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھ کو کچھ وصیت کیجئے آپ نے اس سے فرمایا غصہ مت کر، اس نے کئی بار یہی عرض کیا ہر بار آپ نے یہی جواب دیا کہ تو غصہ نہ کر'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا میں تم کو وہ لوگ نہ بتلاؤں جو آتش دوزخ پر حرام ہیں وہ قریب بردبار، نرم مزاج اور سہولیت والا ہے'' اور آپ نے فرمایا ''زور آور وہ شخص نہیں ہے جو کشتی مارتا ہے زور آور تو وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے''۔

اور از اں جملہ صبر ہے اور وہ آرام اور پریشانی اور خواہش نفسانی اور تکبر اور اظہار راز اور قطع محبت وغیرہ کے اسباب کا تابع نہ ہونا ہے اور ان اسباب کے اعتبار سے اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''صابر لوگوں کو ان کا ثواب بے حساب دیا جائے گا'' اور نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ''کسی شخص کو کوئی عطا زیادہ افضل اور زیادہ کشادہ صبر سے زیادہ نہیں دیا گیا'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عدالت کی علامات کے ساتھ حکم دیا ہے اور اس کے ابواب میں شئے عظیم الشان باب پر تنبیہ کی ہے اور خلق خدا پر مہربانی کرنے کی خوبیاں بیان فرمائیں اور لوگوں کو اس کی ترغیب دلائی اور اس کے اقسام یعنی گھر والوں کا الفت سے رہنا اور اہل محلہ کے ساتھ برتاؤ اور شہر والوں کی معاشرت اور بزرگان دین کی توقیر اور ہر ایک کے مرتبہ کا لحاظ رکھنا بیان فرمایا اور اس کے متعلق بطور نمونہ ہم ہر بات کے لئے کچھ احادیث نقل کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز تاریکیاں بن جائے گا'' خدا تعالیٰ نے تمہارے خون اور مال تم پر اس طرح حرام کر دیئے جس طرح آج کے دن کی حرمت اس شہر میں ہے'' ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں'' خدا کی قسم تم میں سے جو کوئی شخص کسی چیز کو بغیر حق کے لے گا تو قیامت کے روز اس کو اٹھائے ہوئے خدا تعالیٰ کے سامنے آئے گا پس ایسا نہ ہو کہ میں کسی کو اس حال میں دیکھوں کہ وہ خدا تعالیٰ کے پاس اونٹ اٹھائے ہوئے آئے اور وہ بلبلاتا ہو یا گائے کو اپنے اوپر سوار کئے ہوئے آئے کہ وہ ڈکراتی ہو، یا بکری کو سوار کئے ہو کہ وہ ممیاتی ہو'' اور آپ نے فرمایا ''جو شخص بالشت بھر زمین ظلم سے لے گا ساتوں زمین طوق بنا کر اس کی گردن میں ڈالی جائے گی'' (اور اس کی حکمت ہم زکوۃ کے باب میں بیان کر چکے ہیں) اور مومن مومن کے لئے بنیاد کی طرح ہے کہ اس کے اجزا ایک دوسرے کے لئے مضبوطی کا باعث ہوتے ہیں'' ''مومنین کی مثال آپس کی محبت اور ہمدردی اور مہربانی میں ایسی ہے جیسے بدن جب اس میں سے کوئی عضو مریض ہو جاتا ہے تو تمام بدن کو بے خوابی اور بخار لاحق ہو جاتا ہے'' جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا'' ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر زیادتی کرے نہ اس کو ہلاکت میں ڈالے'' جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں ہوتا ہے'' ''جس شخص نے مسلمان کی کوئی مصیبت دور کی خدا تعالیٰ روز قیامت کی مصائب میں سے اس کی کوئی مصیبت اس کے سبب سے دور فرمائے گا اور کسی کی پردہ پوشی کرے خدا تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا، سفارش کیا کرو ماجور ہو گے اور خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے نبی کی زبان پر جاری کرتا ہے'' اور آپ نے فرمایا ''دو شخصوں میں تو جو انصاف کرے تو یہ صدقہ ہے اور کسی

کو سواری میں مدد دی کہ اس کو سوار کرادے یا اس کے اسباب کو اٹھا کر رکھ دے تو یہ صدقہ ہے اور اچھی بات کہنا صدقہ ہے“ اور ضعیف مہاجرین کے بارے میں آپ نے فرمایا ”اگر تو نے ان کو ناخوش کیا تو تو نے خدا کو ناخوش کیا اور آپ نے فرمایا ”یتیم کا بوجھ اٹھانے والا اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے اور یہ فرما کر انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے آپ نے اشارہ کیا یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں پاس پاس ہیں“ اپاہج اور مسکین کا کام کرنے والا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے“ جو شخص ان لڑکیوں کی طرف سے کچھ مشقت میں مبتلا ہو اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ اس کے لئے آگ کی روک ہو جائے گی، عورتوں کے بارے میں میری وصیت قبول کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی اور پسلی میں زیادہ ترکجی اوپر کے حصہ میں ہے پس اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہے گا تو اس کو توڑ دیگا“۔

اور بیوی کے حق میں آپ نے فرمایا ”تو کھانا کھائے تو اس کو بھی کھلا اور تو کپڑے پہنے تو اس کو بھی پہنا اور منہ پر مت مار اور اس کی صورت بگڑنے کی دعا مت کر اور بجز خواب گاہ کے اس سے علیحدہ مت ہو“ جب خاوند اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ اس کے پاس نہ آئے اور خاوند اس پر غصہ کی حالت میں سو رہے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں“ خاوند کی موجودگی میں کسی عورت کو روزہ رکھنا درست نہیں ہے جب تک وہ اجازت نہ دے اور خاوند کی بغیر اجازت کسی کو اس کے گھر میں نہ آنے دے اور اگر میں کسی کو کسی لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے“ جو عورت مر جائے اور اس کا خاوند اس سے خوش ہو جنت میں داخل ہوگی“ ایک وہ دینار ہے جس کو تو نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور ایک وہ دینا ہے جو کسی جان کے چھڑانے میں تو نے خرچ کیا اور ایک وہ دینار ہے جو کسی مسکین پر تو نے خرچ کیا اور ایک وہ دینار ہے جو تو نے اپنی بیوی پر خرچ کیا ان سب کے اندر ثواب میں زیادہ وہ دینار ہے جو تو نے اپنی بیوی پر خرچ کیا“ جو شخص طلب ثواب کی غرض سے اپنی بیوی کو نفقہ دے تو وہ اس شخص کے لئے صدقہ ہے، پڑوسی کے بارے میں جبرئیل علیہ السلام مجھ کو ہمیشہ وصیت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ مجھ کو یہ گمان ہوا کہ وہ عنقریب اس کو وارث بنا دیں گے“ اے ابوذر جب تو شوربا پکائے تو اس کا پانی بڑھا دیا کر اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھ“ جو شخص خدا تعالیٰ اور قیامت کے دن

پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے'' خدا کی قسم جس شخص کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے امن میں نہیں ہے وہ مومن نہیں ہے'' اللہ تعالیٰ نے رحم سے فرمایا ''کیا تو اس سے راضی نہیں ہے کہ جو تجھ سے ملے میں بھی اس سے ملوں اور جو تجھ کو قطع کرے میں بھی اس سے قطع کروں'' جو شخص چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور عمر میں درازی ہو تو اس کو صلہ رحمی کرنا چاہیئے'' ماں باپ کی نافرمانی کبائر میں سے ہے'' آدمی کو اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبائر میں سے ہے'' کسی شخص کے باپ کو کوئی گالی دیتا ہے تو وہ اپنے باپ کو گالی دیتا ہے اور جب کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اپنی ماں کو گالی دیتا ہے'' کسی نے پوچھا کہ ماں باپ کے مرنے کے بعد بھی کوئی نیکی ان کے ساتھ ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، ان پر رحمت کی دعا کرنا اور ان کے لئے استغفار کرنا اور ان کے بعد ان کے عہدوں کا پورا کرنا اور اس قرابت کا جو ماں باپ کے رشتہ سے ہے جوڑنا اور ان کے دوستوں کی تعظیم کرنا'' خدا تعالیٰ کی تعظیم میں سے بوڑھے مسلمان اور حامل قرآن کی جو قرآن کی قرأت میں مبالغہ نہیں کرتا اور نہ نافرمانی کرتا ہے تعظیم اور صاحب سلطنت کی تعظیم ہے جو عادل ہو'' جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور ہمارے بزرگی کو نہ جانا وہ ہم میں سے نہیں ہے'' لوگوں کو ان کے مرتبہ پر رکھو، جس نے مریض کی عیادت کی یا فی سبیل اللہ اپنے کسی بھائی کی زیارت کی تو اس کو منادی یہ آواز دیتا ہے کہ تو نے اچھا کیا اور تیرا راستہ بھی اچھا ہوا اور تو نے اپنے لئے جنت میں جگہ بنالی، پس یہ احادیث اور جو ان کے مثل ہیں سب خلق عدالت اور حسن مشارکت پر تنبیہ کرتی ہیں۔

مقامات اور احوال کا بیان

واضح ہو کہ احسان کے لئے بہت سے ثمرات ہیں جو اس کے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں اور ان کو مقامات اور احوال کہتے ہیں اور اس باب کے ساتھ جو احادیث متعلق ہیں ان کی شرح دو مقدموں کی تمہید پر موقوف ہے پہلا مقدمہ عقل اور قلب اور نفس کے اثباب اور ان کے حقائق کے بیان میں ہے اور دوسرا مقدمہ مقامات اور احوال کے پیدا ہونے کی کیفیت کے بیان میں ہے۔

مقدمہ اولیٰ: واضح ہو کہ انسان میں لطائف ہیں جن کو عقل اور قلب اور نفس کہتے ہیں ان کے وجود پر نقل اور عقل اور تجربہ اور عاقل لوگوں کا اتفاق دلالت کرتا ہے لیکن نقل کا دلالت کرنا سو وہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے ’’عقلمندوں کے لئے اس میں بلاشبہ نشانیاں ہیں‘‘ اور اللہ تعالیٰ نے اہل نار سے حکایت فرمایا ہے ’’اگر ہم سنتے یا عقل رکھتے ہوتے تو اصحاب جہنم میں سے نہ ہوتے‘‘ اور حدیث شریف میں آیا ہے ’’خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا پھر اس سے کہا سامنے آ پس وہ سامنے آئی پھر اس سے فرمایا پیچھے لوٹ جا پس وہ پیچھے لوٹ گئی، پھر فرمایا تیرے ہی سبب سے میں مواخذہ کروں گا‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’آدمی کا دین اس کی عقل ہے اور جس کو عقل نہیں اس کا دین نہیں‘‘ اور آپ نے فرمایا ’’جس کو عقل ملی وہ کامیاب ہوا‘‘ اگرچہ ان احادیث کے ثبوت میں محدثین کو کلام ہے لیکن ان کی ایسی اسانید ہیں جو بعض بعض کی تائید کرتی ہیں، اور قرآن عظیم میں آیا ہے ’’جان لو کہ خدا تعالیٰ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے‘‘ اور یہ بھی آیا ہے ’’اس قرآن میں بلاشبہ نصیحت ہے اس شخص کے لئے جس کا قلب ہو یا کان لگائے

اور وہ حاضر القلب ہو' اور حدیث شریف میں آیا ہے "خبردار ہو جاؤ کہ بدن کے اندر ایک گوشت کا ٹکڑا جب وہ درست ہوتا ہے تو بدن درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو بدن بگڑ جاتا ہے، خبردار ہو جاؤ کہ وہ قلب ہے" اور یہ بھی آیا ہے "دل کی مثال ایک پر کی ہے جو میدان میں پڑا ہے جس کو ہوائیں لوٹ پوٹ کرتی رہتی ہیں" اور حدیث میں آیا ہے "نفس آرزو و خواہش کرتا ہے اور پیشاب گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے" اور مواضع استعمال میں تلاش کرنے سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ عقل اس چیز کا نام ہے جس سے انسان ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے جو حواس سے معلوم نہیں ہوتیں اور قلب اس چیز کا نام ہے جس سے انسان محبت یا بغض رکھتا ہے یا کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور ارادہ کرتا ہے، اور نفس اس چیز کا نام ہے جس سے انسان لذائذ یعنی کھانے اور پینے اور جماع کرنے کی خواہش کرتا ہے اور عقل کا ان تینوں چیزوں کے وجود پر دلالت کرنا سوا اپنے موقع پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کے بدن میں تین اعضا رئیسہ ہیں جن سے وہ قویٰ اور افعال جو انسان کی صورت نوعیہ کے مقتضی ہیں پورے ہوتے ہیں پس قوائے ادراکیہ یعنی تخیل اور توہم اور پھر ان متخیلات اور متوہمات کے اندر تصرف اور بوجہ من الوجوہ مجردات سے حکایت کرنے کا محل دماغ ہے اور غضب اور جرأت اور جود اور بخل اور خوشی اور ناخوشی اور اسی قسم کی چیزوں کا محل قلب ہے، اور اس چیز کے طلب کرنے کا محل جس پر یا اس کے جنس پر بدن کا قوام موقوف ہے، جگر ہے۔

اور جب ان تین اعضا میں سے کسی خاص عضو میں کوئی نقصان آ جاتا ہے تو ایک خاص قوت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس قوت کا اختصاص اس عضو کے ساتھ ثابت ہوتا ہے پھر ان تینوں میں سے ہر ایک کا فعل بغیر باقی دو کی مدد کے تمام نہیں ہو سکتا پس اگر بری بات کی برائی اور اچھی بات بھلائی کا ادراک اور نفع اور ضرر کا توہم نہ ہو تو غصہ و محبت کا ہیجان نہیں ہوتا، اور جب تک قلب میں متانت نہ ہو تو کسی متصور چیز کی تصدیق نہیں ہوتی اور اگر کھانے اور جماع کرنے کی معرفت نہ ہو اور اس کے فائدے متوہم نہ ہوں تو طبیعت ان کی طرف کبھی مائل نہ ہو اور اگر اطراف بدن میں قلب اپنا حکم نافذ نہ کرے تو انسان اپنے لذائذ حاصل کرنے میں کوشش نہ کرے اور اگر حواس عقل کی خدمت نہ کریں تو ہم کو کسی چیز کا ادراک نہ ہو کیونکہ کسبیات بدیہیات کی فرع ہیں بدیہیات محسوسات کی فرع ہیں اور اعضا میں سے اس عضو کی صحت جس پر قلب اور دماغ کی

صحت موقوف ہے نہ پائی جائے تو قلب اور دماغ کو کبھی صحت نصیب نہ ہو اور نہ ان کا کوئی فعل پورا ہو لیکن ان میں سے ہر ایک بہ منزلہ ایک بادشاہ کے ہے جس نے کسی امر عظیم مثلاً کسی مستحکم قلعہ کی فتح کا قصد کر رکھا ہے اور وہ بادشاہ اپنے دوستوں سے ڈھالوں اور توپوں کی مدد طلب کرتا ہے مگر قلعہ کے فتح کرنے میں وہ خود ہی مدبر ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے اور اسی کی رائے سے کام ہوتا ہے اور وہ سب خادم ہیں جو اس کی رائے پر چلتے ہیں پس جو حوادث پیدا ہوتے ہیں ان کی صورت ان صفات کے مطابق ظاہر ہوتی ہے جو اس بادشاہ میں غالب ہوتے ہیں یعنی اس کی دلیری اور بزدلی اور سخاوت اور بخل اور عدالت اور ظلم کے اعتبار سے ان کا ظہور ہوتا ہے پس جس طرح بادشاہ اور ان کی رائے اور ان کی صفات کے اختلاف سے حالات مختلف ہوتے ہیں اگرچہ لشکر اور ہتھیار ایک ہی سے ہوں اسی طرح ان رؤسا ثلثہ میں سے ہر رئیس کا حکم بدن انسان کی مملکت میں مختلف ہوتا ہے۔

اور حاصل کلام یہ ہے کہ وہ افعال جو ان اعضا ثلثہ میں سے ہر ایک سے صادر ہوتے ہیں وہ باہم یا تو یکساں ہوتے ہیں یا افراط وتفریط کی طرف مائل یا ان دونوں کے مابین ہوتے ہیں پس جب ہم ان تینوں ہیکلوں کو ان کے افعال مساویہ کے ساتھ اور ان کے امزجہ کے ساتھ جن کو یہ افعال متقاربہ ہمیشہ مقتضی ہیں اعتبار کرتے ہیں تو ان کو لطائف ثلثہ کہتے ہیں جن سے بحث کی جاتی ہے خود وہ قویٰ بغیر ان کے ساتھ کسی چیز کے اعتبار کئے لطائف نہیں ہیں پس قلب کی صفات اور اس کے افعال یہ ہیں، غصہ، دلیری، محبت، بزدلی، خوشی، ناخوشی، قدیمی دوستی کی وفاداری، کبھی ایک شخص سے محبت اور کبھی عداوت، حب جاہ، جود، بخل، رجا اور خوف۔

عقل کی صفات اور افعال یہ ہیں: یقین، شک، توہم ہر حادثہ کے لئے اسباب کی تلاش، منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات کے دفع کرنے کے طریقوں میں فکر کرنا، اور نفس کی صفات کا منتہی لذیذ کھانے اور پینے میں حرص کرنا اور عورتوں سے محبت رکھنا وغیر ذالک۔

اور تجربہ کا ان تینوں چیزوں کے وجود پر دلالت کرنا سو جو شخص افراد انسانی کا تتبع کرے تو وہ ضرور جان لیتا ہے لوگ اپنی جبلت کے موافق ان امور میں مختلف ہیں ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا قلب نفس کے اوپر حاکم ہوتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کا نفس قلب پر غالب ہوتا ہے پہلی قسم کے انسان کو جب غصہ آتا ہے یا اس کے قلب میں بلند درجہ کی خواہش پیدا

ہوتی ہے تو اس کے مقابلہ میں بڑی بڑی لذتوں کو حقیر سمجھتا ہے اور اس کے چھوڑنے پر صبر کرتا ہے اور ان کے چھوڑنے میں وہ شخص اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ عظیم کرتا ہے اور دوسری قسم کے انسان کو جب کسی لذت کی خواہش ہوتی ہے تو اس میں وہ گھس جاتا ہے اگرچہ اس جگہ ہزار طرح سے عار ہو اور اس کو مناصب عالیہ کی طرف رغبت دلائی جائے یا ذلت وخواری کا خوف دلایا جائے تو اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔

اور بسا اوقات غیرت مند آدمی کو حسین عورت کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس کا نفس اس کی طرف بہت بلاتا ہے لیکن اس کے قلب میں غیرت کے سبب سے ایک خیال پیدا ہوتا ہے جس کے سبب سے وہ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں، اور بسا اوقات بھوکے اور ننگے ہونے پر صبر کرتا ہے لیکن اپنی جبلی غیرت کی وجہ سے کسی سے سوال نہیں کرتا، اور بسا اوقات حریص آدمی کو حسین عورت اور عمدہ کھانے کی طرف رغبت ہوتی ہے حالانکہ وہ شخص اس میں خواہ طب کے اعتبار سے یا کسی حکمت عملی کی وجہ سے یا کسی شخص کی سطوت کی وجہ سے اپنا ضرر عظیم جانتا ہے جس سے وہ ڈر جاتا ہے اور کانپنے لگتا ہے اور اس برائی سے بچ جاتا ہے لیکن پھر اس کو خواہش اندھا کر دیتی ہے اور باوجود علم کے اس ہلاکت میں گر پڑتا ہے اور بسا اوقات آدمی کو دونوں جہت مخالف کی طرف اپنے نفس کا میلان معلوم ہوتا ہے پھر ان دونوں میں سے ایک داعیہ دوسرے پر غالب آ جاتا ہے اور اس طور پر اس سے افعال متشابہ بار بار سرزد ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ شخص خواہش کی تابعداری اور بے احتیاطی یا خواہش کے روکنے اور نفس کو قابو میں رکھنے کے ساتھ ضرب المثل ہو جاتا ہے اور تیسرا شخص ایسا ہوتا ہے کہ اس کی عقل نفس اور قلب دونوں پر غالب ہو جاتی ہے جیسا کہ سچا اور کامل مومن کہ اس کی محبت اور بغض اور شہوت امر شرع اور اس چیز کے تابع ہو جاتا ہے جس کا شرع سے جواز بلکہ استحباب ثابت ہے پس وہ شخص امر شرع سے کبھی روگردانی نہیں کرتا اور چوتھا شخص ایسا ہوتا ہے جس پر رسم اور طلب جاہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اپنے نفس سے عار کو ہٹانا چاہتا ہے ایسا شخص غصہ کو ضبط کرتا ہے اور باوجود سخت غضب ناک ہونے کے اور نہایت دلیر ہونے کے دوسرے کے برا کہنے کی تلخی پر صبر کرتا ہے تاکہ اس کے حق میں کوئی ایسی بات نہ کہے جو اس کو ناپسند ہے اور تاکہ وہ کسی برائی کی طرف منسوب نہ ہو، یا رفعت جاہ جو اس کو مطلوب ہے اس کو مل جائے پس پہلا شخص

درندوں کے مانند ہے اور دوسرا بہائم کے مانند ہے اور تیسرا فرشتوں کے مانند ہے اور چوتھے شخص کو صاحب مروت اور عالی ہمت کہتے ہیں، پھر تتبع کرنے سے انسان کے بعض افراد ایسے بھی ملتے ہیں کہ ان کی دو قوتیں معاً تیسرے پر غالب ہوتی ہیں اور ان دونوں کا حال باہم مشابہ رہتا ہے کہ کبھی یہ اس کے تابع اور کبھی وہ اس کے تابع پس جب صاحب بصیرت ان کے حال کا انضباط چاہے اور ان کے بیان کرنے کا ارادہ کرے تو لامحالہ لطائف ثلثہ کے ثابت کرنے کی ضرورت پڑے گی اور عقلا کے اتفاق سے ان تینوں کا وجود اس طرح ثابت ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ تمام اہل ملت اور اہل ادیان جنھوں نے تہذیب نفس کا قصد کیا ہے ان تینوں کے اثبات پر یا ان مقامات واحوال کے بیان کرنے پر جو ان تینوں سے متعلق ہیں متفق ہیں پس فیلسوف اپنی حکمت عملیہ میں ان تینوں کو نفس ملکی اور نفس سبعی اور نفس بہیمی کہتا ہے گو اس نام کے رکھنے میں کسی قدر تساہل ہے پس اس نے عقل کا نام نفس ملکیہ رکھا ہے کیونکہ اس کے افراد میں سے افضل ترین فرد کا یہ نام ہے اور قلب کا نام نفس سبعی رکھا ہے کیونکہ اس کے اوصاف میں سے یہ وصف مشہور ہے اور صوفیہ کے گروہ نے ان لطائف کو ذکر کیا اور ان میں سے ہر ایک کی تہذیب کے درپے ہوئے مگر اتنا فرق ہے کہ انھوں نے دو اور لطیفے ثابت کئے ہیں اور ان کے لئے بڑا ہی اہتمام کیا ہے اور وہ دونوں روح اور سر ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ قلب کے دو جانب ہیں ایک جانب کا میلان بدن اور اعضا کی طرف ہے اور ایک جانب کا میلان تجرد محض کی طرف ہے اور اسی طرح عقل کی دو جانب ہیں ایک جانب بدن اور حواس کی طرف مائل ہے اور ایک جانب تجرد محض کی طرف مائل ہے پس جو اسفل کی طرف مائل ہے اس کو قلب اور عقل کہتے ہیں اور جس کو جانب فوق سے اتصال ہے اس کو روح اور سر کہتے ہیں پس قلب کی صفت شوق اور وجد ہے جس سے آدمی بیتاب ہو جاتا ہے اور روح کی صفت انس اور انجذاب ہے اور عقل کی صفت اس چیز پر یقین کرنا ہے جس کا ماخذ علوم عادیہ کے مآخذ کے قریب ہے جیسے ایمان بالغیب اور توحید افعالی، اور سر کی صفت اس چیز کا مشاہدہ کرنا ہے جو علوم عادیہ سے برتر ہے بلکہ وہ اس مجرد محض سے حکایت ہے جو نہ کسی زمان میں ہے اور نہ مکان میں اور نہ کسی وصف سے موصوف ہو سکتا ہے اور نہ اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، اور چونکہ شرع صورت انسانی کے میزان پر نازل ہوئی ہے خصوصیات فردیہ کے

اعتبار سے نہیں اس واسطے شرع نے اس تفصیل سے زیادہ بحث نہیں کی اور اس کے مباحث کو اجمال کے خزانہ میں چھوڑ دیا ہے اور تمام اہل ملل ونحل کے نزدیک بھی اس کے متعلق کچھ بیان ہے جو تتبع کے ساتھ ایک قسم کے تفطن اور فہم سے پہچانا جاتا ہے۔

مقدمہ ثانیہ: واضح ہو کہ قوی العقل اور قوی الجسم آدمی جس کے مادہ میں اس کے نوع کے احکام ظاہر ہونے کی پوری اور کامل قابلیت ہے اور وہ شخص افراد انسان کا بالطبع رئیس اور وہ قانون ہے جس کی وجہ سے تمام افراد کا اعلیٰ درجہ کی حد سے قرب وبعد معلوم ہوتا ہے وہ شخص ایسا ہے کہ باوجود قوت قلب کے اور پورے پورے قوی ہونے کے اس کی عقل اس کے قلب پر غالب ہے اور باوجود شدت نفس کے اور کثرت خواہشات کے اس کا قلب اس کے نفس پر غالب ہے پس ایسا شخص وہ ہوسکتا ہے جس کے اخلاق تام اور اس کی فطرت قوی ہے اور اس سے نیچے بہت سی مختلف قسمیں ہیں جو تامل صحیح سے معلوم ہوتی ہیں اور جانوروں میں بھی یہ تینوں قوتیں پائی جاتی ہیں لیکن ان کی عقل قلب اور نفس کے نیچے نہایت درجہ مغلوب ہوتی ہے اس واسطے وہ مکلّف ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے اور نہ عالم بالا میں مل جانے کے قابل ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''البتہ ہم نے آدمیوں کو بزرگی دی اور جنگل ودریا میں ان کو سوار کیا اور ہم نے ان کو پاک چیزیں دی اور ہم نے اپنی اکثر مخلوق پر ان کو فضیلت دی''۔

اور یہ قوی العقل آدمی اگر اس کی عقل ان عقائد حقہ کی فرمانبردار ہے جو صادقین کو ملاء اعلیٰ سے حاصل ہوئی ہیں صلوات اللہ علیہم تو وہ فی الحقیقت مومن ہے اور اگر اس کے باوجود ملاء اعلیٰ تک رسائی بھی ہے کہ ان سے بلاواسطہ فیضان حاصل کرتا ہے تو اس شخص میں نبوت کا ایک شعبہ اور اس کی میراث ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے، اور اگر ان کی عقل ان عقائد باطلہ کے تابع ہے جو مضلین ومبطلین سے ماخوذ ہیں تو وہ شخص ملحد اور گمراہ ہے اور اگر اس کی عقل اپنی قوم کے رسوم اور ان چیزوں کے تابع ہے جو اس کو تجربہ اور حکمت عملیہ سے معلوم ہوئے ہیں تو وہ دین الٰہی سے حاصل ہے اور جبکہ لوگ مختلف الاحوال تھے تو حکمت الٰہی میں ضروری ہوا کہ ایک کتاب ایسے شخص پر نازل کرے جو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں پاکیزہ اور سب سے زیادہ قوی العقل اور عالم بالا کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت

رکھنے والا ہو پھر لوگوں کی رائیں اس کے ساتھ متفق ہو جائیں حتیٰ کہ اس کے احکام مشہورات سے شمار ہونے لگیں تا کہ جو ہلاک ہو تو جان کر ہلاک ہو اور جو نجات پائے تو جان کر نجات پائے اور یہ بات ضروری ہوئی کہ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو احسان کے طریقے اور مقامات جو اس کے ثمرات ہیں خوب اچھی طرح بیان کرے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انسان جب کتاب الٰہی پر اور اس چیز پر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ثابت ہے اس طرح سے ایمان لاتا ہے کہ اس کے جمیع قوائے قلبیہ ونفسیہ سیر ہو جاتے ہیں پھر وہ شخص پورے طور پر ذکر لسانی اور فکر قلبی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے اور اعضا کو ادب دیتا رہتا ہے اور ایک مدت دراز تک اس کی مداومت بھی رکھتا ہے تو ان لطائف ثلثہ میں سے ہر ایک اس عبادت سے حصہ لے لیتا ہے اور اس کی مثال ایک ایسی خشک درخت کی جس کو بکثرت پانی دیا جائے اور اس کی ہر ہر شاخ اور ہر ہر پتی میں تازگی پہنچ جائے پھر اس سے پھل و پھول پیدا ہوں پس اسی طرح ان لطائف ثلثہ میں عبادت داخل ہو کر ان کی صفات طبیعہ خسیسہ کو صفات ملکیہ فاضلہ سے بدل دیتی ہے پس یہ صفات اگر ملکات راسخہ ہیں جن سے افعال ہمیشہ ایک طرح پر یا قریب قریب صادر ہوتے ہیں تو ان کو مقامات کہتے ہیں، اور اگر وہ صفات ایسے ہیں کہ مثل بجلی کے کبھی ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی پوشیدہ ہو جاتے ہیں اور ہنوز ان کو قرار نہیں ہے، یا وہ صفات اس قسم کے امور ہیں جن کی شان سے قرار نہیں ہے جیسے رویا اور ہواتف اور غلبہ تو ان کو احوال واوقات کہتے ہیں اور چونکہ طبیعت بشری کے غلبہ کی حالت میں عقل کا مقتضی ان امور کی تصدیق کرنا تھا جو طبیعت بشریہ کے مناسب عقل کو پیش آتے ہیں اس واسطے تہذیب کے بعد عقل کا یہ مقتضی ہے کہ جو امور شرع سے ثابت ہیں اس کی اس طرح تصدیق کرے گویا کہ عیاناً وہ ان کا مشاہدہ کر رہی ہے جیسا کہ زید بن حارثہؓ نے بیان کیا جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تھا ''ہر شئے کی ایک حقیقت ہے پس تیرے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انھوں نے عرض کیا گویا کہ میں خدا تعالیٰ کے عرش کو سامنے دیکھتا ہوں''۔

اور چونکہ عقل کا مقتضی ہر نعمت و مصیبت کے اسباب کو پہچاننا ہے اس واسطے اس کا مقتضی تہذیب کے بعد توکل اور شکر اور رضامندی اور توحید ہے اور چونکہ قلب کا مقتضی اصل طبیعت کے

اعتبار سے منعم اور مربی کے ساتھ محبت کرنا اور دشمن ومخالف کے ساتھ بغض رکھنا اور ایذا پہنچانے والی چیزوں سے خوف کرنا اور نفع پہنچانے والی چیزوں سے امید رکھنا ہے اس واسطے تہذیب کے بعد اس کا مقتضی خدا تعالیٰ سے محبت اور اس کے عذاب سے خوف اور اس کے ثواب کی امید ہے اور چونکہ طبیعت کے ہیجان کے وقت نفس کا مقتضی لذائذ اور آرام میں غرق ہونا تھا اس واسطے تہذیب کے بعد اس کی صفت توبہ اور زہد اور مجاہدہ ہے اور یہ کلام ہم نے بطور مثال کے بیان کیا ہے ورنہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کے اندر مقامات منحصر نہیں ہیں لہٰذا غیر مذکور کو مذکور پر قیاس کر لیجئے اور احوال کو مثل سکر اور غلبہ اور مدت مدیدہ تک کھانے پینے سے اعراض اور مثل رویا و ہاتف کو مقامات پر قیاس کر لیجئے۔

اور جب ہم ان امور سے فارغ ہو گئے جن پر اس باب کی احادیث کی شرح موقوف ہے تو اب ہم اصل مقصود شروع کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں ان مقامات اور احوال کی اصل جو قلب سے متعلق ہیں یقین ہے اور یقین کی شاخیں توحید اور اخلاص اور توکل اور شکر اور انس اور ہیبت اور تفرید اور صدیقیت اور محدثیت اور اس کے علاوہ امور ہیں جن کا شمار کرنا طوالت ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا یقین بالکل ایمان ہے اور ایک روایت میں یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں فرمایا کہ ''اے اللہ ہم کو وہ یقین عطا کر جس کے سبب سے دنیا کے مصائب ہم پر سہل ہو جائیں''۔

میں کہتا ہوں یقین کے معنی یہ ہیں کہ ہر ہر مسئلہ پر جو کہ شرع سے ثابت ہے مومن ایمان لائے جیسے مسئلہ قدر و مسئلہ معاد اور اس کی عقل پر ایمان یہاں تک غالب ہو جائے کہ اس کی عقل ایمان سے پر ہو جائے اور پھر اس کی عقل سے اس کے قلب اور نفس پر اس یقین کا ترشح ہوتی کہ وہ یقینی چیز بمنزلہ محسوس اور معائن کے ہو جائے، اور یقین کے ایمان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقل کے مہذب کرنے میں یقین کو پورا پورا دخل ہے اور تہذیب عقل، قلب اور نفس کی تہذیب کا سبب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قلب پر یقین کا غلبہ ہوتا ہے تو اس سے بہت سی شاخیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ شخص ان چیزوں سے خوف نہیں کرتا جن چیزوں سے عادت کے طور پر لوگ ڈرتے ہیں کیونکہ یہ شخص یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کو جو پیش آنے والا ہے وہ اس سے ٹلتا نہیں اور جو پیش آنے والا نہیں ہے

وہ ہرگز پیش نہیں آئے گا اور اس شخص پر دنیا کے مصائب سہل ہو جاتے ہیں کیونکہ جن کا آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے اس کو ان چیزوں کے ملنے پر پورا اطمینان ہوتا ہے اور اس کا نفس بہت سے اسباب کو حقیر سمجھتا ہے یہ سمجھ کر کہ عالم میں جو کچھ موثر ہے وہ اس کی قدرت وجوبیہ ہے جو اختیار اور ارادہ سے اثر کرتی ہے اور اس کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ یہ اسباب عادیہ ہیں اس واسطے اس کی کوشش ان امور کے حاصل کرنے میں سست ہو جاتی ہے جن کے حاصل کرنے میں لوگ بے حد کوشش کرتے ہیں اور جان لڑا دیتے ہیں پس اس کے نزدیک دنیا کا سونا اور پتھر یکساں معلوم ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب یقین کامل اور پائیدار ہو جاتا ہے اور ہمیشہ رہتا ہے حتی کہ کوئی چیز اس کو نہیں بدل سکتی نہ فقر نہ دولت اور نہ عزت اور نہ ذلت تو اس سے بہت سے شعبے پیدا ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک شکر ہے، اور شکر کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اوپر جس قدر نعمتیں ہیں خواہ ظاہری ہوں یا باطنی ہوں ان سب کو اپنے اللہ کی طرف سے سمجھے اور ہر نعمت کے مقابل میں ایک محبت اپنے باری کے لئے پیدا کرے اور اس کا شکر ادا کرنے سے اپنے آپ کو قاصر سمجھے پس وہ اس میں مضمحل اور بھٹکتا پھرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”سب سے پہلے جنت میں حمد کرنے والے بلائے جائیں گے جو نرمی اور سختی میں خدا تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں“۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی حمد کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی عقل اور اس کا قلب اس یقین کے تابع ہے جو اس کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اس لئے کہ نعمتوں کی معرفت اور منعم حقیقی کی طرف سے ان کا فیضان سمجھنا ان میں ایسی قوت پیدا کرتا ہے جو عالم مثال میں موثر ہوتی ہے جس سے قوائے مثالیہ اور اشکال اخرویہ اثر قبول کرتے ہیں پس نعمتوں کی تفاصیل کو جاننا اور ان کے فیضان کو منعم حقیقی جل مجدہ کی طرف سے سمجھنا جود الٰہی کے دروازہ کو کھٹکھٹانے میں دعائے مستجاب سے کم درجہ نہیں رکھتا اور شکر کامل اس وقت ہوتا ہے جبکہ آدمی کو خدا تعالیٰ کے اس عجیب برتاؤ پر تنبہ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ گزشتہ عمر میں کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ اپنے اخیر حج سے واپس ہوئے تو انھوں نے یہ پڑھا ”سب تعریف خدا کے لئے ہے اور خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں جس کو جو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے اس سے پیش تر میں اسی جنگل ضجنان میں اپنے باپ خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور وہ بڑا سنگدل

اور سخت آدمی تھا جب میں کام کرتا تھا تو مجھ کو تھکا دیتا تھا اور جب میں کام میں کوتاہی کرتا تھا تو مجھ کو مارتا تھا، اور میں اب صبح وشام ایسی حالت میں کرتا ہوں کہ میرے اور خدا تعالیٰ کے درمیان کوئی ایسا شخص نہیں جس سے میں ڈرتا ہوں۔

اور از آں جملہ توکل ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اس پر یقین کا غلبہ اس قدر ہو کہ اسباب کی طرف سے منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات کے دور کرنے میں اس کی کوشش کم ہو لیکن وہ شخص کسب کے ان طریقوں پر چلتا رہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کیے ہیں، اور ان اسباب پر اعتماد نہ کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’میری امت میں سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ منتر کو مانتے ہیں اور نہ فال کو مانتے ہیں اور نہ داغ لگواتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں‘‘۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے یہ اوصاف اس لئے بیان فرمائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ توکل کا اثر ان اسباب کو ترک کرنا ہے جن سے شارع نے ممانعت کی ہے نہ ان اسباب کا ترک کرنا جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے اور وہ لوگ جنت میں بغیر حساب اس لئے داخل ہوں گے کہ جب ان کے دلوں میں توکل کے معنی ثابت ہو گئے تو اس کے سبب سے ان کے دلوں میں ایسے معنی پیدا ہوئے جس سے ان اعمال کی سبیت جو ان کے نفوس کو ایذا پہنچاتی ہے ان سے دور ہو جاتی ہے اس وجہ سے کہ انھوں نے یقین کر لیا کہ سوائے قدرت وجوبیہ کے عالم میں کوئی موثر نہیں، اور از آں جملہ ہیبت ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی عظمت جلال کا یقین کرے یہاں تک کہ اس کے سامنے گھبراتا رہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ جبکہ ایک پرند کو درخت پر بیٹھا دیکھا تو فرمانے لگے ’’خوشنودی ہو تیرے لئے اے پرند! خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ میں تجھ جیسا ہوتا، تو کسی درخت پر بیٹھتا ہے اور اس کے پھل کھاتا ہے اور وہاں سے اڑ جاتا ہے نہ تجھ پر حساب ہے اور نہ عذاب ہے خدا کی قسم میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ کسی راستہ پر ایک درخت ہوتا اور کسی اونٹ کا مجھ پر گزر ہوتا اور وہ مجھ کو اپنے منہ میں رکھ لیتا اور چبا کر نگل جاتا پھر مینگنی کر کے پیٹ کے راستہ سے نکال دیتا اور میں بشر نہ ہوتا‘‘۔

اور از اں جملہ حسن ظن ہے اور اس کو صوفیہ کی اصطلاح میں انس کہتے ہیں اور یہ انس خدا

تعالیٰ کے انعامات اور الطاف میں غور کرنے سے پیدا ہوتا ہے جس طرح ہیبت عذاب الٰہی اور اس کی حکومت میں غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور مومن اگرچہ اپنی نظر اعتقادی کی وجہ سے خوف اور امید دونوں کو دل میں رکھتا ہے لیکن اس کے حال اور مقام کے سبب سے کبھی اس پر ہیبت غالب ہو جاتی ہے اور کبھی حسن ظن غالب ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص بڑے گہرے کنوئیں کے کنارے کھڑا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں اگرچہ اس کی عقل خوف کی مقتضی نہیں ہے اور جیسے خوشگوار نعمتوں کو نفس کا یاد کرنا انسان کو خوش کرتا ہے اگرچہ اس کی عقل اس کی مقتضی نہیں ہے لیکن ان دونوں حالتوں میں وہم، خوف اور فرحت پیدا کر دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خدا تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھنا حسن عبادت سے ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ''میں اپنے بندہ کے گمان کے موافق پیش آتا ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ حسن ظن اس کے نفس کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے الطاف کا فیضان ہو، اور از اں جملہ تفرید ہے، تفرید کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قوائے ادراکیہ پر ذکر کا غلبہ ہو جائے یہاں تک کہ ایسا ہو جائے کہ گویا خدا تعالیٰ کو ظاہر میں دیکھ رہا ہے پس اس کے دل کی باتیں مٹ جائیں اور ان کا اکثر جوش بجھ جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''چلو مفردون سبقت کر گئے یہ وہ لوگ ہیں جن کے بوجھ کو ذکر نے دور کر دیا''۔

میں کہتا ہوں جبکہ ذکر کا نور عقلوں کی طرف خالص ہو جاتا ہے اور ان کے نفوس میں جبروت کی طرف مطلع ہونے کا نقش لگ جاتا ہے تو قوت بہیمی دب جاتی ہے اور اس کا شعلہ بجھ جاتا ہے اور اس کا بوجھ دور ہو جاتا ہے، اور از اں جملہ اخلاص ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ بہ سبب قریب ہونے اس کے نفس کے حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی عقل میں عبادت الٰہی کا نفع متمثل ہو جائے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ''بلاشک خدا تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے'' یا بسبب تصدیق کے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان پر آخرت کے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، پس ایک نہایت داعیہ کے ساتھ اس سے ایسے اعمال صادر ہوتے ہیں جن میں نہ ریا، وسمعہ کو دخل ہے اور نہ موافقت عادت کو اور یہ حال اس کے جمیع اعمال میں سرایت کر جاتا ہے حتیٰ کہ اعمال مباح عادیہ میں بھی سرایت

کر جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور ان کو اسی کا حکم دیا گیا تھا کہ اس کے لئے دین کو خالص کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اعمال نیت سے ہیں''۔

اور از آں جملہ توحید ہے اور اس کے تین مرتبے ہیں، ایک توحید عبادت ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شیاطین کی پرستش نہ کرے بلکہ ان کی عبادت کرنے سے ایسی نفرت کرے جیسا کہ وہ آگ میں گرنے سے نفرت کرتا ہے، اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ تمام طاقت اور قوت خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور یقین کرے کہ بلا واسطہ سوائے قدرت وجوبیہ کے اور کوئی چیز عالم میں موثر نہیں ہے اور اسباب کو عادی سمجھے اور یہ یقین کرے کہ مسببات ان کی طرف سے مجازاً منسوب ہوتے ہیں اور حکم الٰہی کو مخلوق کے ارادہ پر غالب سمجھے، اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو مخلوق کی مشابہت سے بالکل پاک سمجھے اور اس کے اوصاف کو مخلوق کے اوصاف سے غیر مماثل جانے اور ان باتوں کا سننا اس کے لئے بہ منزلہ مشاہدہ کے ہو اور اس کا قلب خود مطمئن ہو جائے کہ اس کے مثل کوئی شے نہیں اور اس امر میں شرع کے اخبار کو اپنے رب کی طرف سے دلیل اور سند سمجھے جو اسی کی ذات سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی کی ذات سے قائم ہیں، اور از اں جملہ صدیقیت اور محدثیت ہے اور ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ امت میں سے بعض اشخاص ایسے ہوتے ہیں جن کی اصل فطرت میں انبیا کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جیسے ذہین شاگرد کو کسی محقق استاد کے ساتھ نسبت ہوتی ہے پس اگر اس شخص کے قوائے عقلیہ کے اعتبار سے تشبہ ہو تو وہ صدیق یا محدث ہے اور اگر اس کو قوائے عملیہ کے اعتبار سے مشابہت ہے تو وہ شہید اور حواری ہے اور انہی دونوں گروہوں کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے ''اور جو لوگ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی صدیقین اور شہداء ہیں'' اور صدیق اور محدث میں یہ فرق ہے کہ صدیق کے نفس میں نبی سے اثر قبول کرنے کی نہایت درجہ صلاحیت ہوتی ہے جیسے گندھک کو آگ کے ساتھ نسبت قریبہ ہے پس وہ شخص جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خبر سنتا ہے تو اس کے نفس میں اس بات کی نہایت وقعت ہوتی ہے اور اس کو دلی شہادت سے قبول کر لیتا ہے یہاں تک کہ یہ خبر ایک ایسا علم ہو جاتا ہے جو بلا تقلید اس کے دل میں حاصل ہے اور اس معنی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں جو وارد ہوئی ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ پر وحی لاتے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی آواز کی گنگناہٹ سنتے

تھے اور صدیق کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جہاں تک ممکن ہے ضرور پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہر حال میں وہ جان و مال سے سلوک کرتا ہے، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حال سے خبر دیتے ہیں کہ وہ آپ پر اپنی جان و مال سے سب سے زیادہ احسان کرنے والا ہے اور یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے گواہی دیتے ہیں کہ لوگوں میں اگر خلیل بنانے کے قابل ہے تو وہ صدیق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کی طرف سے صدیق کے نفس کی طرف انوار وحی کا نزول پے در پے ہوتا ہے پس جس قدر تاثیر اور تاثر اور فعل وانفعال مکرر ہوتا ہے اس کو فنا اور فدا کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اور جبکہ اس صدیق کا کمال جو اس کا غایت مقصود ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے اور آپ کے کلام کے سننے سے حاصل ہوتا ہے تو وہ شخص آپ کی خدمت میں اور صحابہ کی بہ نسبت زیادہ رہتا ہے، اور صدیق کی علامت یہ ہے کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ خواب کی تعبیر دے سکتا ہو کیونکہ اس کی سرشت میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ وہ اوّل سبب سے امور غیبیہ کو حاصل کرتا ہے اور اسی سبب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر واقعات میں حضرت ابوبکر صدیق سے تعبیر لیا کرتے تھے اور صدیق کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والا ہو اور بغیر معجزہ دیکھے ایمان لائے اور محدث کے نفس کو علم کے ان بعض خزائن کی طرف بہت جلد رسائی ہو جاتی ہے جو عالم ملکوت میں ہیں پس جس قدر خدا نے مخلوق کے لئے مہیا کیا ہے وہاں سے حاصل کرتا ہے تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شریعت ہو اور تاکہ بنی آدم کے نظام کے لئے اصلاح ہو اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہنوز وحی نہ نازل ہوئی ہو جیسے کوئی شخص اپنے خواب میں بہت سے وہ امور دیکھتا ہے جن کی ایجاد پر عالم ملکوت میں اجماع ہو چکا ہے۔

اور محدث کے خواص سے یہ بات ہے کہ بہت سے حوادث میں اس کی رائے کے موافق قرآن نازل ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خواب میں یہ دیکھتے ہیں کہ خود سیر ہونے کے بعد اپنا دودھ اس کو دیا ہے اور صدیق سب لوگوں سے زیادہ خلافت کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ صدیق کا نفس اس عنایت الٰہی کا اور اس نصرت اور تائید کا جو نبی کے لئے ہوتی ہے آشیانہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح صدیق کی زبان سے کلام کرتی ہے

چنانچہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جب ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کے لئے بلایا تو یہ کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے تو تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم میں ایک ایسا نور پیدا کر دیا ہے جس سے تم رہبری حاصل کر سکتے ہو، خدا تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی اور ابوبکر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب اور غار کے رفیق ہیں اور تمہارے امور کے لئے سب سے بہتر ہیں لہٰذا ان سے بیعت کرو، صدیق کے بعد سب سے زیادہ خلافت کے قابل محدث ہوتا ہے اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پیروی کرو ان دو شخصوں کی جو میرے بعد ہوں گے ابوبکر اور عمرؓ'' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور جو شخص کہ سچ کو لایا اور اس کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں متقی'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے محدث لوگ ہوا کرتے تھے پس میری امت میں اگر کوئی ہے تو عمر ہے''۔

عقل کے ساتھ جو احوال متعلق ہیں ان میں سے ایک تجلی ہے، سہل فرماتے ہیں کہ تجلی کی تین حالتیں ہیں ایک تجلی ذات ہے اور وہ مکاشفہ ہے اور ایک تجلی صفات الذات ہے اور وہ نور کے مواضع ہیں، اور ایک تجلی حکم الذات ہے اور وہ آخرت اور وہاں کی چیزیں ہیں، اور مکاشفہ کے معنی یقین کا غالب ہونا ہے یہاں تک کہ اس کی یہ حالت ہو جائے کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور ماسوا سے اس کو غفلت ہو جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''احسان یہ ہے کہ تو خدا تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے'' لیکن آنکھوں سے مشاہدہ کرنا آخر میں ہی ہوگا دنیا میں ممکن نہیں ہے اور یہ جو کہا ہے کہ 'صفات الذات کی تجلی' تو اس میں دو احتمال ہے ایک یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ان افعال میں غور کرے جو مخلوق میں پائے جاتے ہیں اور اس کی صفات کو پیش نظر کرے جس کی وجہ سے قدرت الٰہی کا یقین اس پر غالب ہو جاتا ہے اور اسباب سے غفلت ہو جاتی ہے اور خوف اور تسبب اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور اس پر یہ بات غالب ہو جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو جانتا ہے پس یہ شخص نہایت خضوع کی حالت میں مدہوش اور مرعوب رہتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر یہ تصور نہ ہو کہ تو اس کو دیکھتا ہے تو یہ سمجھ کہ وہ تجھ کو دیکھتا ہے'' اور یہ نور کے مواضع اس معنی کر کے ہیں کہ نفس انوار متعددہ سے منور ہو کر ایک نور سے دوسرے نور کی طرف اور ایک مراقبہ سے دوسرے مراقبہ کی طرف منقلب ہوتا ہے بخلاف تجلی ذات کے کہ وہاں پر نہ تعدد ہے اور نہ تغیر، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ صفت ذات کا اس طرح خیال کر کے کہ

بلا رابطہ اسباب خارجیہ کے محض امر کن سے ذات واجبی سے تمام افعال اور تمام مخلوقات پیدا ہوتی ہیں اور مواضع نور وہ اشباہ مثالیہ نوریہ ہیں جو عارف کو دنیا سے بہ وقت غیبت حواس دکھائی دیتے ہیں، اور تجلی آخرت کے یہ معنی ہیں کہ دنیا و آخرت میں جزا و سزا کا بصیرت قلبی سے معائنہ کرے اور اس کو اپنے دل میں اس طرح پائے جس طرح بھوکے کو بھوک کی اور پیاسے کو پیاس کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے پس اول کی مثال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے ان کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا پس اس شخص نے ان کے بعض اصحاب سے شکایت کی تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہم اس جگہ خدا تعالیٰ کا معائنہ کر رہے تھے اور یہ حالت ایک قسم کی غیبت اور ایک قسم کی فنا ہے کیونکہ لطائف ثلثہ میں سے ہر لطیفہ کے لئے ایک غیبت اور فنا ہوتی ہے پس عقل کی غیبت اور فنا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے کے سبب سے تمام چیزوں کی معرفت ساقط ہو جائے اور قلب کی غیبت اور فنا یہ ہے کہ نہ غیر سے محبت رہے اور نہ خوف، اور نفس کی غیبت اور فنا یہ ہے کہ شہوات نفسانیہ ساقط ہو جائیں اور لذت حاصل کرنے سے باز رہے، اور دوسرے کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور جلیل القدر صحابہ نے فرمایا ہے طبیب نے مجھ کو مریض کر دیا، اور تیسرے کی مثال یہ ہے کہ انصاری صحابی نے ایک سائبان دیکھا جس میں مشعلوں کی صورتیں تھیں اور وہ جو مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دو صحابی شب تاریک میں چلے اور ان کے ساتھ دو چراغ سے آگے آگے چلتے تھے پس جب وہ علیحدہ ہوئے تو ہر ایک ساتھ ایک ایک چراغ ہو گیا یہاں تک کہ وہ اپنے گھر تک پہنچ گئے اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ نجاشی کے قبر کے پاس ایک نور دکھائی دیتا تھا۔

اور چوتھے کی مثال حنظلہ اسیدیؓ کا وہ قول ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ آپ ہم کو جنت و نار سے ڈراتے ہیں، حنظلہ ربیع الاسیدیؓ سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ مجھ کو ملے انھوں نے فرمایا اے حنظلہ! کیا حال ہے؟ میں نے کہا حنظلہ تو منافق ہو گیا، حضرت ابوبکر نے فرمایا سبحان اللہ تم کیا کہتے ہو، میں نے عرض کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتے ہیں وہ ہم کو جنت و نار کا حال بیان فرماتے ہیں تو گویا ہم ان کو آنکھوں سے دیکھنے لگتے ہیں، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو

بیوی، بچوں اور مال واسباب میں مصروف ہوجاتے ہیں اور بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم ایسا حال ہمارا بھی ہوتا ہے پس میں اور حضرت ابو بکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچے تب میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ حنظلہ تو منافق ہوگیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور جنت ونار کا حال آپ ہم کو سناتے ہیں تو گویا ہم اس کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں پھر جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو اہل وعیال اور مال واسباب میں مشغول ہوجاتے ہیں اور بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم ہمیشہ اسی حالت پر رہو جو تمہاری میرے پاس ہوتی ہے اور ذکر کرتے وقت ہوتی ہے تو تمہارے بستروں پر اور راستوں میں تم سے فرشتے مصافحہ کیا کریں لیکن اے حنظلہ! یہ بات کبھی کبھی ہوتی ہے آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ احوال قائم اور دائم نہیں رہتے، اور اس کی ایک مثال وہ بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خواب میں جنت ودوزخ کا معائنہ کیا تھا، اور ازاں جملہ فراست صادقہ اور گمان مطابق واقع ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا جب میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی بارے میں یہ سنا کہ میرا اس کی نسبت یہ گمان ہے تو وہ بات ان کے گمان کے مطابق ہی ہوتی تھی، اور ازاں جملہ خواب صالح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سالکین کے خواب کی تعبیر دینے میں اہتمام فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ روایت ہے آپ نماز صبح کے بعد بیٹھ جاتے تھے اور پوچھا کرتے تھے تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے پس اگر کوئی بیان کرتا تو جو خدا کو منظور ہوتا آپ تعبیر دیتے، اور صالح خواب سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا ہے یا جنت ونار کو دیکھنا ہے یا صالحین اور انبیا علیہم السلام کو دیکھنا ہے یا متبرک مقامات کو دیکھنا ہے جیسے خانہ کعبہ یا آئندہ آنے والے حوادث کو دیکھنا ہے کہ جس طرح وہ ان کو دیکھتا ہے اسی طرح وہ واقع ہوتے ہیں یا امور ماضیہ کو اسی طرح دیکھنا جس طرح ان کا وقوع ہوا ہے یا اس چیز کو دیکھنا ہے جو اس کی تقصیر وکوتاہی پر متنبہ کرتی ہے جیسے اپنے غصہ کو کتے کی شکل میں دیکھنا کہ اس کو کاٹتا ہے یا انوار اور اچھے کھانے پینے کو دیکھنا جیسے دودھ اور شہد اور گھی کا پینا یا ملائکہ کو دیکھنا ہے، واللہ اعلم۔

اور ازاں جملہ مناجات کی حلاوت کا پانا اور وساوس نفسانی کا منقطع ہونا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس نے دو رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ اس کے نفس میں وسوسہ نہ پیدا ہوا تو اس کے سب پہلے گناہ بخشے گئے“ اور ازاں جملہ محاسبہ ہے اور وہ عقل منور ہنوز ایمان اور اس ارادہ کے مابین سے پیدا ہوتا ہے جو قلب کا پہلا مقام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دانشمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو مطیع کرے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے“ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اپنے نفسوں سے حساب لے لو اور پہلے اس سے کہ وزن کیا جائے تم ان کا وزن کرلو اور خدا تعالیٰ کے سامنے جو بڑی پیشی ہونے والی ہے اس کے لئے آراستہ ہو جاؤ جس روز کہ تم پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی بات اس پر مخفی نہ رہے گی، اور ازاں جملہ حیا ہے اور یہ حیا اس حیا کا غیر ہے جو نفس کے مقامات سے ہے اور خدا تعالیٰ کی عزت وجلال دیکھنے سے مع اس بات کے ملاحظہ کے کہ میں ادائے شکر سے عاجز ہوں اور ادناس بشریہ میں گرفتار ہوں پیدا ہوتی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں خدا سے حیا کرنے کی وجہ سے تاریک مکان میں غسل کرتا ہوں اور کپڑا لپیٹ لیتا ہوں، اور جو مقامات قلب سے متعلق ہیں ان میں پہلا مقام جمع ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ امر آخرت ہی اس کے نزدیک مقصود اور مہتم بالشان ہو اور دنیا کے معاملات اس کی نظر میں ذلیل ہوں ان کا نہ قصد کرتا ہو اور نہ ان کی طرف التفات ہو مگر بجز اس صورت کے کہ جس کے درپے ہے یہ معاملات اس تک ذریعہ ہوں اور جمع اسی مقام کا نام ہے جس کو صوفیہ ارادہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص اپنی فکر کو ایک فکر کرلے یعنی آخرت کی فکر کرے تو خدا تعالیٰ اس کی فکر کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور جس کو مختلف افکار ہوتے ہیں تو خدا تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کس جنگل میں وہ ہلاک ہوا“۔

میں کہتا ہوں انسان کے ارادہ کو جود الٰہی کے دروازہ کو حرکت دینے میں دعا کی سی خاصیت ہے بلکہ وہ دعا کا مغز اور اس کا خلاصہ ہے پس جب انسان کی ہمت مرضیات حق کے لئے خالص ہو جاتی ہے تو خدا تعالیٰ ہر بات میں اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے پس جب اس کی ہمت پختہ ہو جاتی ہے اور وہ ظاہر میں اور باطن میں عبودیت پر مداومت کرتا ہے تو اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت ہو جاتی ہے اور اس محبت سے صرف اس بات کے

یقین میں ہی زیادتی نہیں ہوتی کہ خدا تعالیٰ مالک الملک ہے اور اس کا رسول سچا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف مبعوث ہے بلکہ وہ محبت ایسی حالت ہے جیسے پیاسے کو پانی کے ساتھ اور بھوکے کو کھانے کے ساتھ ایک نسبت ہوتی ہے اور یہ محبت ذکر الٰہی سے عقل کے پر ہونے سے اور اس کے جلال میں فکر کرنے سے اور عقل سے قلب کی طرف نور ایمان کے مترشح ہونے سے اور قلب کے اس نور کو بذریعہ اس قوت کے جو قلب کے اندر پیدا کی گئی ہے قبول کرنے سے پیدا ہوتی ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص کے اندر یہ تین خصلتیں ہوتی ہیں وہ ایمان کی لذت پاتا ہے وہ شخص جس کو خدا اور اس کا رسول سب سے زیادہ پیارا ہو'' الحدیث، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں کہا تھا ''اے اللہ تعالیٰ تو اپنی محبت کو میرے دل میں میری جان اور سمع اور بصر اور میرے مال اور میرے اہل اور سرد پانی سے زیادہ عزیز کردے'' اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''جب تک میں تجھ کو تیری جان سے زیادہ محبوب نہ ہوں تو مومن نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل کی آپ میری اس جان سے زیادہ عزیز ہیں جو میری دونوں پہلوؤں میں ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہوا'' اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے ''تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اس کی اولاد اور اس کے باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں''۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ محبت کی حقیقت لذت یقین کا عقل پر اور پھر قلب اور نفس پر غالب ہونے کا نام ہے یہاں تک کہ وہ قلب کی ان خواہشوں کے قائم مقام ہو جاتی ہے جو قلب کو عادۃ مرغوب ہوتی ہیں جیسے اولاد اور بیوی اور مال کی محبت اور یہاں تک کہ وہ نفس کی خواہشات کے قائم مقام ہو جاتی ہے جیسے پیاسے کو پانی کی خواہش، پس جب ایسی حالت ہو جاتی ہے تو یہ وہ محبت خاص ہوتی ہے جو مقامات قلب سے شمار کی جاتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص خدا تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے تو خدا تعالیٰ اس سے ملنا چاہتا ہے''۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف مومن کے میلان کو اور حجاب بدنی سے تجرد کے مقام کی طرف اس کے اشتیاق کو اور طبیعت کی قید سے فضائل قدس کی طرف ربانی کے

طالب ہونے کو جہاں وہ ایسی چیزوں سے متصل ہوتا ہے جو بیان میں نہیں آ سکتیں اپنے رب کے ساتھ صدق اور محبت کی علامت گردانا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ خالص محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے تو وہ محبت طلب دنیا سے اس کو روکتی ہے اور تمام لوگوں سے اس کو نفرت دلاتی ہے۔

میں کہتا ہوں حضرت ابوبکرؓ کا یہ قول آثار محبت کا نہایت درجہ بیان ہے پس جب مومن کو اپنے رب سے پوری محبت ہو جاتی ہے تو خدا تعالیٰ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت جو بندہ سے ہوتی ہے اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ بندہ سے متاثر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے بلکہ اس محبت کی حقیقت اللہ تعالیٰ کا اس بندہ کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا ہے جس کی وہ قابلیت رکھتا ہے پس جس طرح آفتاب کی تاثیر یہ ہے کہ وہ شفاف جسم کو بہ نسبت اور اجسام کے زیادہ گرم کرتا ہے حالانکہ آفتاب کا فعل حرارت برابر ہے لیکن اجسام کی استعداد کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس کا فعل بھی مختلف ہو جاتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں پر ان کے افعال اور صفات کی وجہ سے ایک عنایت اور توجہ ہے پس جو شخص ان صفات رذیلہ سے متصف ہے جن سے انسان بہائم میں داخل ہو جاتا ہے تو آفتاب احدیت کی روشنی اس کی استعداد کے مناسب اس میں عمل کرتی ہے اور جو شخص ان صفات حمیدہ سے موصوف ہے جو انسان کو ملاء اعلیٰ میں داخل کر دیتے ہیں تو آفتاب احدیت کی روشنی اس میں وہ نور اور ضیا پیدا کر دیتی ہے جس سے وہ منجملہ جواہر حظیرۃ القدس کے ایک جوہر ہو جاتا ہے اور اس پر ملاء اعلیٰ کے احکام جاری ہوتے ہیں پس اس وقت کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس سے محبت کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ برتاؤ کیا جو محب اپنے حبیب سے کرتا ہے اور اس وقت اس بندہ کو ولی کہا جاتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کی محبت اس بندہ میں چند حالات پیدا کرتی ہے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب بیان فرمایا ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ وہ شخص ملاء اعلیٰ میں پھر زمین میں مقبول ہو جاتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو ندا فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اس کو دوست رکھو پھر جبرئیلؑ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر تمام آسمانوں پر جبرئیل ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے پس تم بھی اس کو دوست رکھو پس تمام آسمان

والے اس کو دوست رکھتے ہیں پھر اس کی قبولیت زمین میں ہو جاتی ہے"۔

میں کہتا ہوں جب عنایت الٰہی اس بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو ملاء اعلیٰ کی طرف اس کی محبت منعکس ہوتی ہے جس طرح آفتاب کی شعاعیں شفاف آئینوں میں منعکس ہوتی ہیں پھر ملاء سافل کو اس کی محبت کا الہام ہوتا ہے پھر زمین والوں میں سے جس میں اس بات کی قابلیت ہوتی ہے اس کے دل میں اس کی محبت کا القا ہوتا ہے جس طرح نرم زمین پانی کے حوض سے تری کو چوستی ہے اور از اں جملہ اس کے دشمنوں کا رسوا ہونا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا "جس نے میرے ولی سے عداوت کی پس میں اس کو اعلان جنگ کر دیتا ہوں"۔

میں کہتا ہوں جب بندہ کی محبت عالم بالا کے نفوس میں جو بمنزلہ آئینوں کے ہیں منعکس ہوتی ہے پھر اہل زمین میں سے کوئی شخص اس کی مخالفت کرتا ہے تو ملاء اعلیٰ اس مخالفت کو محسوس کر لیتے ہیں جس طرح ہم میں سے کوئی شخص اس انگارے کی حرارت محسوس کر لیتا ہے جبکہ اس کا قدم اس پر پڑ جاتا ہے پس ان کے نفوس سے ایک شعاع از قبیل نصرت و عداوت نکل کر اس مخالف کو گھیر لیتی ہے اس وقت میں وہ شخص ذلیل و خوار ہو جاتا ہے اور زندگی اس پر تنگ ہو جاتی ہے اور ملاء سافل اور اہل زمین کے دلوں میں اس بات کا القا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بری طرح پیش آئیں پس اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے یہی معنی ہیں۔ اور از اں جملہ یہ ہے کہ اس شخص کی دعا قبول کی جاتی ہے اور جس سے وہ پناہ مانگتا ہے اس سے اس کو پناہ دی جاتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا "اگر میرا بندہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو ضرور دیتا ہوں اور اگر پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں"۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ اس شخص کا حظیرۃ القدس میں داخل ہو جانا ہے جہاں سے حوادث کا حکم دیا جاتا ہے پس اس شخص کی دعا اور پناہ کی درخواست حظیرۃ القدس کی طرف چڑھتی ہے اور قضاء الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہوتی ہے، صحابہ کے آثار میں استجابت دعا کے باب میں بہت کچھ منقول ہے از اں جملہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت سعدؓ نے ابو سعدہ پر یہ بددعا کی اے اللہ تعالیٰ اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے، ریا اور سمعہ کے لئے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز کر اور اس کی غربت کو زیادہ کر اور اس پر فتنے ڈال دے، پس جیسا انھوں نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا، اور ایک دفعہ حضرت

سعید نے اروی بنت اوس پر یہ بد دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کی آنکھیں اندھی کر دے اور اسی کی زمین میں اس کو موت دے، پس جیسا انھوں نے کہا تھا ویسا ہی ہوا اور از اں جملہ نفس سے فانی ہونا اور حق کے ساتھ رہنا ہے اور اسی کو صوفیہ غلبہ وجود حق پر وجود عبد کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی وہ شنوائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ بینائی ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے''۔

میں کہتا ہوں جب بندہ کو بہ سبب اس کی قوت عملیہ کے جو اس کے بدن میں ہے نور الٰہی ڈھانک لیتا ہے تو اس نور کا ایک شعبہ اس تمام قوی میں داخل ہو جاتا ہے پھر ان قوی میں ایسی برکات پیدا ہو جاتی ہے جو عادۃً نہیں ہوتیں ایسے وقت میں وہ فعل ایک خاص نسبت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور تو نے جب پھینکا تو وہ تو نے نہیں پھینکا لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا، اور از اں جملہ یہ بات ہے کہ بعض آداب کے ترک پر مواخذہ کر کے اور ادب کی طرف بندہ کے رجوع کو قبول فرما کر اس کو متنبہ کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پیش آیا جبکہ انھوں نے اپنے مہمانوں کو ناخوش کر دیا پھر ان کو معلوم ہوا کہ یہ فعل شیطان کی طرف سے ہے تب انھوں نے امر معروف کی طرف رجوع کیا پس ان کے کھانے میں برکت دی گئی۔

اور منجملہ مقامات قلب کے دو مقام اور ہیں یہ مقام ان نفوس کے ساتھ خاص ہوتے ہیں جو انبیا علیہم السلام کے ساتھ مشابہ ہوتے ہیں ان دونوں مقاموں کا عکس ان نفوس پر اس طرح پڑتا ہے جس طرح آفتاب کا عکس کسی آئینہ پر پڑتا ہے جو ایک کھلے ہوئے طاق میں رکھا ہوا ہے اور پھر اس آئینہ کا عکس دیواروں پر، چھت پر اور زمین پر پڑتا ہے اور یہ دو مقام بھی بہ منزلہ صدیقیت اور محدثیت کے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ صدیقیت اور محدثیت کا محل ان کے نفوس کی قوت عقلیہ ہوتی ہے اور ان کا محل قوت عملیہ ہوتی ہے جو قلب سے پیدا ہوتی ہے اور وہ دونوں شہید اور حواری کے مقام ہیں اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ شہید کا نفس غصہ اور کفار پر شدت اور دین الٰہی کی مدد کو ملکوت

کے مقامات میں سے کسی مقام سے قبول کر لینا ہے جس میں خدا تعالیٰ نے نافرمانوں سے انتقام لینے کا ارادہ کر رکھا ہے اور وہاں سے رسول پر اس ارادہ کا نزول ہوتا ہے تاکہ وہ رسول اس انتقام میں خدا تعالیٰ کے اسباب میں سے ایک سبب ہو پس ان لوگوں کے نفوس ایسے مقام سے اس ارادہ کو قبول کر لیتے ہیں جیسا کہ محدثیت میں ہم نے ذکر کیا ہے، اور حواری وہ شخص ہے جس کو رسول سے خالص محبت ہو اور مدت دراز تک رسول کی صحبت میں رہا ہو یا رسول کے ساتھ اس کی قرابت قریبہ ہو پس خدا تعالیٰ نبی کے دل سے اس کے دل پر نصرت دین کا انعکاس کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ایمان والو خدا کے مددگار ہو جاؤ جس طرح عیسیٰ بن مریمؑ نے حواریوں سے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف میرے مددگار کون ہیں، حواری بولے ہم خدا کے مددگار ہیں پس ایک گروہ ایمان لایا'' الآیہ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حواری ہونے کی بشارت دی ہے، اور شہید اور حواری کی چند قسمیں اور شعبے ہیں ایک ان میں سے امین ہے اور ایک رفیق ہے اور ایک نجیب ہے اور نیک نقیب ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے فضائل میں ان امور میں سے بہت کچھ ذکر فرمایا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہر نبی کے لئے سات نجیب اور رقیب ہوئے ہیں اور مجھ کو چودہ دیئے گئے ہیں ہم نے عرض کیا وہ کون ہیں تو حضرت علی نے فرمایا میں اور میرے دو بیٹے اور جعفر اور حمزہ اور ابوبکر اور عمر اور مصعب بن عمیر اور بلال اور سلمان اور عمار اور عبداللہ بن مسعود اور ابوذر اور مقداد (رضی اللہ عنہم'' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''تاکہ رسول تم لوگوں پر گواہ ہو'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے اُحد ٹھیر جا کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی یا صدیق یا شہید ہے''۔

اور من جملہ احوال قلب کے ایک سکر ہے اور وہ یہ ہے کہ نور ایمان عقل میں پھر قلب میں متشکل ہو جائے، حتیٰ کہ وہ کاروبار دنیا سے جاتا رہے اور ان چیزوں کو پسند کرنے لگے جن کو انسان مجرائے طبیعت کے اعتبار سے ناپسند کرتا ہے پس وہ شخص اس شخص کے مشابہ ہوتا ہے جو نشہ کی حالت میں عقل و عادت کے طریقوں سے بدلا ہوا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے کہا تھا کہ میں موت کو خدا تعالیٰ کے شوق ملاقات کی وجہ سے محبوب رکھتا ہوں اور مرض کو اس لئے محبوب رکھتا ہوں کہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور مفلسی کو اس لئے پسند کرتا ہوں کہ اس سے خدا

تعالیٰ کے سامنے انکساری ہوتی ہے اور حضرت ابوذرؓ کی نسبت مروی ہے کہ وہ اپنی طبیعت سے مال اور ثروت اور دولت کو ایسا ناپسند اور مکروہ جانتے تھے جس طرح کسی کو ناپاک چیزوں سے نفرت ہوتی ہے اور بشر کی طبیعت میں یہ بات نہیں ہے کہ ایسی چیزوں کو پسند کرے، اور ایسی چیزوں سے نفرت کرے لیکن ان دونوں اصحاب پر یقین اس درجہ غالب آ گیا تھا جس نے ان کو مجرائے عادت سے باہر کر دیا تھا۔

اور من جملہ احوال قلب کے ایک غلبہ ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک غلبہ داعیہ ہے جو قلب مومن میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اس میں نور ایمان مخلوط ہوتا ہے اور اس سے وہ جھاگ سے اٹھتے ہیں جو اس نور اور جبلت قلبی کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں پس یہ ایک ایسا داعیہ اور قصد ہو جاتے ہیں جن کے مقتضی سے انسان رک نہیں سکتا خواہ یہ دعا مقصود شرع کے موافق ہو یا نہ ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شرع بہت سے ایسے مقاصد کو محیط ہے جن کو قلب مومن محیط نہیں۔ پس کبھی اس کا قلب رحم پر مجبور ہوتا ہے۔ حالانکہ بعض مواضع میں شرع سے رحم ممنوع ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اور تم کو نہ پکڑے ان دونوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے دین میں نرمی“ اور بسا اوقات اس کا دل بغض پر مجبور ہوتا ہے۔ حالانکہ شرع کو وہاں مہربانی کرنا مقصود ہوتی ہے جیسا کہ کفار اہل ذمہ پر۔ اور اس غلبہ کی مثال وہ ہے جو حدیث میں ابولبابہ بن منذرؓ سے وارد ہے کہ جب سعد بن معاذؓ کے حکم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کو اتارنا چاہا تو بنو قریظہ نے ابولبابہؓ سے مشورہ کیا۔ ابولبابہؓ نے اپنے ہاتھ سے حلقوم پر اشارہ کیا جس سے ذبح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ پھر وہ اس بات سے نادم ہوئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ میں نے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے۔ پھر وہ اسی حال میں چلے حتی کہ انھوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ اور یہ کہا کہ میں اپنی اس جگہ سے اس وقت تک نہ ہٹوں گا جب تک خدا تعالیٰ اس کے بارے میں میری توبہ قبول نہ کرے گا۔ اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ان پر حمیت اسلام اتنی غالب آئی کہ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال مشرکین سے مصالحت کرنی چاہی تو اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کر بیٹھے اور بگھر پڑے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس تشریف لا کر کہنے لگے، کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول نہیں ہیں انھوں نے فرمایا ہاں

ہیں، پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں انھوں نے فرمایا ہاں ہیں، پھر انھوں نے کہا کہ کیا وہ مشرک نہیں ہیں انھوں نے فرمایا، ہاں۔ انھوں نے کہا۔ پس کس واسطے ہم اپنے دین میں ذلت اختیار کریں۔ تب ابوبکرؓ نے فرمایا۔ اے عمر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اپنے اوپر لازم پکڑ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ پر وہ حالت غالب رہی یہاں تک کہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہی عرض کیا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنا پڑا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کی کبھی مخالفت نہیں کروں گا۔ اور وہ مجھ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس روز کے کلام اور جوش سے ڈر کر ہمیشہ اس کے کفارہ میں روزے رکھتا رہا، صدقہ کرتا رہا آزاد کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا حتی کہ مجھے خیر کی امید ہوئی۔ اور ابوطیبہ جراحؓ سے مروی ہے کہ جب انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنے لگائے تو آپ کا خون مبارک انھوں نے پی لیا۔ حالانکہ شرعاً خون کا پینا ممنوع ہے لیکن ان سے یہ غلبہ کی حالت میں ہوگا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا عذر قبول فرمایا اور ارشاد فرمایا تو نے آگ سے بہت بچاؤ اور روک کرلیا اور ایک غلبہ اور ہے جو اس غلبہ سے زیادہ جلیل القدر اور زیادہ کامل ہے اور وہ خواہش الٰہی کا غلبہ ہے جو مومن کے قلب پر نازل ہوتی ہے۔ پس اس کے مقتضی سے اپنے آپ کو روکنا ممکن نہیں ہے اور اس غلبہ کی حقیقت بعض مقامات قدسیہ سے اس کی قوت عملیہ پر علم الٰہی کا فیضان ہوتا ہے۔ نہ قوت عقلیہ پر اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو نفس انبیا علیہم السلام کے نفوس سے مشابہت رکھتا ہے جب اس میں علم الٰہی کے فیضان کی استعداد ہوتی ہے تو اگر اس کی قوت عقلیہ کو قوت عملیہ پر سبقت ہوتی ہے تو وہ علم جو اس پر فائض ہوتا ہے فراست اور الہام ہوتا ہے۔ اور اگر اس کی قوت عملیہ کی قوت عقلیہ پر سبقت ہوتی ہے تو وہ علم جو اس پر فائض ہوتا ہے تو وہ علم ارادہ و اقبال یا نفرت ہوتا ہے۔ اس کی مثال وہ ہے جو بدر کے قصہ میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں نہایت مبالغہ کیا یہاں تک کہ یہ کہا ''اے اللہ! میں تجھ کو تیرا عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں الٰہی: اگر تو چاہے تو تیری عبادت نہ کی جائے'' تب ابوبکرؓ نے آپ کا ہاتھ تھام کر یہ کہا کہ بس

کیجئے یارسول اللہ! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھتے ہوئے خیمہ سے باہر نکلے عنقریب کفار کی جماعت کو شکست دیدی جائے گی اور وہ پیٹھ پھر دیں گے'' اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دل میں خدا کی طرف سے خواہش پیدا ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو الحاح سے روکیں اور اس سے باز رہنے کی رغبت دلائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی فراست سے اس بات کو معلوم کرلیا کہ یہ خواہش خدا کی ہے، تب خدا تعالیٰ کی مدد سے فتح کے طالب ہوکر اس آیت کو پڑھتے ہوئے باہر نکلے۔ اور اس کی مثال وہ بھی ہے جو عبداللہ بن ابی کی موت کے بارے میں مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا۔ تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں لوٹ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اس نے اس دن ایسا کہا تھا اور اس دن ایسا کہا تھا حتی کہ آپ نے فرمایا۔ اے عمر! میرے پاس سے ہٹ جاؤ مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ پس میں نے اس بات کو اختیار کرلیا۔ اور آپ نے اس کی نماز پڑھی اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی'' ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی اس کی نماز نہ پڑھ'' حضرت عمرؓ کہتے ہیں مجھے اپنے اوپر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنی جرأت کرنے سے تعجب ہوتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہؐ سب سے زیادہ واقف تھے اور حضرت عمرؓ نے ان دونوں غلبوں کے درمیان فرق کو خوب اچھی طرح سے بیان کردیا ہے پس غلبۂ اولی میں فرمایا پس میں روزے رکھتا رہا، صدقہ دیتا رہا، اور آزاد کرتا رہا الخ اور غلبہ ثانیہ میں فرمایا کہ مجھے اپنے حال اور اپنی جرأت پر تعجب ہوا۔ پس ان دونوں کلمات میں جو فرق ہے اس کو دیکھنا چاہیے۔ اور ازاں جملہ خدا تعالیٰ کی طاعت کا ماسوا پر اختیار کرنا اور اس کے موانع کا دور کرنا اور جو چیزیں اس کو طاعت الٰہی سے روکتی ہیں ان سے بیزار ہونا ہے جیسا کہ ابوطلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک جنگلی کبوتر اڑا اور باغ میں ادھر ادھر اس نے اڑنا شروع کیا۔ اور درختوں کی ٹہنیاں اور پتے گنجان ہونے کی وجہ سے اس کو باہر جانے کا راستہ نہیں ملتا تھا یہ بات ان کو بہت بھلی معلوم ہوئی اور اس خیال میں ان کو رکعتوں کی تعداد یاد نہیں رہی تو انھوں نے اس باغ کو صدقہ کردیا۔

اور ازاں جملہ غلبہ خوف سے جس کے سبب سے آدمی کو رونا آئے اور اس کا بدن کانپنے لگے،

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سینہ سے بہ سبب گریہ کے ہانڈی کے جوش کی طرح آواز محسوس ہوتی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سات اشخاص کے بارے میں فرمایا جن کو خدا تعالیٰ اس روز اپنے سایہ میں رکھے گا جس روز اس کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا ''اور وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کیا اور اس کی آنکھیں بھر آئیں'' اور آپ نے فرمایا ''جو شخص خوف الٰہی سے رویا ہے وہ آگ میں نہیں جائے گا جب تک کہ دودھ پستان میں لوٹ کر نہ آئے'' اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت رونے والے شخص تھے قرآن شریف پڑھتے تھے ان کی آنکھیں ان کے اختیار میں نہیں رہتی تھیں، جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے سنا ''ام خلقوا من غير شئ ام هو الخالقون'' اس کے سنتے ہی میرا دل ڈر گیا۔

اور وہ مقامات جو نفس کو نور ایمان کے اس پر غالب ہونے اور اس کے صفات خسیسہ کو صفات فاضلہ کے بدلنے کے اعتبار سے حاصل ہوتے ہیں ان میں سے پہلا مقام یہ ہے کہ نور ایمان اس عقل سے جو عقائد حقہ سے منور ہے نازل ہو کر قلب پر آئے اور جبلت قلبی کے ساتھ اتصال پیدا کرے تب ان سے ایک زاجر پیدا ہو جو نفس کو مغلوب کرے اور اس کو مخالفات سے روکے پھر ان سے ایک ندامت پیدا ہو جو نفس کو مقہور کرے اور اس کو اپنے قابو میں کرے اور اس کی باگیں پکڑے، پھر ان سے زمانہ آئندہ میں گناہ ترک کرنے کا عزم پیدا ہوا اور وہ نفس پر غالب ہو کر شرع کے اوامر و نواہی سے اس کو مطمئن کر دے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور لیکن جس شخص نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کو خواہش سے روکا پس بلا شبہ اس کا ٹھکانا جنت میں ہو گیا''۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ''من خاف'' عقل کے نور ایمان کے ساتھ منور ہونے کا اور اس سے قلب کی طرف اس نور کے نازل ہونے کا بیان ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خوف کے لئے ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا ہے پس اس کی ابتدا خدا تعالیٰ کا خوف اور اس کے غلبہ کا معلوم کرنا ہے اور اس کا محل عقل ہے اور اس کی انتہا پریشانی اور اضطراب اور دہشت ہے اور اس کا محل قلب ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول 'ونهى النفس'' اس بات کا بیان ہے کہ یہ نور جو قوت قلب سے مخلوط ہے نفس

کی طرف نازل ہوتا ہے اور اس پر غالب ہوتا ہے اور اس کو روکتا ہے پھر یہ نفس اس کا فرمانبردار اور مطیع ہو جاتا ہے پھر عقل سے نور ایمان دوسری مرتبہ قلب کی طرف نازل ہوتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ اتصال پیدا کرتا ہے پھر ان دونوں سے خدا تعالیٰ کی طرف التجا پیدا ہوتی ہے اور وہ استغفار اور توجہ کا سبب بنتی ہے اور استغفار سے دل کے زنگ کی صفائی ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے پس اگر وہ توبہ اور استغفار کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ اور گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی زیادہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ تمام دل پر غالب آ جاتی ہے پس یہ وہ میل ہے جس کا اللہ تعالیٰ اس میں ذکر فرماتا ہے ''کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون '' (ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ چڑھ گیا ہے۔

میں کہتا ہوں پس سیاہ نقطہ بہیمیت کی ظلمتوں میں سے ایک ظلمت کا ظاہر ہونا اور انوار ملکیہ میں سے ایک نور کا پوشیدہ ہونا ہے اور اس نقطہ کا صاف ہونا ایک روشنی ہے جو نور ایمانی سے نفس پر فائز ہوتی ہے اور اس میل سے مراد بہیمیت کا غالب ہونا اور ملکیت کا بالکل پوشیدہ ہو جانا ہے پھر نور ایمانی کا بار بار نزول ہوتا ہے اور خواہشات نفسانی بار بار دفع ہوتے رہتے ہیں پس جب نفس میں کسی گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے مقابلے میں نور نازل ہو کر اس باطل کو مٹا دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک سیدھا راستہ ہے اور اس راستہ کے دونوں جانب دو دیواریں ہیں جن میں کھلے ہوئے دروازے ہیں اور ان دروازوں پر پردہ لٹکے ہوئے ہیں اور اس راستہ کے سرے پر ایک پکارنے والا یہ کہہ رہا ہے ''راستہ پر سیدھے چلے چلو اِدھر اُدھر نہ پھرو اور اس پکارنے والے کے اوپر ایک اور پکارنے والا ہے کہ جب کوئی بندہ ان دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھولنے کا قصد کرتا ہے تو وہ پکار کر کہتا ہے تجھ پر افسوس ہے تو اس دروازہ کو مت کھول اگر تو اس کو کھولے گا تو اس میں جا پڑے گا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال کی تفسیر بیان کی اور بتلایا کہ وہ راستہ اسلام ہے اور وہ کھلے ہوئے دروازے اللہ تعالیٰ کے محارم ہیں اور وہ پڑے ہوئے پردے اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں اور راستہ کے سرے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے اور اس کے آگے جو اور پکارنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف کا واعظ ہے جو ہر مومن

کے دل میں موجود ہے۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ یہاں دو پکارنے والے ہیں ایک تو راستہ کے سرے پر پکارنے والا ہے اور وہ قرآن اور شریعت ہے جو ہمیشہ ایک طرز پر بندہ کو راہ راست کی طرف پکارتے ہیں اور ایک پکارنے والا چلنے والے کے سر پر ہے جو ہر وقت اس کی نگہبانی کرتا ہے جب وہ کسی گناہ کا قصد کرتا ہے تو وہ پکارنے والا اس پر چیختا ہے اور وہ خاطر ہے جو قلب سے اٹھتا ہے اور جبلت قلب اور اس نور سے پیدا ہوتا ہے جو عقل منور بنور قرآنی کی جانب سے قلب پر فائض ہوتا ہے اور اس کا حال اس پتنگے کا سا ہے جو بار بار کسی پتھر سے چمکتا ہے اور کبھی کبھی خدا تعالیٰ کی طرف سے بعض بندوں پر یہ مہربانی ہوتی ہے کہ وہ لطیفہ غیبی پیدا کر دیتا ہے جو اس شخص کے اور اس کے گناہ کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ وہ برہان ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے ''اور البتہ اس عورت نے یوسفؑ کا قصد کیا اور یوسفؑ اس عورت کا قصد کرتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے'' اور یہ سب مقام توبہ ہے اور جب مقام توبہ کامل ہو جاتا ہے اور نفس کے اندر وہ ایک ملکہ راسخ ہو جاتا ہے تو اس سے خدا تعالیٰ کی عظمت پیش نظر رکھنے کے وقت ایسا اضمحلال پیدا ہوتا ہے جس کو کوئی تبدیل کرنے والی چیز بدل نہیں سکتی اور اس کا نام حیا ہے اور لغت میں حیا کے معنی نفس کا ان چیزوں سے باز رہنا ہے جن کو لوگ عادۃً معیوب سمجھتے ہیں پس شریعت نے لغت سے نقل کر کے حیا اس ملکہ کا نام رکھا ہے جو نفس کے اندر راسخ ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان خدا تعالیٰ کے سامنے اس طرح گھلتا ہے جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان ان خواطر کا پابند نہیں ہوتا جو مخالف شرع چیزوں کی طرف مائل ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حیا جزءِ ایمان ہے'' پھر حیا کی تفسیر کی اور فرمایا ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے کامل حیا کرتا ہے تو اس کو لازم ہے کہ اپنے سر کو اور جو چیزیں سر کے اندر ہیں ان کی حفاظت کرے اور اپنے شکم کی اور ان چیزوں کی جو اس کے اندر ہیں حفاظت کرے اور موت کو اور بوسیدہ ہونے کو یاد کرے اور جو آخرت کا ارادہ کرے وہ زینت دنیا کو ترک کرے پس جس شخص نے ایسا کیا اس نے خدا تعالیٰ سے پوری حیا کی''۔

میں کہتا ہوں عرف میں کبھی اس شخص کو جو اپنی ضعف جبلی کی وجہ سے بعض افعال سے باز رہتا

ہے حیادار کہہ دیتے ہیں اور کبھی صاحب مروت آدمی کو جو ایسی باتوں سے بچتا ہے جن سے لوگوں میں اس کا چرچا ہو حیادار کہہ دیتے ہیں حالانکہ ان دونوں شخصوں کا اس حیا سے جو مقامات میں شمار کی جاتی ہے کچھ حصہ نہیں ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معنی مقصود کو ان افعال کی تعیین سے جو حیا سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کے سبب سے جس سے وہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے مجاور سے جو عادۃً اس کو لازم ہوتا ہے بیان فرمادیا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ''پس وہ اپنے سر کو بچائے'' الخ۔ ان افعال کا بیان ہے جو اس حیا کے ملکہ سے پیدا ہوتے ہیں جو مخالف چیزوں کے ترک کرنے کے قبیل سے ہے اور آپ کا یہ فرمان ''اور وہ موت کو یاد کرے'' نفس کے اندر حیاء کے استقرار کے سبب کو بیان کرنا ہے اور آپ کا یہ فرمانا ''جو آخرت کا ارادہ کرے'' حیا کے اس مجاور کو بیان کرنا ہے جس کو زہد کہتے ہیں کیونکہ حیا زہد سے خالی نہیں ہوتی پس جب حیا انسان کے اندر جگہ پکڑ جاتی ہے تو نور ایمان بھی عقل سے قلب پر نازل ہوتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے پھر نفس کی طرف اتر کر اس کو شبہات سے روک دیتا ہے اور اسی کو ورع کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان مشتبہ امور ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچا لیا اور جو مشتبہات میں پڑا وہ حرام میں پڑ گیا'' اور آپ نے فرمایا'' شک والی چیز کو چھوڑ کر غیر شک والی چیز کو اختیار کر کیونکہ صدق اطمینان ہے اور کذب شک ہے'' اور آپ نے فرمایا'' بندہ متقین کے درجہ کو نہیں پہنچتا جب تک کہ ان چیزوں کو جن میں کوئی مضائقہ نہیں ان چیزوں کے خوف سے جن میں مضائقہ ہے نہ چھوڑ دے''۔

میں کہتا ہوں کبھی ایک مسئلہ میں دو وجہ متعارض ہو جاتی ہے ایک وجہ اباحت کی ہوتی ہے اور ایک وجہ تحریم کی، یا تو یہ تعارض شریعت کی طرف سے اس مسئلہ کے اصل ماخذ میں ہوتا ہے جیسے دو حدیثیں متعارض یا دو قیاس مخالف ہوتے ہیں یا یہ تعارض حادثہ کی صورت کے اس اباحت وتحریم کے حکم کے ساتھ جو شریعت میں مقرر ہے مطابق کرنے میں ہوتا ہے پس ایسے وقت میں خدا تعالی اور بندہ میں بغیر اس چیز کے ترک کرنے کے اور جس میں اشتباہ نہیں اس کے اختیار کرنے کے صفائی نہیں ہوتی، پس جب ورع پایا جاتا ہے تو نور ایمان بھی نازل ہوتا ہے اور جبلت قلبی اس کو

مخلوط ہو جاتی ہے پھر جو چیز حاجت سے زائد ہیں ان میں مشغول ہونے کی قباحت اس پر منکشف ہو جاتی ہے کیونکہ وہ چیزیں اس کو مقصود اصلی سے روکتی ہیں پھر وہ نور نفس کی طرف نازل ہوتا ہے اور ایسی چیزوں کی طلب سے نفس کو باز رکھتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے"۔

میں کہتا ہوں خدا تعالیٰ کے علاوہ ہر شغل نفس کے آئینہ پر سیاہ دھبہ ہے بجز ان اشغال کے جو زندگی میں ضروری ہیں جبکہ اس نیت سے ان میں مشغول ہو کہ وہ منزل مقصود تک پہنچانے والی ہیں تو ان کے لئے معافی ہے اور ان کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کا واعظ جو مومن کے قلب میں ہوتا ہے ان سے منع کرتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا کا زہد حلال کو حرام کرنے میں اور مال کو ضائع کرنے میں نہیں ہے بلکہ دنیا کا زہد یہ ہے کہ جو چیز تیرے ہاتھ میں ہے اس کا تجھ کو اس چیز سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جو خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ کہ جب تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس مصیبت کے ثواب میں اگر وہ مصیبت تیرے لئے باقی رکھی جائے تو تجھ کو زیادہ رغبت ہو"۔

میں کہتا ہوں زاہد کو کبھی دنیا میں ایک ایسا غلبہ حاصل ہوتا ہے جس سے وہ ان عقائد و افعال پر آمادہ ہوتا ہے جو شریعت میں محمود ہیں اور ان عقائد و افعال کو ترک کرتا ہے جو محمود نہیں ہیں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زہد کا موقع بیان کر دیا کہ یہ شریعت میں محمود ہے اور یہ غیر محمود ہے پس جب کسی شخص پر حاجت سے زیادہ چیزوں میں مشغول ہونے کی قباحت منکشف ہو جاتی ہے اور وہ ان چیزوں کو ایسا برا سمجھتا ہے جیسے اپنے مقتضیٰ طبع کے اعتبار سے ضرر پہنچانے والی اشیا کو برا سمجھتا ہے تو بسا اوقات وہ شخص ان چیزوں میں تعمق کرنے لگتا ہے اور اس کو اس بات کا اعتقاد ہو جاتا ہے کہ ظاہر شرع کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ کرے گا حالانکہ یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ شرع طبائع بشری کے دستور کے موافق نازل ہوئی ہے اور زہد ایک قسم کی طبیعت بشری سے الگ ہونا ہے اور وہ خاص اس کے نفس کے لئے بہ نظر اس کے مقام کی تکمیل کے حکم الٰہی ہے اور وہ تکلیف شرعی نہیں ہے اور کبھی کبھی وہ مال کے ضائع کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے اور وہ دریاؤں اور پہاڑوں میں اس مال کو پھینک دیتا ہے اور یہ ایسا غلبہ ہے جس کو شریعت صحیح نہیں کہتی اور نہ ہی شرع نے اس غلبہ کو احکام زہد کے ظاہر ہونے کا مقام گردانا ہے، بلکہ شرع نے جس کو احکام زہد کے ظاہر ہونے کا مقام گردانا ہے

وہ دو چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ جو چیز حاجت سے زیادہ ہے اور اس شخص کو ہنوز حاصل نہیں ہوئی ہے تو وہ شخص اس کے طلب کرنے کی تکلیف نہ اٹھائے بلکہ اس وعدہ الٰہی پر اعتماد کرے کہ دنیا میں جو تکلیف پہنچے گی آخرت میں اس کا ثواب ملے گا، دوسری یہ ہے کہ جو چیز اس کے ہاتھ سے جاتی رہے تو اپنے دل کو اس کے پیچھے نہ لگائے اور نہ اس پر افسوس کرے بلکہ اس وعدہ الٰہی پر یقین کرے جو صابرین اور فقرا کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

واضح ہو کہ نفس کی یہ جبلی بات ہے کہ وہ خواہشات کی پیروی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ نور ایمانی اس میں ظاہر ہو جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں ”میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا ہوں بیشک نفس برائی کا حکم دیتا ہے مگر جو میرا رب رحم کرے“ پس مومن تمام عمر نور الٰہی کا نزول طلب کرنے میں نفس سے مجاہدہ کرتا رہتا ہے پس جو کوئی نفسانی خواہش جوش میں آتی ہے تو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کو اور فرمانبرداروں کے لئے ثواب اور نافرمانوں کے لئے جو عذاب مقرر کیا ہے اس کو یاد کرتا ہے پس اس کے قلب اور عقل سے ایک خیال حق پیدا ہوتا ہے جو باطل خیال کو مٹا دیتا ہے اور وہ باطل خیال کان لم یکن اور معدوم ہو جاتا ہے مگر یہ کہ عارف میں اور نئے سرے سے توبہ کرنے والے میں بڑا فرق ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں خطروں کی باہم مدافعت اور خیال حق کا خیال باطل پر غلبہ اور نفس کا حق کے لئے فرمانبردار ہونا جبکہ نفس مطمئنہ ہو اور اس عقل کے آداب کے ساتھ مؤدب ہو جو نور ایمانی سے منور ہو رہی ہے اور نفس کا حق سے بغاوت کرنا اور اس سے سرکشی کرنا جبکہ نفس عاصی اور منکر ہو بخل اور جود کے مسئلہ میں لوہے کی دو زرہوں کی مثال دیکر کہ ان میں سے ایک ٹھیک ٹھیک اور دوسری تنگ ہے بیان فرمایا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال ان دو شخصوں کی سی ہے جو لوہے کی زرہیں پہنے ہوئے ہیں اور ان دونوں کے ہاتھ سینے اور گلے کی طرف جکڑے ہوئے ہیں پس صدقہ کرنے والا جب کچھ صدقہ کرتا ہے تو وہ زرہ پھیل جاتی ہے اور بخیل جب صدقہ کرنے کا قصد کرتا ہے تو وہ زرہ تنگ ہو جاتی ہے اور ہر کڑی اپنی جگہ پکڑ لیتی ہے۔

میں کہتا ہوں جس شخص کا نفس جبلی طور سے یا کسی طور سے مطمئن ہو جاتا ہے تو خاطر حق ظاہر ہوتے ہی اس کے نفس کا مالک ہو جاتا ہے اور اس پر غالب ہو جاتا ہے اور جس شخص کا نفس عاصی

اور منکر ہوتا ہے تو خاطر حق اس میں اثر نہیں کرتا بلکہ اس سے دور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں عقل کا نور ایمانی سے منور ہونے اور پھر اس کے نور کا نفس پر فیضان ہونے کو بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "متقی لوگوں کو جب شیطان کی طرف سے پھرنے والا چھو جاتا ہے تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں پھر ناگاہ ان کو سوجھ ہو جاتی ہے"۔

میں کہتا ہوں شہوت نفس کے روزن سے شیطان انسان کے باطن پر جھانکتا ہے اور اس کے دل میں معصیت کی خواہش پیدا کر دیتا ہے پھر اگر بندہ جلال الٰہی کو یاد کر کے ڈر جاتا ہے تو اس سے عقل میں نور پیدا ہوتا ہے اور یہی ابصار ہے پھر وہ نور قلب اور نفس کی طرف اترتا ہے پس اس خواہش کو دور کر دیتا ہے اور شیطان کو دفع کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور صبر کرنے والوں کو خدا کی خوشنودی کی بشارت سنا دو، ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے راستے پر ہیں"۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کا قول "انا للہ" خاطر حق کے نزول کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول "صلوات من ربهم ورحمة" ان برکات کی طرف اشارہ ہے جن کو صبر نفس کی نورانیت سے اور نفس کے ملکوت کے ساتھ مشابہ ہونے سے پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر خدا تعالیٰ کے حکم سے اور جو شخص خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے خدا تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے" الآیہ،

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کا قول "باذن اللہ" تقدیر کی معرفت کی طرف اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ کا قول "ومن یومن باللہ" عقل سے قلب اور نفس کی طرف خاطر حق کے نازل ہونے کی طرف اشارہ ہے اور من جملہ احوال نفس کے غیبت ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ نفس اپنی خواہشات سے غائب ہو جائے جیسا کہ عامر بن عبداللہ کہتے ہیں "مجھے کچھ توجہ نہیں ہوتی کہ میں نے عورت کو دیکھا یا دیوار کو" اور امام اوزاعیؒ سے کسی نے کہا کہ ہم نے تمہاری باندی زرقا کو بازار میں دیکھا، انھوں نے فرمایا کیا وہ زرقا تھی؟ اور من جملہ احوال نفس کے محق ہے اور وہ حالت یہ ہے کہ آدمی ایک مدت تک جس میں عادۃً کھانے پینے سے آدمی بے خبر نہیں رہ سکتا اس وجہ سے غافل رہے کہ اس کا نفس

عقل کی جانب متوجہ ہوگیا ہے اور اس کی عقل نور الٰہی سے لبریز ہوگئی ہے اور اس سے بڑھ کر اور کامل یہ ہے کہ نور الٰہی نفس کی طرف نازل ہوکر کھانے اور پینے کے قائم مقام ہو جائے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرا حال تمہارا سا نہیں ہے میں اپنے پروردگار کے پاس شب بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے'' واضح ہو کہ قلب، عقل اور نفس کے مابین ہے پس کبھی تسامح کے طور پر جمیع مقامات یا اکثر مقامات کو قلب کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور اس استعمال پر آیات اور بہت سی احادیث وارد ہیں پس اس نکتہ سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

اور واضح ہو کہ نفس بہیمی اور قلب سبعی کی خواہشوں میں سے ہر قسم کی خواہش کے لئے نور ایمانی کی جو مدافعت ہوتی ہے اس کا نام جدا ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اقسام میں سے ہر ایک کے نام اور اس کے وصف پر مطلع فرمایا ہے پس جب عقل کو خواطر حقہ کے روشن ہونے میں ملکہ اور نفس کو ان خواطر کے قبول کرنے میں ملکہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس کو ایک مقام کہا جاتا ہے پس پریشانی کے دفع کرنے کے ملکہ کا نام مصیبت پر صبر ہے اور اس کی جگہ قلب ہے اور آرام اور فراغت کے مدافعت کے ملکہ کا نام اجتہاد ہے اور صبر پر طاعت ہے اور حدود شرعی کی مخالفت کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام تقویٰ ہے خواہ وہ مخالفت بطور کاہلی کے ہو یا ان حدود کے اضداد کی طرف میلان کے اعتبار سے ہو، اور کبھی تقوی کا اطلاق لطائف ثلاثہ کے تمام مقامات پر بلکہ ان اعمال پر بھی ہوتا ہے جو ان مقامات سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی اخیر استعمال کے بموجب اللہ تعالیٰ کی یہ آیت: ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ، اور حرص کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام قناعت ہے اور جلد بازی کی خواہش کو دفع کرنے کے لئے ملکہ کا نام تانی ہے اور غصہ کی خواہش کو دفع کرنے سے ملکہ کا نام حلم ہے اور اس کا مقام قلب ہے اور شہوت فرج کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام عفت ہے اور زبان زوری اور بیہودہ کلام کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام صمت اور سکوت ہے اور غلبہ کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام خمول ہے اور محبت وعداوت وغیرہ میں تلون کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام استقامت ہے اور ان کے علاوہ بہت سی خواہشات ہیں اور ان کی مدافعتوں کے جدا جدا نام ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ان سب کی بحث اس کتاب کے فن اخلاق میں آئے گی۔

طلب رزق کے ابواب کا بیان

واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کی روزی زمین میں مقرر کی اور زمین کی چیزوں سے ان کے لئے نفع حاصل کرنا مباح کیا تو ان میں حرص اور نزاع واقع ہوا اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ کسی شخص کو دوسرے شخص سے اس چیز میں مزاحم ہونا جو اس کے لئے خاص ہو گئی ہے حرام ہے خواہ وہ اختصاص اس لئے ہو کہ دوسروں سے پیشتر اس شخص نے یا اس کے مورث نے اس چیز پر قبضہ کیا ہے یا کسی دوسری وجہ سے ہو جس کا لوگوں میں اعتبار ہے بجز تبادلہ یا باہمی رضامندی کے جس کی خبر ہو اور اس میں کوئی مکروفریب نہ ہو اور چونکہ انسان مدنی الطبع ہے کہ ان کی روزی بغیر باہمی تعاون کے قائم نہیں ہوتی اس واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعاون کے واجب ہونے کا حکم نازل ہوا اور نیز یہ حکم نازل ہوا کہ ان میں سے کوئی شخص اس چیز سے جس کو تمدن میں دخل ہے بغیر حاجت ضروری کے خالی نہ رہے اور نیز اصل ذریعہ اموال مباحہ کو قبضہ میں کرنا یا اموال مباحہ کی مدد سے اپنی مخصوص چیز سے نفع حاصل کرنا ہے جیسے چرا کر مویشی کی نسل کو بڑھانا اور زمین کی اصلاح کر کے اور پانی دیکر کھیتی کرنا اور اس میں یہ شرط ہے کہ کوئی شخص کسی پر تنگی نہ کرے جس سے تمدن میں فساد لازم آئے پھر لوگوں کے اموال کا معاش میں مدد کر کے زیادہ کرنا ایسی چیز ہے جس کے بغیر شہر کی حالت کا قائم رہنا یا تو ناممکن ہے یا دشوار ہے مثلاً ایک شخص مال تجارت ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جاتا ہے اور ایک مدت معلوم تک اس لے جانے کی محافظت کی مشقت جھیلتا ہے یا ایک شخص اپنی کوشش اور عمل سے دلالی کرتا ہے یا مال کے اندر ایک عمدہ صفت پیدا کر کے لوگوں کے مال کی اصلاح کرتا ہے اور ایسی ہی امثال، پس اگر مال میں زیادتی چاہنا

ایسے کام کے ذریعہ ہے جس کو لوگوں کی معاونت میں دخل نہیں ہے جیسے قمار بازی یا باہمی ایسی رضامندی سے ہے جو زبردستی کے معنی کے ساتھ مشابہ ہے جیسے سود کیونکہ تنگدست آدمی مجبور ہو کر ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے جس کا ایفا نہیں کر سکتا اور اس کی رضامندی حقیقت میں رضامندی نہیں ہوتی پس یہ عقود پسندیدہ عقود اور اسباب صالحہ میں داخل نہیں ہیں بلکہ اصل حکمت مدنیہ کے اعتبار سے ایسے عقود باطل اور حرام ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے بے آباد زمین کو آباد کیا پس وہ اسی کی ہے''۔

میں کہتا ہوں اس میں اصل وہ بات ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ سب اللہ تعالیٰ کا مال ہے اور درحقیقت اس میں کسی کا حق نہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے زمین اور زمین کی چیزوں سے نفع حاصل کرنے کو مباح کیا تو باہم جھگڑا پیدا ہوا پس اس وقت یہ حکم ہوا کہ جس نے کسی کو ما اضرر پہنچائے کسی چیز پر قبضہ کر لیا ہے اس چیز میں کوئی اس سے تعرض نہ کرے پس بنجر زمین جو نہ شہر میں ہے اور نہ شہر کے آس پاس ہے پس جب کوئی شخص اس کو آباد کرے گا تو بغیر کسی کو ضرر پہنچانے کے سب سے پیشتر وہ اس پر قابض ہوا پس اس کا حکم یہ ہے کہ کوئی شخص اس سے اس زمین کو نہ چھینے اور تمام زمین درحقیقت بہ منزلہ مسجد یا سرائے کے ہے جو مسافروں کے لئے وقف ہے اور وہ سب اس میں شریک ہیں پس جو پہلے ہے وہی زیادہ حقدار ہے اور آدمی کے حق میں ملک کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کی بہ نسبت وہ نفع حاصل کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قدیم زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے پھر وہ میری طرف سے تمہارے لئے ہے''

واضح ہو کہ عادی زمین اس زمین کو کہتے ہیں جس کے باشندے ہلاک ہو گئے ہوں اور اب کوئی مدعی اور مخاصم نہ ہو کہ اپنے مورث کے پیشتر قبضہ کے ساتھ دعوی کرنے والا باقی نہ رہا ہو پس جو زمین ایسی ہیں ان سے بنی آدم کی ملکیت ختم ہو گئی اور وہ خالص اللہ تعالیٰ کی ملک ہو گئیں اور ان کا حکم اس وجہ سے جو ملک کے معنی میں ہم بیان کر چکے ہیں اس زمین کا سا ہے جو کبھی آباد ہی نہیں ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بجز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے چراگاہ کسی کی نہیں''۔

میں کہتا ہوں چونکہ گھاس کے رکھانے میں لوگوں پر تنگی اور ان پر ظلم اور ضرر رسانی ہے اس

لئے آپ نے اس سے منع فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے مستثنیٰ کیے گئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میزان عدل عطا فرمائی تھی اور اس بات سے آپ کو محفوظ کیا تھا کہ کوئی ناجائز بات آپ سے صادر ہو اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن امور کا مبنیٰ گمان غالب پر ہے ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہیں اور جن امور کا مبنیٰ تہذیب نفس اور اس کے مشابہ امور پر ہے وہ امور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسروں پر برابر برابر لازم ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہزور کے نالہ میں یہ حکم دیا تھا کہ اس کو روک لیا جائے یہاں تک کہ ٹخنوں تک کھیت بھر جائے پھر اوپر والا نیچے والے کے لئے چھوڑ دے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی مخاصمت کے قصہ میں یہ فیصلہ فرمایا ''اے زبیر تو پانی دے پھر اس کو روک یہاں تک کہ پانی دیواروں کی جڑ تک پہنچ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی کو چھوڑ دے''۔

میں کہتا ہوں اس میں اصل یہ ہے کہ جب ایک مباح چیز میں لوگوں کے حقوق یکے بعد دیگرے متعلق ہوئے تو یہ ضروری ہوا کہ ہر شخص کے لئے کم از کم معتد بہ فائدہ حاصل ہونے کی مقدار میں بھی ترتیب کی رعایت کی جائے کیونکہ اگر قریب کو مقدم نہ کیا جائے گا تو یہ اس کے حق میں زبردستی اور ضرر رسانی ہوگی اور اگر درجہ بدرجہ ہر شخص پورا فائدہ حاصل نہ کرے گا تو اس کا حق حاصل نہیں ہوگا پس اس قاعدہ کے موافق آپ نے پانی کو روکنے کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ ٹخنوں تک پہنچ جائے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے قریب ہے کہ پانی دیوار کی جڑ تک پہنچ جائے کیونکہ وہ دیوار تک پہنچنے کی شروع حد ہے اور ٹخنوں تک پہنچنے سے پہلے پہلے اس کو زمین جذب کر سکتی ہے اور پانی دیواروں تک نہیں پہنچ سکتا اور ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابیض بن حمال ماربی کو نمک جو مارب میں تھا دیدیا پس کسی نے آپ سے عرض کیا کہ آپ نے تو اس کو ایک چشمہ جاری دیدیا، راوی کہتا ہے کہ پھر آپ نے اس سے واپس لے لیا۔

میں کہتا ہوں اس میں شک نہیں کہ جس کھلی ہوئی کان میں زیادہ مشقت نہ ہو اس کو مسلمانوں میں سے کسی ایک کو عطا کر دینا دیگر مسلمانوں کو ضرر پہنچانا اور ان پر تنگی کرنا ہے، کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گری ہوئی چیز کے بارے میں دریافت کیا آپ نے فرمایا ''اس کے ظرف اور اس کے دہانہ بند کو شناخت کر پھر ایک برس تک اس کو لوگوں میں مشہور کر پس اگر اس کا مالک

آ جائے تو بہتر ہے ورنہ پھر اپنے کام میں لا، سائل نے عرض کیا کہ گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا، وہ تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی مسلمان کیلئے ہے یا بھیڑیئے کے لئے ہے پھر اس نے عرض کیا کہ گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا تجھ کو اس سے کیا کام ہے اس کے ساتھ اس کی مشک اور اس کے قدم ہیں پانی پئے گا اور گھاس کھائے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے گا، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کی لکڑی اور کوڑے اور رسی اور ان کے مثل چیزوں کی اجازت دی ہے کہ کوئی شخص ان کو اٹھا کر نفع حاصل کر سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں واضح ہو کہ پڑی ہوئی چیز کا حکم اسی قاعدہ کلیہ سے مستنبط ہے جس کو ہم ذکر کر چکے ہیں پس جن چیزوں سے ان کا مالک مستغنی ہو اور ان کے گم ہونے کے بعد وہ لوٹ کر نہ آئے یعنی حقیر چیز ہو تو اس کا مالک بننا جائز ہے بشرطیکہ یہ گمان ہو کہ اس کا مالک وہاں موجود نہیں ہے اور وہ لوٹ کر وہاں واپس نہیں آ سکتا کیونکہ وہ چیز خدا تعالیٰ کا مال ہو کر مباح ہو گئی اور جو چیز کسی قدر قیمتی ہے جس کو انسان ڈھونڈتا ہے اور غائب اس کی تلاش میں واپس آتا ہے تو ایسی چیز کا اعلان کرنا جس قدر مدت تک ایسی چیز کے اعلان کرنے کا دستور ہے واجب ہے یہاں تک کہ اس کے مالک کے واپس نہ آنے کا گمان غالب ہو جائے اور بکری جیسی چیزوں کا پکڑ لینا مستحب ہے کیونکہ اگر اس نے اس کو نہ پکڑا تو وہ ضائع ہو جائے گی اور اونٹ جیسی چیز کو پکڑنا مکروہ ہے۔

واضح ہو کہ ہر مبادلہ میں چند چیزوں کا ہونا ضروری ہے ایک تو عاقدین اور عوضین اور اس چیز کا ہونا جس میں عاقدین کے مبادلہ کرنے سے رضامندی کا گمان غالب ہوتا ہے اور اس چیز کا ہونا بھی ضروری ہے جو ان کی منازعت کو قطع کرنے والی اور عاقدین پر عقد کو لازم کرنے والی ہوتی ہے اور عاقدین میں یہ شرط ہے کہ وہ دونوں آزاد ہوں، عاقل ہوں، نفع نقصان کو پہچانتے ہوں اور اس عقد کو سمجھ بوجھ کے ساتھ اور ثبات کے ساتھ عمل میں لانے والے ہوں، اور عوضین میں شرط یہ ہے کہ وہ دونوں مال قابل نفع اور قابل رغبت ہوں اور وہ مال ان چیزوں سے نہ ہوں جو ہر شخص کے لئے مباح ہیں اور نہ ان چیزوں سے ہوں جن میں لوگوں کو قابل اعتبار فائدہ نہیں ہوتا ورنہ وہ عقد اس قبیل سے نہ ہو گا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے مقرر فرمایا ہے اور وہ عقد عبث ہو جائے گا اور نہ اس عقد کے ضمنی فائدہ کی رعایت ہو (مثلاً سود) جس کو ظاہر میں ذکر نہیں کیا جاتا

اور یہ من جملہ مفاسد کے ایک فساد ہے کیونکہ اس عقد کا کرنے والا اس خیال میں ہوتا ہے کہ جس چیز کا اس نے ارادہ کیا ہے وہ اس کو نہ ملے گی پس وہ ناامیدی کے ساتھ سکوت کرتا ہے یا بغیر کسی حق کے جو لوگوں کے ساتھ متعلق ہوا ہو وہ شخص جھگڑا کرتا ہے اور جس چیز سے عاقدین کی رضامندی پائی جاتی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ وہ واضح امر ہو جس سے لوگوں کے سامنے مواخذہ کیا جا سکے اور وہ شخص بلا دلیل قائم کئے ظلم نہ کر سکے اور اس باب میں سب سے زیادہ واضح چیز زبان سے صاف بیان کرنا ہے اور پھر اس طرح سے لین دین کرنا جس میں شک باقی نہ رہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر اختیار ہے جب تک وہ دونوں جدا نہ ہوں سوائے بیع خیار کی۔

میں کہتا ہوں واضح ہو کہ ایک ایسے امر کا ہونا ضروری ہے جو ایک کے حق کو دوسرے کے حق سے جدا کرے اور بیع کے رد کرنے میں ان دونوں کے اختیار کو دور کر دے کیونکہ ایسا امر قاطع نہ پایا جائے گا تو ایک دوسرے کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور اپنے قبضہ میں آئی ہوئی چیز میں تصرف کرنے سے ہر شخص متردد رہے گا اس خوف سے کہ اس بیع کو دوسرا شخص فسخ نہ کر دے اور اس جگہ ایک اور امر ہے بعض وہ لفظ بھی ضروری ہے جس سے عاقدین کی اس عقد سے رضامندی اور ان کے قصد کا بیان ہو اور یہ درست نہیں ہے کہ اسی لفظ کو قاطع قرار دیا جائے کیونکہ ایسے الفاظ ترغیب دلانے اور نرخ کرنے کے وقت مستعمل ہوتے ہیں اس لئے کہ جب تک ایک مقدار کے ساتھ یقین نہ ظاہر کیا جائے ان دونوں کا راضی ہونا ناممکن ہے اور نیز لوگوں کی زبان ایسے وقت میں دلی رغبت کی تصویر ہوتی ہے اور لفظ کے درمیان باہم فرق کرنے میں بڑا حرج ہے اور ایسے ہی جانبین سے لین دین کرنا ہے کیونکہ ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز کو وہ طلب کرتا ہے اس طور سے لیوے کہ اس کو خریدتا ہے تاکہ اس میں نظر و تامل کرے اور ایک لینے کو دوسرے لینے سے فرق کرنا آسان نہیں ہے اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ قاطع پوشیدہ شئے ہو اور نہ یہ درست ہے کہ قاطع ایک مدت ہو جو ایک روز یا اس سے زیادہ ہو کیونکہ بہت سی چیزیں اس لئے مطلوب ہوتی ہیں کہ ان سے اسی دن میں نفع حاصل کیا جائے لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ قاطع مجلس عقد سے جدا ہونا قرار دیا جائے کیونکہ دستور ایسا جاری ہے کہ عاقدین عقد کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اس کے تمام ہونے کے بعد جدا

ہو جاتے ہیں اور اگر عرب وعجم کے ہر قسم کے لوگوں کا تتبع کرو گے تو تم کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ان میں اکثر لوگ جدا ہو جانے کے بعد بیع کے رد کرنے کو جور وظلم سمجھتے ہیں اور جدا ہونے سے قبل یہ خیال نہیں کرتے سوائے چند لوگوں کے جنھوں نے اپنی فطرت ہی بدل ڈالی ہو اور شرائع الٰہیہ انہیں احکام کے ساتھ نازل ہوتے ہیں جن کو عام لوگ اول ہی بار تسلیم کر لیں اور چونکہ بعض لوگ عقد کے بعد اس خیال سے کہ ان کو اس عقد میں نفع ہوا ہے پوشیدہ طور پر چل دیتے ہیں اور دوسرے شخص سے اس بیع کے فسخ کو ناگوار سمجھتے ہیں اور اسمیں قلب موضوع لازم آتا ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرمائی اور آپ نے فرمایا ''اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ فسخ کے خوف سے اپنے ساتھی کو چھوڑ کر چلا جائے پس ان دونوں کے لئے لازم ہے کہ وہ دونوں اپنے حال پر قائم رہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے سامنے جدا ہو''۔

واضح ہو کہ جب کسی شہر میں مثلاً دس ہزار آدمی ہوں گے تو سیاست مدنیہ کو ان کے پیشوں سے بحث کرنا پڑے گی کیونکہ اگر ان میں سے اکثر صنعت اور سیاست شہری میں مشغول ہو کر کسب کریں اور ان میں سے تھوڑے لوگ مویشیوں کے چرانے اور زراعت کے پیشہ میں مشغول ہوں تو دنیا میں ان کی حالت خراب ہو جائے گی اور اگر شراب کشی اور بت تراشی کا پیشہ اختیار کریں تو اس سے لوگوں کو اس طور پر ان کے استعمال کرنے کی ترغیب ہوگی جو ان کے درمیان مروج ہے پس اس سے دین میں ان کی ہلاکت ہے اور اگر پیشہ وروں پر پیشوں کی اس دستور کے موافق تقسیم کی جائے جو حکمت کا مقتضی ہے اور برے پیشہ کرنے والوں کو ان برے پیشوں سے روکا جائے تو لوگوں کی حالت درست ہوگی اور اسی طرح شہروں کی خرابیوں میں سے یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کو زیورات اور لباس اور کھانوں کے دقائق کی طرف اور عورتوں کے حسن کی طرف اور انہی کے مثل اور چیزوں کی طرف اس ضرورت سے زیادہ رغبت دلائی جائے جس کی تدابیر ضروریہ اقتضا کرتی ہیں اور جو لوگوں کے لئے ضروری ہیں اور جن پر عرب وعجم کا اتفاق ہے اور لوگ امور طبیعہ میں تصرف کر کے ایسے پیشے اختیار کریں جن سے رؤسا کی خواہشات پوری ہوں پس ایک قوم لڑکیوں کو ناچنا گانا اور حرکات متناسبہ لذیذہ کے سکھانے کی طرف متوجہ ہو اور کچھ لوگ کپڑوں کے اندر قسم قسم کے خوش رنگ اور طرح طرح کے حیوانات اور درختوں کی صورتیں اور عجیب عجیب نقش

ونگار بنانے کی طرف متوجہ ہوں اور کچھ لوگ سونے اور قیمتی جواہرات میں عجیب وغریب صنعتیں نکالنے کی طرف متوجہ ہوں اور کچھ لوگ بلند بلند مکان بنانے اور ان کے نقش ونگار کرنے کا پیشہ اختیار کریں پس جب لوگوں کی ایک جماعت کثیر ان پیشوں کی طرف متوجہ ہوگی تو ضرور ہے کہ اسی قدر زراعت وتجارت لوگوں سے متروک ہو جائے گی اور جب شہر کے امرا ان چیزوں میں روپیہ صرف کریں گے تو اسی قدر شہر کی دیگر مصلحتوں میں کوتاہی ہو جائے گی اور اس سے یہ بات پیدا ہوگی کہ جو لوگ ضروری پیشے کرتے ہیں مثلاً کاشتکار، تجار اور اہل صنعت پر تنگی ہوگی اور ان پر زیادہ ٹیکس لگایا جائے گا اور اس میں شہر کے لئے بڑا ضرر ہے جو اس کے ایک حصہ سے دوسرے تک پہنچ کر تمام شہر کو گھیر لے گا اور اس میں اس طرح پھیل جائے گا جس طرح دیوانے کتے کے کاٹے کا اثر اس شخص کے تمام جسم میں پھیل جاتا ہے جس کو اس نے کاٹ لیا ہے۔

یہ جو کچھ بیان ہوا ہے ان کے دنیاوی ضرر کا بیان ہے اور کمال اخروی کی طرف پہنچنے میں جو ضرر ان کو پہنچتا ہے وہ بیان کا محتاج نہیں ہے اور یہ مرض عجم کے شہروں میں پورے طور پر پھیل چکا تھا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس بات کا القا کیا کہ اس مرض کے مادہ کو قطع کر کے اس کا علاج کیا جائے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشیا کے مظان غالبیہ کی طرف نظر فرمائی جیسے مزین چیزیں اور ریشم اور قسی اور سونے کی بیع زیادہ سونے کے عوض میں لہٰذا آپ نے ان تمام چیزوں سے منع فرمایا۔

بیع کی ان اقسام کا بیان جو ممنوع ہیں

واضح ہو کہ جوئرام اور باطل ہے کیونکہ وہ لوگوں سے ان کے اموال کا چھین لینا ہے جس کا مدار اتباع جہل و حرص اور باطل آرزو اور فریب پر ہے جو اس کو شرط پر آمادہ کرتی ہیں اور اس کو تمدن اور تعاون میں کچھ دخل نہیں ہے اور خسارہ پانے والا اگر سکوت کرتا ہے تو غصہ اور نا امیدی کی حالت میں کرتا ہے اور اگر جھگڑا کرتا ہے تو وہ ایسی چیز میں جھگڑا کرتا ہے جس کو اس نے خود کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اور قصداً اس میں پڑا ہے اور جیتنے والے کو لذت حاصل ہوتی ہے اور تھوڑے سے بہت کی طرف اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس کی حرص اس عیب سے اس کو علیحدہ نہیں ہونے دیتی اور چند روز کے بعد اس کو بھی خسارہ ہوتا ہے اور جوئے کی عادت ڈالنے میں اموال کا برباد کرنا اور بڑے بڑے جھگڑوں کا پیدا کرنا اور تدابیر مطلوبہ کا ترک کرنا اور اس تعاون سے اعراض کرنا جس پر تمدن مبنی ہے ثابت ہوتا ہے اور معائنہ کرنے کے بعد ہمارے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں ہے تم نے جس قمار باز کو دیکھا ہوگا اس کو ایسا ہی پایا ہوگا جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور اسی طرح سود ہے اور سود ایک قرض ہے کہ جتنا مقروض نے لیا ہے اس سے زیادہ یا اس سے افضل ادا کرے اور یہ بھی حرام اور باطل ہے کیونکہ اس طرح سے اکثر قرض لینے والے مفلس لوگ ہوتے ہیں جو لاچاری کی وجہ سے لے لیتے ہیں اور بسا اوقات وقت پر ادا نہیں کر سکتے ہیں پس وہ دو چند سہ چند ہوتا چلا جاتا ہے جس سے خلاصی کبھی ممکن نہیں ہوتی اور وہ بڑے بڑے جھگڑوں اور سخت دشمنیوں کا مظنہ ہے، اور جبکہ مال کے بڑھانے کا اس طرح سے طریقہ و رسم ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے کھیتیاں اور وہ صنعتیں جو تمام پیشوں کی جڑ ہیں متروک ہو جائیں گی اور تمام عقود میں کوئی ایسا عقد نہیں جو دشمنی

پیدا کرنے میں اور ذرا سی چیز پر بھی بخل کرنے میں سود سے زیادہ ہو اور یہ دونوں پیشے بہ منزلہ نشہ کے ہیں کہ جو کمانے کے طریقے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے ہیں ان کی اصل کو یہ قطع کرنے والے ہیں اور ان دونوں میں سخت قباحت اور باہمی نزاع ہے اور ایسے امور میں شارع کو اختیار ہے یا تو ان کے لئے کوئی حد مقرر فرمائے کہ اس سے کم مقدار میں رخصت عطا فرمائے اور اس سے زیادہ میں سخت ممانعت فرمائے یا بالکل ہی منع فرما دے اور جوا اور سود عرب میں بہت مروج تھا اور ان کی وجہ سے ایسے جھگڑے اور قصے پیدا ہو گئے تھے جن کی انتہا نہ تھی اور ان دونوں میں تھوڑے سے بہت کی طرف نوبت پہنچتی تھی پس اس سے زیادہ مناسب اور بہتر صورت اور کوئی نہ تھی کہ ان میں برائی اور فساد کے حکم کی پوری رعایت کرتے ہوئے ان دونوں سے بالکل منع کر دیا جائے۔

اور واضح ہو کہ سود کی دو قسمیں ہیں ایک تو سود حقیقی ہے اور دوسرا وہ ہے جو حقیقی پر محمول ہے پس سود حقیقی قرضوں میں پایا جاتا ہے، اور ہم اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ اس میں معاملات کے موضوع کا بدلنا ہے اور زمانہ جاہلیت میں لوگ اس کے اندر نہایت گرفتار تھے اور اس کی وجہ سے بڑے بڑے جھگڑے پھیل گئے تھے اور تھوڑا سا سود بہت کی خواہش پیدا کرتا تھا، اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کا دروازہ بالکل بند کر دیا جائے اسی واسطے قرآن کریم میں اس کے بارے میں نازل ہوا جو کچھ نازل ہوا، اور دوسری قسم ربوا فضل ہے اور اس میں اصل ایک حدیث مشہور ہے کہ ”سونا سونے کے ساتھ اور چاندی چاندی کے ساتھ اور گیہوں گیہوں کے ساتھ اور جو جو کے ساتھ اور چھوارہ چھوارہ کے ساتھ اور نمک نمک کے ساتھ مثل کو مثل کے ساتھ برابر دست بدست فروخت کرو پس جب یہ اجناس مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو“ اور اس کو ربوا تہدیداً کہتے ہیں اور اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سود حقیقی کے ساتھ مشابہ ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں منجم کو کاہن فرمایا ہے اور اسی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معنی بھی مفہوم ہو سکتے ہیں ”نہیں ہے سود مگر قرض میں“ پھر شرع کے اندر کثرت سے سود کا استعمال اس معنی میں آیا ہے حتی کہ اس معنی میں بھی حقیقت شرعیہ ہو گیا، واللہ اعلم۔

اور اس کے حرام ہونے میں یہ راز ہے کہ خدا تعالیٰ کو نہایت درجہ کی عیش پسندی ناپسند ہے جیسے ریشم پہننا اور وہ ارتفاقات بھی ناپسند ہیں جن میں طلب دنیا کے اندر منہمک ہونے کی حاجت

پڑتی ہے جیسے سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا اور ایسے زیورات پہننا جو گھڑ کر بنائے جاتے ہیں جیسے کنگن اور پازیب اور ہنسلی اور کھانے پینے میں زیادہ تکلف کرنا بھی ناپسند ہے کیونکہ یہ امور لوگوں کو اسفل السافلین میں گرانے والے اور ان کے افکار کو تاریک رنگوں کی طرف پھیر دینے والے ہوتے ہیں اور عیش پسندی کی حقیقت ہر چیز میں سے عمدہ چیز کی آرزو کرنا اور ناقص چیز سے اعراض کرنا ہے، اور نہایت درجہ کی عیش پسندی یہ ہے کہ ایک ہی جنس میں اچھی اور بری کا لحاظ کیا جائے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کو زندگی بسر کرنے میں کسی نہ کسی کھانے اور کسی قدر نقد کی ضرورت پڑتی ہے اور سب کھانوں کی طرف اور سب نقدوں کی طرف ایک ہی حاجت ہے اور دونوں میں سے ایک کا دوسرے سے مبادلہ کرنا ان ارتفاقات کے اصول میں سے ہے جن کے بغیر چارہ نہیں ہے، اور کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ جو اس کی جگہ کافی ہو سکے مبادلہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں کے مزاج اور عادات کا اختلاف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تعیش میں ان کے درجے متفاوت ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے“ پس ان میں سے بعض گیہوں اور چاول کھاتے ہیں اور ان میں سے بعض جو اور جوار کھاتے ہیں اور بعض چاندی کے زیور پہنتے ہیں۔

اور لوگوں کا باہم چاول اور گیہوں کے قسموں میں ممیز ہونا اور بعض کی بعض پر فضیلت کا اعتبار کرنا اور اسی طرح سونے میں باریک باریک صنعتوں کا اعتبار کرنا اور اس کی عمدگی کے درجات کا اعتبار کرنا مسرفین اور عجمی لوگوں کی عادات سے ہے اور ان امور میں غور و فکر کرنا دنیا میں غرق ہونا ہے پس مصلحت شرعی کا یہی حکم ہے کہ اس دروازہ کو بند کر دیا جائے اور فقہا نے سمجھ لیا کہ علاوہ ان چھ چیزوں کے جن کی حدیث میں تصریح ہے اور چیزوں میں بھی سود جو حرام ہے جاری ہوتا ہے اور ان سے اور چیزوں کی طرف جو ان سے ملحق ہیں حکم متعدی ہوتا ہے پھر اس کی علت دریافت کرنے میں فقہا کا باہم اختلاف ہے۔

اور قوانین شرعیہ کے ساتھ زیادہ تر موافق یہ ہے کہ سونے چاندی میں اس کی علت ثمنیت ہو اور انہی دونوں کے ساتھ مخصوص ہو اور باقی چاروں میں قوت اور ذخیرہ ہونا اس کی علت ہو، اور

نمک پر دوا اور مصلحات کو قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ کھانے کو جس قدر نمک کی طرف حاجت ہے وہ حاجت کسی چیز کی طرف نہیں ہے بلکہ اس حاجت کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے پس نمک قوت کا جز اور بہ منزلہ قوت کے ہے نہ کہ اور چیزیں، اور ہم اس علت کی طرف اس لئے گئے ہیں کہ شریعت نے بہت سے احکام میں ثمنیت کا اعتبار کیا ہے جیسے مجلس عقد میں تقابض البدلین کا ضروری ہونا، اور اس لئے کہ حدیث میں طعام کا لفظ وارد ہوا ہے اور عرف میں طعام کے دو معنی ہیں ایک تو طعام گیہوں کا نام ہے سو وہ اس جگہ مراد نہیں ہے اور دوسرے طعام اس کو کہا جاتا ہے جو قوت کے لئے ذخیرہ کیا جائے یہی وجہ ہے کہ طعام کا لفظ میوہ جات اور مصلحات کے مقابل بولا جاتا ہے اور مجلس عقد میں قبضہ کے واجب کرنے کے دو سبب ہیں ایک تو یہ ہے کہ طعام اور نقد کی طرف سب چیزوں سے زیادہ حاجت ہوتی ہے اور ان دونوں سے نفع بغیر ان کو معدوم اور ملک سے خارج کئے حاصل نہیں ہو سکتا اور بسا اوقات قبضہ کرتے وقت جھگڑا ہو جاتا ہے اور بدل فنا ہو چکا ہوتا ہے اور یہ سب جھگڑوں سے زیادہ برا ہوتا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ اس دروازہ کو اس طور سے بند کیا جائے کہ عاقدین بغیر قبضہ کئے جدا نہ ہوں اور ان دونوں میں کوئی قصہ باقی نہ رہے اور شریعت نے قبضہ کرنے سے پیشتر طعام کی بیع کی ممانعت میں اسی علت کا اعتبار کیا ہے اور چاندی کو سونے سے بدلنے میں جو یہ فرمایا ''تم دونوں اس وقت تک جدا نہ ہو جب تک تم میں کوئی بات باقی ہے'' اس کا سبب بھی یہی ہے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ جب نقد ایک طرف ہو اور غلہ وغیرہ دوسری طرف ہو تو نقد اس چیز کے طلب کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے جیسا کہ وہ نقد ہونے کا مقتضی ہے۔ پس مناسب ہے کہ اس چیز کے لینے سے پہلے اس کو خرچ کیا جائے اور جب دونوں جانب نقد یا طعام ہو تو ایک کو پہلے دینے کا حکم تحکم قرار پائے گا اور اگر طرفین سے دینے کا حکم نہ ہو تو وہ قرض کی قرض کے ساتھ بیع ہوگی اور بسا اوقات بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پہلے دینے میں بخل کرتا ہے اس واسطے عدل کا مقتضی یہی ہوا کہ باہمی جھگڑا دور کر دیا جائے اور دونوں کو یہ حکم دیا جائے کہ بغیر قبضہ کئے جدا نہ ہوں اور غلہ اور نقد کو اس لئے خاص کیا کہ یہ سب اموال کی اصل ہیں اور سب سے زیادہ ان کا لین دین رہتا ہے اور ان دونوں کے معدوم کرنے کے بعد ہی نفع حاصل ہوتا ہے، پس اسی لئے ان دونوں کے لین دین میں قبضہ کرنے سے پیشتر جدا ہونے میں زیادہ حرج ہے اور شدید نزاع پیدا

ہوتا ہے اور دونوں میں اس بات کے منع کرنے سے معاملہ کی دقت پورے طور پر دور ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ ایسا حکم دینے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ لوگوں میں یہ رسم جاری نہ ہو اور لوگ اس کے عادی نہ ہوں نہ یہ کہ بالکل اس قسم کے معاملہ کا وقوع نہ ہو اور اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا "دوسری بیع کے ساتھ چھواروں کو فروخت کر پھر تو اس کو خرید لے"۔

اور واضح ہو کہ بیع کی بعض اقسام ایسی ہیں جن میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اور اہل جاہلیت آپس میں ایسی بیع کیا کرتے تھے سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرمایا، از اں جملہ بیع مزابنہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً درخت پر لگے ہوئے پھل چھوارے کے سو فرق (۱) کے ساتھ بیع کرے، اور از اں جملہ بیع محاقلہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کھیتی کو گیہوں کے سو بوروں کے ساتھ بیع کرے، اور عرایا (۲) میں آپ نے چھواروں کے ساتھ اندازہ کر کے بیع کرنے کی رخصت دی بشرطیکہ وہ پھل پانچ وسق سے کم ہوں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اتنی مقدار میں لوگ قمار کا قصد نہیں کرتے بلکہ تر کھجوریں کھانا چاہتے ہیں اور پانچ وسق زکوٰۃ کا نصاب ہیں اور یہ ایسی مقدار ہے جس کو ایک کنبہ کھا سکتا ہے اور از آں جملہ کھجوروں کا ایک انبار جن کا وزن معلوم نہیں ہے ان کی ان چھواروں کے ساتھ بیع کرنا جن کا وزن معلوم ہے اور از اں جملہ بیع ملامسہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کا کپڑا چھو لے تو بیع ثابت ہو جائے، اور از آں جملہ بیع منابذہ ہے کہ بغیر دیکھے بھالے ایک شخص اپنا کپڑا پھینک دے تو بیع ثابت ہو جائے، اور از اں جملہ بیع الحصاۃ ہے کہ کنکریاں ڈال دینے سے بیع قرار دے دی جائے پس بیع کے ان سب اقسام میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اور ان میں معاملہ کا بدلنا لازم آتا ہے اور وہ دیکھ بھال کر استقلال سے اپنی ضرورت کا پورا کرنا ہے اور بیع عربان سے بھی آپ نے منع فرمایا اور وہ یہ ہے کہ خریدار فروخت کرنے والے کو کسی قدر پیشگی رقم دے دے پس اگر اس نے خرید لیا تو قیمت میں سے منہا کر دی گئی ورنہ وہ اس کے لئے بغیر عوض کے ہو گئی اور اس میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے تازہ چھواروں کو خشک چھواروں سے بیع کرنے کی نسبت دریافت کیا پس آپ

---

(۱) سولہ رطل کا ایک فرق ہوتا ہے۔ (۲) عرایا ان درختوں کو کہتے ہیں جو کسی کو ہبہ کر دیے جاتے تھے پس باغ میں اس موہوب لہ کا آنا جانا مالک کو ناگوار گزرتا تھا اس لئے ان کی بیع کو جائز قرار دیا۔

نے فرمایا کیا خشک ہو کر تر کھجوریں کچھ کم ہو جاتی ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں، تب اس قسم کی بیع سے آپ نے منع فرمایا۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی ایک قسم کا قمار پایا جاتا ہے اور اس میں سود حکمی کا احتمال ہے کیونکہ شئے کے پورے حال کا اعتبار ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس ہار میں سونا اور کوڑیاں ہوں اس کی بیع نہ کی جائے جب تک ان کو جدا نہ کر لیا جائے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی ایک قسم کا قمار ہے اور ان میں سے ایک کے نقصان کا مظنہ ہے اگر سکوت کرے گا تو غصہ کی حالت میں کرے گا اور اگر جھگڑا کرے گا تو غیر حق میں کرے گا۔

واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت عرب میں پیدا ہوئے تھے کہ ان کے اندر معاملات اور خرید و فروخت پائی جاتی تھی پس خدا تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بعض بیوع کے جواز اور بعض کی کراہت کی وحی نازل فرمائی اور کراہت کا مدار چند چیزوں پر ہے از آں جملہ یہ ہے کہ وہ اس قسم کی چیز ہو کہ اس کی عادت ڈالنے سے معصیت پیدا ہوتی ہو یا وہ نفع جو اس سے مقصود ہے کہ وہ لوگوں کے نزدیک ایک قسم کی معصیت ہو جیسے شراب اور بت اور طنبور (۱) پس ان چیزوں کی بیع کا دستور جاری کرنے میں اور ان کے بنانے میں ان معاصی کی عظمت اور لوگوں کو ان پر آمادہ کرنا ہے اور ان چیزوں کی خرید و فروخت کو اور گھروں میں رکھنے کو حرام کرنے میں معاصی کا دور کرنا اور لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب کریں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خدا تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب اور مردار اور سور اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام کیا ہے“ اور نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خدا تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے“ یعنی جب کسی شئے سے نفع حاصل کرنے کی وجہ متعین ہو جیسے شراب پینے کے لئے بنائی جاتی ہے اور بت پرستش کے لئے بنائے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو حرام کیا اور اس کی وجہ سے حکمت الٰہی کا مقتضی ہوا کہ ان کی بیع بھی حرام کر دی جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”زنا کی اجرت خبیث ہے“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہن کو اجرت دینے

---

(۱) ایک مشہور باجہ ہے۔

سے منع فرمایا، اور آپ نے گانے کے کسب سے منع فرمایا۔

میں کہتا ہوں جو مال معصیت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اس سے نفع حاصل کرنا دو سبب سے ممنوع ہے ایک سبب یہ ہے کہ اس مال کے حرام کرنے اور اس سے نفع نہ حاصل کرنے میں معصیت سے روکنا ہے اور ان کے معاملہ کے دستور جاری کرنے میں فساد پیدا کرنا اور لوگوں کو ان گناہوں پر آمادہ کرنا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ لوگوں کے خیال اور ان کے اعتقاد میں قیمت مبیع سے پیدا ہوتی ہے پس عالم بالا کے نزدیک قیمت کا وجود تشبیہی یہ ہے کہ وہ خود مبیع ہے اور اجرت کا وجود تشبیہی یہ ہے کہ وہ خود عمل ہے پس ان کے علوم میں اس مبیع اور اس عمل کی خباثت اس قیمت اور اس اجرت کی طرف پہنچ گئی پس لوگوں کے نفوس میں اس صورت علمیہ کا بڑا اثر ہوتا ہے، اور شراب کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بنانے والے پر اور اس کے بنوانے والے پر اور اس کے پینے والے پر اور اس کے اٹھانے والے پر جس کے پاس وہ شراب جائے اس پر لعنت کی ہے۔

میں کہتا ہوں گناہ میں اعانت کرنا اور اس کا پھیلانا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا بھی معصیت ہے اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے، اور از اں جملہ نجاست کے ساتھ اختلاط کرنا ہے جیسے مردار اور خون اور گوبر اور پاخانہ وغیرہ گو ان میں نہایت قباحت اور خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہے اور ان چیزوں سے شیاطین کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزگی حاصل کرنا اور ناپاکی سے دور رہنا ان اصولوں میں سے ہے جن کے قائم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا تھا اور اس پاکیزگی سے ملائکہ کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزہ لوگوں کو خدا تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور جبکہ کسی قدر مخالطت سے چارہ نہ تھا کیونکہ اس دروازہ کو بالکل بند کرنے میں لوگوں پر دقت تھی اس واسطے ضروری ہوا کہ ان ناپاک چیزوں کے اختلاط کے ساتھ پیشہ اختیار کرنے اور ان کی تجارت کرنے سے منع کیا جائے اور نجاست کے معنی میں وہ بیہودہ کام بھی داخل ہے جس سے حیا کی جاتی ہے، جیسے نر کو مادہ پر چھوڑنا اور اسی لئے مردار کی بیع کو حرام کیا اور پچھنے لگانے کے پیشے سے منع فرمایا اور بوقت ضرورت آپ نے فرمایا، اس کو اپنے اونٹ کو کھلا دے اور نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت سے منع فرمایا اور ایک روایت میں اونٹ کے گابن کرنے کا لفظ آیا ہے اور کرامت کی صورت میں

رخصت دی ہے اور وہ یہ ہے کہ بلا شرط کئے اس کو کچھ دے دیا جائے جس کے پاس گابن کرنے والا جانور ہے۔

اور من جملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ عاقدین کے درمیان عوضین میں ابہام ہونے کی وجہ سے منازعت ختم نہ ہو یا وہ عقد دو بیع کے درمیان ایک بیع ہو یا رضا کا پایا جانا بغیر مبیع کو دیکھے ممکن نہ ہو اور اس نے اس کو ہنوز نہ دیکھا ہو یا بیع میں ایسی شرط ہو جس سے بعد میں نزاع ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مضامین اور ملاقیح کی بیع سے منع فرمایا ہے، مضامین سے مراد وہ نطفہ ہے جو نروں کی پشتوں میں ہے اور ملاقیح وہ بچے ہیں جو ہنوز مادہ کے پیٹ میں ہیں، اور بچے کے بچے کی بیع سے اور قرض کے ساتھ بیع کرنے سے اور ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا مثلاً اس طرح فروخت کرے کہ اگر نقد ہے تو ایک ہزار اور قرض ہے تو دو ہزار کیونکہ عقد کے وقت ان دو امروں میں سے ایک امر کی تعیین نہیں پائی جاتی، اور بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص اس طرح کہے کہ تو یہ چیز میرے ہاتھ ہزار میں بیچ دے بشرطیکہ فلاں چیز کو اتنی قیمت سے فروخت کرے اور یہ ایسی شرط ہے جس پر بعد میں شرط کرنے والا حجت پکڑ سکتا ہے اور جھگڑا کر سکتا ہے، اور از آں جملہ یہ صورت ہے کہ بیچنے والا خریدنے والے سے یہ شرط کر لے کہ اگر تو اس چیز کو فروخت کرے تو میں ہی اس کا زیادہ حقدار ہوں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی بیع میں فرمایا کہ یہ تیرے لئے حلال نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک کے لئے شرط ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں سے کسی چیز کے مستثنیٰ کرنے سے جب تک معلوم نہ ہو نہی فرمائی ہے مثلاً کوئی شخص کسی چیز کے دس ٹوکرے فروخت کرے اور بلا تعیین اس میں سے کچھ مستثنیٰ کر لے، کیونکہ اس کے اندر جہالت پائی جاتی ہے جس سے جھگڑا قائم ہو سکتا ہے اور ہر جہالت سے بیع فاسد نہیں ہوتی کیونکہ بہت سی چیزوں کا بیع میں ذکر نہیں ہوتا اور اگر تمام امور کی تفصیل کی جائے تو اس میں بڑا ضرر ہے بلکہ بیع کو فاسد کرنے والی وہ جہالت ہے جس سے جھگڑا برپا ہوتا ہو اور از آں جملہ یہ ہے کہ اس بیع سے کوئی دوسرا معاملہ مقصود ہو جس کا وہ ضمناً یا اس بیع کے ساتھ امیدوار ہے کیونکہ اگر مطلوب فوت ہو جائے گا تو وہ نہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے اور نہ سکوت کر سکتا ہے اور ایسی بات خواہ مخواہ بغیر کسی حق کے خصومت کا سبب ہوتی ہے اور اس میں پورا پورا کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’بیع اور قرض درست نہیں اور نہ ایک بیع میں دو شرطیں حلال ہیں، مثلاً یہ کہے کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر بیع کی کہ تو مجھے اس قدر قرض دے اور دو شرطوں کے معنی یہ ہیں کہ حقوق بیع کو اور اس کے ساتھ کسی خارج چیز کو شرط کرے مثلاً یہ شرط لگائے کہ مجھ کو فلاں چیز ہبہ کر دے یا کسی سے میری سفارش کر دے یا اگر تجھ کو فروخت کرنے کی ضرورت ہو تو میرے ہی ہاتھ فروخت کرنا وعلی ہذا القیاس، پس ان سب صورتوں میں ایک بیع میں دو شرطیں پائی گئیں۔

اور از آں جملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ عاقد کے ہاتھ سے تسلیم نہ پائی جائے مثلاً مبیع ایسی چیز ہے جو بائع کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ وہ ایک حق ہے جو کسی غیر پر ہے یا وہ ایسی چیز ہے کہ جب تک وہ اپنے مقدمہ کو قاضی کے پاس پیش نہ کرے یا گواہ قائم نہ کرے یا اس کے حاصل کرنے میں کوشش نہ کرے یا اس پر قبضہ نہ کرلے اور اس کی ناپ تول نہ کرالے وہ اس چیز کو حاصل نہیں کرسکتا کیونکہ اس میں ایک قضیہ کے اندر دوسرے قضیہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہے یا دھوکہ کے پائے جانے کا اور اس چیز کے حاصل نہ ہونے کا احتمال ہے اور اسی طرح ہر اس چیز کی بیع ہے جو تیرے پاس موجود نہیں ہے پس تو اس کو بغیر کوشش کے حاصل نہیں کرسکتا اور بسا اوقات خریدار بیچنے والے سے اس شئے کے قبضہ کا مطالبہ کرتا ہے پس وہ اس کے پاس نہیں ہوتی سو یہ اس سے مطالبہ کرتا ہے جس پر اس کا حق ہے یا جنگل میں شکار کرنے جاتا ہے یا بازار سے خریدنے کا قصد کرتا ہے یا اپنے کسی دوست سے ہبہ کے طور پر لینا چاہتا ہے اور یہ بڑے بڑے جھگڑوں کا پیدا کرنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو چیز تیرے پاس نہیں ہے اس کی بیع نہ کر‘‘ اور بیع غرر سے آپ نے منع فرمایا اور وہ یہ ہے کہ مبیع کے موجود ہونے یا نہ ہونے اور اس کے ملنے یا نہ ملنے کا یقین نہ ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو شخص اناج خریدے تو قبضہ کرنے سے پیشتر اس کو فروخت نہ کرے‘‘ بعض نے کہا ہے کہ یہ حکم اناج کے ساتھ ہی مخصوص ہے کیونکہ زیادہ تر غلہ کا لین دین رہتا ہے اور اس کی زیادہ حاجت پڑتی ہے اور جب تک اس کو صرف نہ کیا جائے آدمی اس سے منتفع نہیں ہوسکتا اور جب تک خریدار نے اس پر قبضہ نہیں کیا ہے تو اکثر بیچنے والے کا اس اناج میں تصرف کرنے اور جھگڑے میں جھگڑا پیدا ہونے کا احتمال ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حکم تمام

منقولات میں جاری ہے کیونکہ ان میں تغیر اور نقصان کے پیدا ہونے کا احتمال ہے پس اس سے خصومت پیدا ہوتی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز کو مثل اناج کے سمجھتا ہوں اور ہم نے علت ذکر کی ہے اس کے اعتبار سے یہی زیادہ قیاس کے موافق ہے، اور از اں جملہ کرامت کے وہ چیزیں ہیں جن میں منازعت کا زیادہ گمان ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہوئے اور آپ نے معلوم کر لیا کہ ان میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں جیسے زید بن ثابتؓ نے بیان کیا کہ اہل جاہلیت ان آفات پر جو پھلوں کو عارض ہوتی تھیں جھگڑا کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے پھل گل گئے اور گر پڑے لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی خرید وفروخت سے جب تک ان کا کارآمد ہونا ظاہر نہ ہو جائے منع فرمایا مگر اس صورت میں جبکہ فی الحال پھلوں کو توڑنا شرط کر لیا جائے تو جائز ہے اور اناج کی بالوں سے جب تک سفید نہ ہو جائیں اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائیں بیع کرنے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے فرمایا ''دیکھو! خدا جب کسی کے پھلوں کو خراب کر دے تو پھر وہ کس چیز کے عوض میں اپنے بھائی کا مال لیتا ہے'' یعنی اس میں دھوکہ ہے کیونکہ ایسی صورت میں مبیع کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے پس خریدار کو مبیع حاصل نہ ہو سکے گا اور قیمت اس کے ذمہ لازم ہو چکی ہے اور اسی طرح سالہا سال کے لئے بیع کرنا منع ہے، اور از اں جملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ وہ شہر کی بدانتظامی کا باعث ہو اور بعض کو بعض سے ضرر پہنچتا ہو پس ایسی بیوع سے منع کرنا اور لوگوں کو ان سے دور رکھنا واجب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بیع کے لئے بنجاروں سے باہر جا کر نہ ملا کرو اور نہ ایک شخص دوسرے کی بیع پر بیع کرے اور نہ کوئی شخص اپنے بھائی کے سودا کرتے وقت سودا کرے اور نہ تم آپس میں ایک دوسرے پر نرخ بڑھاؤ اور نہ کوئی شہر والا باہر والے کے لئے بیع کرے''۔

میں کہتا ہوں بنجاروں سے ملنا یہ ہے کہ جب سوداگر لوگ باہر سے مال بھر کر لاتے ہیں تو ان کے شہر میں داخل ہونے سے پیشتر بعض لوگ ان سے مل کر نرخ معلوم کر لیتے ہیں پس ان سے شہر کے نرخ سے ارزاں خرید وفروخت کرتے ہیں اور اس میں فروخت کرنے والے کا نقصان ہے کیونکہ اگر وہ بازار میں آ کر فروخت کرتا تو اس کو زیادہ قیمت ملتی اور اس لئے بائع کو جبکہ اس کو نقصان کا علم ہو جائے اس بیع کے رد کرنے کا اختیار ہے اور اس میں عام لوگوں کا بھی ضرر ہے

کیونکہ اس تجارت میں تمام اہل شہر کا حق ہے اور مصلحت شہر کا مقتضی یہ ہے کہ ہر حاجت مند درجہ بدرجہ مقدم کیا جائے پس اگر حاجت میں سب برابر ہو تو ان میں برابری کی جائے یا ان میں قرعہ ڈالا جائے پس قافلہ سے پہلے مل کر ایک شخص کا اس کو حاصل کر لینا ایک قسم کا ظلم ہے اور شہر والوں کو اس بیع کے رد کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ اس شخص نے ان لوگوں کے مال کا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ جس چیز کی ان کو امید تھی وہ چیز اس نے ان سے روک لی، اور بیع پر بیع کرنا اپنے ساتھ کے تاجروں پر تنگی کرنا ہے اور ان کے ساتھ بدمعاملگی ہے اور بائع اول کا حق متوجہ ہو چکا ہے اور اس کے رزق کی صورت ظاہر ہو چکی ہے، پس اس کو بگاڑنا اور اس کے معاملہ میں دخل دینا ایک قسم کا ظلم ہے اور اسی طرح اپنے بھائی کی قیمت پر قیمت لگانا خریداروں پر تنگی کرنا ہے اور ان کے ساتھ برائی کرنا ہے اور بہت سی عداوتیں اور جھگڑے ان دونوں سے پیدا ہو جاتے ہیں، اور نجش اس کو کہتے ہیں کہ مبیع کی خریداری کا قصد کئے بغیر خریداروں کو فریب میں ڈالنے کے لئے قیمت زیادہ لگانا اور اس میں جس قدر ضرر ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے اور شہری کا باہر والے کے لئے بیع کرنا یہ ہے کہ باہر والا اپنا اسباب لاد کر شہر میں اس ارادہ سے لائے کہ اس کو اس روز کے نرخ سے فروخت کرے پس کوئی شہر والا اس کے پاس آئے اور یہ کہے تو اپنا اسباب میرے پاس چھوڑ دے تاکہ کچھ عرصہ بعد زیادہ نرخ پر فروخت کروں اور اگر باہر والا خود اس کو فروخت کرتا تو ارزاں فروخت کرتا اور اس میں اہل شہر کا نفع ہے اور خود اس کا بھی نفع ہے کیونکہ سوداگروں کو دو طرح سے نفع ہوتا ہے ایک یہ ہے کہ کچھ عرصہ روک کر اس مال کو نہایت حاجتمند کے ہاتھ گراں قیمت پر فروخت کریں پس حاجتمند جو کچھ دیتا ہے اس حاجت کے مقابلہ میں کم محسوس کرتا ہے اور دوسری صورت نفع کی یہ ہے کہ کم نفع پر اس مال کو فروخت کریں اور پھر جلدی سے تجارت کا اور مال لا کر اس میں بھی نفع اٹھائیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے اور اس طرح نفع حاصل کرنا مصلحت شہر کے زیادہ مناسب اور زیادہ برکت والا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو تجارت کے مال کو روکے وہ گنہگار ہے'' اور آپ نے فرمایا ''باہر سے غلہ لانے والا مرزوق ہے اور روکنے والا ملعون ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ باوجود اہل شہر کی احتیاج کے اپنے کسی قدر نفع کی توقع پر سامان کو روکنا اہل شہر کو ضرر پہنچاتا ہے اور وہ شہر کی بدنظمی کا سبب ہے، اور ازاں جملہ وہ بیع ہے جس

میں خریدار کو فریب دینا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اونٹنی اور بکری کو اس کا دودھ روک کر بیع نہ کرو پس جو ان کو خریدے تو دودھ نکالنے کے بعد دونوں باتوں میں سے ہر ایک کا اس کو اختیار ہے اگر وہ جانور پسند ہو تو اس کو رکھ لے اور اگر ناپسند ہو تو وہ جانور اور اس کے ساتھ دودھ کے عوض میں ایک صاع چھوارے واپس کر دے اور ایک روایت میں گیہوں کے علاوہ ایک صاع اناج کا لفظ آیا ہے''۔

میں کہتا ہوں تصریہ کے معنی تھنوں میں دودھ جمع کرنے کے ہیں تاکہ خریدار زیادہ دودھ سمجھ کر دھوکہ میں آ جائے اور جبکہ اس کو خیار مجلس یا خیار شرط کے ساتھ زیادہ مشابہت تھی کیونکہ عقد بیع گویا کثرت دودھ کے ساتھ مشروط ہے اس واسطے اس کو ضمان بالخراج کے باب سے نہیں کیا گیا اور جبکہ دودھ کا وزن اور اس کی قیمت کا اندازہ کرنا اس کے ہلاک اور تلف کرنے کے بعد بہت مشکل تھا بالخصوص شریکوں کے باہمی نزاع کے وقت اور جنگل میں اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کے لئے کوئی ایسا اندازہ معتدل جو کثیر الوجود ہو مقرر کر دیا جائے جس سے نزاع منقطع ہو جائے اور اونٹنیوں کے دودھ میں ایک طرح کی ہیک ہوتی ہے اور ارزاں ملتا ہے اور بکریوں کا دودھ اچھا ہوتا ہے اور گراں ملتا ہے اس واسطے دونوں کا حکم ایک ہوا پس یہ بات متعین ہوئی کہ ایک صاع اس غلہ میں سے مقرر کیا جائے جو عام کھانے میں آتا ہے جیسے حجاز میں چھوارے اور ہمارے ملک میں جو اور جوار نہ گیہوں اور چاول کیونکہ یہ قوت کے اعتبار سے نہایت گراں اور اعلیٰ درجہ کے ہیں اور بعض نے جن کو اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی انھوں نے اپنی طرف سے ایک قاعدہ مقرر کر لیا اور عذر پیش کیا کہ جس حدیث کو راوی غیر فقیہ روایت کرے جب اس سے قیاس کا دروازہ بند ہوتا ہو تو اس حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا اور یہ قاعدہ اس کے باوجود کہ اس میں ضعف ہے ہماری اس صورت مسئلہ پر منطبق نہیں ہوتا کیونکہ اس حدیث کو بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے اور وہ بڑے فقیہ تھے اور کیونکہ وہ بہ منزلہ ان مقادیر شرعیہ کے ہے جس کے اندازہ کی خوبی کو عقل جان سکتی ہے لیکن اس اندازہ خاص کی حکمت کو جاننے میں عقل مستقل نہیں ہے شاید وہ لوگ جانتے ہوں جو راسخین فی العلم ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اناج کے اس ڈھیر کی بابت جس کے اندر نمی تھی یہ فرمایا ''تو نے اس کو اناج کے اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ ہر شخص اس کو دیکھتا،

جو شخص دھوکہ دے وہ مجھ سے نہیں ہے‘‘ اور ازآں جملہ ان چیزوں کی بیع ہے جو مباح الاصل ہیں جیسے وہ پانی جو کثیر اور جاری ہو اور کوئی ظالم شخص اس پر قبضہ کر کے اس کو فروخت کرے کیونکہ اس میں خدا کے مال میں بغیر حق کے تصرف کرنا ہے اور لوگوں کو ضرر پہنچانا ہے اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت سے زائد پانی کی بیع سے منع فرمایا کہ اس کے سبب سے جنگل کی گھانس کا فروخت کرنا لازم آئے۔

میں کہتا ہوں اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چشمہ یا ندی پر قبضہ کر لے اور کسی شخص کے مویشی کو بغیر اجرت لئے پانی نہ پینے دے پس اس میں گھانس کا جو مباح شئے ہے فروخت کرنا لازم آتا ہے یعنی ایسے وقت میں مویشی کا چرنا قیمت دینے پر ہو سکے گا اور یہ باطل ہے اس لئے کہ پانی اور گھانس دونوں مباح ہیں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے ’’پس خدا تعالیٰ فرمائے گا آج میں تجھ سے اپنے فضل کو روکتا ہوں جس طرح تو نے اس چیز کے فضل سے روکا تھا جو تیرے ہاتھ کی کمائی نہ تھی‘‘ اور بعض نے کہا ضرورت سے زائد پانی کا اس شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جو خود پینا چاہتا ہو یا مویشی کو پلانا چاہتا ہو حرام ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’تین چیزوں میں سب مسلمان شریک ہیں، پانی اور گھانس اور آگ میں‘‘۔

میں کہتا ہوں جبکہ یہ چیزیں کسی کی ملک ہوں تب بھی ان چیزوں میں ہمدردی نہایت مستحب ہے اور اگر کسی کی ملک نہیں ہیں تب تو ان کا حال شرکت میں ظاہر ہے۔

بیع کے احکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ سہولت والے آدمی پر رحم کرے جب وہ فروخت کرے اور جب وہ خریدے اور جب وہ تقاضا کرے۔

میں کہتا ہوں سماحت ان اصول اخلاق میں سے ہے جس سے نفس مہذب ہو کر گناہوں کے احاطہ سے نجات پاتا ہے اور نیز سماحت میں شہر کا انتظام بھی ہوتا ہے اور اس پر باہمی امداد کا دارومدار ہے اور بیع وشرا وتقاضا ایسے معاملات ہیں جن میں سماحت کے خلاف امور کا گمان ہوتا ہے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مستحب ہونے کی تاکید فرمائی اور آپ نے فرمایا ''قسم کھا کر سودا بیچنے سے البتہ جلدی اسباب فروخت ہوتا ہے لیکن برکت نہیں رہتی''۔

میں کہتا ہوں بیع کے اندر زیادہ قسمیں کھانا دو وجہ سے برا ہے ایک تو یہ ہے کہ یہ اہل معاملہ کو دھوکہ میں ڈالنے کا محل ہے دوسرے دل سے اسم الٰہی کی تعظیم کے زائل ہونے کا سبب ہے اور جھوٹی قسم کھانے سے اسباب خوب فروخت ہوتا ہے کیونکہ فروخت کی بنیاد خریدار کو فریب دینے پر ہے لیکن اس سے برکت جاتی رہتی ہے کیونکہ برکت کا مدار فرشتوں کی دعا خیر پر ہے اور معصیت کے سبب سے ان کی دعا کو بعد ہو جاتا ہے بلکہ فرشتے ایسے وقت میں اس شخص پر بد دعا کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے گروہ تجار بیع کے اندر لغو باتیں اور قسم داخل ہو جاتی ہیں اس لئے تم اس کے ساتھ صدقہ ملا لیا کرو''

میں کہتا ہوں اس میں گناہوں کا کفارہ اور نفس کے غلبہ کے سبب جو اس شخص سے کچھ قصور ہو جاتا ہے اس کا تدارک ہو جاتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جس نے

دنانیر سے کسی چیز کو فروخت کر کے ان کے عوض میں درہم لئے تھے فرمایا ’’اگر اسی روز کی قیمت پر دراہم کو لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ تم دونوں کو جدا ہونے سے پیشتر معاملہ تمام ہو گیا ہو‘‘۔

میں کہتا ہوں کیونکہ اگر وہ دونوں معاملہ تمام کئے بغیر علیحدہ ہو جائیں مثلاً وہ دونوں دنانیر کے دراہم سے بدلنے کی پختگی کو صرافوں کے بیان کرتے یا وزن کش کے وزن کرنے پر موقوف رکھیں یا اسی طرح کسی اور چیز پر موقوف رکھیں تو اس میں حجت اور نزاع کرنے والے کے لئے حجت اور نزاع کرنے کی گنجائش ہے اور معاملہ صاف نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو شخص چھوارے کے درخت کو گابہ لگنے کے بعد خریدے تو اس درخت کا پھل بیچنے والے کے لئے ہے مگر جس صورت میں خریدار شرط کرے تو اس کے لئے ہے‘‘۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ گابہ لگانا اصل درخت سے زائد ایک فعل ہے اور اس کی ملک میں پھل ظاہر ہو چکا ہے پس اس کا حال اس شئے کا سا ہے جو ایک مکان میں رکھی ہوئی ہو اس واسطے ضروری ہے کہ اس کا حق اس کو دلایا جائے مگر جس صورت میں اس کے خلاف کی تصریح ہو جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے‘‘۔

میں کہتا ہوں اس سے وہ شرط مراد ہے جس کی مخالفت ظاہر ہو گئی ہے اور حکم الٰہی میں اس کی نفی مذکور ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ اس شرط کا بالکل ذکر ہی نہ ہو، اور نبی علیہ السلام نے ولا کی بیع اور اس کے ہبہ کرنے سے منع فرمایا کیونکہ ولا کوئی حاضر اور معین مال نہیں ہے بلکہ وہ ایک حق ہے جو نسب کے تابع ہے پس جس طرح نسب کی بیع نہیں ہوتی اسی طرح ولا کی بھی بیع نہیں ہونی چاہئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’منافع تاوان کے ساتھ ہیں‘‘ (یعنی جو تاوان دے گا وہی نفع لے گا۔

میں کہتا ہوں نزاع ختم کرنے کی یہی صورت ہے کہ منافع کا مدار مشقت پر رکھا جائے پس جو شخص مبیع کو کسی عیب کے سبب سے رد کر دے اور اس سے مبیع کے منافع طلب کئے جائیں تو آمدنی کی مقدار کے ثابت کرنے میں حرج عظیم ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم سے منازعت کو ختم کر دیا جس طرح قضا میراث کے بارے میں آپ نے منازعت کو اس طرح ختم کیا کہ جاہلیت

کی میراث اسی حالت پر رکھی جائے جس حالت پر تقسیم کی گئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خریدار اور بائع کا جب اختلاف ہو اور مبیع موجود ہو اور کسی کے پاس بینہ نہ ہو تو بائع کا قول معتبر ہے یا ہر دونوں بیع کو رد کردیں گے''۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قطع منازعت اس لئے کی کہ اصل بات یہ ہے کہ کوئی شئے بغیر عقد صحیح کے اور باہمی رضامندی کے کسی کی ملک سے خارج نہ ہو پس جب منازعت واقع ہوئی تو اصل کی طرف رد کرنا واجب ہوا اور مبیع قطعی طور پر بائع کا مال ہے اور وہی اس وقت اس پر قابض ہے یا قبل اس عقد کے جس کی صحت ثابت نہیں ہوئی اور معتبر قول صاحب مال کا قول ہے لیکن خریدار کو اختیار ہے کیونکہ بیع کا دارومدار رضامندی پر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شفعہ اس چیز میں ہے جو تقسیم نہ کی گئی ہو لیکن جب اس میں حدیں پڑ جائیں اور راستے ہو جائیں تب اس میں شفعہ نہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہمسایہ اپنے قریب ہونے کی وجہ زیادہ حقدار ہے''۔

میں کہتا ہوں شفعہ میں اصل ہمسایوں اور شریکوں سے ضرر کا دور کرنا ہے اور میرے نزدیک شفعہ کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ شفعہ ہے جس کی نسبت مالک کو واجب ہے کہ عنداللہ شفیع کو اس شفعہ کی اطلاع دے اور غیر کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دے لیکن عدالت کے نزدیک مالک کو اس کے پیش کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اس قسم کا شفعہ اس ہمسایہ کے لئے ہے جو شریک نہیں ہے اور ایک وہ شفعہ ہے جس پر مالک عدالت میں مجبور کیا جاسکتا ہے اور یہ شفعہ صرف اس ہمسایہ کے لئے ہے جو شریک ہے اور احادیث جو اس بات میں وارد ہوئی ہیں ان کی تطبیق کی یہی صورت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے اپنے مسلمان بھائی کی بیع کو اس کی ناپسندی کی وجہ سے واپس کیا تو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے روز اس کے گناہوں سے درگزر کرے گا''۔

میں کہتا ہوں جس شخص کو عقد کرنے کے بعد افسوس ہو تو اس سے رفع ضرر کے لئے اس بیع کا واپس کرنا مستحب ہے اور واجب نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے اقرار کے ساتھ ماخوذ ہوتا ہے اور جس کا التزام کر لیتا ہے وہ بات اس پر لازم ہو جاتی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے اپنا اونٹ فروخت کیا مگر یہ مستثنیٰ کر لیا کہ میں اپنے گھر تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا۔

میں کہتا ہوں اس سے ان چیزوں کے اندر استثنا کا جواز ثابت ہوتا ہے جن میں مناقشہ کا موقع نہ ہو اور دونوں عاقدین باہم سلوک کرنے والے اور فراخ دل ہوں کیونکہ استثنا کرنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس میں مناقشہ کا احتمال ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے ماں اور اس کے بیٹے میں جدائی ڈالی تو خدا تعالیٰ اس میں اور اس کے دوستوں میں قیامت کے روز جدائی ڈالے گا'' اور ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دو غلاموں میں سے جو بھائی بھائی تھے ایک کو فروخت کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ واپس کر لو۔

میں کہتا ہوں ماں اور بچے میں جدائی ان کو وحشت اور رونے پر آمادہ کرتی ہے اور ایسا ہی حال دو بھائیوں میں ہے اس واسطے ضروری ہے کہ تفریق ڈالنے سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جب جمعہ کے نماز کے لئے پکارا جائے تو خدا تعالیٰ کی یاد کی طرف جلدی کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دو''۔

میں کہتا ہوں یہ حکم اذان کے ساتھ متعلق ہے جو امام کے خطبہ کے لئے نکلتے وقت ہوتی ہے اور چونکہ بیع وغیرہ میں مشغول ہونا بسا اوقات نماز ترک کرنے اور خطبہ سے غافل ہونے کا باعث ہوتا ہے اس واسطے اس سے نہی فرمائی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا کہ کیا نرخ گراں ہو گیا ہے اس لئے آپ ہمارے لئے نرخ مقرر فرما دیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نرخ مقرر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے وہی قابض باسط اور رازق ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے پاس اس حال میں جاؤں کہ کوئی مجھ سے اپنے حق کا طالب نہ ہو،

میں کہتا ہوں جبکہ خریداروں اور فروخت کرنے والوں کو عدل کا حکم جس سے کسی کو ضرر نہ پہنچے یا دونوں کو برابر ضرر پہنچے نہایت دشوار تھا اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے احتیاط برتی تا کہ آپ کے بعد حکام لوگ دستور و طریقہ نہ مقرر کر لیں لیکن اس کے باوجود اگر تاجروں کی طرف سے علانیہ ظلم معلوم ہو جس میں لوگوں کو شک نہ ہو تو اس کو بدلنا جائز ہے کیونکہ اس میں ملک کی بربادی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ایمان والو جب تم ایک وقت مقرر تک قرض کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لو'' الآیہ۔

واضح ہو کہ قرض مناقشہ کے اعتبار سے تمام معاملات میں بڑھ کر ہے اور لڑائی کے اعتبار سے

سب معاملات میں زیادہ ہے اور بوقت حاجت اس سے چارہ بھی نہیں ہے پس اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لکھ لینے اور گواہ کرنے کی تاکید فرمائی اور رہن اور کفالت کو مشروع کیا اور گواہی کے چھپانے کے گناہ کو بیان فرمایا اور لکھ لینے اور گواہی دینے کے کافی ہونے کو واجب کیا اور وہ عقود ضروریہ سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو لوگ پھلوں میں ایک برس اور دو برس اور تین برس کی بیع سلم (۱) کرتے تھے تب آپ نے فرمایا ’’جو کوئی بیع السلم کرے تو کیل معلوم اور وزن معلوم کے ساتھ ایک مقرر وقت تک کرے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مناقشہ کا ارتفاق ہو جائے اور فقہا نے ان تینوں پر ان اوصاف کو بھی قیاس کیا ہے جن سے بغیر وقت کے شئے بیان ہو سکتی ہے اور قرض کا دارومدار ابتدا میں تبرع پر ہوتا ہے اور اس میں رعایت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں پس اسی وجہ سے اس میں دیر کرنا جائز ہوا اور زیادہ لینا حرام ہوا، اور رہن کا مبنی مضبوطی پر ہوتا ہے اور وہ مضبوطی قبضہ کرنے سے ثابت ہوتی ہے اس واسطے اس میں قبضہ کرنا شرط کیا گیا، اور میرے نزدیک ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، پہلی حدیث تو یہ ہے: رہن کرنا اس شئے کو جس کو رہن کیا ہے اس کے مالک کے ہاتھ سے نہیں روکتا جو کچھ اس سے منافع ہیں وہ سب اس کے لئے ہیں اور جو کچھ اس کا خسارہ ہے وہ بھی اسی پر ہے، اور دوسری حدیث یہ ہے: سواری کا خرچ اٹھانے کی وجہ سے اس کی سواری کی جا سکتی ہے جس وقت کہ وہ مرہون ہے اور دودھ دیتے جانور کا دودھ اس کا خرچ اٹھانے کے سبب سے پیا جا سکتا ہے جس وقت کہ وہ مرہون ہے اور سوار ہونے والے اور دودھ پینے والے کو اس کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا‘‘ اور تعارض نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ پہلی حدیث کا حکم دستور کے موافق ہے لیکن جب راہن اس کا خرچ نہ دے اور اس چیز کے ہلاک ہونے کا خوف ہو اور مرتہن اس کا خرچ اٹھائے تو اس وقت جس قدر لوگ انصاف سمجھتے ہوں اس سے مرتہن نفع حاصل کر سکتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپنے والوں اور وزن کرنے والوں سے فرمایا ہے ’’تم کو ایسی دو چیزیں سپرد کی گئی ہیں جن میں تم سے قبل امم سابقہ ہلاک ہو چکی ہیں‘‘۔

---

(۱) اس بیع کو کہتے ہیں جس میں یہ کہا جائے کہ اب کی فصل میں جو فلاں اناج پیدا ہوگا ہم نے اتنی مدت پر اس حساب سے خریدا، اس کو عرف میں بدلا کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کم تولنا حرام ہے کیونکہ اس میں خیانت اور بد معاملگی ہے، اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا حال جو کچھ ہو چکا ہے خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اس کا ذکر فرمایا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو کوئی شخص مفلس ہو جائے پھر کوئی شخص اس مفلس کے پاس بعینہٖ اپنے مال کو پائے تو وہی اس کا مستحق ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دراصل اسی کا مال تھا اور اس میں کوئی اس کا شریک نہ تھا پھر اس نے اس کو بیچ دیا اور وہ اس کو بیچ کر اپنے قبضہ سے نکا لنے پر بغیر قیمت کے راضی نہ تھا پس بیع قیمت ادا کرنے کے ساتھ مشروط تھی پس جب اس نے قیمت ادا نہ کی تو بائع کو اس کے فسخ کا اختیار ہے جب تک کہ مبیع بعینہٖ موجود ہے لیکن جب مبیع ضائع ہو جائے تو مشتری کے لئے مبیع کا لوٹا ممکن نہیں رہا، پس دوسرے قرضوں کی طرح اس کا ایک قرض ہو جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص یہ پسند کرے کہ خدا تعالیٰ اس کو روز قیامت میں سختیوں سے نجات دے تو اس کو چاہئے کہ وہ تنگدست کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے''۔

میں کہتا ہوں یہ اس نرمی کی طرف ترغیب ہے جو ان چیزوں کے اصول میں سے ہے جو دنیا و آخرت میں نفع دیتی ہیں اور ہم ان کا ذکر کر چکے ہیں، اور نبی علیہ السلام نے فرمایا ''مالدار کا قرض ادا کرنے میں دیر کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کا قرض کسی مالدار کے سپرد کر دیا جائے تو وہ اس کو منظور کر لے''۔

میں کہتا ہوں یہ امر استحباب ہے کیونکہ اس میں مناقشہ کا انقطاع ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مالدار آدمی کا نادہند ہونا اس کی آبرو اور عقوبت کو حلال کرتا ہے''۔

میں کہتا ہوں آبرو اور عقوبت کا حلال ہونا یہ ہے کہ اس کے ساتھ سخت کلامی کی جاتی ہے اور اس کو قید کیا جاتا ہے اور بیع پر مجبور کیا جاتا ہے جبکہ اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی مال نہیں ہوتا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دو مسلمانوں میں صلح جائز ہے مگر وہ صلح جائز نہیں جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال کر دے، اور سب مسلمان اپنی شرطوں پر قائم رہیں سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال کرے''، پس من جملہ اس صلح کے کسی قدر قرض کا معاف کر دینا ہے جیسا کہ ابن ابی حدرد کے قصہ میں ہوا، اور یہ حدیث معاملات کے باب میں من جملہ دیگر اصول کے ایک اصول ہے۔

تبرع اور تعاون کا بیان

تبرع کی چند قسمیں ہیں ایک تو صدقہ ہے جبکہ اس سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی مراد ہو اور اس کے مستحق وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے: **انما الصدقات للفقراء،** الایۃ، اور دوسرے ہدیہ ہے جبکہ اس کے ساتھ اس شخص کو خوش کرنا مقصود ہو جس کو وہ شئے دی گئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کو کوئی چیز عطا کی جائے اور اس کے پاس کوئی چیز موجود ہو تو وہ اس کا بدلہ دے اور جس کے پاس کچھ نہ ہو تو ہو اس کی مدح کرے پس اگر اس نے اس کی مدح کی تو اس نے اس کا شکر ادا کیا اور جس نے اس کو پوشیدہ رکھا تو اس نے ناشکری کی اور جس نے ایسی چیز کو ظاہر کیا جو اس کی حاصل نہیں ہے تو وہ شخص ایسا ہے جیسے جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا''۔

واضح ہو کہ تحفہ دینے سے لوگوں میں محبت پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ مقصود اس کے بغیر تمام نہیں ہوتا کہ اسی جیسی چیز دینے والے کو بھی ملنی چاہئے اس واسطے کہ تحفہ دینے سے صرف اس محبت کا اظہار ہوتا ہے جو تحفہ دینے والے کو مہدی لہ سے ہے اور اس سے جانب آخر کی محبت ظاہر نہیں ہوتی اور نیز یہ بات بھی ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور جو کوئی کسی کو کچھ دے تو یہ بھی کچھ دے پس اگر نہ دے سکتا ہو تو اس کا شکریہ ادا کرے اور اس کی دی ہوئی چیز کا اظہار کرے کیونکہ اس کی مدح کرنا اس کی نعمت کو اول مرتبہ میں شمار کرنا اور اس کی محبت کو دل میں رکھنا ہے اور مدح کرنا محبت پیدا کرنے میں وہی کام انجام دیتا ہے جو ہدیہ دینے سے ہوتا ہے اور جس نے نعمت کو چھپایا تو اس نے اس چیز کی مخالفت کی جس کا دینے والے نے ارادہ کیا تھا اور اس نے الفت کی مصلحت کا نقض کیا اور اس کی حق تلفی کی اور جس نے اس چیز کا اظہار کیا جو حقیقت میں

اس کے پاس نہیں ہے تو یہ ایک جھوٹ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ ''وہ شخص ایسا ہے جیسے جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا'' تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا حال اس شخص کا سا ہے جس نے فریب کی چادر اوڑھی اور فریب کی لنگی باندھی اور اپنے تمام بدن کو فریب سے ڈھانکا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے اور وہ بھلائی کرنے والے کے لئے جزاک اللہ خیرا کہہ دے تو اس نے پورے طور سے اس کی تعریف کر دی''۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو اس لئے معین فرمایا کہ ایسے مقام میں اس سے زیادہ کہنا مبالغہ اور الحاح ہے اور اس سے کم کرنا احسان کا کتمان اور اس کو حقیر سمجھنا ہے اور بعض مسلمان بعض کو جو ہدیہ پیش کرے ان سب میں بہتر وہ چیز ہے جو آخرت کو یاد دلائے اور تمام امور کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرے اور یہ لفظ اس تمام کے لئے جو ہم نے ذکر کیا کافی مقدار ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''باہم تحفے دیا کرو کیونکہ تحفے رنجشیں دور کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ''ان سے دل کا غصہ جاتا رہتا ہے''۔

میں کہتا ہوں ہدیہ خواہ کم ہی کیوں نہ ہو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بھیجنے والے کے دل میں مہدی لہ کی تعظیم اور اس کی عظمت ہے اور اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی جانب میلان و رغبت رکھتا ہے اور اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے ''کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کے کھر کے ساتھ ہو پس اس واسطے رنجش دور کرنے کا عمدہ طریقہ قرار پایا اور کسی شہر یا قبیلہ میں پوری پوری الفت پیدا ہونے سے رنجش دور ہو سکتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو کوئی کسی کو خوشبو دے تو اس کو رد نہ کرے کیونکہ یہ ہلکی چیز اور خود خوشبودار شئے ہے''۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو وغیرہ رد کرنے کو اس لئے ناپسند فرمایا کہ اس کے قبول کر لینے میں زیادہ بار نہیں ہوتا اور لوگوں میں اس کے ہدیہ دینے کا رواج بھی ہے اس واسطے اس کے قبول کر لینے میں لینے والے کو زیادہ عار نہیں ہوتی اور نہ اس کے ہدیہ دینے میں زیادہ حرج ہوتا ہے اور اس کو باہم رواج دینے میں آپس کی الفت ہوتی ہے اور اس کے واپس کرنے میں باہمی فساد اور رنجش کا دل میں ہونا ظاہر ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا اس کتے کے مانند ہے جو اپنی قے کو پھر کھا جاتا ہے ایسی بری مثال ہمارے

مناسب نہیں ہے"۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبہ کی ہوئی چیز کے واپس لینے کو اس واسطے ناپسند فرمایا کہ اس کے واپس لینے کا منشا جس کو وہ اپنے مال سے علیحدہ کر چکا تھا اور اس سے قطع تعلق کر لیا تھا یا تو اس دی ہوئی چیز کے ساتھ حرص کا پیدا ہونا یا اس شخص سے ناخوشی یا اس کی ضرر رسانی ہے اور یہ سب اخلاق مذمومہ میں داخل ہیں اور نیز ہبہ کے پورا کر دینے اور مضبوط کر دینے کے بعد اس کے واپس لینے میں عداوت اور رنجش کا پیدا کرنا ہے بخلاف اس کے کہ پہلے ہی سے کچھ نہ دیا ہوتا اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کے واپس لینے کو جس کو وہ اپنی ملک سے علیحدہ کر چکا تھا کتے کا قئے کر کے کھا لینے کے ساتھ تشبیہ دی تا کہ لوگوں کے لئے ظاہر میں اس کے معنی متمثل ہو جائیں اور لوگوں کے لئے اس حال کی قباحت کو خوب اچھی طرح سے بیان کر دیا مگر جب ان دونوں کے درمیان کوئی ایسا واسطہ ہو جو باہم مناقشہ دور کر دے تو وہاں واپس لینے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے باپ بیٹے سے واپس لے لے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بجز باپ کے جو اپنے بیٹے سے واپس لے لے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بعض اولاد کو کچھ دیا تھا اور بعض کو نہیں دیا تھا فرمایا "کیا تو پسند کرتا ہے کہ وہ سب تیرے ساتھ بھلائی کرنے میں برابر ہوں؟ اس نے عرض کیا ہاں، آپ نے فرمایا کہ بس اب نہیں"۔

میں کہتا ہوں ہبہ کے اندر بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے ناپسند فرمایا کہ اس سے ان کے درمیان عداوت پیدا ہوتی ہے اور باپ کی نسبت رنجش پیدا ہوتی ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ کیا کہ بعض کو بعض پر فضیلت دینے سے اس اولاد کے دل میں رنج پیدا ہوگا جس کے ساتھ کوتاہی کی گئی ہے اور وہ صلہ رحمی کرنے میں کوتاہی کرے گا اور اس میں گھر کی تباہی ہے۔

اور من جملہ تبرع کے وصیت ہے اگر وہ وصیت موت کے وقت کے قریب ہوتی ہے اور وصیت کا دستور اس لئے جاری ہوا کہ بنی آدم میں ملک منازعت کی وجہ سے عارض ہوتی ہے پس جب موت کی وجہ سے اس کا مال سے مستغنی ہونا قریب ہو جاتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ جو کچھ اس سے اس میں کوتاہی ہوئی ہے اس کا تدارک ہو جائے اور جن کے حقوق اس پر واجب ہیں ان کے ساتھ

ایسے وقت میں نیک سلوک کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’تہائی مال کی وصیت کر اور تہائی مال بہت ہے‘‘۔

واضح ہو کہ تمام عرب اور عجم کی قوموں میں بیشمار مصلحتوں کی وجہ سے میت کا مال اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہوتا ہے اور یہ چیز ان کے مابین ایک جبلی اور ضروری بات ہوگئی ہے پس جب وہ مریض ہوتا ہے اور مرنے کے قریب ہو جاتا ہے تو ان وارثوں کے لئے مالک ہونے کی راہ نکل آتی ہے پس ان کو توقعات سے ان کو ناامید کرنا ان کے حق کا تلف کرنا اور ان کے حق میں کوتاہی کرنا ہے، اور نیز حکمت کی بات یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال کو وہ شخص لے جو سب لوگوں سے زیادہ اس کا دوست اور مددگار اور سب سے زیادہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا ہے اور اس مرتبہ میں ماں، باپ، اولاد اور جتنے ذوی الارحام ہیں ان سے زیادہ کوئی نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’اور ذوی الارحام میں سے بعض لوگ بعض کے ساتھ اولیٰ ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں‘‘ اور اس کے باوجود بسا اوقات ایسے امور پیش آتے ہیں جن سے دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا پڑتا ہے اور بسا اوقات خاص خاص حالات ہیں اس بات کو ضروری کر دیتے ہیں کہ ان کے علاوہ دوسروں کو اختیار کیا جائے اس واسطے ایک حد کا مقرر کرنا جس سے لوگ تجاوز نہ کریں ضروری ہوا اور وہ حد ثلث ہے کیونکہ وارثوں کو ترجیح دینا ضروری ہے اور وہ اس طرح ہوسکتی ہے کہ ان کو نصف سے زیادہ دیا جائے اس واسطے ان کے لئے دو تہائی اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے ایک تہائی مقرر کیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’تحقیق اللہ تعالیٰ نے حق دار کو اس کا حق عطا فرمایا ہے لہٰذا کسی وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں جبکہ وصیت کے اندر ایام جاہلیت میں لوگ ضرر رسانی کرتے تھے اور وصیت کرنے میں حکمت واجبہ کا اتباع نہیں کرتے تھے اور بعض لوگ حق کو چھوڑ کر اور اس شخص کو ترک کرکے جس کے ساتھ سلوک کرنا واجب تر ہے اپنی ناقص رائے سے بعید تر لوگوں کو اختیار کرتے تھے اس واسطے ضروری ہوا کہ اس دروازہ کو بند کر دیا جائے اور یہ بات واجب ہوئی کہ ایسی حالت میں قرابتوں کے اعتبار سے قواعد کلیہ کا لحاظ کیا جائے اور اشخاص کے اعتبار سے خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے پس جب ان کی منازعت کو ختم کرنے کے لئے اور ان کی دل کی رنجشوں کو دور کرنے کے

لئے وراثت کے احکام مقرر ہوئے تو یہ حکم بھی ضروری ہوا کہ کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہ ہو کیونکہ اس کے جائز کرنے میں اس حد مقرر کو توڑنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کسی مسلمان شخص کے لئے درست نہیں ہے کہ اس کے پاس وصیت کرنے کے لئے کوئی چیز موجود ہو اور وہ اس حال میں رات بسر کرے کہ اس کے پاس اس کی وصیت لکھی ہوئی نہ ہو''۔

میں کہتا ہوں وصیت میں جلدی کرنا بہتر ہے تاکہ وہ اس بات سے بچ جائے کہ اچانک اس کو موت آگھیرے یا فوری طور پر کوئی حادثہ پیش آجائے پس اس سے وہ مصلحت فوت ہو جائے جس کا قائم کرنا اس کے نزدیک ضروری تھا اور اس وقت وہ حسرت کرنے لگے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص کو کوئی مکان عمر بھر رہنے کو دیا گیا'' الحدیث،

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے ایسے جھگڑے تھے جو منقطع نہ ہو سکتے تھے لہٰذا ان کا قطع کرنا من جملہ ان مصلحتوں کے ہوا جن کے قائم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، مثلاً سود اور قتل وغیرہ، اور کچھ لوگ دوسروں کو عمر بھر رہنے کے لئے مکان دیدیا کرتے تھے پھر یہ دونوں مر جاتے اور ان کے بعد دوسرا قرن پیدا ہوتا تو ان پر حال مشتبہ ہو جاتا اور باہم جھگڑا شروع ہو جاتا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اگر ہبہ کرنے والے نے تصریح کر دی ہے کہ وہ تیرے لئے ہے اور تیرے بعد والوں کے لئے ہے تو یہ ہبہ ہے کیونکہ اس نے وہ بات بیان کر دی جو خالص ہبہ کے لوازم میں سے ہے اور اگر اس نے یہ بات کہی کہ جب تک تو زندہ ہے وہ تیرے لئے ہے تو وہ اس کی مدت حیات تک اعارہ ہے کیونکہ اس نے ایسی قید کے ساتھ مقید کیا ہے جو ہبہ کے منافی ہے۔

اور من جملہ تبرعات کے وقف ہے اور اہل جاہلیت اس سے واقف نہ تھے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مصلحتوں کی وجہ سے جو اور صدقات میں نہیں پائی جاتیں وقف کا استنباط کیا کیونکہ انسان بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت سا مال خرچ کر دیتا ہے پھر وہ مال فنا ہو جاتا ہے اور ان فقرا کو دوبارہ ضرورت پڑتی ہے اور دیگر فقرا جو آتے ہیں تو وہ بھی محروم ہی رہتے ہیں پس عوام کے لئے اس سے بہتر اور نافع کوئی بات نہیں ہے کہ ایک شئے فقرا اور مسافروں کے لئے روک لی جائے جس کے منافع ان پر صرف ہوا کریں اور اصل مال وقف کرنے والے کی ملک میں باقی رہا

کرے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا ''اگر تو چاہے تو اس کی اصل کو روک لے اور اس کے ساتھ صدقہ دیا کرے'' پس حضرت عمرؓ نے اس طرح اس کا صدقہ کیا کہ اس کی اصل کو نہ بیچا جائے اور نہ اس کو ہبہ کیا جائے اور نہ کسی کو ورثہ میں دی جائے اور اس کو فقرا میں اور اہل قرابت میں اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور جہاد میں اور مسافروں کے لئے اور مہمانوں کے لئے صدقہ کر دیا اور جو شخص اس کا متولی ہو اس کے حسب دستور کھانے میں اور غیر متمول لوگوں کو کھلانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اور معاونت کی بھی چند قسمیں ہیں، از آں جملہ مضاربت ہے اور وہ یہ ہے کہ تجارت کرنے میں ایک شخص کا مال ہو اور دوسرے کی محنت ہو اور نفع جس طرح وہ اس کو مقرر کریں ان کے درمیان مشترک ہو، اور ایک مفاوضت ہے اور وہ یہ ہے کہ دو شخص برابر برابر مال سے تجارت کریں اور وہ دونوں تمام خرید و فروخت میں شریک ہوں اور باہم نفع تقسیم کر لیا کریں اور ہر ایک دوسرے کا کفیل اور وکیل ہو، اور ایک عنان ہے اور وہ یہ ہے کہ اسی طرح مال معین میں شریک ہو کر تجارت کریں اور ہر ایک اس میں دوسرے کا وکیل ہوتا ہے نہ کہ کفیل کہ اس سے دوسرے کے قرضہ کا مطالبہ کیا جائے، اور شرکۃ الصنائع ہے جیسے دو درزی یا دو رنگریز اس طرح پر شرکت کریں کہ ہر ایک محنت کرے اور اجرت دونوں میں تقسیم ہو جائے، اور ایک شرکۃ الوجوہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے دو شخص جن کے پاس مال نہیں ہے اس طرح پر شریک ہو جائیں کہ اپنے اعتبار پر خرید و فرخت کریں اور نفع باہم تقسیم ہو جائے اور ایک وکالت ہے کہ ہر ایک اپنے ساتھی کے لئے خرید و فروخت کرے اور ایک مساقات ہے کہ اصل درخت تو ایک شخص کے ہوں اور دوسرا ان کی خبر گیری کرے اور پھل دونوں باہم تقسیم کر لیں، اور ایک مزارعت ہے کہ زمین اور بیج ایک شخص کے ہوں اور محنت اور بیل دوسرے کی جانب سے ہوں اور ایک مخابرت ہے کہ زمین تو ایک شخص کی ہو اور بیج اور بیل اور محنت دوسرے کی جانب سے ہو، اور ایک صورت اور ہے کہ ایک کی صرف محنت ہو اور باقی سب دوسرے کی طرف سے ہو، اور ایک اجارہ ہے اور اس میں مبادلہ اور معاونت کے معنی پائے جاتے ہیں پس اگر صرف منفعت مطلوب ہے تب تو مبادلہ کے معنی غالب ہیں اور اگر کام کرنے والے کی خصوصیت مطلوب ہے تو معاونت کے معنی غالب ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل لوگ ان عقود کو عمل میں لایا کرتے تھے پس ان میں سے جس میں منا قشہ غالب نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی نہیں فرمائی ہے تو وہ عقد اپنی اباحت پر باقی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں داخل ہے "مسلمان اپنی شروط پر ہیں۔

اور رافع بن خدیجؓ کی حدیث میں راویوں کا سخت اختلاف ہے اور بڑے بڑے تابعین شرکت مزارعت کیا کرتے تھے اور اس کے جواز پر اہل خیبر کے معاملہ کی حدیث دلالت کرتی ہے اور جن احادیث میں اس سے نہی پائی جاتی ہے وہ احادیث نہروں کے اوپر پیداوار یا کسی خاص قطعہ کے بدلہ کرایہ دینے پر محمول ہے اور رافع رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے، یا وہ نہی تنزیہ اور ارشاد پر محمول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے یا اس وقت اس معاملہ میں مناقشات کی کثرت کی وجہ سے اس وقت کی مصلحت خاصہ پر محمول ہے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے، واللہ اعلم۔

فرائض کا بیان

واضح ہو کہ حکمت الٰہی نے لوگوں کے درمیان اس طریقہ کو ضروری قرار دیا کہ اہل قبیلہ باہم ایک دوسرے کی مدد اور حمایت اور غم خواری کریں اور ہر شخص دوسرے کے نفع ونقصان کو اپنا نفع ونقصان سمجھے اور یہ طریقہ بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتا کہ ان کی جبلت میں یہ بات داخل ہو اور اسباب عارضہ اس کی تائید کریں اور ان کا قدیمی طریقہ بھی اس کو مضبوط کرے پس جبلت تو وہ محبت ہے جو ماں باپ اور اولاد اور بھائی وغیرہ میں پائی جاتی ہے اور اسباب عارضہ وہ لوگوں کی آپس میں الفت وملاقات اور تحفہ وتحائف دینا اور غم خواری کرنا ہے کیونکہ ان میں سے ہر بات ایک دوسرے کا دوست بنا دیتی ہے اور مصائب کے وقت مدد اور معاونت پر ہمت دلاتی ہے اور قدیمی طریقہ وہ ہے جس کو تمام شرائع نے بیان کیا یعنی صلہ رحمی کا حکم اور اس کے ترک پر ملامت کرنا، پھر جبکہ بعض لوگ ایسے تھے جو اپنی ناقص فکر کی پیروی کرتے تھے اور کما حقہ صلہ رحمی نہیں کرتے تھے اور غیر ضروری چیزوں کو زیادہ اہمیت دیتے تھے اس واسطے ان پر ان میں سے بعض چیزوں کے واجب کرنے کی حاجت پڑی خواہ وہ اس کو چاہیں یا نہ چاہیں جیسے مریض کی عیادت اور قیدی کا رہا کرانا اور دیت کا لینا، اور جو شخص اپنے ذی رحم کا مالک ہو اس کو آزاد کرنا وغیر ذالک، اور ان سب سے زیادہ بہتر وہ قسم ہے جس سے بہ سبب قرب موت کے مالک کو استغنا حاصل ہو جائے کیونکہ ایسے وقت میں ضروری ہے کہ اس کا مال اس کے سامنے ایسی چیز میں صرف کیا جائے جو معاونات خانگی میں نافع ہو یا اس کے بعد اس کے اقارب میں خرچ کیا جائے۔

واضح ہو کہ فرائض میں اصل یہ بات ہے کہ عرب اور عجم کے سب لوگوں کا اس پر اتفاق ہے

کہ میت کے مال کے حق دار سب لوگوں سے زیادہ اس کے اقارب اور ذوی الارحام ہیں پھر اس اصل قرارداد کے بعد اس کی تفصیل میں ان کا بڑا اختلاف ہے اہل جاہلیت تو صرف مردوں کو ہی ورثہ دیا کرتے تھے نہ عورتوں کو، وہ سمجھتے تھے کہ مرد ہی اصل ہیں اور وہی مصیبت کے وقت کام آتے ہیں اس واسطے جو چیز بہ منزلہ مفت کے ہے اس کے وہی مستحق ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اول بار جو نازل ہوا ہے وہ بلاتعیین وتوقیت اقارب کے لئے ضرور بالضرور وصیت کرنا نازل ہوا ہے کیونکہ لوگوں کے مختلف حالات ہیں پس ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ کسی کا ایک بھائی ناصر ومددگار ہوتا ہے اور دوسرا نہیں ہوتا اور بعض ایسے ہیں کہ ان میں سے باپ اولاد کے کام آتا ہے اور اولاد کام نہیں آتی او، علی ہذا القیاس، پس مصلحت اس میں تھی کہ اس بات کا اختیار لوگوں کے سپرد کیا جائے تاکہ ہر شخص جو مصلحت مناسب سمجھے اسی کے موافق وصیت کا حکم کرے پھر جو موصی سے کوئی ظلم اور زیادتی ظاہر ہو تو قاضیوں کو اختیار تھا کہ اس کی وصیت کی اصلاح کریں اور اس کو بدل دیں پس ایک مدت تک یہی حکم رہا پھر جب خلافت کبریٰ کے احکام ظاہر ہونے لگے اور مشرق سے مغرب تک کی زمین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دی گئی اور بعثت عامہ کے انوار چمکنے لگے تو مصلحت کا مقتضی ہوا کہ ان کے اس بات کا اختیار نہ ان کے سپرد کیا جائے اور نہ ان کے بعد قاضیوں کے ہاتھ میں دیا جائے بلکہ اس کا مدار ان مظان غالبہ پر رکھا جائے جو عرب وعجم وغیرہ کے عادات کے متعلق علم الٰہی میں ہے اور جو بہ منزلہ امر طبعی کے ہے اور جو شخص اس کے خلاف ہے وہ بہ منزلہ شاذ ونادر کے ہے اور اس جانور کے مانند ہے جو عادت مستمرہ کے خلاف بغیر ناک کان کے یا لنگڑا پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”تم نہیں جانتے کہ ان میں سے تمہارے لئے نفع میں کون زیادہ تر قریب ہے“۔

اور میراث کے مسائل چند اصول پر مبنی ہیں، از آں جملہ یہ ہے کہ اس باب میں مصاحبت طبیعہ اور باہمی ہمدردی اور محبت کا اعتبار ہے جو بہ منزلہ مذہب جبلی کے ہے امور عارضیہ کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ غیر منضبط ہیں اور ان پر شرائع کلیہ مبنی نہیں ہوسکتے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اور رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رو سے ایک دوسرے کے ترکہ کے زیادہ حق دار ہیں“ اسی واسطے اولوالارحام کے علاوہ بجز زوجین کے کسی کے لئے میراث مقرر نہیں کی گئی کیونکہ وہ اولوالارحام کے

ساتھ ملحق ہیں اور چند وجوہ سے اولوالارحام میں داخل ہیں۔

ازآں جملہ خانگی معاملات میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی تاکید اور اس بات کی ترغیب دلاتا کہ ہر شخص دوسرے کے نفع ونقصان کو اپنا نفع ونقصان سمجھے۔

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ خاوند عورت کا خرچ اٹھاتا ہے اور اپنا مال اس کے سپرد کرتا ہے اور اپنی چیزوں کو اس کے پاس امانت رکھتا ہے یہاں تک کہ اس کا یہ خیال ہو جاتا ہے کہ عورت کا کل مال متروکہ یا بعض مال اس کا حق ہے اور یہ خصومت منقطع نہ ہوسکتی تھی پس شریعت نے اس مرض کا اس طور پر علاج کیا کہ عورت کے مال متروکہ میں سے چوتھائی یا نصف خاوند کے لئے مقرر کردیا تاکہ اس کے دل کو تسکین رہے اور خصومت کی شدت نہ بڑھے، اور ازآں جملہ یہ ہے کہ بسا اوقات عورت کی اپنے خاوند سے اولاد ہوتی ہے جو لامحالہ خاوند کی قوم اور اس کے نسب اور مرتبہ کے ہوتی ہے اور انسان کا اتصال اپنی ماں سے کبھی منقطع نہیں ہوتا پس اس لحاظ سے بیوی بھی ان لوگوں میں شمار ہو جاتی ہے جو خاوند کی قوم سے جدا نہیں ہوتے اور وہ بمنزلہ ذوی الارحام کے ہو جاتی ہے، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ عورت کو خاوند کے مرنے کے بعد اس کے گھر میں ان مصالح کی بنا پر جو مخفی نہیں ہیں عدت گزارنا واجب ہے اور خاوند کی قوم میں سے کوئی اس کی معاش کا کفیل نہیں ہوتا اس واسطے ضروری ہے کہ اس کی معاش کا تقرر خاوند کے مال میں سے کیا جائے اور اس کی کوئی خاص مقدار مقرر کرنا ناممکن تھا کیونکہ یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ خاوند کس قدر مال چھوڑے گا پس ایک عام حصہ مقرر کرنا ضروری ہوا جو ہر جگہ جاری ہوسکتا ہے مثلاً آٹھواں حصہ اور چوتھائی حصہ، اور ازآں جملہ یہ ہے کہ قرابت کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ قرابت ہے جو حسب اور منصب میں مشارکت کو چاہتی ہے اور اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ دونوں ایک ہی قوم اور ایک ہی مرتبہ کے ہوں، اور دوسری وہ قرابت ہے جو حسب ونسب اور مرتبہ میں مشارکت کو نہیں چاہتی لیکن اس میں محبت وشفقت پائی جاتی ہے اور اگر مال تقسیم کرنے کا اختیار میت کو ہوتا تو وہ اس قرابت سے تجاوز نہ کرتا اور یہ بات ضروری ہوئی کہ قسم اوّل کو دوسری قسم پر فضیلت دی جائے کیونکہ عرب وعجم کے تمام لوگ اس بات کو ظلم سمجھتے ہیں کہ کسی شخص کا منصب اور مال اس کی قوم سے باہر دوسرے شخص کو دیا جائے اور اس کو ناپسند کرتے ہیں اور جب کسی شخص کا مال اور منصب اس شخص کو دیا جائے جو اس کی قوم میں اس کا

قائم مقام ہے تو اس کو عدل سمجھتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور یہ بات بہ منزلہ اس جبلت کے ہوگئی ہے جو ان کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیے بغیر باہر نہیں نکل سکتی ہاں! مگر ہمارے اس زمانہ میں لوگوں کے نسب ضائع ہوگئے ہیں اور ان کے نسب کی وجہ سے باہم معاونت باقی نہیں ہے اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ دوسری قسم کا حق پہلی قسم کے بعد چھوڑ دیا جائے اور اسی سبب سے ماں کا حصہ بیٹی اور بہن کے حصہ سے کم ہے باوجودیکہ اس کے ساتھ نہایت درجہ بھلائی کرنا اور صلہ رحمی کرنا زیادہ ضروری اور زیادہ موکد ہے اور اس کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ماں نہ تو بیٹے کی قوم سے ہوتی ہے اور نہ اس کے حسب اور اس کے مرتبہ اور شرافت میں شریک ہوتی ہے اور نہ ان لوگوں میں سے ہوتی ہے جو اس کے قائم مقام ہوتے ہیں، دیکھو! بیٹا کبھی ہاشمی ہوتا ہے اور ماں حبشیہ ہوتی ہے اور بیٹا قریشی ہوتا ہے اور ماں عجمی ہوتی ہے اور بیٹا خاندان خلافت سے ہوتا ہے اور ماں بدکاری اور رذالت کے ساتھ ملوث ہوتی ہے لیکن بیٹی اور بہن آدمی کی قوم اور اس کے منصب سے ہوتے ہیں اور اسی طرح ماں کی اولاد جب وہ وارث ہوتی ہے تو کسی حال میں ان کو تہائی مال سے زیادہ نہیں ملتا، دیکھو! آدمی کبھی قریشی ہوتا ہے اور اس کا اخیافی (۱) بھائی تمیمی ہوتا ہے اور کبھی دونوں قبیلوں میں دشمنی ہوتی ہے پس ہر شخص دوسرے کی قوم کے مقابلہ میں اپنی قوم کی مدد کرتا ہے اور لوگ اس کو اس کے بھائی کے قائم مقام ہونا عدل نہیں سمجھتے اور اسی طرح زوجہ جو ذوی الارحام کے ساتھ ملحق ہو کر ان کے شمار میں داخل ہے سب سے کم حصہ پاتی ہے اور جب ایک شخص کی کئی بیویاں ہوتی ہیں تو اسی حصہ میں سب شریک ہوتی ہیں اور باقی ورثہ ہرگز کمی نہیں کرسکتیں، دیکھو! بیوی خاوند کے مرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرلیتی ہے پس پہلے خاوند سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔

الحاصل توارث کا مدار تین امور پر ہے ایک یہ کہ میت کے شرف اور مرتبہ میں اور جو باتیں اسی قبیل سے ہیں ان میں اس کا قائم مقام ہونا کیونکہ انسان اس بات کی نہایت کوشش کرتا ہے کہ اس کے بعد اس کا کوئی قائم مقام ہو، دوسرے خدمت اور غم خواری اور شفقت اور نرمی اور دیگر امور جو اسی قسم سے ہیں، اور تیسرے قرابت ہے جس میں یہ دونوں امر بھی پائے جاتے ہیں اور تینوں میں زیادہ اعتبار اسی تیسرے کا ہے اور پورے طور پر ان سب کا محل وہی لوگ ہیں جو سلسلہ نسب میں

---

(۱) جو بھائی ماں کی طرف سے ہو۔

داخل ہیں جیسے باپ اور دادا اور بیٹا اور پوتا یہ لوگ سب سے زیادہ ورثہ کے حق دار ہیں مگر باپ کی جگہ بیٹے کا قائم ہونا وہ وضع طبعی ہے جس پر قرناً بعد قرنٍ عالم کی بنیاد ہے اور اسی کی لوگوں کو امید اور آرزو ہوتی ہے اور اسی کی خاطر بیٹے اور پوتے پیدا ہونے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بیٹے کے بعد اس کے باپ کا قائم مقام ہونا وضع طبعی نہیں ہے اور نہ لوگ اس کے طالب اور آرزومند ہوتے ہیں اور اگر کسی شخص کو اس کے مال میں اختیار دیا جائے تو اس کے دل پر اولاد کے ساتھ سلوک کرنا باپ کے ساتھ سلوک کرنے پر غالب ہوگا پس اسی واسطے سب لوگوں کا عام دستور ہے کہ اولاد کو باپ پر مقدم سمجھتے ہیں اور ان کے بعد جن کو ہم نے ذکر کیا قائم مقامی کا مرتبہ بیٹے کے بھائیوں کو ہے اور جوان کے مانند بہ منزلہ قوت بازو کے ہیں اور اس کی قوم کے اور اس کے نسب اور مرتبہ کے ہیں لیکن خدمت اور شفقت، تو اس کا محل قرابت قریبہ پس اس کی سب سے زیادہ مستحق ماں اور بیٹی اور جوان کے مانند ہیں اور سلسلہ نسب میں داخل ہیں اور بیٹی کسی قدر باپ کے قائم مقام ہوتی ہے پھر پھوپھی ہے اور اس کے بعد وہ ہے جس کے ساتھ زوجیت کا علاقہ ہے، پھر اخیافی بھائی بہن ہیں اور عورتوں کے اندر حمایت اور قائم مقامی کے معنی نہیں پائے جاتے کیونکہ عورتیں بسا اوقات غیر قوم میں نکاح کر لیتی ہیں اور اسی قوم میں داخل ہو جاتی ہیں ہاں! کسی قدر بیٹی اور بہن میں یہ معنی پائے جاتے ہیں اور عورتوں کے اندر شفقت اور محبت کے معنی کامل اور وافر پائے جاتے ہیں اور اس کا مظنہ بہت ہی قریب کی قرابت ہے جیسے ماں اور بیٹی اس کے بعد بہن نہ کہ بعید کی جیسے پھوپھی اور باپ کی پھوپھی اور باب اول باپ اور بیٹے میں کامل پایا جاتا ہے اور ان کے بعد بھائی اور چچا میں، اور دوسرے معنی سب سے زیادہ باپ میں اور اس کے بعد بیٹے میں پھر عینی بھائی یا اخیافی بھائی میں پائے جاتے ہیں اور قرابت قریبہ کا مظنہ ہے نہ بعیدہ کا اسی لئے جو چچا کے لئے حکم ہے وہ پھوپھی کے لئے نہیں ہے کیونکہ جس طرح چچا اس کی حمایت کرتا ہے وہ نہیں کر سکتی اور پھوپھی قرابت میں بہن کے برابر بھی نہیں ہے۔

ازآں جملہ یہ ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت دی جاتی ہے جبکہ دونوں ایک ہی درجہ کے ہوں کیونکہ مرد ہی حمایت اور مدد کرنے کے ساتھ خاص ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مردوں پر بڑے مصارف پڑتے ہیں پس یہی اس چیز کے زیادہ مستحق ہیں جو بہ منزل مفت کے ہے بخلاف عورتوں

کے کہ وہ خود اپنے خاوندوں یا باپوں یا بھائیوں پر بوجھ ہوتی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں بہ سبب اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور اس سبب سے کہ انھوں نے خرچ کیا ہے'' اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ثلث باقی کے مسئلہ میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ماں کو باپ پر فضیلت دینے کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں سمجھایا کہ جب ایک مرتبہ باپ کی فضیلت کا اعتبار کیا گیا کہ اس کو عصوبت اور فرض میں جمع کیا تو دوبارہ اس کا حصہ زیادہ کرنے کے لئے اس کی فضیلت کا اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں اور ورثا کی حق تلفی ہے اور ماں کی اولاد میں سے ذکور کی اس شخص کے لئے حمایت اور مدد نہیں ہوتی کیونکہ یہ اولاد دوسری قوم کی ہوتی ہے اس واسطے ان کو انثیٰ پر فضیلت نہیں دی گئی اور نیز ان کی قرابت ماں کی قرابت سے پیدا ہوتی ہے اس واسطے وہ تمام اولاد گویا اُناث ہیں۔

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ جب وارثوں کی ایک جماعت پائی جائے پس اگر وہ ایک مرتبہ کے ہوں تو ان سب پر برابر تقسیم کرنا ضروری ہے کیونکہ ایک کو دوسری پر تقدم نہیں ہے اور اگر وہ مختلف مراتب کے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ سب ایک نام اور ایک جہت میں شریک ہیں اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قریب بعید کو بالکل محروم کر دیتا ہے کیونکہ وراثت اس لئے مشروع ہوئی ہے کہ لوگ اعانت کرنے پر آمادہ رہیں اور قرابت اور تعاون ہر ایک میں پایا جاتا ہے مثلاً شفقت ان سب میں پائی جاتی ہے جن میں ماں کا نام شامل ہے، اور جن میں بیٹے کا نام شامل ہے ان میں قائم مقامی پائی جاتی ہے، اور جن میں عصبہ کا نام شامل ہے ان میں حمایت کے معنی پائے جاتے ہیں اور یہ مصلحت بغیر اس کے متحقق نہیں ہوتی کہ ایک شخص متعین ہو جائے جو ان باتوں کا التزام کرے اور ان کے ترک پر اس کو ملامت کی جائے اور سب لوگوں میں وہ شخص مال کے ملنے کے ساتھ متمیز ہو لیکن کسی کے حصہ کا کسی سے زیادہ ہونا پس اس کی ان کو چنداں پرواہ نہیں ہوتی یا ان کے نام اور ان کی جہات مختلف ہوں اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک مظان غالبیہ میں اقرب اور زیادہ کام آنے والا ہے بعید کے لئے حاجب ہو کر اس کے حصہ کو کم کر دیتا ہے۔

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ ''سہام'' جن سے حصہ متعین ہوتے ہیں ضروری ہے کہ ان کے اجزا ظاہر ہوں کہ محاسب اور غیر محاسب ظاہر میں ان کی تمیز کر سکیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

اس فرمان میں کہ ''ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں'' اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ جس بات سے تمام مکلفین کو خطاب کیا جائے وہ ایسی ہونی چاہئے کہ حساب کرنے میں دقت پیش نہ آئے، اور نیز وہ ایسی ہو کہ اس میں کمی بیشی کی ترتیب ظاہر نظر میں معلوم ہو جائے پس شریعت نے سہام کو دو طریق سے لیا ایک تو دو تہائی، ایک تہائی اور چھٹا حصہ اور دوسرے نصف اور چوتھا حصہ اور آٹھواں حصہ کیونکہ ان دونوں کا مخرج اصلی اول مرتبہ میں اعداد ہیں اور ان دونوں میں تین مرتبے پائے جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک کو زیادتی کے اعتبار سے دوسرے سے دو چند کرنے میں اور کمی کے اعتبار سے نصف کرنے میں ایک نسبت ہے اور اس سے زیادتی اور کمی خوب طرح سے محسوس ہو جاتی ہے پھر جب ایک زیادتی کا دوسری زیادتی کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اور نسبتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو وراثت کے باب میں ضروری ہیں مثلاً نصف پر کچھ زیادہ کیا جائے اور وہ پورا ہونے تک نہ پہنچے اور وہ دو تہائی ہیں اور جو چیز کہ نصف سے کم کی جائے اور ربع کو نہ پہنچے اور وہ ثلث ہے اور خمس اور سبع کا اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ ان کے مخرج کا نکالنا مشکل ہے اور ان میں کم کرنا اور زیادہ کرنا حساب میں تعمق کرنے کا محتاج ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں بتلاتا ہے کہ مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے پس اگر عورتیں دو سے زیادہ ہیں تو ان کے لئے میت کے ترکہ کا دو ثلث ہے اور اگر عورت ایک ہے تو اس کے لئے ترکہ کا نصف ہے''۔

میں کہتا ہوں مرد کے حصہ کا عورت کے حصہ سے دو چند ہونا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے'' اور اکیلی بیٹی کے لئے نصف ترکہ ہے کیونکہ اگر اکیلا بیٹا ہوتا ہے تو تمام مال لیتا ہے پس اکیلی بیٹی نصف کی مستحق ہے تاکہ دو چند کا حکم پورا ہو اور دو بیٹیوں کا حکم بالا جماع تین کا ہے اور دو بیٹیوں کو دو ثلث اس واسطے دیا گیا کہ اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا ہو تو اس بیٹی کو ثلث ملتا ہے اس واسطے دوسری بیٹی کا حصہ بطریق اولیٰ ثلث سے کم نہیں ہونا چاہئے اور عصبہ کے لئے ثلث زیادہ کیا گیا کیونکہ بیٹیوں سے بھی معاونت ہوتی ہے اور عصبات سے بھی معاونت ہوتی ہے پس ایک دوسرے کو ساقط نہیں کر سکتا لیکن حکمت کی بات یہ ہے کہ جو سلسلہ نسب میں داخل ہے اس کو ان لوگوں پر فضیلت دی جائے جو

سلسلہ نسب سے ادھر ادھر ہیں اور وہ دو ثلث کی نسبت ایک ثلث سے ہے، اور ایسے ہی بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ والدین کا حال ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور اس کے والدین کے لئے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اس کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہے اگر اس کے اولاد ہو پس اگر اس کے اولاد نہیں ہے اور اس کے ماں باپ اس کے وارث ہوتے ہیں تو اس کی ماں کے لئے ثلث ہے پس اگر اس کے بھائی ہیں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے'' الایہ۔

میں کہتا ہوں تم کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ والدین سے زیادہ اولاد وراثت کی مستحق ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اولاد کے لئے دو ثلث اور والدین کے لئے ایک ثلث ہو اور باپ کا حصہ ماں کے حصہ سے اس وجہ زیادہ نہیں مقرر کیا گیا کیونکہ باپ کی فضیلت کا ایک مرتبہ اعتبار کیا گیا ہے کہ اس کو بیٹے کے قائم مقام اور مددگار قرار دیکر عصبہ بنایا تھا اس واسطے بعینہ یہ فضیلت تضعیف کے بارے میں معتبر نہ ہوگی اور جب بیٹے کے اولاد نہ ہوگی تو والدین سے زیادہ کوئی حق دار نہیں ہے اس واسطے تمام ترکہ انہی کو ملے گا اور باپ کو ماں پر فضیلت دی جائے گی اور تم جان چکے ہو کہ اکثر ان مسائل میں جس فضیلت کا اعتبار ہے وہ دو چند کرنے کی فضیلت ہے، پھر اگر وارث ماں اور بھائی ہیں اور بھائی ایک سے زیادہ ہیں تو ضروری ہے کہ ماں کا حصہ کم کر کے اس کو چھٹا حصہ دیا جائے کیونکہ اگر بھائی عصبہ نہ ہوں اور عصبات اس سے بعید ہوں تو عصوبت اور شفقت اور محبت برابر ہے پس نصف ان کو ملے گا اور نصف ان کو اور وہ نصف ماں اور اس کی اولاد میں تقسیم ہوگا تو ماں کو بلا شک چھٹا حصہ ملے گا اور اس سے کم نہ ہوگا اور باقی ان سب کے لئے ہوگا اور اگر بھائی عصبات ہیں تو ان میں قرابت قریبہ اور حمایت دونوں پائی جاتی ہیں اور اکثر ان کے ساتھ اور وارث بھی ہوتے ہیں مثلاً بیٹی اور بیٹے اور خاوند، پس اگر ماں کے لئے چھٹا حصہ مقرر نہ ہو تو اور وارثوں پر تنگی ہو جائے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے ترکہ کا نصف ہے اگر ان کے اولاد نہ ہو پس اگر ان بیویوں کی اولاد ہو تو تمہارے لئے ان کے ترکہ میں سے ربع ہے بعد وصیت کے جس کی انھوں نے وصیت کی ہو یا بعد قرض کے، اور بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ میں سے ربع ہے اگر تمہاری اولاد نہیں ہے، پس اگر تمہاری اولاد ہے تو ان بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ

میں سے آٹھواں حصہ ہے بعد وصیت کے جس کی تم نے وصیت کی ہو یا بعد قرض کے۔

میں کہتا ہوں خاوند کو ورثہ اس لئے ملتا ہے کہ وہ بیوی اور اس کے مال پر قابض ہوتا ہے پس اس کے قبضہ سے مال نکالنا اس کو ضرر پہنچانا ہے اور نیز یہ کہ خاوند اپنا مال بیوی کے پاس رکھتا ہے اور اپنے مال میں اس کو امین جانتا ہے یہاں تک کہ اس کو یہ خیال ہو جاتا ہے کہ جو کچھ بیوی کے قبضہ میں ہے اس میں اس کا بڑا حق ہے اور بیوی خاوند سے اپنی خدمت اور ہمدردی اور محبت کا حق لیتی ہے اس واسطے خاوند کو بیوی پر فضیلت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**الرجال قوامون علی النساء**'' پھر اس بات کا بھی لحاظ کیا گیا ہے کہ وہ دونوں زیادہ حصہ لیکر اولاد پر تنگی نہ کریں اور یہ بات بھی تم کو معلوم ہو چکی ہے کہ اکثر مسائل میں جو فضیلت معتبر ہے وہ فضیلت حصہ کا دو چند کر دینا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے نہ باپ ہو نہ بیٹا مگر اس کے بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے''۔

میں کہتا ہوں یہ آیت بالاجماع ماں کی اولاد کے بارے میں وارد ہے اور چونکہ اس شخص کا نہ باپ ہے اور نہ اولاد ہے اس واسطے اگر ان میں ماں ہے تو شفقت کی وجہ سے ان کو نصف ملے گا اور نصف معاونت اور حمایت کی وجہ سے ملے گا اور اگر ماں نہیں ہے تو دو ثلث ان کا ہے اور ایک ثلث ان کا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے پیغمبر! لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ خدا تم کو کلالہ کے بارے میں بیان کرتا ہے: اگر کوئی مرد مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کے لئے اس مرد کے ترکہ کا نصف ہے اور وہ مرد اس کا وارث ہوگا اگر اس کے اولاد نہیں ہے پس اگر دو بہنیں ہیں تو ان دونوں کے لئے اس کے ترکہ میں سے دو ثلث ہے اور اگر اس کے بھائی اور بہنیں ہوں تو مرد کے لئے عورت سے دو چند ہے'' الآیۃ،

میں کہتا ہوں یہ آیت بالاجماع باپ کی اولاد کے بارے میں ہے خواہ وہ بنی الاعیان ہوں یا بنی العلات ہوں، اور کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کا نہ باپ ہو اور نہ اولاد ہو، اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ''**لیس لہ ولد**'' کلالہ کی بعض حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی ایسا شخص نہ ہو جو سلسلہ نسب میں داخل ہے تو وہ لوگ جو سب سے زیادہ قریب اور اولاد کے مشابہ ہیں وہ اس کی اولاد پر ہی محمول ہوں گے اور وہ بھائی اور بہن ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تمام حصے ان کے حق داروں کو دو اور جو کچھ بچ رہے تو وہ اس مرد ذکر کا ہے جو مرنے والے کا سب سے زیادہ قریب ہے“۔

میں کہتا ہوں تم کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ توارث کے اندر اصل دو چیزیں ہیں جن کو ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ کہ محبت اور شفقت کا صرف اس قرابت میں لحاظ کیا جاتا ہے جو بہت ہی قریب ہے جیسے ماں اور بھائی نہ ان کے علاوہ دوسروں میں، پس جب یہ نہ ہوں تو اب توریث میت کے قائم مقام ہونے اور اس کی معاونت کرنے کے اعتبار سے معین ہوگی اور وہ میت کی قوم اور اس کے نسب اور اس کے درجہ کے لوگ ہیں پس ان میں درجہ بدرجہ قریب کا لحاظ ہوگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان کافر کا اور کوئی کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا“۔

میں کہتا ہوں یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ کافر و مسلمان میں باہمی محبت منقطع ہو جائے کیونکہ کافر کے ساتھ مسلمان کا میل جول رکھنا اس کے دین کے فساد کا باعث ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ نکاح کے حکم میں فرماتا ہے ”وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں“۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قاتل کو ورثہ نہیں پہنچتا“۔

میں کہتا ہوں یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ بہت سے حوادث ایسے واقع ہوتے ہیں کہ وارث سارا مال لینے کی خاطر اپنے مورث کو قتل کر دیتا ہے خاص کر چچازاد بھائی وغیرہ، پس لوگوں کے اندر ایسے دستور کا مقرر کرنا ضروری ہے کہ جو شخص ایسے فعل کا ارتکاب کرے اس کو اس کی مراد سے ناامید کیا جائے تاکہ لوگوں سے یہ مفسدہ رفع ہو، اور یہ بھی دستور چلا آتا ہے کہ نہ غلام کسی کا وارث ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث ہوتا ہے کیونکہ غلام کا سارا مال مولیٰ کا ہوتا ہے اور مولیٰ اجنبی شخص ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بیشک ماں کی اولاد میں سے عینی بھائی وارث ہوتے ہیں نہ علاتی“۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ میت کی قائم مقامی خصوصیت پر مبنی ہے اور قریب بعید کے لئے حاجب بن کر اس کو محروم کر دیتا ہے اور اس بات پر صحابہ کا اجماع ہے کہ خاوند اور ماں باپ اور بیوی اور ماں باپ کی صورت میں ماں کو باقی کا تہائی ملتا ہے۔

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو خوب واضح کر کے بیان کر دیا جبکہ یہ فرمایا ”خدا تعالیٰ نے مجھ کو یہ نہیں بتلایا کہ میں ماں کو باپ پر فضیلت دوں“۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیٹی اور ایک پوتی اور ایک عینی بہن کی صورت میں فیصلہ فرمایا کہ بیٹی کو نصف اور پوتی کو چھٹا حصہ اور جو کچھ باقی رہے وہ بہن کو دیا جائے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ بعید قریب کے اس حصہ میں جو اس کو ملتا ہے مزاحم نہیں ہوتا ہے پس جو باقی بچے بعید اس کا حق دار ہے تا کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ اس صنف کے لئے مقرر کیا ہے وہ اس کو پالے پس بیٹی پورا نصف لے گی اور پوتی بیٹیوں کے حکم میں ہے پس وہ حقیقی بیٹی کے مزاحم نہیں ہو سکتی اور بیٹیوں کے حصہ میں سے جو باقی رہ گیا ہے وہ اس کو مل جائے گا پھر بہن عصبہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں بیٹی کے قائم مقام ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں اور وہ مورث کے مرتبہ کی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاوند اور ماں اور حقیقی بھائیوں اور اخیافی بھائیوں کے بارے میں فرمایا کہ باپ نے محض ان کی قرابت ہی کو زیادہ کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور زید اور شریح رضی اللہ عنہم اور بہت سے اشخاص نے اسی حکم پر اتفاق کیا ہے اور یہ قول قوانین شرع کے ساتھ زیادہ موافق ہے اور ماں کے نہ ہونے کی صورت میں دادی کو اس کے قائم مقام کر کے چھٹے حصہ کا حکم دیا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم دادا کو باپ کا حکم دیتے تھے اور میرے نزدیک یہ قول سب سے بہتر ہے۔

لیکن ولاء پس اس میں حکمت معاونت اور حمایت کا پایا جانا ہے پس اس امر میں زیادہ مستحق مولیٰ نعمت ہے پھر اس کے اس کی قوم میں سے مرد درجہ بدرجہ ہیں، واللہ اعلم۔

تدبیر منزل کے ابواب کا بیان

واضح ہو کہ فن تدبیر منازل کے اصول تمام عرب و عجم میں مسلم ہیں لیکن ان کی اشباح اور صورتوں میں اختلاف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں پیدا ہوئے اور حکمت الٰہی کا یہ مقتضی ہوا کہ تمام دنیا میں کلمۃ اللہ کا اس طریق پر ظہور ہو کہ عرب کا تمام ادیان پر غلبہ ہو جائے اور تمام دنیا کی عادات عرب کی عادات سے منسوخ ہو جائیں اور عرب کی ریاست سے ان کی ریاستیں زیر ہو جائیں پس اس نے یہ بات ضروری کر دی کہ تدبیر المنازل عرب کی عادات میں ہی متعین کی جائیں اور خاص ان ہی اشباح اور صورتوں کا اعتبار کیا جائے اور جن باتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے ان میں سے اکثر کو مقدمۃ الباب میں ارتفاقات وغیرہ کے اندر بیان کر دیا ہے پس وہاں دیکھنا چاہئے۔

پیغام نکاح اور اس کے متعلقات کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص نکاح کرنے کی طاقت رکھے تو اس کو نکاح کرنا چاہئے کیونکہ وہ نگاہ کو پست کرتا ہے اور ستر کو محفوظ رکھتا ہے اور جو نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھے تو اس کو روزے رکھنا چاہئے کیونکہ روزہ سے شہوت کم ہو جاتی ہے“۔

واضح ہو کہ جب بدن کے اندر منی کی پیدائش زیادہ ہوتی ہے تو اس کے بخارات دماغ کی طرف چڑھتے ہیں تب اس کو خوبصورت عورت کی طرف دیکھنا اچھا معلوم ہوتا ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں بھر جاتی ہے اور اس منی کا ایک حصہ پیشاب گاہ کی طرف اترتا ہے جس سے انتشار پیدا ہوتا ہے اور شدت کے ساتھ جماع کی خواہش ہوتی ہے اور اکثر یہ بات جوانی کے وقت میں عارض ہوتی ہے اور یہ طبیعت کے حجابوں میں سے ایک حجاب ہے جو اس کو احسان میں غور کرنے سے مانع ہوتا ہے اور اس کو زنا کی طرف برانگیختہ کرتا ہے اور اس کے اخلاق کو خراب کرتا ہے اور اس کو باہمی فساد کی بڑی بڑی ہلاکتوں میں ڈالتا ہے لہٰذا اس حجاب کا دور کرنا ضروری ہوا پس جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اور اس پر قادر ہو اس طور سے کہ مقتضی حکمت کے موافق کوئی عورت اس کو میسر آئے اور اس کے نان ونفقہ پر قادر ہو تو اس کے لئے نکاح سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ نکاح کرنے سے نگاہ پست ہو جاتی ہے اور آدمی کی شرمگاہ محفوظ رہتی ہے کیونکہ اس کے سبب سے منی کثرت سے خارج ہوتی رہتی ہے اور جو شخص نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو روزہ رکھنا چاہئے کیونکہ پے درپے روزہ رکھنے سے طبیعت کی تیزی کے رفع کرنے میں اور اس کے جوش

سے باز رکھنے میں بڑا دخل ہے کیونکہ اس میں منی کے مادہ کو کم کرنا ہے پس تمام اخلاق فاسدہ جو کثرت اخلاط سے پیدا ہو گئے ہیں وہ روزہ کے سبب سے بدل جاتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کو تبتل (۱) سے منع فرمایا پس آپ نے فرمایا "خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ میں اللہ تعالیٰ سے خوف کرتا ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں اور نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جو شخص میری سنت سے اعراض کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

واضح ہو کہ مانویہ اور نصاریٰ میں سے راہبین نکاح ترک کر کے قربت الٰہی طلب کرتے تھے اور ان کا یہ خیال غلط تھا کیونکہ انبیا علیہم السلام کا طریقہ جس کو خدا تعالیٰ نے لوگوں کے لئے پسند فرمایا ہے وہ طبیعت کی اصلاح اور اس کی کجی کا دور کرنا ہے نہ کہ اس کو اس کی تمام مقتضایات سے روکنا اور ہم اس کو خوب طریقہ سے بیان کر چکے ہیں پس اس مقام کو دیکھنا چاہئے پھر ایسی عورت کی طرف رہنمائی ضروری ہے جس سے نکاح کرنا حکمت کے موافق ہو اور خانہ داری کی تمام مصلحتیں وہ پورے طور پر انجام دے سکے کیونکہ میاں بیوی میں صحبت لازمی شئے ہے اور دونوں جانب سے حاجتیں ضروری ہیں پس اگر عورت بدطینت ہے اور اس کی عادت میں سختی ہے اور اس کی زبان میں اغویت داخل ہے تو اس شخص پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہو جائے گی اور وہ مصلحت فساد کی طرف منقلب ہو جائے گی اور اگر وہ عورت نیک ہے تو امور خانہ داری کی خوب اچھی طرح سے اصلاح ہو سکتی ہے اور اس کے لئے ہر طرف سے اسباب خیر دستیاب ہو جائیں گے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی سب سے بہتر پونجی نیک بیوی ہے" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چار باتوں کی وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کی وجہ سے اور اس کے حسب کی وجہ سے اور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے پس دیندار کو حاصل کرو، خاک میں مل جائیں تیرے دونوں ہاتھ"۔ (۲)

واضح ہو کہ وہ مقاصد جو بیوی پسند کرنے میں مقصود ہوتے ہیں وہ غالباً چار خصلتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ نکاح مال کی وجہ سے کیا جاتا ہے کہ اس شخص کو اس کے مال میں رغبت ہوتی ہے اور

---

(۱) نامرد ہو جانا۔ (۲) یہ عربی محاورہ ہے، جس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

اس کو امید ہوتی ہے کہ وہ عورت اپنے مال سے اس کی مدد کرے گی اور اس کی اولاد ماں کی مالدار ہونے کی وجہ سے غنی ہو جائے گی کیونکہ ماں کے ترکہ میں ان کو یہ مال ملے گا، اور ایک یہ کہ نکاح عورت کے حسب کی وجہ سے کیا جاتا ہے یعنی اس عورت کے باپ دادا کے خاندانی ہونے کی وجہ سے کیونکہ شریفوں میں نکاح کرنا عزت کی بات ہے اور ایک یہ ہے کہ عورت کی خوبصورتی کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے کیونکہ طبیعت بشری کو جمال کی طرف میلان ہوتا ہے اور بہت سے لوگ طبیعت کے تابع ہوتے ہیں، اور ایک اس کے دین کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے یعنی اس وجہ سے کہ وہ عورت عفیف ہے اور صاحب ایمان ہے اور عبادات کے ذریعہ اپنے خالق کے نزدیک مقرب ہے پس مال اور عزت ان لوگوں کا مقصد ہوتا ہے جن پر رسم دنیا کا حجاب غالب ہے، اور جمال اور جوانی ان لوگوں کا مقصد ہوتا ہے جن پر حجاب طبیعت غالب ہے اور دینداری ان لوگوں کا مقصد ہوتا ہے جو فطرت کے اعتبار سے مہذب ہو گئے ہیں اور اس بات کو چاہتے ہیں کہ ان کی بیوی دین میں ان کی معاونت کرے اور اہل خیر کے ساتھ صحبت رکھنے کی رغبت دلائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان عورتوں میں جو اونٹ پر چڑھتی ہیں سب میں بہتر قریش کی عورتیں ہیں جو اپنے بچوں پر نہایت مہربانی اور خاوند کے مال کی بڑی پاسبانی کرتی ہیں''۔

میں کہتا ہوں مستحب یہ ہے کہ عورت اس قوم قبیلہ سے ہو جن کی عورتوں کی عادت نیک ہو کیونکہ سونے اور چاندی کے کانوں کی طرح آدمیوں کی بھی کانیں ہیں اور ہر آدمی پر اس کی قوم کی رسوم اور عادات اس پر اس قدر غالب ہوتی ہیں گویا وہ اس کی سرشت میں داخل ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بیان فرمادیا کہ سب عورتوں سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں اس وجہ سے کہ وہ اپنے بچوں پر بڑی مہربان اور خاوند کے مال اور اس کے غلام وغیرہ کی بڑی محافظ ہوتی ہیں اور یہ دونوں خصلتیں نکاح کے مقاصد میں سب سے بڑھ کر ہیں اور انہیں سے خانہ داری کا انتظام ہوتا ہے اور اگر تم اس زمانہ میں ہمارے ملک اور ماوراء النہر وغیرہ ملکوں کے لوگوں کا حال معلوم کرو گے تو اخلاق حمیدہ میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور ان باتوں میں مستقل قریش کی عورتوں کو پاؤ گے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو زیادہ جننے والی اور زیادہ محبت کرنے والی ہوں کیونکہ میں تمہاری وجہ سے اور امتوں سے کثرت میں ہوں گا''۔

میں کہتا ہوں میاں بیوی کی باہمی محبت کی وجہ سے خانہ داری کی مصلحت پورے طور سے قائم رہتی ہے اور کثرت نسل سے مصلحت مدنیہ اور ملیہ کی تکمیل ہوتی ہے اور بیوی کا اپنے خاوند سے محبت کرنا اس کے صحت مزاج اور قوت طبیعت کی دلیل ہے اور اس کو اس سے باز رکھتا ہے کہ وہ عورت کسی اور کی طرف آنکھ اٹھائے اور عورت کو کنگھی وغیرہ سے سنگھار کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور اس میں خاوند کی پاکدامنی اور اس کی نظر کی حفاظت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص شادی کا پیغام لائے جس کی دینداری اور عادت سے تم واقف ہو تو اس کے ساتھ شادی کردو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہوگا“۔

میں کہتا ہوں اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نکاح کے اندر کفو کا اعتبار نہیں ہے اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ ہر قسم کے لوگوں کی سرشت میں کفو کا ہونا داخل ہے اور کبھی کفو میں عیب لگانا قتل سے زیادہ ہوتا ہے اور لوگ مختلف مرتبوں کے ہوتے ہیں اور شریعت اس قسم کی باتوں کو نظر انداز نہیں کرتی اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا میں عورتوں کو ان کے کفر کے لوگوں کے سوا سب سے منع کروں گا“ بلکہ اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اس کی دینداری اور خلق پسند کرنے کے بعد اس کی کمتر باتوں کو نہ دیکھے کہ مثلاً وہ قلیل المال اور پریشان حال ہے اور وہ بدصورت ہے یا باندی کا لڑکا ہے اور اسی قسم کے دیگر اسباب، کیونکہ تدبیر منزل کا سب سے بڑا مقصد خوش خلقی میں موافقت اور اس کے سبب سے دین کی اصلاح کا ہونا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نحوست عورت اور گھوڑے اور گھر میں ہوتی ہے“۔

میں کہتا ہوں اس کی صحیح تفسیر جس کو حدیث کا مورد چاہتا ہے یہ ہے کہ ان چیزوں میں اسباب خفیہ غالب ہوتے ہیں جو اکثر اس کے حق میں پائے جاتے ہیں جو خالی از خیر اور غیر مبارک طور پر مثلاً عورت سے نکاح کرتا ہے اور جب کسی عورت کی نحوست پر کوئی تجربہ پایا جائے تو مرد کے لئے بہتر ہے کہ اس عورت سے ترک نکاح کر کے اپنے نفس کو سکون و آرام دے خواہ وہ خوبصورت اور دولتمند ہی ہو اور حکمت کا مقتضی ہے کہ باکرہ سے نکاح کرے بشرطیکہ وہ عاقلہ اور بالغہ ہو کیونکہ اس کے اندر فریب کے معنی کم ہونے کی وجہ سے وہ ادنیٰ درجہ کی چیز سے راضی ہو جاتی ہے اور قوت

جوانی کی وجہ سے اولاد پیدا کرنے کے زیادہ قابل ہوتی ہے اور حکمت کی باتوں کو جلدی قبول کرتی ہے اور ان پر پابند رہتی ہے اور اپنی شرمگاہ اور نظر کو زیادہ محفوظ رکھنے والی ہے بخلاف بیوہ عورتوں کے کہ وہ کیونکہ چالاکی سے خوب واقف ہوتی ہیں اور بداخلاق اور قلیل الاولاد ہوتی ہیں اور وہ مثل الواح منقوشہ کے ہوتی ہیں، جن میں تادیب بہت کم اثر کرتی ہے البتہ جب تدبیر خانہ داری بغیر تجربہ کار عورت کے انجام نہ پاتی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ جابر بن عبداللہؓ نے ذکر کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی کسی عورت کے لئے نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر وہ شخص اس چیز کو جو اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا باعث ہو دیکھ سکے تو دیکھ لے'' اور آپ نے فرمایا ''کیونکہ یہ بات تم دونوں میں الفت قائم رہنے کے لئے انسب ہے'' اور آپ نے ایک صحابی سے فرمایا تھا ''کیا تو نے اس عورت کو دیکھ لیا ہے کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے''۔

میں کہتا ہوں مخطوبہ کو دیکھ لینا اس لئے مستحب ہے کہ نکاح دیکھنے کے بعد کیا جائے اور اس ندامت سے بچ جائے جو بلا دیکھے بھالے نکاح کر لینے اور طبیعت کے موافق نہ ہونے اور اس کے رد نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور اگر دیکھنے کے بعد رد کرے تو اس کی تلافی آسان ہوتی ہے اور دیکھنے کے بعد اگر نکاح اس کی طبیعت کے موافق ہے تو اس عورت کے ساتھ شادی کرنا شوق اور نشاط کے ساتھ ہو، اور عقلمند آدمی جب تک کسی چیز کی بھلائی اور برائی کو پہلے ہی نہیں دیکھ لیتا اس کا اقدام نہیں کرتا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت اچھی معلوم ہو اور اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنی بیوی کی طرف قصد کرے اور اس سے مجامعت کرے کیونکہ اس سے اس کے دل کا وسوسہ دور ہو جائے گا۔

واضح ہو کہ فرج کی خواہش خواہشات میں سب سے بڑی خواہش ہے اور سب سے زیادہ قلب پر اس کا غلبہ ہوتا ہے جو انسان کو بڑی بڑی ہلاکتوں میں ڈالتی ہے اور عورتوں کی طرف دیکھنا اس خواہش کو پیدا کرتا ہے اور اس حدیث سے یہی مراد ہے ''عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے'' الخ، پس جو شخص کسی عورت کو دیکھے اور وہ اس کے دل میں واقع ہو جائے اور اس کی طرف شوق پیدا ہو اور وہ اس کے لئے جوش مارے تو حکمت کی بات یہ ہے کہ اس شوق کو اس کی حالت پر

نہ چھوڑا جائے کیونکہ وہ دم بدم اس کے دل میں زیادہ ہوتا جائے گا یہاں تک کہ اس کے دل میں غالب آجائے گا اور اس میں متصرف ہو جائے گا اور ہر چیز کے لئے مدد ہوتی ہے جس سے اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور ایک تدبیر ایسی ہوتی ہے جس سے وہ کم ہو جاتی ہے پس عورت کی طرف رغبت کی مدد منی کے ظروف کا پر ہو جانا اور اس کے بخارات کا دماغ کی طرف چڑھنا ہے اور اس کے کم کرنے کی تدبیر ان ظروف کا منی سے خالی کر دینا ہے اور نیز اس کا دل جماع کی طرف مشغول ہو جائے گا اور وہ وسوسہ اس کے دل سے نکل جائے گا اور جس چیز کی طرف اس کی توجہ ہے جماع کرنا اس توجہ سے اس کے دل کو ہٹا دے گا اور جب ایک چیز کے استحکام سے پہلے اس کا علاج کر لیا جائے تو ادنیٰ کوشش سے وہ چیز رفع ہو جاتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ بھیجے یہاں تک کہ وہ نکاح کر لے یا ترک کر دے''۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت کی طرف نکاح کا پیغام بھیجتا ہے اور عورت کو بھی اس کی طرف میلان ہوتا ہے تو اس شخص کے گھر کے آباد ہونے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے پس اب اس کو اس شئے سے ناامید کرنا جس کے وہ درپے ہے اور اس کی مراد سے محروم کرنا اس کے ساتھ برائی اور ظلم کرنا اور اس کو تنگ کرنا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کوئی عورت اپنی مسلمان بہن کی طلاق کی خواہش نہ کرے کہ اس کے برتن کو خالی کر کے اپنا نکاح اس شخص سے کرے کیونکہ اس کے لئے وہی ہے جو اس کے مقدر میں ہے''۔

میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ اس کی طلاق کا چاہنا اس پر ظلم کرنا اور اس کی روزی کے برباد کرنے میں کوشش کرنا ہے اور شہر کی بربادی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ایک دوسرے کے روزگار کو برباد کرے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی روزی اس طریقہ سے حاصل کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آسان کیا ہے نہ یہ کہ دوسرے کی روزی کے زائل کرنے میں کوشش کرے۔

ستر کا بیان

واضح ہو کہ جب عورتوں کی طرف دیکھنے سے مردوں کو ان کا عشق اور ان کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح عورتوں کو بھی مردوں کے دیکھنے سے عشق ومحبت پیدا ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ بات اس کا سبب ہو جاتی ہے کہ بغیر طریقہ راشدہ کے ان سے قضا شہوت کی جائے مثلاً اس عورت کی پیچھا کرنا جو دوسرے کی عصمت میں ہے یا بغیر نکاح کے یا بغیر کفو کے اعتبار کئے اس کو تصرف میں لانا اور اس باب میں جو کچھ مشاہدہ میں آیا ہے وہ اس بیان سے مستغنی کرتا ہے جو دفتروں میں مذکور ہے اس واسطے حکمت کا مقتضی یہ ہوا کہ یہ دروازہ بند کیا جائے اور چونکہ انسانوں کی حاجتیں مختلف ہیں جن میں باہم مخالطت کی ضرورت پڑتی ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ حاجات کے اعتبار سے ممانعت نظر کے کئی مراتب مقرر کئے جائیں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی طریقے مشروع فرمائے ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورت بغیر ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو اپنے گھر سے باہر نہ نکلے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”عورت ستر کی چیز ہے پس جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس پر نگاہ ڈالتا ہے“۔

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان کا گروہ اس پر نگاہ ڈالتا ہے یا اس سے فتنہ کے اسباب کا مہیا ہونا مراد ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اور اپنے گھروں میں رہو“ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چونکہ اسرار دین کا علم عطا ہوا تھا اس واسطے وہ ہمیشہ اسی آرزو میں رہتے تھے کہ پردہ کا حکم نازل ہو حتی کہ انھوں نے ایک روز حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پکار کر کہا کہ تم ہم سے پوشیدہ نہیں ہو، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ اس باب کے بالکل بند کر دینے میں حرج عظیم ہے اس

واسطے آپ نے گھر میں رہنا ان کے لئے مستحب کیا، واجب نہیں کیا اور فرمادیا ’’تم کو اپنی ضروریات کے لئے باہر نکلنے کی اجازت ہے‘‘ دوسرے یہ ہے کہ عورت اپنے اوپر چادر ڈالے رہے اور سوائے خاوند اور ذی رحم محرم کے کسی کے سامنے زینت کے مواضع نہ ظاہر ہونے دے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ’’آپ مومنین سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے بے شک خدا تعالیٰ ان کے اعمال سے باخبر ہے اور آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی آرائش کو بجز اس کے جو اس میں سے کھلا رہتا ہو ظاہر نہ ہونے دیا کریں اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھا کریں اور اپنی زینت کو بجز اپنے خاوند کے اور باپ کے اور خسر کے اور اپنے بیٹوں کے اور اپنے خاوند کے بیٹوں کے اور اپنے بھائیوں کے کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں‘‘ الآیہ

پس خدا تعالیٰ نے ان اعضا کے کھولنے کی رخصت دی ہے جن سے شناخت ہو سکتی ہے یعنی منہ، اور جن اعضا سے اکثر چیزیں لی اور دی جاتی ہیں اور وہ دونوں ہاتھ میں اور ان کے علاوہ تمام اعضا کا چھپانا واجب کیا مگر خاوند اور ذی رحم محرم اور اپنے غلاموں کے سوا اور جو عورتیں گھروں میں بیٹھنے والی یعنی عمر رسیدہ ہیں ان کو اپنے کپڑے اتارنے کی اجازت ہے، تیسرے یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے جب تک کوئی تیسرا شخص وہاں ایسا موجود نہ ہو جس سے دونوں کو خوف ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’خبردار کوئی مرد کسی خاوند رسیدہ عورت کے پاس رات بسر نہ کرے بجز اس کے خاوند کے یا محرم کے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے کیونکہ تیسرا ان میں شیطان ہوتا ہے‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’ان عورتوں کے پاس نہ جاؤ جن کے خاوند گھر پر نہیں ہیں کیونکہ انسان کے بدن میں خون کے مانند شیطان پھرتا ہے‘‘ چوتھے یہ ہے کہ کوئی شخص خواہ عورت ہو یا مرد دوسرے کے ستر کو نہ دیکھے عام ہے کہ وہ عورت ہو یا مرد بجز میاں بیوی کے‘‘۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’نہ کوئی مرد مرد کا ستر دیکھے نہ کوئی عورت عورت کا ستر دیکھے‘‘۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ستر دیکھنے سے شہوت جوش میں آتی ہے اور عورتوں میں باہم عشق ہو جاتا ہے، اور اسی طرح مردوں میں بھی، اور ستر کے نہ دیکھنے میں کوئی دقت بھی نہیں ہے

اور نیز شرمگاہ کا ستر ارتفاقات کے ان اصولوں میں سے ہے جو نہایت ضروری ہیں، پانچویں یہ ہے کہ ایک کپڑا میں کوئی کسی کو ساتھ لپٹ کر نہ سوئے اور اسی حکم میں دو کا مثلاً ایک پلنگ پر سونا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کوئی مرد دوسرے کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ عورت عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں لیٹے''، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کوئی عورت کسی عورت کے ساتھ برہنہ ہو کر نہ سوئے کہ پھر وہ اپنے خاوند سے اس کا حال اس طرح بیان کرے کہ گویا وہ اس کو دیکھ رہا ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ایک ساتھ سونے سے شہوت اور رغبت پورے جوش میں آتی ہے جس سے ان میں چپٹی اور لواطت کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''گویا وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عورت کا دوسری عورت کے ساتھ برہنہ ہو کر لیٹنا بسا اوقات اس کی محبت کو دل میں پوشیدہ رکھنے کا باعث ہو جاتا ہے پس وہ اپنے شوہر یا قرابت دار کے سامنے اس لذت کو بیان کر دیتی ہے جو اس کو حاصل ہوئی تھی جس کی وجہ سے ان لوگوں کو اس عورت کا اشتیاق ہو جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر فساد یہ ہے کہ کسی مرد کے سامنے اس عورت کے اوصاف بیان کیے جائیں جس کا خاوند نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہیت نامی مخنث کو ازواج مطہرات کے گھروں سے نکالنے کا یہی سبب تھا۔

واضح ہو کہ ستر عورت یعنی وہ اعضا جن کے کھلنے سے لوگوں میں عادات متوسطہ کے اعتبار سے عار آتی ہے جیسا کہ اس زمانہ میں مثلاً قریش میں تھا، ان ارتفاقات کے اصولوں میں سے ہے جن کو ان تمام لوگوں نے تسلیم کر لیا ہے جو بشر کہلائے جاتے ہیں اور اسی کے سبب سے انسان تمام حیوانات سے ممتاز ہے پس اسی وجہ سے شارع نے ان اعضا کے ستر کو واجب کیا اور دونوں عضو خاص اور خصیتین اور پیڑو اور جو اعضا ان کے قریب ہیں یعنی دونوں رانوں کا اوپر کا حصہ ان سب اعضا کا ستر ہونا دین کے روشن بدیہیات میں سے ہے جس پر دلیل پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کا نکاح اپنی باندی سے کر دے تو پھر اس کے ستر کو نہ دیکھے'' اور ایک روایت میں ہے کہ ''ناف سے نیچے اور گھٹنے سے اوپر نہ دیکھے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ''کیا تو نہیں جانتا کہ ران ستر ہے'' یہ بات

ثابت ہوئی کہ دونوں رانیں ستر ہیں اور اس مسئلہ میں احادیث متعارض ہیں لیکن اس پر عمل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے اور وہ قوانین شرع سے قریب تر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''برہنہ ہونے سے پرہیز کرو کیونکہ تمہارے ساتھ وہ فرشتے ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے بجز بیت الخلا کے وقت یا اس وقت جب مرد اپنی بیوی سے صحبت کے لئے جاتا ہے پس تم ان سے حیا کرو اور ان کی عزت کرو'' اور آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے حیا کی جائے''۔

میں کہتا ہوں برہنہ ہونا اگرچہ تنہائی میں ہی ہو بغیر ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ نہ ہو جائز نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات انسان اس پر اقدام کرتا ہے اور اعمال کا اعتبار ان اخلاق کے ساتھ ہوتا ہے جن سے یہ اعمال پیدا ہوتے ہیں اور ستر کا منشا حیا ہے اور نفس پر تحفظ اور تقید کی کیفیت کا غالب کرنا ہے اور بے حیائی کو ترک کر دینا ہے اور اس کا عادی نہ ہونا ہے، اور جب شارع کسی کو ایک شئے کا حکم دیتا ہے تو اس کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ اس حکم کے موافق اس شخص کے ساتھ معاملہ کرے پس جب عورتوں کو پردہ کا حکم دیا گیا تو مردوں کے لئے نگاہوں کو نیچی رکھنا واجب ہوا اور نیز مردوں کے نفوس کی تہذیب جب ہی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست کریں اور اپنے نفوس کو اس پر مجبور کریں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پہلی نظر تیرے لئے جائز ہے دوسری جائز نہیں ہے''۔

میں کہتا ہوں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حالت بقابہ منزلہ حالت انشا کے ہے، اور ایک مرتبہ جس وقت ایک نابینا شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں حاضر ہوئے اور حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کو پردہ کرنے کا حکم دیا گیا اور انھوں نے عرض کیا ''کیا وہ اندھا نہیں ہے جو ہم کو نہیں دیکھ سکتا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم بھی نابینا ہو جو اس کو نہیں دیکھ سکتیں''۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ عورتوں کو بھی مردوں میں رغبت ہوتی ہے جس طرح مردوں کو عورتوں میں رغبت ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا ''تجھ پر کوئی حرج کی بات نہیں اس وقت تیرا باپ اور تیرا غلام ہے''۔

میں کہتا ہوں غلام کو محارم کا درجہ اس لئے دیا گیا کہ اس کو اپنی سیدہ کی طرف اس لئے رغبت

نہیں ہوتی کہ وہ اس کی نظر میں معزز ہوتی ہے اور نہ سیدہ کو غلام کی طرف رغبت ہوتی ہے کیونکہ وہ اس کی نگاہ میں حقیر ہوتا ہے اور ان کے درمیان پردہ کا حکم مشکل ہے اور یہ سب صفات محارم کے اندر معتبر ہیں کیونکہ قرابت قریبہ محرمہ رغبت کے کم ہونے کا باعث ہے اور ناامیدی طمع کے منقطع ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور طویل مدت تک ساتھ رہنا قلت نشاط کا اور پردہ کے دشوار ہونے کا اور عدم التفات کا سبب ہے پس اس واسطے یہ دستور جاری ہوا کہ محارم سے جو پردہ ہو وہ غیر لوگوں کی بہ نسبت کم درجہ کا ہو۔

نکاح کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، واضح ہو کہ نکاح کے بارے میں تنہا عورتوں کو مختار بنانا درست نہیں ہے کیونکہ ان کی عقلیں ناقص ہوتی ہیں اور ان کی فکر بھی کمزور ہوتا ہے پس بسا اوقات ان کو مصلحت معلوم نہیں ہوتی اور اکثر ان کو شرافت کا لحاظ نہیں ہوتا پس بسا اوقات ان کو غیر کفو میں رغبت ہو جاتی ہے اور اس میں ان کی قوم کو عار ہوتی ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ اس باب میں اولیا کو بھی کچھ دخل ہوتا کہ یہ فساد بند ہو اور نیز ضرورت جبلیہ کے اعتبار سے لوگوں میں عام طریقہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر اختیار ہوتا ہے اور ہر امر کا بندوبست انہیں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور ان کے تمام اخراجات مردوں ہی کے ذمہ ہوتے ہیں اور عورتیں ان کی مقید ہوتی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس سبب سے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے'' اور نیز نکاح کے اندر ولی کی شرط لگانے میں مردوں کی عظمت ہے اور عورتوں کا نکاح میں خود مختار ہونا بے حیائی ہے جس کا مدار قلت حیا پر ہے اور اولیا کی مخالفت اور ان کی بے قدری پر ہے، اور نیز یہ بات ضروری ہے کہ بہ سبب شہرت کے نکاح زنا سے ممیز ہو جائے اور شہرت کی عمدہ صورت یہ ہے کہ عورت کے اولیا نکاح میں موجود ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شوہر رسیدہ عورت کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر اور باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور اس کی اجازت اس کا چپ ہو جانا ہے'' اور ایک روایت میں ہے کہ ''باکرہ سے اس کا والد اجازت لے''۔

میں کہتا ہوں صرف اولیا کو مختار بنانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ عورت اپنا نفع ونقصان جس قدر

جانتی ہے وہ نہیں جانتے اور نیز نکاح کا نفع ونقصان خاص اسی کی طرف رجوع کرتا ہے اور استئمار سے مراد عورت کے حکم کا صراحتاً طلب کرنا ہے اور استیذان سے مراد اس سے اجازت طلب کرنا اور اس کا منع نہ کرنا ہے اور اس کا ادنیٰ مرتبہ سکوت ہے اور حدیث شریف میں مراد باکرہ بالغہ سے استیذان ہے نہ صغیرہ سے کیونکہ وہ ناسمجھ ہوتی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا چھ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو غلام اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کرتا ہے تو وہ حرام کار ہے‘‘۔

میں کہتا ہوں چونکہ غلام اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور نکاح اور اس کے فروعات یعنی عورت کے ساتھ سلوک کرنا اور خلوت میں اس کے پاس رہنا ایسی چیزیں ہیں جو بسا اوقات مولیٰ کی خدمت گزاری میں نقصان پہنچاتی ہیں اس واسطے ضروری ہے کہ یہ دستور قرار دیا جائے کہ غلام کا نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف رہے اور باندی کا نکاح بطریق اولیٰ مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہونا چاہئے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’پس ان کے ساتھ مولیٰ کی اجازت لے کر نکاح کرلو‘‘ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حاجت یعنی نکاح وغیرہ کے وقت یہ تشہد پڑھنا تعلیم فرمایا ہے: **الحمد لله ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا من يهدالله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له واشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبده ورسوله** ، اور اس کے بعد یہ تین آیتیں پڑھے: **يايها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولاتموتن الا وانتم مسلمون، واتقوا الله الذى تسائلون به والارحام ان الله كان عليكم رقيباً، يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديداً يصلح لكم اعمالكم ويغفرلكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيماً.** میں کہتا ہوں اہل جاہلیت نکاح سے قبل خطبہ میں اپنی قوم کے مفاخر وغیرہ وہ امور بیان کیا کرتے تھے جن کو ذکر مقصود کا وسیلہ بناتے تھے اور اس کی تعظیم کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اس رسم کے جاری ہونے میں مصلحت تھی کیونکہ خطبہ کی بنیاد شہرت اور ایک چیز کو سب کے سامنے کر دینے پر ہے اور تشہیر نکاح میں مقصود ہے تا کہ حرام سے تمیز ہو جائے۔

اور نیز خطبہ بڑے بڑے امور میں پڑھا جاتا ہے اور نکاح کا اہتمام کرنا اور اس کو عظیم الشان

بنانا اعظم مقاصد سے ہے اور واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کی اصل کو باقی رکھا اور اس کی صورت میں تبدیلی فرمادی اس طرح سے کہ ان مصالح کے ساتھ مصلحت کلیہ کو شامل کر دیا اور وہ یہ ہے کہ ہر کام میں اس کے مناسب ذکر کو ملایا جائے اور ہر جگہ پر شعائر الٰہی کی تعظیم کی جائے تا کہ دین حق کے نشانات پھیل جائیں اور اس کے شعائر اور امارات ظاہر ہو جائیں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں چند اقسام کے ذکر مسنون فرمائے جیسے حمد اور استعانت اور استغفار اور تعوذ اور توکل اور تشہد اور قرآن شریف کی چند آیات اور اس مصلحت کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کر دیا ’’جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کے مانند ہے‘‘ اور اپنے اس قول سے اشارہ فرمادیا ’’جس کلام کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی حمد نہ ہو تو وہ ناتمام ہے‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’حلال اور حرام میں فرق یہی ہے کہ نکاح میں آواز اور دف ہوتی ہے‘‘ اور آپ نے فرمایا ’’نکاح کا اعلان کرو اور نکاح کو مسجدوں میں کرو اور اس پر دف بجادیا کرو‘‘۔

میں کہتا ہوں اہل عرب نکاح میں دف اور آواز کا استعمال کرتے تھے اور یہ عادت ان میں بہت جاری تھی جس کو وہ اس نکاح صحیح میں ترک نہیں کیا کرتے تھے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار قسم کے نکاحوں میں سے باقی رکھا ہے جن کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے اور اس میں ایک مصلحت یہ ہے کہ نکاح اور زنا دونوں قضا شہوت اور مرد و عورت کی رضامندی میں متفق ہیں اس واسطے ایسی شئے کا حکم دینا ضروری ہوا جس سے ان دونوں کے درمیان بادی الرائے میں ایسا فرق معلوم ہو جائے کہ کسی کو اس میں کلام یا خفا باقی نہ رہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز کے لئے متعہ کی اجازت دے دی تھی پھر اس سے منع فرمادیا، لیکن اولاً رخصت دینا ایک حاجت کے سبب سے تھا جو اس کے جواز کی داعی تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس شخص کے بارے میں ذکر کیا ہے جو ایسے شہر میں جاتا تھا جہاں اس کا گھر بار نہ ہوتا تھا اور حضرت ابن عباسؓ نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ اس زمانہ میں صرف جماع کے لئے اجرت نہیں دیتے تھے بلکہ تدبیر خانہ سے متعلق دیگر ضروریات کے ضمن میں جماع بھی داخل ہوتا تھا، اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ محض جماع پر اجرت دینا طبیعت انسانی سے بالکل باہر ہو جانا ہے اور بڑی بے حیائی ہے جس کو قلب سلیم دفع کرتا ہے اور متعہ سے منع کرنے کا سبب یہ ہوا کہ اکثر اوقات میں یہ حاجت رفع

ہوگئی اور نیز متعہ کی رسم کے جاری رکھنے میں انساب کا اختلاط ہوتا ہے کیونکہ اس مدت کے گزرتے ہی وہ عورت خاوند کے قبضہ سے باہر ہو جاتی ہے اور اس کو اپنے نفس کا اختیار ہوتا ہے پس کچھ معلوم نہیں کہ وہ کیا کرے گی اور عدت کا انضباط اس نکاح صحیح میں جس کی بنا دوام پر ہوتی ہے نہایت مشکل سے ہوتا ہے چہ جائیکہ متعہ میں اور متعہ کے جاری رکھنے میں نکاح صحیح کو جو شرع میں معتبر ہے برباد کرنا ہے کیونکہ اکثر نکاح کرنے والوں کی بیشتر غرض شہوت فرج کا پورا کرنا ہوتا ہے، اور نیز من جملہ ان امور کے جن سے نکاح اور زنا میں امتیاز ہوتا ہے دائمی اعانت کا قائم رکھنا ہے اگرچہ اصل اس میں لوگوں کے سامنے منازعت کا قطع کرنا ہوتا ہے اور اہل عرب بغیر مہر کے نکاح نہیں کرتے تھے ان چند امور کی وجہ سے جوان کو اس پر آمادہ کرتے تھے اور اس میں چند مصلحتیں بھی تھیں۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ نکاح کا فائدہ بغیر اس بات کے تمام نہیں ہوتا کہ ہر شخص معاونت دائمی پر اپنے آپ کو قائم رکھے اور عورت کی جانب سے اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو اپنا اختیار نہ رہے اور یہ بات درست نہ تھی کہ مرد کے قبضہ سے بھی اس کا اختیار لے لیا جاتا ورنہ طلاق کا دروازہ بند ہو جاتا اور وہ عورت کے ہاتھ میں مقید ہو جاتا جس طرح عورت مرد کے ہاتھ میں مقید ہے اور اصل بات یہ تھی کہ مرد عورتوں پر حاکم رہیں اور یہ بھی درست نہیں تھا کہ ان دونوں کا اختیار قاضیوں کے سپرد کیا جاتا کیونکہ ان کی طرف مقدمہ لے جانے میں لوگوں کو بڑی دقت ہوتی اور ہر شخص اپنی خاص بات کو جس قدر جانتا ہے قاضی نہیں جانتے پس یہ بات متعین ہوئی کہ خاوند کو مال کا نقصان نظر آئے اگر وہ اس نظام کو توڑنا چاہے تاکہ وہ بغیر ایسی ضرورت کے جس کے بغیر اس کو چارہ نہ ہو جرأت نہ کر سکے پس مہر کے مقرر کرنے میں ایک قسم کا اطمینان ہے اور نیز نکاح کی عظمت بغیر مال کے ظاہر نہیں ہوتی جو بضع کے عوض میں مقرر کیا جائے کیونکہ لوگ جس قدر مال میں بخل کرتے ہیں کسی اور چیز میں نہیں کرتے لہٰذا اسی کے صرف کرنے سے نکاح کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہو سکتا ہے اور اس کے مہتم بالشان ہونے سے اولیا کی آنکھیں جبکہ وہ اس شخص کو اپنے جگر گوشہ کا مالک ہوتے ہوئے دیکھیں ٹھنڈی ہو سکتی ہیں اور اس کے سبب سے نکاح اور زنا کے درمیان تمیز ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’یہ کہ تم اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو حفاظت کرنے والی نہ مستی نکالنے والی‘‘ پس اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوب مہر کو بدستور باقی رکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی

کوئی ایسی حد جس میں کمی وبیشی نہ ہو سکے مقرر نہیں فرمائی کیونکہ اظہار اہتمام میں لوگوں کی عادات مختلف ہیں اور رغبتوں کے درجات متفاوت ہیں اور مال کی حرص میں ان کے جدا جدا طبقات ہیں پس ان پر اس کی حد معین کرنا ناممکن ہے جس طرح اشیا مرغوبہ کی قیمت ایک حد معین کے ساتھ منضبط کرنا ناممکن ہے اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا ''تلاش کر اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں مٹھی بھر ستو یا چھوہارے دیدیئے تو اس نے حلال کرلیا'' مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج اور اپنی صاحبزادیوں کے مہر میں ساڑھے بارہ اوقیہ مقرر کر رکھے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تم عورتوں کے مہر زیادہ مقرر نہ کرو کیونکہ اگر زیادہ مہر مقرر کرنا دنیا میں عزت یا عند اللہ پرہیزگاری کی بات ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم سب میں بدرجہ اولیٰ اس بات کا لحاظ فرماتے'' الحدیث۔

میں کہتا ہوں اس دستور میں کہ مہر اس قدر ہونا چاہئے جو دل پر گراں ہو اور اس کی فکر ہو راز یہ ہے کہ مہر کے اندر مناسب یہ ہے کہ اس کی اتنی مقدار نہیں ہونی چاہئے کہ عادۃً اس کی قوم کے اعتبار سے اس کا ادا کرنا مشکل ہو جائے اور یہ مقدار یعنی ساڑھے بارہ اوقیہ اس حالت کے اعتبار سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی تھی اور اسی طرح آپ کے بعد بھی اکثر لوگوں کی حالت کے اعتبار سے پوری اور کافی مقدار ہے مگر وہ لوگ جن کے غنی بہ منزلہ بادشاہوں کے ہیں مستثنیٰ ہیں اور اہل جاہلیت مہر کے بارے میں تاخیر کر کے یا کم کر کے عورتوں پر ظلم کیا کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''اور عورتوں کو ان کے مہر بے مانگے دیدو'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''تم پر کچھ حرج نہیں اگر تم عورتوں کو بدوں ہاتھ لگائے یا بدوں کچھ مقرر کئے طلاق دیدو''۔

میں کہتا ہوں اصل اس میں یہ ہے کہ نکاح ملک کا سبب ہے اور عورتوں سے صحبت کرنا اس کا اثر ہے اور ہر شئے سے مقصود اس کا اثر ہوتا ہے اور حکم اس کے سبب پر ہی مرتب ہوتا ہے پس اسی واسطے وہ دونوں اس بات کے مستحق ہیں کہ مہر ان دونوں پر تقسیم کیا جائے اور مرنے کی وجہ سے نکاح کا امر ثابت اور متحقق ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے موت تک نکاح کو رد نہیں کیا اور اس نے روگردانی نہیں کی حتی کہ اس کے اور نکاح کے درمیان موت حائل ہوگئی اور طلاق کے ساتھ نکاح مرتفع ہو جاتا ہے اور فسخ ہو جاتا ہے اور وہ رد اور اقالہ کے مشابہ ہے پس جب یہ تمہید ہو چکی تو ہم کہتے ہیں

کہ جاہلیت کے زمانہ میں مہر کی بابت بڑے جھگڑے پیدا ہوتے تھے اور مال میں لوگ بخل کیا کرتے تھے اور بہت سے امور سے حجت قائم کیا کرتے تھے پس خدا تعالیٰ نے اس بارے میں حکمت اور انصاف سے اس قاعدہ کے بموجب فیصلہ کر دیا پس اگر عورت کے لئے کچھ مقرر کیا ہے اور عورت سے جماع بھی کیا ہے تو عورت کو پورا مہر دینا پڑے گا خواہ وہ مر جائے یا طلاق دیدے کیونکہ اس کے لئے ملک کا سبب اور اس کا اثر پورا پورا پایا گیا اور خاوند نے اس سے مجامعت کر لی، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’اور البتہ تم میں سے بعض بعض کی طرف پہنچ گیا ہے اور ان عورتوں نے تم سے نہایت پختہ عہد لے لیا ہے‘‘ اور اگر اس کا مہر معین ہو چکا ہے اور مرد بغیر مجامعت کئے مر گیا تب بھی عورت کو کامل مہر ملے گا کیونکہ مرنے سے نکاح ثابت ہو چکا اور ایسی حالت میں صحبت نہ کرنا کچھ مضر نہیں ہے کیونکہ موت آسمانی حکم سے پیش آئی ہے اور اگر قبل از دخول اس نے طلاق دی ہے تو عورت کو اس آیت کے موافق نصف مہر ملے گا کیونکہ اس صورت میں دو باتوں میں سے ایک پائی جاتی ہے دوسری نہیں پائی جاتی پس اس میں دو مشابہتیں پائی جاتی ہیں ایک تو منگنی کے ساتھ جو قبل نکاح ہوتی ہے اور دوسری نکاح تام کے ساتھ، اور اگر اس عورت کے لئے کچھ مہر مقرر نہیں کیا ہے اور اس کے ساتھ صحبت کی ہے تو اس کو اس کے کنبہ کی عورتوں کے موافق مہر ملے گا نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ اور اس پر عدت واجب ہوگی اور اس کو میراث ملے گی کیونکہ اس کے حق میں عقد اپنے سبب اور اثر کے ساتھ پورا ہو چکا اس واسطے اس کے لئے مہر کا ہونا ضروری ہوا اور ہر شئے کا اندازہ اس کی نظیر اور مثل سے ہوتا ہے اور اس کے کنبہ کی عورتوں کا مہر اس اندازہ کے لئے نہایت مناسب ہے، اور اگر نہ اس کا مہر مقرر کیا اور نہ اس سے صحبت کی تو اس عورت کو متعہ یعنی جوڑہ وغیرہ دینا پڑے گا کیونکہ عقد نکاح بغیر مال کے ہونا ممنوع ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’ان تبتغوا باموالکم ‘‘ اور اس میں مہر واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی، کیونکہ نہ ملک پائی گئی اور نہ مہر کی تعیین ہے پس مہر سے کم متعہ کے ساتھ اس کا اندازہ کیا گیا اور ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی چند سورتوں کو مہر مقرر کیا تھا کیونکہ ان کا سکھانا بھی ایک ذی شان کام ہے جس میں رغبت اور طلب ہوتی ہے جس طرح اموال مطلوب اور مرغوب ہوتے ہیں پس اس کا مال کے قائم مقام ہونا جائز ہوا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ صحبت سے پیشتر ولیمہ کیا

کرتے تھے اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، ازاں جملہ یہ ہے کہ اس میں نہایت خوبی کے ساتھ نکاح کی اشاعت ہوتی ہے اور یہ کہ وہ بیوی سے دخول کرنا چاہتا ہے کیونکہ یہ اشاعت ضروری ہے تاکہ نسب میں کسی کو وہم کرنے کی بھی گنجائش نہ رہے اور بادی الرائے میں نکاح اور زنا میں فرق ہو جائے اور اس عورت کی خصوصیت اس مرد کے ساتھ سب لوگوں کے سامنے ثابت ہو جائے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنا ہے کہ اس نے تدبیر منزل کے انتظام میں وہ چیز عطا کی جو کار آمد اور نافع ہے۔

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اس میں بیوی اور اس کے کنبے کے ساتھ نیکی کرنا ہے کیونکہ اس کے لئے مال کا خرچ کرنا اور اس کے باب میں لوگوں کو جمع کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی عزت اور حرمت ہے اور میاں بیوی کے مابین الفت قائم کرنے میں اس قسم کے امور ضروری ہیں خاص کر ان کے اول اجتماع میں، اور ازاں جملہ ایک جدید نعمت کا مالک ہونا ہے یعنی وہ ایک ایسی چیز کا مالک ہوا جو اس کے ملک میں نہ تھی اور جو سرور اور خوشی کا سبب ہے اور مال کے خرچ کرنے پر آدمی کو آمادہ کرتا ہے اور اس خواہش کے پورا کرنے میں سخاوت کا عادی ہونا اور خواہش بخل سے بری ہونا ہے اور اس کے علاوہ بہت سے فوائد اور مصالح ہیں پس جبکہ اس کے اندر سیاست مدنیہ اور منزلیہ اور تہذیب نفس اور احسان کے متعلق بہت سے فوائد پائے جاتے تھے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو باقی رکھنا اور اس کی طرف رغبت اور حرص دلانا اور خود بھی اس کو عمل میں لانا ضروری ہوا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی اسی وجہ سے انضباط نہیں فرمایا جس کو ہم مہر میں ذکر کر چکے ہیں اور درمیانی حد ایک بکری کا ذبح کرنا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں لوگوں کو ملیدہ کھلایا تھا اور آپ نے بعض بیویوں کا ولیمہ دو مد جو سے کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم میں سے جب کوئی شخص ولیمہ کے لئے بلایا جائے تو اس کو جانا چاہئے“ اور ایک روایت میں آیا ہے ”پس اگر چاہے تو کھائے اور اگر چاہے تو نہ کھائے“۔

میں کہتا ہوں جب اصول شرعیہ میں سے یہ بات ہے کہ جب کسی شخص کو کسی مصلحت سے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیا گیا تو یہ بات ضروری ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو بھی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اور بجا آوری کرنے کی طرف رغبت دلائی جائے ورنہ وہ مصلحت جو اس حکم

سے مقصود ہے نہیں پائی جائے گی پس جب خاوند کو اس بات کا حکم دیا گیا کہ نکاح کی تشہیر لوگوں کو کھانا کھلا کر کرے تو ان لوگوں کے لئے اس حکم کا دینا ضروری ہوا کہ اس کی دعوت کو قبول کریں پس اگر روزہ دار ہے اور کھانا نہ کھائے اور کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اشاعت جو مقصود تھی وہ حاصل ہوگئی اور نیز صلہ رحمی کا تقاضا یہ ہے کہ جب ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان بلائے تو اس کو ضرور قبول کرے اور اس دستور کے جاری رہنے میں شہر اور قبیلہ کا انتظام ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے لئے (یا یہ فرمایا کہ کسی نبی کیلئے) یہ درست نہیں ہے کہ کسی منقش گھر میں داخل ہو''۔

میں کہتا ہوں چونکہ صورتوں کا بنانا اور اس کپڑے کا استعمال کرنا جس میں تصویریں بنی ہوئی ہوں استعمال کرنا حرام ہے تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ جس گھر میں تصویریں ہوں اس گھر کو چھوڑ دینا چاہئے اور اس بارے میں ملامت کرنا چاہئے خاص کر انبیا علیہم السلام کے لئے کیونکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ہی بھیجے گئے ہیں اور نیز نہایت درجہ تجمل کو اچھا سمجھنا دنیا کی طلب میں نہایت درجہ غرق ہونے کا سبب ہے اور عجمیوں کو یہی چیز پیش آئی یہاں تک کہ وہ ذکر آخرت بھی اس کی وجہ سے بھول گئے لہٰذا یہ بات ضروری ہوئی کہ شرع میں اس سے منع کیا جائے اور اس سے نفرت کا اظہار کیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر کرنے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا۔ میں کہتا ہوں کہ اہل جاہلیت باہم فخر کیا کرتے تھے اور ہر ایک دوسرے پر غالب ہونا چاہتا تھا پس ہر ایک اسی غرض سے مال کو خرچ کیا کرتا تھا اور کوئی دوسری نیت اس میں نہیں ہوتی تھی اور اس میں رنجش اور باہمی فساد اور بغیر کسی مصلحت دینی یا مدنی کے مال کا ضائع کرنا پایا جاتا ہے اور وہ محض خواہش نفسانی کی پیروی ہے پس اس واسطے ضروری ہوا کہ ایسے کام کو ترک کیا جائے اور اس کی اہانت کی جائے اور اس دروازہ کو بند کر دیا جائے اور اس سے روکنے کی عمدہ صورت یہ ہے کہ اس کا کھانا نہ کھایا جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب دو دعوت کرنے والے ساتھ ساتھ دعوت کریں تو جس کا گھر قریب ہے اس کی دعوت قبول کر اور اگر ان دونوں میں سے ایک پہلے آئے تو جو پہلے آیا ہے اس کی دعوت قبول کر''۔

میں کہتا ہوں جب دونوں کا تعارض ہوا تو ترجیح کی ضرورت ہوئی اور وہ ترجیح دعوت میں سبقت کرنے سے یا گھر کے قریب ہونے سے ہوتی ہے۔

ان عورتوں کا بیان جن سے نکاح کرنا حرام ہے

اصل اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ''اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آبا نے نکاح کیا ہے'' اللہ تعالیٰ کے قول ''واللہ غفور رحیم'' تک، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ''چار کو رہنے دے اور باقی کو چھوڑ دے'' اور آپ کا یہ قول ہے ''کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے'' الحدیث، اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''زانیہ زانیہ ہی سے نکاح کرے'' الآیۃ

واضح ہو کہ جو محرمات ان آیات میں مذکور ہیں ان کی حرمت اہل جاہلیت میں مشہور اور مسلم تھی جس کو وہ ترک نہیں کر سکتے تھے مگر تھوڑی سی باتیں جن کو انھوں نے سرکشی اور فسق کی وجہ سے از خود پیدا کر لیا تھا مثلاً باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اور دو بہنوں کو جمع کرنا، اور ان محرمات کی تحریم ان میں پشت در پشت برابر چلی آتی تھی یہاں تک کہ ان کے دلوں میں ایسی پیوست ہوگئی تھی جس کا نکلنا ناممکن تھا اور ان کی تحریم میں بڑی بڑی مصلحتیں بھی تھیں پس اللہ تعالیٰ نے محرمات کا حکم اسی طرح باقی رکھا اور جن باتوں میں وہ سستی کرتے تھے ان کی تاکید فرما دی، اور تحریم کے اندر چند امور اصل ہیں، از آں جملہ باہم ارتباط اور صحبت کی عادت کا جاری ہونا اور ان کے درمیان پردہ کا التزام ناممکن ہونا اور دونوں جانب سے طبعی طور سے حاجات کا ارتباط نہ مصنوعی طور سے، پس اگر ان عورتوں سے طمع کے قطع کرنے کا اور ان میں رغبت سے اعراض کرنے کا طریقہ جاری نہ ہوتا تو بے شمار خرابیاں پیدا ہو جاتیں، اور تم دیکھتے ہو کہ جب کسی شخص کی نگاہ اجنبی عورت کی خوبیوں پر پڑتی ہے تو وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے پس اس شخص کے بارے میں تم کیا کچھ اندازہ لگا سکتے ہو جو تنہائی میں اس کے ساتھ رہتا ہے اور رات دن

اس کی خوبیاں دیکھتا رہتا ہے اور نیز اگر ان عورتوں کی طرف رغبت کا دروازہ کھول دیا جائے اور اس کو بند نہ کیا جائے اور اس امر میں مردوں پر کوئی ملامت نہ کی جائے تو اس سے عورتوں کو ضرر عظیم پیش آتا ہے کیونکہ وہ اس بات کا سبب ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ ان عورتوں کو اپنے پاس رکھ کر ان لوگوں سے مانع ہوں گے جن سے نکاح کرنے کی ان عورتوں کو رغبت ہے کیونکہ ان کا اور ان کے نکاح کا اختیار ان ہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور نیز اگر وہ ان عورتوں سے نکاح کر لیں تو کوئی شخص ان عورتوں کے واسطے نہیں ہوگا جو ان کی جانب سے حقوق زوجیت کا ان اقارب سے مطالبہ کر سکے باوجودیکہ عورتوں کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی شخص ان کی طرف سے حقوق زوجیت کا ان کے خاوندوں سے مطالبہ کرنے والا ہو اور اس کی نظیر وہ ہے جو یتیم لڑکیوں میں پیش آئی کہ اولیا یتیم لڑکیوں کے جمال اور مال میں رغبت کر کے خود نکاح کر لیا کرتے تھے اور حقوق زوجیت کو پورا ادا نہیں کرتے تھے تب خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''اگر تم کو یتیموں میں انصاف نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو عورتوں میں جو تم کو پسند آئیں ان سے نکاح کر لو'' الآیہ، اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا اور یہ ارتباط طبعی طور پر مردوں کے درمیان اور ان کی ماؤں اور ان کی بیٹیوں اور بہنوں اور پھوپھیوں اور خالوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کے درمیان واقع ہوتا ہے۔

اور از اں جملہ رضاعت ہے کیونکہ جو عورت دودھ پلاتی ہے وہ بہ منزلہ ماں کے ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے اخلاط بدن کے اجتماع کا اور اس کی صورت اور جسم کے قائم ہونے کا وہ عورت ہی سبب ہے صرف فرق یہ ہے کہ ماں نے اپنے شکم میں اس کی پیدائش کو جمع کیا ہے اور اس نے پیدا ہوتے ہی اس کو دودھ پلا کر پالا ہے پس درحقیقت ماں کے بعد وہ ماں ہے اور دودھ پلانے والی کی اولاد بہن بھائیوں کے بعد بہن بھائی ہیں اور اس نے اس کی پرورش میں بہت کچھ تکلیف اٹھائی ہے اور بچہ کے ذمہ جو حقوق اس عورت کے ثابت ہوئے ہیں اور اس کے بچپن میں جو جو باتیں اس بچہ کی طرف سے اس کو پیش آئی ہیں وہ ظاہر ہیں پس اس کا مالک ہو جانا اور اس کے ساتھ جماع کرنا ایسی چیز ہے جس سے فطرت سلیمہ نفرت کرتی ہے اور بہت سے جانور بھی ایسے ہیں جو اپنی ماں کی طرف اور جن کا دودھ پیتے ہیں ان کی طرف اس قدر التفات نہیں کرتے جس قدر اجنبی مادہ کی طرف ان کی توجہ ہوتی ہے پس آدمیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے، اور نیز عرب کے لوگ اپنی اولاد کو اور

قبائل میں دودھ پلوانے کے لئے بھیج دیا کرتے تھے پس وہ بچہ ان میں پرورش پا کر جوان ہو جاتا تھا اور ان کے ساتھ اس طرح اختلاط رکھتا تھا جس طرح اپنے محارم میں رہتا ہے، اور عرب کے نزدیک نسب کے علاقہ کے مانند شیر خواری کا بھی علاقہ ہے پس نسب پر اس کا محمول کرنا ضروری ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو حرمت ولادت سے ہوتی ہے وہی حرمت دودھ کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے'' اور جبکہ رضاعت اس کی حرمت کا باعث تھی کہ اس میں ماں کے ساتھ مولود کی بنیاد قائم ہونے اور اس کی صورت کی ترکیب کے ہونے میں مشابہت پائی جاتی ہے اس واسطے ارضاع میں دو چیزوں کا اعتبار کرنا ضروری ہوا ایک تو وہ اندازہ جس سے تحریم کے معنی ثابت ہوتے ہیں پس قرآن شریف کے اندر اول بار یہ نازل ہوا کہ دس گھونٹ معلوم سے حرمت ثابت ہوتی ہے پھر پانچ گھونٹ معلوم سے وہ منسوخ ہو گئے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرآن میں ان کی تلاوت ہوتی تھی لیکن اندازہ کا ہونا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ معنی حرمت کے کثیر میں پائے جاتے ہیں نہ قلیل میں اس واسطے اس حکم کے مقرر کرتے وقت ان دونوں کے درمیان ایک حد کا بیان کرنا بھی ضروری ہوا جس کی طرف بوقت اشتباہ رجوع کیا جائے اور دس کے ساتھ اندازہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عدد میں احاد سے تجاوز کرنے کی وہ پہلی حد ہے اور دودھ پلانے والی عشرات کے اعتبار سے ہی دودھ پلاتی ہے اور نیز وہ جمع کثرت کی حد اوّل ہے اور جمع قلت کا اس میں استعمال نہیں ہوتا پس کثرت معتد بہا کے انضباط کے لئے جو بدن انسانی میں موثر ہے یہ کافی مقدار ہے اور پانچ کے ساتھ منسوخ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں احتیاط ہے کیونکہ جب بچے کو پانچ بڑے بڑے گھونٹ پلائے جاتے ہیں تو اس کے چہرہ اور بدن پر رونق اور تازگی ظاہر ہو جاتی ہے اور جب ان گھونٹوں میں دودھ کم ہو کر بچہ کو ملتا ہے اور دودھ پلانے والی کے دودھ کم ہوتا ہے تو بچہ کے بدن پر خشکی اور کمزوری ظاہر ہونے لگتی ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ پانچ گھونٹ اس کے نشو و نما کا سبب ہو سکتے ہیں اور اس سے اس کا بدن قائم رہ سکتا ہے اور اس سے کم میں نمو اور بدن کا قیام نہیں ہو سکتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہ ایک گھونٹ اور دو گھونٹ حرام کرتے ہیں اور نہ ایک چسکی اور دو چسکیاں حرام کرتی ہیں اور نہ ایک دھار اور دو دھاریں حرام کرتی ہیں''۔

اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ کثیر اور قلیل دونوں سے حرمت ثابت ہوتی ہے تو اس کا سبب امر

رضاع کی تعظیم اور اس کو بالخاصہ موثر گردانا ہے جس طرح خدا تعالیٰ کی عادت ان چیزوں میں جاری ہے جن کے حکم کا مدار معلوم نہیں ہوتا، دوسرے یہ ہے کہ رضاعت بچہ کی شکل وصورت کے قائم ہونے کی ابتدائی حالت میں پائی جائے ورنہ وہ دودھ دیگر غذاؤں کے مانند ہوگا جو صورت اور شکل قائم ہونے کے بعد کھائی جاتی ہے جیسے جوان آدمی روٹی کھاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تحقیق رضاعت بوقت شیرخواری ہے'' اور آپ نے فرمایا ''وہی رضاعت حرمت ثابت کرتی ہے جو پستان میں سے نکل کر آنتوں کو پر کرے اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو''۔

اور از آں جملہ اقارب میں قطع رحم ہونے سے بچنا ہے کیونکہ وہ سوکنوں میں باہم حسد ہوتا ہے اور ان کا باہمی بغض ان کے اقارب تک پہنچ جاتا ہے اور اقارب میں حسد کا ہونا نہایت قبیح اور برا ہے اور اسی وجہ سے سلف کی چند جماعتوں نے دو چچازاد بہنوں سے ایک وقت میں نکاح کرنا ناپسند کیا ہے چہ جائیکہ ان دو عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جائے کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دوسری اس پر حرام ہو جیسے دو بہنیں اور بھتیجی اور پھوپھی اور بھانجی اور خالہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی اور دوسرے کی بیٹی کے جمع کرنے کو جو حرام فرمایا ہے تو اس میں اسی اصل کا اعتبار کیا ہے کیونکہ سوکن کا حسد اور شوہر کا اس کو پسند کرنا بسا اوقات سوکن اور اس کے اقارب سے بغض کرنے کا سبب ہو جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا اگرچہ معاشی امور کے اعتبار سے ہو، مفضی الی الکفر ہے۔

اور اصل اس امر میں دو بہنوں کا جمع کرنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ مسئلہ پر اپنے اس فرمان سے تنبیہ فرمادی کہ ''بھتیجی اور اس کی پھوپھی کو جمع نہ کیا جائے'' الحدیث۔

اور از آں جملہ مصاہرت ہے پس اگر لوگوں میں یہ دستور ہوتا کہ ماں کو اپنی بیٹی کے خاوند کے ساتھ اور مردوں کو اپنی بیٹوں کی بیویوں اور اپنی بیویوں کی بیٹیوں کے ساتھ رغبت ہوتی تو اس سے یہ بات لازم آتی کہ اس تعلق کو توڑنے میں کوشش کی جاتی یا اس شخص کے قتل کرنے میں کوشش کی جاتی جس کی طرف سے خواہش پائی جاتی ہے اور اگر تو ایران کے قدما کے قصے سنے یا اپنے زمانہ کے ان لوگوں کا حال معلوم کرے جو اس سنت راشدہ کے پابند نہیں ہیں تو تو بڑی بڑی باتیں اور بے شمار جور و ظلم دیکھے گا اور نیز اس قرابت میں مصاحبت لازم ہے اور پردہ کرنا دشوار ہے اور

باہم حسد کرنا ایک قبیح امر ہے اور دونوں جانب سے حاجات پیش آتی رہتی ہیں پس ان عورتوں کو بھی بہ منزلہ ماں اور بیٹی کے یا بہ منزلہ دو بہنوں کے سمجھا گیا۔

اور ازاں جملہ وہ عدد ہے کہ اس کے ساتھ معاملہ زوجیت میں حسن سلوک نہیں ہو سکتا کیونکہ بسا اوقات لوگوں کو عورتوں کے حسن سے رغبت ہوتی ہے اور بہت سی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں پھر ان میں سے جو زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے اس کو اختیار کرتے ہیں اور باقی کو ادھر (۱) میں چھوڑ دیتے ہیں پس نہ تو وہ پورے طور سے بیوی ہے کہ اس کو اطمینان حاصل ہو اور نہ وہ بیوہ ہے، جس کو اپنا اختیار حاصل ہو اور اس امر میں یہ بالکل تنگی بھی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ بعض ایسے لوگ ہیں جو ایک بیوی سے سیر نہیں ہو سکتے، اور نکاح کی غایت مقصود تناسل ہے اور ایک مرد بہت سی عورتوں سے اولاد پیدا کرا سکتا ہے، اور نیز زیادہ بیویاں کرنا مردوں کی خصلت ہے اور بسا اوقات اس کی وجہ سے فخر بھی حاصل ہوتا ہے اس واسطے شریعت نے چار کے ساتھ اندازہ کیا کیونکہ چار ایسا عدد ہے کہ تین راتوں کے بعد پھر ہر ایک کی طرف وہ رجوع کر سکتا ہے اور ایک رات سے کم میں کسی طرح کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے کسی کے پاس رات گزاری، اور تین کثرت کی پہلی حد ہے اور تین سے اوپر کثرت کی زیادتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ جس قدر عورتوں سے چاہیں نکاح کریں کیونکہ اس حد کا مقرر کرنا اس فساد کے دفع کرنے کے لئے ہے جو اکثر واقع ہوتا ہے اور جس کا مدار احتمال غالب پر ہے فساد حقیقی کے دفع کرنے کے لئے نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت سے واقف تھے پس آپ کو مظنہ کی حاجت نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کے حکم کی تعمیل میں آپ معصوم تھے نہ کہ باقی لوگ۔

اور ازاں جملہ اختلاف دین ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''مشرکین سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں'' الایہ، اور اس آیت میں یہ بیان کر دیا کہ اس حکم میں جو مصلحت پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا کفار سے صحبت رکھنا اور ان کے اور مسلمانوں کے مابین میل جول ہونا بالخصوص بیاہ شادی کرنا دین کی بربادی کا باعث اور دل میں کفر کی طرف حرکت کے پیدا ہونے کا سبب ہے خواہ اس کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو اور یہود و نصاریٰ آسمانی شریعت کے پابند اور قوانین

---

(۱) معلقہ یعنی وہ عورت جو شوہر کی بے اعتنائی کی وجہ سے لٹکی رہتی ہے۔

تشریع کے اصول اور اس کی کلیات کے قائل ہیں بخلاف مجوس اور مشرکین کے پس ان کی صحبت کا مفسدہ بہ نسبت اوروں کے خفیف ہے کیونکہ خاوند بیوی پر غالب ہوتا ہے اور اس کا سرپرست ہوتا ہے، اور بیویاں خاوندوں کی قید میں ہوتی ہیں پس جب کوئی مسلمان اہل کتاب سے نکاح کرے گا تو اس میں فساد کا خطرہ کم ظاہر ہوگا اس واسطے اس امر میں رخصت دینا مناسب ہے اور دیگر مسائل کی طرح اس میں سختی نہیں کرنا چاہئے۔

ازآں جملہ عورت کا دوسرے کی باندی ہونا ہے کیونکہ اس کا اپنے آقا سے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھنا ناممکن ہے اور آقا کی باندی کے ساتھ یہی خصوصیت ہے کہ اسی کے دین اور اسی کی امانت کی طرف تفویض ہوتی ہے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ مالک کو باندی سے خدمت لینے اور اس کے ساتھ تخلیہ کرنے سے روکا جائے کیونکہ اس میں ضعیف ملک کو قوی ملک پر ترجیح دینا ہے کیونکہ یہاں دو ملک ہیں: ملک رقبہ ملک بضعہ اور پہلی ملک قوی ہے جو دوسرے کو بھی شامل ہے اور دوسری ملک ضعیف اور پہلی میں مندرج ہے اور اولیٰ کو اعلیٰ پر غالب کرنے میں قلب موضوع ہے اور عورت کے ساتھ خصوصیت کا نہ ہونا اور جو شخص اس سے طمع رکھے اس کی مدافعت کا ممکن نہ ہونا زنا کی اصل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصل کا اعتبار کیا ہے ان نکاحوں میں جن کو اہل جاہلیت باہم کیا کرتے تھے مثلاً استبضاع وغیرہ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے پس جب ایک باندی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہو اور پارسا ہو اور اس کے ساتھ نکاح کرنے کی ضرورت پڑے کیونکہ زنا کا خوف ہے اور آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہیں ہے تو فساد کم ہے اور ضرورت ہے اور ضرورتوں کی وجہ سے ممنوع چیزیں جائز ہو جاتی ہیں۔

اور ازاں جملہ کسی عورت کا کسی مسلمان یا کافر کے نکاح میں پابند ہونا ہے کیونکہ زنا کی اصل یہ ہے کہ کئی آدمی ایک عورت پر بلا خصوصیت کے جمع ہوں اور ایک دوسرے کی طمع کو اس عورت سے دور نہ کر سکے اور اسی لئے زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس طرح رجوع کرتا ہے کہ خدا نے زنا کو حرام کیا اور کچھ جنگ کی قیدی عورتیں صحابہ کے ہاتھ لگیں اور چونکہ ان کے شوہر مشرکین موجود تھے اس واسطے ان کے ساتھ صحبت کرنے سے صحابہ نے حرج سمجھا پس خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''اور عورتوں سے جو خاوند والیاں ہیں وہ حرام ہیں مگر جو تمہارے ہاتھ میں مملوک ہیں'' یعنی یہ

مملوک عورتیں حلال ہیں کیونکہ قید سے غیر کی طمع منقطع ہو جاتی ہے اور اختلاف دارین اس عورت پر کئی شخصوں کے ازدہام سے مانع ہے اور اس عورت کا ایک مسلمان کے حصہ میں آنا اس کے ساتھ خصوصیت پیدا کرتا ہے، اور ازاں جملہ عورت کا زانیہ ہونا اور زنا کا پیشہ کرنا ہے پس جب تک وہ اس فعل سے باز نہ آئے اور توبہ نہ کرے اس وقت تک اس سے نکاح درست نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’زانی عورت سے وہی نکاح کرتا ہے جو زانی یا مشرک ہے‘‘ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ زانی عورت کا شوہر کی عصمت اور قبضہ میں آ کر پھر وہی زنا کاری کرنا دیوثی اور فطرت سلیمہ سے دور ہونا ہے اور نیز اس میں اختلاف نسب کا اندیشہ اور چونکہ محرمات کے حرام کرنے کی مصلحت بغیر اس کے تمام نہیں ہوتی تھی کہ اس تحریم کو امر لازم اور عادت جبلہ کے بہ منزلہ ان اشیا کے گردانا جائے جن سے لوگ طبعًا باز رہتے ہیں اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کی شہرت اور شیوع کی تاکید کی جائے اور لوگ اس کو اس طرح پر قبول کر لیں کہ اگر محرمات کی تحریم میں کوئی شخص اعراض کرے تو اس پر سخت ملامت کی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ جو شخص اپنے محرم سے صحبت کرے خواہ نکاح سے ہو یا بغیر نکاح کے وہ شخص قتل کر دیا جائے اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو اس شخص کا سر لانے کے لئے بھیجا تھا جس نے اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کیا تھا۔

آداب مباشرت کا بیان

واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا اور تناسل سے اس کی نوع کا باقی رکھنا چاہا تو ضروری ہوا کہ شرع میں نہایت رغبت دلائی جائے اور قطع نسل اور ان اسباب سے جو اس کی طرف مفضی ہوں سخت ممانعت کی جائے اور نسل کا سب سے بڑا سبب اور جو کثرت سے پایا جاتا ہے اور جو نسل کی طرف سب سے زیادہ مفضی ہے اور جو نسل پر برانگیختہ کرتا ہے وہ شرمگاہ کی شہوت ہے کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ گویا وہ انہیں میں سے ان پر مسلط ہے جو ان کو نسل لینے پر مجبور کرتی ہے خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں، اور لڑکوں سے اغلام کرنے اور عورتوں سے دبر میں صحبت کرنے کا طریقہ جاری رکھنے میں خلق اللہ کی تبدیلی لازم آتی ہے اس واسطے کہ یہ طریقہ اس شہوت سے جو انسان پر مسلط کی گئی ہے مقصود حاصل ہونے کا مانع ہے اور ان دونوں میں زیادہ برا لڑکوں سے اغلام کرنا ہے کیونکہ اس میں دونوں جانب سے خلق اللہ کی تبدیلی ہے اور مردوں کا زنانہ بن جانا بدترین خصائل میں سے ہے، اور اسی طرح اعضا تناسل کے قطع کرنے کا طریق جاری ہونا اور ان دواؤں کا استعمال کرنا جو باہ کو قطع کرتی ہیں اور ترک دنیا وغیرہ امور خلق اللہ عزوجل کا بدلنا اور طلب نسل کو ترک کرنا ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک سے ممانعت فرمائی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’عورتوں سے ان کی دبر میں جماع نہ کرو جو شخص اپنی عورت کی دبر میں جماع کرے وہ ملعون ہے‘‘ اور اسی طرح خصی بننے سے اور بیکار ہونے سے بہت سی احادیث میں نہی فرمائی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس جیسے چاہو اپنی کھیتوں پر آؤ‘‘۔

میں کہتا ہوں مباشرت کی ہیئت میں یہود بغیر کسی آسمانی حکم کے تنگی کرتے تھے اور انصار اور

ان کے ساتھی انہیں کے طریق کو اختیار کرتے تھے اور کہا کرتے تھے جب کوئی اپنی بیوی کی فرج میں پیچھے کی جانب سے جماع کرتا ہے تو بچہ احول پیدا ہوتا ہے پس یہ آیت نازل ہوئی یعنی جب ایک ہی مقام یعنی فرج میں مباشرت ہو تو اختیار ہے آگے سے کرے یا پیچھے سے کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے نہ مصلحت مدنیہ متعلق ہے اور نہ مصلحت ملیہ اور ہر شخص اپنی ذات کی مصلحت خود خوب جانتا ہے اور یہ بات صرف یہود کے تکلفات میں سے تھی اس واسطے اس کا منسوخ ہونا مناسب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے عزل یعنی عورت کی فرج سے آلہ باہر نکال کر انزال کرنے کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا ''اگر تم نہ کرو تو تم کو کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ جو روح قیامت تک آنے والی ہے وہ آ کر ہی رہے گی''۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عزل مکروہ ہے اور حرام نہیں ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ مصالح مختلف ہوتے ہیں پس باندی کے بارے میں مثلاً مصلحت خاصہ اپنی ذات کے اعتبار سے یہ ہوتی ہے کہ عزل کرے اور مصلحت نوعیہ یہ ہوتی کہ عزل نہ کرے تاکہ کثرت سے اولاد ہو اور نسل قائم رہے اور مصلحت نوعیہ کا لحاظ کرنا خدا تعالیٰ کے عام احکام تشریعیہ اور تکوینیہ میں مصلحت شخصیہ کے لحاظ کرنے کی بہ نسبت زیادہ راجح ہے اس کے علاوہ عزل میں خلق اللہ کا تغیر اور اعراض نسل جو برے جماع کرنے میں پایا جاتا ہے نہیں پایا جاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں ''اگر تم نہ کرو تو کوئی مضائقہ نہیں'' اس بات پر تنبیہ کر دی کہ حوادثات اپنے پائے جانے سے پہلے مقدر ہو چکے ہیں اور جب کوئی چیز مقدر ہو چکتی ہے اور زمین پر اس کا سبب ضعیف پایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عادت اس طور پر جاری ہے کہ وہ اس سبب ضعیف کو پھیلاتا ہے یہاں تک کہ وہ پورا فائدہ دیتا ہے پس جب انسان انزال کے قریب ہوتا ہے اور اپنے عضو کو باہر نکالنا چاہتا ہے تو بسا اوقات چند قطرے اس کے عضو کے سوراخ سے نکل پڑتے ہیں جو بچہ کے مادہ کو کافی ہو جاتے ہیں اور اس شخص کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا یہی راز ہے جو انھوں نے بچہ کو اس شخص کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے جس نے اس عورت کے ساتھ مس کرنے کا اقرار کیا تھا فرمایا تھا عزل اس سے مانع نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''البتہ میں نے قصد کیا تھا کہ دودھ پلانے والی کے ساتھ جماع کرنے سے منع

کر دوں پھر میں نے روم اور فارس میں نظر کی کہ وہ دودھ پلانے والی عورتوں کے ساتھ اس حالت میں جماع کرتے ہیں اور ان کی اولاد کو کچھ ضرر نہیں ہوتا'' اور آپ نے فرمایا ''خفیہ طور پر اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو کیونکہ صحبت کی ہوئی عورت کا دودھ گھوڑے سوار کو مل جائے تو گھوڑا اس کو گرا دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ غیلہ کی کراہت کی طرف اشارہ اور وہ حرام نہیں ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ دودھ پلانے والی عورت سے جماع کرنے سے دودھ بگڑ جاتا ہے اور اس سے بچہ کمزور ہو جاتا ہے اور اوّل نمو میں ضعف ہونا اس کے اصل مزاج میں داخل ہو جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بیان فرما دیا کہ آپ کا ارادہ نقصان کے احتمال کے غالب ہونے سے اس کے حرام کرنے کا تھا مگر پھر جب آپ نے تتبع فرمایا تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہ ضرر ہر جگہ نہیں پایا جاتا اور اس میں احتمال غالب ہونے کی بھی صلاحیت نہیں ہے تاکہ اس پر حرمت کا حکم دائر کیا جائے اور یہ حدیث من جملہ ان احادیث کے ہے جن سے ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد کیا کرتے تھے اور آپ کا اجتہاد مصالح اور مظنات کو معلوم کر کے حرمت اور کراہت کا ان پر دائر کرنا ہوتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر اس شخص کا درجہ ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور وہ اس کے پاس آتی ہے پھر وہ شخص اس کا راز کھولتا ہے''۔

میں کہتا ہوں چونکہ ستر واجب ہے اور جس چیز کا ستر کیا گیا ہے اس کا ظاہر کرنا پردہ کے مقصود کا بدل دینا اور اس کی مخالفت کرنا ہے اس واسطے کہ اظہار سے نہی ضروری ہوئی اور نیز ایسی باتوں کا اظہار کرنا بیہودگی اور بے حیائی ہے اور ایسی خواہشوں کے اتباع سے نفس میں تاریکیوں کے متمثل ہونے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اور حائض کے معاملہ میں مذاہب مختلف تھے پس جو بہت زیادہ متعمق تھے جیسے یہود تو وہ اس کے ساتھ کھانے اور ایک جگہ سونے سے بھی منع کرتے تھے اور جو سستی برتتے تھے جیسے مجوس تو وہ اس کے ساتھ جماع وغیرہ جائز سمجھتے تھے اور حیض کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے اور ان سب میں افراط و تفریط ہے پس ملت مصطفویہؐ نے توسط کی رعایت کی اور یہ فرمایا کہ ''سوائے جماع کے سب کچھ کیا کرو'' اور اس کی کئی وجوہات ہیں، ایک تو یہ ہے کہ حائضہ سے جماع کرنا خاص جب حیض کی ترقی ہو نہایت مضر ہے تمام اطبا کا اس پر اتفاق ہے۔

اور دوسرے یہ ہے کہ نجاست میں آلودہ ہونا مذموم صفت ہے جس سے طبیعت سلیمہ نفرت

کرتی ہے اور یہ فعل شیاطین کے قریب کرتا ہے اور استنجا وغیرہ میں یہ بات ہے کہ وہ ایک ضروری چیز ہے اور استنجا میں نجاست کا دور کرنا مقصود ہوتا ہے اور حائض سے جماع کرنا نجاست میں ڈوبنا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''آپ فرما دیجئے وہ ناپاکی ہے پس حیض کی حالت میں عورتوں سے بچتے رہو'' اور جماع کے علاوہ میں روایتیں مختلف ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ خون آلودہ بالوں سے بچے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ماتحت الازار ہے اس سے بچے اور دونوں صورتوں میں دواعی جماع کا بند کرنا مقصود ہے اور جو شخص خدا تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کر کے حائضہ سے جماع کرے تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے اور یہ مسئلہ متفق علیہ نہیں ہے اور کفارہ کی حکمت وہی ہے جو ہم کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں۔

زوجیت کے حقوق کا بیان

واضح ہو کہ وہ ارتباط جو میاں بیوی کے درمیان واقع ہے خانہ داری کے تمام تعلقات سے بڑھ کر ہے اور سب سے زیادہ نافع ہے اور سب سے زیادہ اس کی طرف ضرورت ہوتی ہے اس واسطے کہ تمام عرب و عجم کے قبائل کا یہ دستور ہے کہ عورت تمام کاروبار میں مرد کی مددگار رہتی ہے اور اس کے لئے کھانا پینا اور لباس کی تیاری میں اس کی متکفل ہوتی ہے اور اس کے مال کی حفاظت اور اس کی اولاد کی پرورش کرتی ہے اور جب وہ کہیں جاتا ہے تو گھر میں اس کی قائم مقامی کرتی ہے اور ان کے علاوہ بہت سے امور ہیں جن کی شرح اور بیان کی ہم کو حاجت نہیں اور اسی لئے اکثر توجہ شرائع کی اسی طرف ہوئی کہ حتی الامکان اس کا باقی رکھنا اور اس کے مقاصد کا پورا کرنا اور اس کے مکدر کرنے اور باطل کرنے سے بیزاری چاہنا ہے اور کسی ارتباط کے مقاصد کا پورا کرنا بغیر الفت کے ممکن نہیں ہوسکتا اور الفت بغیر اس خصلت کے جس پر وہ خاوند اور بیوی اپنے آپ کو مجبور نہ کریں نہیں حاصل ہوسکتی۔ جیسے غم خواری کرنا اور بے ادبی وغیرہ کو معاف کرنا اور رنجش اور دلسوزی کی باتوں سے پرہیز کرنا اور خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا وغیر ذلک، اس واسطے حکمت کا یہ مقتضی ہوا کہ ان خصائل کی ترغیب و توجہ دلائی جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اگر تو اس کو سیدھا کرنے کا قصد کرے گا تو اس کو توڑ دے گا اور اگر تو اس کو اسی حالت پر چھوڑ دے گا تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے گی''۔

میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ میری وصیت کو قبول کرو اور عورتوں کے معاملہ میں اس پر عمل کرو اور ان کی پیدائش میں کجی اور برائی ہے اور وہ مثل امر لازم کے ہو کر بہ منزلہ اس چیز کے ہے جو اس کے مادہ سے حاصل ہوتی ہے اور جب انسان خانہ داری کے تمام مقاصد اس سے حاصل کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ ادنی ادنی باتوں سے درگزر کرے اور جو بات اپنی مرضی کے خلاف پائے تو اس کو معاف کرے مگر جو غیرت محمودہ کے قبیل سے ہو یا ظلم وغیرہ امور کا بدلہ لینا ہو تو اس سے درگزر نہ کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کسی مسلمان مرد کو کسی مسلمان عورت سے بغض رکھنا نہیں چاہئے اگر اس کی ایک عادت سے ناراض ہے تو اس کی دوسری عادت سے خوش بھی ہے''۔

میں کہتا ہوں جب انسان کو بیوی کی کوئی عادت ناپسند آئے تو اس کو مناسب ہے کہ طلاق دینے میں جلدی نہ کرے کیونکہ بسا اوقات اس میں ایسی خوبیاں ہوتی ہیں جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے اس کی بد خلقی سے تحمل کیا جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عورتوں کے بارے میں خدا تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ خدا کی امان پر تم نے ان کو اپنے قبضہ میں لیا ہے اور حکم الٰہی کی وجہ سے تم نے ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو پھر اگر وہ ایسا کریں تو ان کی ہلکی مار مارو اور تم پر ان کا کھانا اور پہننا حسب دستور ہے''۔

واضح ہو کہ واجب اصلی وہ حسب دستور گزران کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**وعاشروھن بالمعروف** ''پس اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھلانے اور لباس دینے اور اچھا برتاؤ کرنے کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور ان شریعتوں میں جو وحی کی طرف مستند ہیں یہ ممکن نہیں کہ کھانے کی جنس اور اس کی مقدار مثلاً مقدر کر دی جائے کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ تمام زمین پر رہنے والے ایک شئے پر اتفاق کر لیں اس لئے مطلق حکم کیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب کوئی شخص اپنی عورت کو اپنے بستر کی طرف بلائے پھر وہ آنے سے انکار کرے پھر وہ شخص غصہ کی حالت میں سو جائے تو صبح تک ملائکہ اس عورت کو لعنت کرتے رہتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں چونکہ جس مصلحت کی نکاح میں رعایت کی گئی ہے وہ شرمگاہ کی حفاظت ہے اس

واسطے اس مصلحت کا پایا جانا ضروری ہوا کیونکہ شرائع کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ جب وہ کسی شئ کو کسی شئ کا مظنہ قرار دیتی ہے تو وہ اس چیز کی تاکید کرتی ہے جو اس مظنہ کے وقت اس مصلحت کے وجود کو ثابت کرے اور اس کا یہ طریقہ ہے کہ عورت کو مرد کی فرمانبرداری کا حکم دیا جائے جس وقت کہ وہ اس عورت سے ان بات کا قصد کرے اور اگر ایسا نہ ہوا تو اس کی شرمگاہ کی حفاظت نہیں پائی گئی پس اگر اس عورت نے انکار کیا تو اس نے اس مصلحت کے رد کرنے میں کوشش کی جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اندر قائم کیا تھا پس اس کی طرف فرشتوں کی وہ لعنت متوجہ ہوئی جو ہر اس شخص پر ہوتی ہے جو اس مصلحت کے فاسد کرنے میں کوشش کرتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بعض غیرت ایسی ہے جو خدا تعالیٰ کو پسند ہے اور بعض غیرت ایسی ہے جس سے خدا تعالیٰ کو نفرت ہے پس وہ غیرت جو خدا تعالیٰ کو پسند ہے وہ زنا کے اندر غیرت ہے اور وہ غیرت جو خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے وہ غیر زنا کے اندر غیرت ہے“۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت اور سیاست کے قائم کرنے میں جس کے بغیر چارہ نہیں ہے اور بد خلقی اور ظلم اور بغیر سبب تنگ کرنے میں فرق کر دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ ــ ان اللہ کان علما خبیرا تک۔

میں کہتا ہوں یہ بات ضروری ہے کہ جبلی طور سے خاوند کو اپنی بیوی پر حاکم بنایا جائے اور اس کا عورت پر دباؤ ہو کیونکہ خاوند عقل میں کامل اور سیاست میں پورا اور حمایت کرنے میں اور عار کے دفع کرنے میں خوب مضبوط ہوتا ہے اور مال کی وجہ سے بھی اس کو حاکم بنایا جائے کیونکہ وہ اس کے روٹی کپڑے کا خرچ اٹھاتا ہے اور مرد کے ہاتھ میں انتظام کا ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ جب عورت سرکشی کرے تو خاوند اس کی تعزیر و تادیب کرے اور تادیب کے طریقہ کو بتدریج اختیار کرے پس اولاً زبان سے نصیحت کرے اس کے بعد اس کے پاس لیٹنا ترک کر دے مگر اس کو گھر سے نہ نکالے پھر اگر نہ مانے تو ہلکی مار لگائے پس اگر مخالفت بڑھتی جائے اور ہر ایک دوسرے کی نافرمانی اور ظلم کرنے پر اتر آئے تو قطع منازعت کی یہ صورت ہے کہ وہ حکم (١) مقرر کئے جائیں ایک خاوند کے کنبہ میں سے ہو اور ایک بیوی کے کنبہ میں سے ہو اور وہ دونوں نفقہ وغیرہ کے متعلق

---

(١) جج۔

خاوند بیوی کے امور میں بینہ قائم کرنا ناممکن ہے پس اس سے زیادہ مناسب کوئی صورت نہیں ہے کہ یہ فیصلہ ان لوگوں کے سپرد ہو جو ان کے قریب ترین اور ان کے حال پر سب سے زیادہ مہربان ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص بیوی کو خاوند سے برگشتہ کرے یا غلام کو مولیٰ سے بگاڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔

میں کہتا ہوں خانہ داری میں فساد ڈالنے کے جہاں اور اسباب ہیں ایک سبب یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بیوی کو خاوند سے اور غلام کو مولیٰ سے برگشتہ کر دے اور یہ اس انتظام کے توڑنے اور اس کے بگاڑنے میں کوشش کرنا اور اس مصلحت کی مخالفت کرنا ہے جس کا قائم کرنا ضروری ہے۔

واضح ہو کہ خانہ داری کے بگاڑنے کی بہت سی خصلتیں ہیں جو لوگوں میں پائی جاتی ہیں اور بہت سے لوگ ان میں مبتلا ہیں اس واسطے شرع کو اس کا ذکر کرنا اور اس سے بحث کرنا ضروری ہوا، از آں جملہ یہ ہے کہ ایک مرد کے پاس کئی عورتیں ہیں پس وہ شب باشی وغیرہ امور میں ان میں سے ایک کو ترجیح دیتا ہے اور دوسروں پر ظلم کرتا ہے اور ان کو معلق چھوڑ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور تم ہرگز عورتوں میں برابری نہیں کر سکتے اگر چہ تم اس کی تمنا کرو پس تم بالکل جھک نہ پڑو کہ اس کو ایسا چھوڑ دو جیسے بیچ ادھر میں اور اگر بھلائی کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرو تو بیشک خدا تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب ایک شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں انصاف نہ کرتا ہو تو قیامت کے روز اس حالت میں آئے گا کہ اس کی ایک طرف جھکی ہوئی ہوگی''۔

میں کہتا ہوں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ قیامت کے روز جزا اور سزا عمل کی صورت میں ظاہر ہوگی پس اب ہم اس کا اعادہ نہیں کرتے، اور از اں جملہ یہ ہے کہ عورتوں کے اولیا ان کو ان مردوں کے ساتھ نکاح کرنے سے روکیں جو ان کے کفو کے ہیں اور جن کی طرف ان کو رغبت ہے اور اس کا منشا کوئی مصلحت نہ ہو بلکہ خواہش نفسانی مثلاً حسد اور بغض وغیرہ کا اتباع ہو اور اس میں ایسی خرابیاں ہیں جو ظاہر ہیں پس یہ آیت نازل ہوئی ''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پورا کر لیں تو ان کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو'' اور از آں جملہ یہ ہے کہ کوئی شخص یتیم لڑکیوں سے جو اس کی پرورش میں ہیں ان کے مال اور جمال کی وجہ سے نکاح

کر لے اور ان کے اس طرح سے حقوق ادا نہ کرے جیسے باپ والی عورتوں کے ادا کئے جاتے ہیں اور اگر وہ یتیم لڑکیاں ایسی نہیں ہیں تو ان سے نکاح نہ کرے، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور اگر تم کو خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرو گے تو عورتوں میں سے ان کے ساتھ نکاح کرو جو تم کو پسند ہوں دو دو تین تین اور چار چار، پس اگر تم کو خوف ہو کہ تم برابری نہ کرو گے تو ایک سے یا جس پر تمہارے ہاتھوں نے قبضہ کیا ہے'' پس اگر ظلم کا ڈر ہو تو انسان کے لئے منع ہے کہ وہ یتیم لڑکیوں سے یا ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرے اور جب کوئی شخص ایک بیوی موجود ہونے پر کسی کنواری عورت سے نکاح کرے تو مسنون طریقہ یہ ہے کہ سات دن تک اس کے پاس رہے پھر باری باری رہا کرے اور اگر شوہر رسیدہ سے نکاح کرے تو تین روز اس کے پاس رہے پھر باری باری رہا کرے۔

میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ اس امر میں زیادہ تنگی نہ کی جائے کیونکہ انسان کے اکثر افراد اس پر قابو نہیں رکھتے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کرسکو گے'' اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جب خالص عدل قائم کرنا ناممکن تھا تو ضروری ہوا کہ حکم کا مدار صریح ظلم کے ترک پر رکھا جائے پس جب کسی مرد کو کسی عورت کی طرف رغبت ہو اور اس کا حسن اس کو پسند آئے اور اس کے حسن پر اس کا دل فریفتہ ہو جائے اور اس کی طرف کثرت سے اس کو اشتیاق ہو تو یہ ناممکن ہے کہ اس کو اس سے بالکل روک دیا جائے کیونکہ یہ بہ منزلہ تکلیف بالمحال کے ہے اس واسطے اس کے ترجیح دینے کی ایک مقدار مقرر کر دی تا کہ وہ اس سے آگے نہ بڑھے اور جور و ظلم نہ کرے اور نیز شریعت نے اس مصلحت کا اعتبار کیا ہے کہ نئی عورت کے قلب کی تالیف ہو اور اس کی عزت کی جائے اور یہ بات اسی طرح پر حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کو ترجیح دی جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے جو آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا ''تو اپنے خاوند کے نزدیک بے قدر نہیں ہے اگر تیری مرضی ہو تو میں سات سات روز رہا کروں'' الحدیث،

اور پہلی بیوی کے دل شکستہ ہونے کا آپ نے اس طرح علاج کیا کہ جدید کے لئے چند روز زیادہ کرنے کا دستور مقرر کر دیا کیونکہ جب کسی بات کا دستور مقرر ہو جاتا ہے اور اس سے کسی ایذا یا

خصوصیت مقصود نہیں ہوتی تو اس سے چنداں رنج نہیں ہوتا اور اللہ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے "اس میں امید ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کریں اور جو تو نے ان کو دیا ہے اس سے وہ سب کی سب راضی ہو جائیں" یعنی ان کے حق میں اختیار کے ساتھ قرآن کا نازل ہونا اس بات کا سبب ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ناخوش نہیں ہوگی اور کنواری عورت کی طرف مرد کو زیادہ رغبت ہوتی ہے اور نیز اس کو تالیف قلب کی زیادہ ضرورت ہے اس لئے اس کے واسطے سات روز کی مقدار مقرر کی اور شوہر رسیدہ کے لئے تین روز کی مقدار مقرر کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے پاس باری باری سے رہا کرتے تھے اور جب آپ سفر کا قصد فرماتے تھے تو ان میں قرعہ ڈال کر ایک کو ساتھ لے جاتے تھے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو رنجش نہ ہو اور ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ بطور تبرع اور احسان کے ہوتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر باری واجب نہیں تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ان میں سے جس کو تو چاہے موخر کرے اور جس کو ان میں سے چاہے اپنے پاس جگہ دے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسروں میں تامل اور اجتہاد کا موقع ہے مگر جمہور فقہا نے باری مقرر کرنے کو واجب کیا ہے اور قرعہ اندازی میں ان کا اختلاف ہے"۔

میں کہتا ہوں اس میں یہ بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "فلم یعدل" مجمل ہے اور نہیں معلوم کہ اس سے کون سا عدل مراد ہے، اور یہ آیت "فتذروھا کالمعلقة" اس بات کو بیان کرتی ہے کہ صریح ظلم کرنا اور بالکل اس سے کنارہ کشی کر لینا اور بد اخلاقی کے ساتھ اس سے برتاؤ کرنا ممنوع ہے اور بریرہؓ جس وقت آزاد کی گئی اس وقت اس کا خاوند غلام تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیا چاہے اس کے نکاح میں رہے چاہے نہ رہے، تو اس نے غلام کے نکاح میں رہنا پسند نہیں کیا اور اپنا اختیار لے لیا۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ حرہ کا غلام کے نیچے رہنا اس کے لئے باعث عار ہے پس اس سے اس عار کا دفع کرنا ضروری ہے ہاں! اگر وہ راضی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اور نیز باندی اپنے مالک کے قبضہ میں ہوتی ہے اس کی رضامندی فی الحقیقت رضامندی نہیں ہوتی اور نکاح رضامندی سے ہوتا ہے پس جب آزاد ہونے کی وجہ سے اس کو اپنی جان کا اختیار ہوا تو اس کی

رضامندی کا اعتبار ضروری ہوا اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے ‘‘اگر وہ تجھ سے صحبت کر لے تو پھر تجھ کو اختیار نہیں ہے’’ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ایسی حد کا مقرر کرنا ضروری ہے کہ اس کے بعد کچھ اختیار باقی نہ رہے ورنہ اس کو تمام عمر اختیار رہے گا اور یہ بات امر نکاح کے خلاف ہے اور اس کے اختیار کی حد کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ بسا اوقات وہ اپنے کنبہ سے مشورہ کرتی ہے اور کبھی خود اپنے متعلق فکر کرتی ہے اور بسا اوقات ایسے موقع پر اختیار کے کلمات بولے جاتے ہیں مگر ان میں پختگی نہیں ہوتی اور اس کو اس بات کی تاکید کرنے میں کہ وہ زبان سے ایسی بات نہ نکالے جو اس کے لئے باعث دقت ہے پس حد مقرر کرنے کے لئے صحبت سے زیادہ کوئی چیز مناسب نہیں ہے کیونکہ صحبت کرنا ہی ملک کا فائدہ ہے اور ملک سے صحبت کرنا ہی مقصود ہے اور اسی سے امر پورا ہو جاتا ہے، واللہ اعلم۔

طلاق کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عورت بغیر کسی ضرورت شدیدہ کے اپنے خاوند سے طلاق چاہے تو اس پر جنت کی بو حرام ہے'' اور آپ نے فرمایا ''خدا تعالیٰ کو حلال چیزوں میں سب زیادہ ناپسند طلاق ہے''۔

واضح ہو: طلاق کی کثرت میں اور بے پروائی کے ساتھ طلاق کا طریقہ جاری ہونے میں بڑی خرابیاں ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ بہت سے لوگ شہوت نفس کے پابند ہوتے ہیں اور ان کو امور خانہ داری کا قائم کرنا مقصود نہیں ہوتا اور نہ ہی ارتفاقات ضروریہ میں تعاون مقصود ہوتا ہے اور نہ ان کا مقصود شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے بلکہ ان کا مطمع نظر عورتوں سے لذت حاصل کرنا اور ہر عورت کا مزہ چکھنا ہوتا ہے پس یہ بات کثرت سے نکاح کرنے اور طلاق دینے پر ان کو آمادہ کرتی ہے پس ان میں اور زنا کرنے والوں میں اس امر میں جو ان کے دلوں کی طرف عود کرتا ہے کوئی فرق نہیں ہے اگرچہ سنت نکاح کے قائم کرنے اور سیاست مدنیہ کی موافقت میں زنا کرنے والوں سے علیحدہ معلوم ہوتے ہیں چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مزہ چکھنے والوں اور مزہ چکھنے والیوں پر خدا کی لعنت ہے'' اور نیز اس رسم کے جاری ہونے میں معاونت دائمی یا قریب دائمی پر نفس کے پابند کرنے کو ترک کرنا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اگر اس باب میں وسعت دی جائے تو خاوند یا بیوی کا دل ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں تنگ آکر ایک دوسرے سے جدائی کا قصد کرے اور اس بات کو صحبت کا بوجھ اٹھانے اور ہمیشہ کے لئے خانگی انتظام پر دل لگانے سے کیا نسبت ہے اور نیز عورتوں کا ان باتوں کے ساتھ عادی ہوجانا اور مردوں کا ان باتوں کی پرواہ نہ کرنا اور ان پر کچھ افسوس نہ

کرنا بے حیائی کے دروازہ کو کھولتا ہے اور نیز ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ضرر کو اپنا ضرر نہیں سمجھے گا اور جدائی کا خیال کر کے اپنے لئے تیاری میں مصروف ہو جائے گا اور اس میں بڑی بڑی قباحتیں ہیں جو ظاہر ہیں لیکن اس کے باوجود اس باب کا بالکل بند کرنا اور اس میں تنگی کرنا بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ کبھی خاوند بیوی میں مخالفت پیدا ہو جاتی ہے جو یا تو ان دونوں کی بد خلقی سے یا ان دونوں میں سے کسی ایک کا اجنبی انسان کے حسن کی طرف رغبت کرنے سے یا رزق کی تنگی کی وجہ سے یا دونوں میں سے کسی کی حماقت اور اسی قسم کے دیگر اسباب کی وجہ سے ہو جاتی ہے پس ان قباحتوں کے ساتھ ساتھ اس جوڑے کے نظم کا ہمیشہ باقی رکھنا بلائے عظیم اور حرج ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تین اشخاص سے قلم اٹھالیا ہے، سونے والے سے جب تک بیدار ہو، لڑکے سے جب تک بالغ ہو اور ناقص العقل سے جب تک عاقل ہو''۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ طلاق کا جواز بلکہ تمام معاملات کی بنیاد ان مصالح پر ہے جو ان کا تقاضا کرتے ہیں اور سونے والا لڑکا اور بے عقل ان مصالح کے جاننے سے بالکل عاری ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''طلاق اور عتاق اغلاق میں نہیں ہوتا یعنی حالت اکراہ میں نہیں ہوگا۔

واضح ہو کہ حالت اکراہ کی طلاق کے باطل ہونے کی دو وجہیں ہیں ایک یہ ہے کہ وہ اس طلاق سے راضی نہیں ہے اور اس نے کسی مصلحت منزلیہ کا ارادہ نہیں کیا بلکہ لاچاری کی حالت میں یہ امر واقع ہوا ہے پس اس کی حالت سونے والے کی سی ہے، دوسرے یہ ہے کہ اگر اس کی طلاق کا اعتبار کر لیا جائے تو اس سے اکراہ کا دروازہ کھلتا ہے پس ہو سکتا ہے کہ زبردست آدمی کمزور لوگوں سے خفیہ طور پر پکڑ کر لے جائے اور اس کی تلوار سے ڈرا کر طلاق پر مجبور کر دے، جس وقت کہ اس کو اس کی بیوی کی طرف رغبت ہو، پس اگر ہم اس کی امید کو منقطع کر دیں اور اس کی مراد کو اس پر واپس کر دیں تو وہ لوگوں کے درمیان بذریعہ اکراہ باہم ظلم کے ترک کا سبب ہو جائے گا اور اس کی نظیر وہ ہے جو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں بیان کر چکے ہیں: ''قاتل وارث نہیں ہوتا'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کا انسان مالک نہیں اس میں طلاق نہیں ہو سکتی'' اور آپ نے فرمایا ''نکاح سے قبل طلاق نہیں ہوتی''۔

میں کہتا ہوں یہ قول بظاہر طلاق منجز اور معلق جو نکاح کے ساتھ معلق ہو یا کسی اور چیز کے ساتھ معلق ہو دونوں کو شامل ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ طلاق مصلحت کی وجہ سے جائز کی گئی ہے اور اس شخص کو اس عورت کا مالک بننے سے پہلے اور اس کی سیرت دیکھنے سے پہلے مصلحت معلوم نہیں ہوسکتی پس مالک بننے سے پہلے اس کو طلاق دینا ایسا ہے جیسے کوئی مسافر کسی جنگل میں اقامت کی نیت کرے یا کوئی مجاہد دارالحرب میں کہ قرائن حالیہ خود ان کی تکذیب کر رہے ہیں، اور اہل جاہلیت جس قدر چاہتے تھے طلاقیں دیکر رجوع کرلیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں عورت پر بہت بڑا ظلم تھا پس اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا ''طلاق دو مرتبہ ہے'' الآیہ، اس کے معنی یہ ہیں کہ طلاقیں جن کے بعد رجعت ہوسکتی ہے دو ہیں پس اگر وہ اس عورت کو تیسری طلاق دیدے تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے اور سنت نے اس چیز کو زیادہ کیا کہ تنہا نکاح کافی نہیں ہے بلکہ شوہر جدید کا جماع کرنا بھی شرط ہے اور تین کے اندر طلاق کے محدود ہونے میں کہ اس پر زیادتی نہیں ہے یہ راز ہے کہ وہ کثرت کی شرعی حد ہے اور نیز اس میں غور و فکر بھی ضروری ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو کچھ مصلحت معلوم نہیں ہوتی حتی کہ وہ قبضہ سے عورت کے نکلنے کا مزہ چکھ لیتے ہیں اور تجربہ کے واسطے اصل ایک مرتبہ ایک چیز کو عمل میں لانا ہے اور دوسے تجربہ کی تکمیل ہوجاتی ہے اور تیسری طلاق کے بعد نکاح کا شرط ہونا اس وجہ سے ہے کہ تحدید اور انتہا کے معنی ثابت ہوجائیں کیونکہ اگر بغیر دوسرے نکاح کے اس عورت کا خاوند کی طرف لوٹنا درست قرار دیا جاتا تو وہ بہ منزلہ رجعت کے ہوتا اس واسطے کہ مطلقہ سے نکاح کرنا بھی ایک قسم کی رجعت ہے اور عورت جب تک اپنے خاوند کے گھر میں اور اس کے قبضہ میں اور اس کے اقارب کے سامنے رہتی ہے تو ممکن ہے کہ خاوند عورت کی رائے پر غالب آجائے اور لاچار ہوکر اس چیز کو پسند کرے جس کو وہ لوگ اس عورت کے سامنے بیان کرتے ہیں لیکن جب وہاں سے جدا ہوکر گرمی سردی کا مزہ چکھتی ہے پھر اس کے بعد اس شخص سے راضی ہوتی ہے تو وہ حقیقی رضامندی ہے اور نیز اس میں جدائی کا مزہ چکھانا اور بغیر کسی ضروری مصلحت کے سوچے سمجھے خواہش نفسانی کی پیروی کرنے کی سزا دینا ہے اور نیز اس میں تین طلاق دی ہوئی عورتوں کا لوگوں کی نظروں میں عزت دینا ہے اور اس بات کا جتلانا ہے کہ تین طلاقوں کی طرف وہی شخص جرأت

کر سکتا ہے جو ذلت اور حد سے زیادہ بے عزتی کے بعد اپنے نفس کو اس کے بارے میں ترک طمع پر قائم کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رفاعہؓ کی بیوی سے فرمایا تھا جس وقت کہ رفاعہؓ نے اس کو طلاق دے دی تھی اور اس کو طلاق مغلظہ کر دیا تھا اور اس نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا تھا ''کیا تو رفاعہؓ کے پاس پھر آنا چاہتی ہے تو اس نے عرض کیا کہ 'ہاں' آپ نے فرمایا 'نہیں'، یہاں تک کہ تو اس کا (اور وہ تیرا) مزہ چکھ لے''۔

میں کہتا ہوں نکاح کے تمام ہونے کے لئے لذت حاصل کرنے کو اس لئے آپ نے شرط کیا تا کہ اس تحدید کے معنی جس کو خدا تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر کیا ہے متحقق ہو جائیں کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو کوئی شخص یہ حیلہ کر سکتا ہے کہ زبانی نکاح کرا کر اسی مجلس میں دوسرے خاوند سے طلاق دلوائے اور یہ تحدید کے فائدہ کو منافی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے پر اور اس شخص پر جس کے لئے وہ حلالہ کرتا ہے لعنت کی ہے''۔

میں کہتا ہوں چونکہ بہت سے لوگ محض حلالہ کی غرض سے نکاح کرتے ہیں اور اس نکاح سے ان کی غرض معیشت میں معاونت کرنا نہیں ہوتا اور اس سے وہ مصلحت پوری نہیں ہوتی جو نکاح سے مقصود ہے اور نیز اس میں بے حیائی اور بے غیرتی ہے اور بلا اس بات کے کہ معاونت میں کچھ زیادتی ہو ایک عورت پر کئی مردوں کے جمع ہونے کو جائز رکھنا ہے اس واسطے آپ نے اس سے منع فرمایا، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا تو اس سے رجوع کر پھر اس کو رکھ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر اس کو حیض آئے اور پھر وہ پاک ہو پس اگر اس کو طلاق دینا مناسب سمجھے تو ہاتھ لگانے سے پیشتر پاکی کی حالت میں طلاق دے۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ آدمی کو کبھی اپنی عورت سے طبعی طور پر نفرت ہو جاتی ہے اور ایسی نفرت ماننے کے قابل نہیں ہوتی جیسے اس کا حائضہ ہونا اور گرد و غبار میں آلودہ رہنا اور کبھی اس مصلحت کے سبب سے اپنی عورت سے نفرت کرتا ہے جس کے قائم کرنے کا عقل سلیم حکم کرتی ہے، باوجودیکہ وہاں رغبت طبعی ہوتی ہے اور یہ نفرت ماننے کے قابل ہے اور اکثر پہلی صورت میں ندامت ہوتی ہے اور اس میں رجوع کرنے کا اتفاق ہوتا ہے اور یہ ایسی خواہش ہے جس کے ترک

کرنے پر تہذیب نفس موقوف ہے اور کبھی یہ دونوں قسم کی نفرتیں بہت سے لوگوں پر مشتبہ ہو جاتی ہیں اس واسطے ایسی حد کا مقرر کرنا ضروری ہوا جس سے فرق ثابت ہو جائے پس طہر کو رغبت طبعی کا مظنہ اور حیض کو نفرت طبعی کا مظنہ اور باوجود رغبت طبعی کے طلاق پر اقدام کرنا مصلحت عقلیہ کا مظنہ اور مدت دراز تک دل میں یہی خیال باقی رہنا باوجودیکہ اس کے حالات بدلتے رہے ہیں کہ وہ کبھی حیض سے پاک ہوئی اور آراستہ ہوئی اور انقباض سے انبساط کی طرف ہوئی عقل صریح اور تدبیر خالص کا مظنہ ہے اس واسطے حیض میں طلاق دینا مکروہ ہوا، اور مراجعت اور حیض جدید کے درمیان میں آنے کے انتظار کا حکم ہوا۔ اور نیز اگر وہ عورت کو حیض میں طلاق دے پس اگر یہ حیض بھی عدت میں شمار کیا جائے تو عدت کی مدت کم ہوتی ہے اور اگر شمار نہ کیا جائے تو عدت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے عورت کو ضرر پہنچتا ہے خواہ قرء سے طہر مراد لی جائے یا حیض پس ہر صورت میں وہ حد ٹوٹتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں تین قرء کے ساتھ معین کیا ہے۔

اور طہر کے اندر جماع کرنے سے قبل طلاق دینے کا حکم دو وجہ سے ہوا ایک تو یہ ہے کہ اس میں رغبت طبیعہ کا باقی رکھنا ہے کیونکہ جماع کرنے سے رغبت کا غلبہ کم ہو جاتا ہے دوسرے یہ ہے کہ اس صورت میں انساب میں اشتباہ نہیں رہتا، اور اللہ تعالیٰ نے طلاق پر دو گواہ قائم کرنے کا حکم دو سبب سے دیا ایک تو معاملہ صحبت داری میں اہتمام کرنا ہے تاکہ تدبیر منزل کا قائم ہونا اور اس کا منقطع ہونا لوگوں کے سامنے پایا جائے اور دوسرے یہ ہے کہ انساب میں اشتباہ باقی نہ رہے اور طلاق دینے کے بعد خاوند بیوی یا باہم نہ ملیں اور طلاق کی پرواہ نہ کریں، واللہ اعلم۔

اور ایک طہر میں تین طلاق دینا بھی مکروہ کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اس حکمت کا ترک لازم آتا ہے جس کی رعایت بار بار طلاق دینے میں کی گئی ہے کیونکہ طلاقوں کی تفریق اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ اگر کسی سے کوتاہی ہو جائے تو اس درمیان میں وہ اس کا تدارک کر لے، اور نیز جمع کرنے میں اپنے نفس پر تنگی کرنا اور ندامت لینا ہے، اور تین طہروں میں تین طلاقیں دینا بھی تنگی اور ندامت کا محل ہے مگر پہلی صورت سے کم ہے اس وجہ سے کہ اس میں غور کرنے کا موقع اور اتنا عرصہ مل جاتا ہے جس میں حالتیں بدلتی رہتی ہیں اور بہت سے لوگوں کی مصلحت حرمت مغلظہ کے ثابت کرنے میں ہوا کرتی ہے۔

خلع، ظہار، لعان اور ایلاء کا بیان

واضح ہو کہ خلع کے اندر کسی قدر قباحت پائی جاتی ہے کیونکہ خاوند نے بیوی کو جو مال دیا ہے وہ جماع کے بدلہ میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور تم دیا ہوا مال کیسے واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو اور وہ تم سے عہد واثق بھی لے چکی ہیں'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کے اندر اسی معنی کا اعتبار کر کے فرمایا ''اگر تو نے کچھ دیا ہے تو یہ اس کے عوض میں ہے جو تو نے اس کی شرمگاہ کو حلال کیا ہے'' اور اس کے باوجود خلع کی حاجت پڑتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''پس ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اگر عورت خاوند سے رہائی پانے کے بدلہ میں کچھ دے ڈالے''۔

اور اہل جاہلیت اپنی بیویوں کو حرام کر لیا کرتے تھے اور ان کو بہ منزلہ اپنی ماں کے پشت کے قرار دے لیا کرتے تھے پس اس کے بعد پھر کبھی ان کے پاس نہیں جاتے تھے اور اس میں جس قدر خرابی تھی وہ ظاہر ہے کیونکہ وہ عورت نہ تو مرغوب ہوتی تھی کہ خاوند سے نفع اٹھائے جس طرح اور عورتیں اپنے خاوندوں سے نفع اٹھاتی ہیں اور نہ وہ بیوہ ہوتی تھی کہ اس کو اپنی جان کا اختیار حاصل ہو پس جب ایسا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا اور اس کے بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''بلا شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی گفتگو سن لی جو اپنے خاوند کے بارے میں تجھ سے جھگڑا کرتی ہے ''عذاب الیم'' تک اور اس میں راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو بالکل لغو بھی نہیں ٹھیرایا کیونکہ وہ ایک امر ہے جس کو خاوند نے اپنے نفس پر لازم کیا ہے اور اس میں ایسی پختہ بات منہ سے نکالی ہے جو اور قسموں میں ہوا کرتی ہے

اور اس کو ہمیشہ کے لئے بھی نہیں کیا جس طرح اہل جاہلیت کیا کرتے تھے تا کہ وہ جرم دفع ہو جائے جس میں وہ گرفتار تھے اور کفارہ تک اس کو موقت رکھا کیونکہ کفارہ گناہوں کے دور کرنے کے لئے اور اس چیز سے روکنے کے لئے جو مکلّف کے دل میں پیدا ہوتی ہے مقرر کیا گیا ہے لیکن اس قول کا جھوٹ ہونا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ بیوی نہ تو فی الحقیقت ماں ہوتی ہے اور نہ ان دونوں میں مشابہت یا مجاورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایک کا اطلاق دوسرے پر صحیح ہو یہ اس تقدیر پر ہے کہ اگر اس کو خبر کہا جائے اور وہ عقد مضر اور مصلحت کے ناموافق ہے اور نہ خدا تعالیٰ نے اپنی شریعتوں میں اس کو وحی کے ذریعہ بیان فرمایا ہے اور نہ روئے زمین کے دانشمندوں نے اس کو مستنبط کیا ہے اگر اس کو انشائے قبیل سے کہا جائے لیکن اس کا منکر اور بری بات ہونا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک طرح کا ظلم اور جور اور جس کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے اس پر تنگی کرنا ہے، اور ظہار کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا یا پے در پے دو مہینوں کے روزے رکھنا اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ کفارہ سے غرض یہ ہے کہ مکلّف کے سامنے ایک ایسی چیز ہونی چاہئے جو اس فعل کے ارتکاب سے اس کو باز رکھے اور ارتکاب کی صورت میں اس چیز کے لازم ہونے کا اس کو خوف ہو اور یہ بات بغیر اس کے ممکن نہیں کہ وہ کفارہ کوئی سخت عبادت ہو جو نفس کو مغلوب کرے یا تو اس وجہ سے کہ اس میں اس قدر مال صرف کرنا پڑتا ہو جو نفس پر بہت شاق ہو یا اس میں بھوک و پیاس کی تکلیف بہت زیادہ اٹھانی پڑتی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کو چار ماہ رکنا ہے''۔

واضح ہو کہ اہل جاہلیت قسم کھالیا کرتے تھے کہ اپنی بیوی سے ہمیشہ یا مدت دراز تک صحبت نہیں کریں گے اور اس میں عورتوں پر ظلم اور ضرر تھا پس اللہ تعالیٰ نے چار مہینہ تک رکنے کا حکم دیا ''پھر اگر وہ رجوع کریں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے'' اور رجوع کرنے میں علما کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے ایلاء کرنے والے کو چار ماہ گزرنے کے بعد روک دیا جائے پھر اس پر جبر کیا جائے کہ یا تو بھلائی کے ساتھ اس کو چھوڑ دے یا حسب دستور اس کو نکاح میں رکھ لے، اور بعض نے کہا ہے کہ چار ماہ گزرتے ہی اس پر طلاق پڑ جائے گی اور اس کو روکا نہیں جائے گا اور اس مدت کے معین کرنے میں یہ راز ہے کہ اتنی مدت میں ضرور نفس کو جماع کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور ترک

جماع سے ضرر ہوتا ہے جبکہ وہ بیمار نہ ہو اور نیز یہ مدت سال کا ایک تہائی حصہ ہے اور نصف سے کم کا انضباط ایک تہائی سے ہوتا ہے اور نصف زیادہ مدت شمار کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”جو لوگ اپنی بیویوں کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں اور ان کے لئے گواہ نہیں ہوتے“ الایۃ ، اور اس امر میں حضرت عویمر عجلانیؓ اور ہلال بن امیہؓ کی حدیث مشہور ہے۔

واضح ہو کہ اہل جاہلیت میں سے جب کوئی مرد اپنی بیوی کو کسی کی طرف منسوب کرتا تھا اور ان دونوں کے درمیان اس امر میں تنازع ہوتا تھا تو وہ کاہنوں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے جیسا کہ ہند بنت عتبہ کے قصہ میں ہوا تھا پس جب اسلام آیا تو ان کا کاہنوں کی طرف جانا ممنوع قرار دیا کیونکہ ملت حنیفیہ کی بنیاد ان چیزوں کے ترک کرنے اور ان کے دور کرنے پر ہے اور نیز کاہنوں کی طرف جانے میں بلا اس کے کہ وہ نہ ان کے صدق کو جانتے ہیں اور نہ ان کے کذب کو، ضرر عظیم ہے اور یہ بات ناممکن تھی کہ خاوند کو چار گواہ لانے کی تکلیف دی جائے ورنہ حد لگانے کا حکم دیا جائے کیونکہ زنا تنہائی میں ہوتا ہے اور خاوند گھر کی بات خوب جانتا ہے اور اس کو جو جو قرائن معلوم ہوتے ہیں وہ غیر کو معلوم نہیں ہو سکتے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ خاوند ان لوگوں کے مانند قرار دیا جائے جن پر گواہ نہ لانے میں حد قذف ماری جاتی ہے کیونکہ خاوند شرعاً اور عقلاً اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کرنے پر مامور ہے اور اس کی جبلت میں اس بات پر غیرت کرنا داخل ہے کہ جو چیز اس کی حفاظت میں ہے اس میں دوسرا مداخلت کرے اور نیز خاوند شک کے رفع کرنے اور عورت کی شرمگاہ کے محفوظ رکھنے میں سب سے زیادہ مناسب تر اور اولیٰ ہے پس اگر خاوند عورت کے ساتھ کسی امر کا مواخذہ کرنے میں غیر لوگوں کے برابر رکھا جائے تو امن جاتا رہتا ہے اور مصلحت فساد میں بدل جاتی ہے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ حادثہ پیش آیا تو آپ متردد تھے کبھی تو ان معارضات کی وجہ سے کچھ حکم نہیں دیتے تھے اور کبھی اس کا حکم ان قواعد کلیہ سے مستنبط کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں اور ہلال بن امیہ سے کہتے تھے ”تو گواہ لا ورنہ تیری پشت پر حد ماری جائے گی“ یہاں تک کہ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بے شک سچا ہوں اور یقیناً خدا تعالیٰ ایسا کوئی حکم نازل فرمائے گا جس کی وجہ سے میری پشت حد سے بری ہو جائے گی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیت لعان نازل فرمائی۔

اور اس میں اصل یہ ہے کہ مؤکد قسم کے سبب سے خاوند حد قذف سے بری ہو جاتا ہے اور عورت پر دھبہ لگ جاتا ہے وہ قید میں رکھی جاتی ہے اور اس پر تنگی کی جاتی ہے اور اگر خاوند قسم کھانے سے انکار کرے تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی اور ایک قسم موکد عورت کی طرف سے اس کو بری کر دیتی ہے پس اگر عورت قسم کھانے سے انکار کرے تو اس پر حد لگائی جائے گی۔

الحاصل جس امر میں بینہ نہ ہو اور نہ وہ ایسا ہو کہ وہ لغو اور غیر مسموع ہو اس میں موکد قسم سے زیادہ مناسب اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہ طریقہ جاری ہوا کہ عورت اس کو بیان کرے تا کہ قسم سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو، اور یہ بھی طریقہ جاری ہوا کہ وہ عورت پھر کبھی اس خاوند کی طرف عود نہ کرے کیونکہ ان دونوں میں جب ایسا جھگڑا ہو چکا اور ان دونوں کے دلوں میں آتش عداوت شعلہ زن ہو چکی اور خاوند نے اس کو بدکار مشہور کر دیا تو غالباً نہ ان دونوں میں موافقت ہو سکتی ہے اور نہ محبت ہو سکتی ہے اور نکاح ان مصلحتوں کے لئے وضع کیا گیا ہے جو محبت اور موافقت پر مبنی ہیں اور نیز اس میں ان دونوں کو ایسے معاملہ پر اقدام کرنے سے سخت تنبیہ کرنا ہے۔

عدت کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''مطلقہ عورتیں تین قروء تک اپنی جانوں کو روکیں'' اخیر آیت تک۔

واضح ہو کہ عدت ان امور میں سے ہے جو زمانہ جاہلیت میں مشہور اور مسلم تھے اور جس کو وہ ترک نہیں کر سکتے تھے اور اس میں بہت سے مصالح ہیں، ازآں جملہ مرد کے پانی سے رحم عورت کے پاک وصاف ہونے کی معرفت ہے تاکہ نسبوں میں اختلاط نہ ہونے پائے کیونکہ نسب ایک چیز ہے جس کی لوگوں کو خواہش ہوتی ہے اور عاقل لوگ اس کے طالب ہوتے ہیں اور نسب نوع انسانی کے خواص میں سے ہے اور اسی سے انسان تمام حیوانات سے ممتاز ہے اور استبرا کے باب میں اسی مصلحت کی رعایت کی گئی ہے، ازآں جملہ عدت سے امر نکاح کی عظمت پر لوگوں کو متنبہ کرنا ہے اس طور پر کہ نکاح ایسا امر نہیں ہے جو بغیر لوگوں کے اجتماع کے قائم ہو سکتا ہو اور بغیر انتظار دراز کے وہ منقطع نہیں ہو سکتا اگر ایسا نہ ہوتا تو نکاح بچوں کے کھیل کی طرح ہوتا کہ گھڑی میں قائم ہوتا اور گھڑی میں منقطع ہو جاتا۔

اور ازآں جملہ یہ ہے کہ نکاح کی مصلحتیں بغیر اس کے پوری نہیں ہوتیں کہ وہ دونوں بظاہر اپنے نفس کو اس عقد پر ہمیشہ قائم رکھنے پر پابند کریں پھر اگر کوئی حادثہ پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے اس عقد کا انقطاع ضروری ہو تو فی الجملہ اس دوام کی صورت کا باقی رکھنا جب بھی ضروری ہے اس طور پر کہ عورت کچھ مدت کے لئے اپنے آپ کو روکے رہے کہ اس کو اپنے رکنے کی وجہ سے کسی قدر تکلیف اور دقت معلوم ہو، اور طلاق دی ہوئی عورت کی مدت تین قروء ہیں پس بعض کے نزدیک قروء سے اطہار مراد ہیں اور بعض کے نزدیک حیض اور اگر اس سے طہر مراد ہے تو اس میں یہ راز

ہے کہ طہر رغبت کا زمانہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں پس اس کی تکرار عدت لازمہ مقرر کی گئی تا کہ غور وفکر کرنے والا اس عرصہ میں غور وفکر کر لے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کے بیان میں فرمایا ہے۔ پس یہ وہ عدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حکم فرمایا ہے'' اور اگر اس سے حیض مراد ہے تو اس میں راز یہ ہے کہ حیض حمل نہ ہونے کی شناخت میں اصل ہے پس اگر بچپن یا بڑھاپے کی وجہ سے عورت کو حیض نہ آتا ہو تو اس کے لئے تین مہینے تین حیض کے قائم مقام ہیں کیونکہ تین ماہ تین حیض کا مظنہ ہیں اور نیز تین ماہ میں رحم کا خالی ہونا ظاہر طور پر معلوم ہو سکتا ہے اور تمام مصلحتیں اسی مدت میں ثابت ہو سکتی ہیں اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے کیونکہ اس سے رحم کا بری ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور جس عورت کا خاوند مر جائے اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہیں اور اس مدت میں اس کو سوگ کرنا واجب ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔

ایک یہ ہے کہ جب اس عورت پر یہ بات واجب ہوئی کہ اپنے آپ کو اس مدت تک روکے رہے اور نہ وہ نکاح کرے اور نہ پیغام نکاح بھیجے تا کہ مرنے والے کا نسب محفوظ رہے تو حکمت سیاست کے نزدیک اس چیز نے اس بات کا تقاضا کیا کہ اس کو ترک زینت کا حکم دیا جائے کیونکہ زینت کی وجہ سے جانبین سے شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور ایسی حالت میں شہوت کے غلبہ میں بڑی خرابی ہے اور نیز عورت کی وفاداری میں سے یہ بات ہے کہ خاوند کے مرنے پر غم کرے اور خوشبو نہ لگائے اور زینت نہ کرے اور اس پر سوگ کرے کیونکہ اس سے وفاداری ظاہر ہوتی ہے اور بہ ظاہر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کی نظر اسی پر تھی اور مطلقہ کو سوگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ اس کو زینت کرنے کی ضرورت ہے تا کہ اس کا شوہر اس کی طرف رغبت کرے اور اُن کے اتحاد میں جو جدائی واقع ہو گئی ہے اس کے جمع ہونے کا پھر وہ سبب بن جائے اسی وجہ سے مطلقہ ثلث میں علما کا اختلاف ہے کہ وہ زینت کرے یا نہ کرے پس بعض نے اصل حکمت کی طرف غور کیا اور بعض نے لفظ مطلقہ کے عموم کا خیال کیا۔

اور شارع نے بیوہ کی عدت چار ماہ دس روز اس لئے مقرر کی کہ چار مہینے کے تین چلے ہوتے ہیں اور یہ تین چلے ایسی مدت ہے کہ اس میں بچہ کے اندر جان پڑ جاتی ہے اور غالباً بچہ اس مدت کے اندر حرکت کرنے لگتا ہے اور دس روز اس پر اور زیادہ کیئے گئے تا کہ بچہ کا حرکت کرنا پورے طور

پر معلوم ہو جائے، اور نیز یہ مدت حمل معتاد کی نصف مدت ہے اور اس مدت میں حمل پورے طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہر شخص اس کو دیکھ کر پہچان سکتا ہے اور شارع نے مطلقہ کی عدت تین حیض اور جس عورت کا خاوند مر جائے اس کی عدت چار ماہ دس روز اس لئے مقرر کی کہ مطلقہ میں صاحب حق یعنی خاوند اپنے اختیار پر قائم ہوتا ہے جو نسب کی مصلحت کو دیکھتا ہے، علامات اور قرائن کو جانتا ہے پس درست ہے کہ عورت کو اس چیز کا حکم دیا جائے جو اس کے ساتھ خاص ہے اور خاوند پر وہ امین سمجھی جائے اور لوگوں کے لئے ممکن نہیں کہ اس عورت کا حال معلوم کر سکیں جب تک کہ وہ خود بیان نہ کرے اور بیوہ کے اندر صاحب حق یعنی خاوند موجود نہیں ہوتا اور دوسرا شخص اس کے باطن کا حال اور اس کا فریب نہیں پہچان سکتا جس طرح خاوند پہچان سکتا ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کی عدت ایسا ظاہری امر مقرر کیا جائے جس کے معلوم کرنے میں سب قریب و بعید برابر ہوں اور حیض کو بھی وہ ثابت کر دے کیونکہ غالباً یا دائماً طہر اس قدر بڑا نہیں ہوتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاملہ عورت سے جماع نہ کیا جائے یہاں تک کہ بچہ ہو جائے اور نہ غیر حاملہ سے جماع کیا جائے یہاں تک کہ اس کو حیض آ جائے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' حالانکہ وہ حاملہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہے پھر کس طرح وہ اس سے خدمت لیتا ہے یا کس طرح اس کو وارث بنا سکتا ہے جبکہ وہ اس کے لئے حلال نہیں ہے''۔

میں کہتا ہوں استبراء کے اندر یہ راز ہے کہ اس سے رحم کا پاک ہونا معلوم ہو جائے اور انساب میں اختلاط نہ ہونے پائے پس جب عورت حاملہ ہو تو تجربہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسی صورت میں بچہ کے اندر دو مشابہتیں ہوتی ہیں ایک تو اس شخص کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جس کے نطفہ سے وہ بچہ پیدا ہوا ہے اور ایک اس کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جس نے ایام حمل میں اس کی ماں سے جماع کیا ہے، حضرت عمرؓ کے قول سے یہ بات معلوم ہوئی اور یہی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے سمجھی جاتی ہے'' جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ حلال نہیں کہ اپنے پانی سے کسی اور کی کھیتی کو سیراب کرے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ''کیف یستخدمه'' الخ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ حاملہ کے ساتھ جماع کرنے کے بعد جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس میں دو شخصوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور ہر مشابہت کا حکم دوسری مشابہت کے

خلاف ہوتا ہے پس پہلے شخص کی مشابہت بچہ کو غلام بناتی ہے اور دوسرے کی مشابہت چاہتی ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہو، اور پہلی مشابہت کا حکم غلام ہوتا اور مولی کی خدمت کا اس پر واجب ہونا ہے اور دوسری مشابہت کا حکم حریت اور میراث کا مستحق ہونا ہے، پس چونکہ بچہ کے اندر جماع کے سبب سے احکام شرعیہ کا التباس لازم آتا ہے اس واسطے جماع کرنے سے ممانعت کی گئی، واللہ اعلم۔

اولاد اور غلاموں کی پرورش کا بیان

واضح ہو کہ نسب من جملہ ان امور کے ہے جن کی محافظت آدمی کی سرشت میں داخل ہے پس صالح ملکوں میں سے کسی ملک کے اندر جہاں لوگ پیدا ہوتے ہیں تم کسی انسان کو کبھی نہ دیکھو گے مگر اس کو اپنے باپ دادا کی طرف منسوب ہونا محبوب ہوگا اور وہ اس بات کو ناپسند کرے گا کہ ان کی طرف اس کو منسوب کرنے میں کوئی عیب لگایا جائے ہاں نسب کی رذالت یا ضرر کے دفع کرنے کی غرض سے یا نفع وغیرہ حاصل کرنے کی غرض سے نہ ہو تو اور بات ہے اور نیز ہر شخص یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے اولاد ہو جو اسی کی طرف منسوب ہو اور اس کے بعد اس کے قائم مقام ہو پس بسا اوقات اولاد کے طلب کرنے میں لوگ بڑی کوشش کرتے ہیں اور اپنی تمام طاقت خرچ کرتے ہیں پس تمام لوگوں کا اتفاق اس خصلت پر ان کی جبلت کے سبب سے ہے اور احکام الٰہی کی بنیاد ان مقاصد کے باقی رکھنے پر ہے جو لوگوں کی جبلت میں داخل ہیں اور جن کے اندر نزاع اور حرص پیدا ہوتا ہے اور ان مقاصد پر صاحب حق کو اس کا حق دلایا جاتا ہے اور ان مقاصد میں باہم ظلم کرنے سے منع کیا جاتا ہے پس اس واسطے ضروری ہوا کہ شارع نسب سے بحث کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لڑکا عورت کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے'' پس بعض نے اس سے سنگسار کرنا مراد لیا ہے اور بعض نے نقصان مراد لیا ہے''۔

میں کہتا ہوں اہل جاہلیت بہت سے طریقوں سے اولاد حاصل کیا کرتے تھے جن کو قوانین شرع صحیح نہیں جانتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان میں سے بعض طریقوں کو بیان فرمایا ہے پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے اس دروازہ کو بند کر دیا اور زانی کو نامراد ٹھیرایا اور اسی لئے ان مصالح ضروریہ میں سے جن کے بغیر نوع انسان باقی نہیں رہ سکتی، مرد کا اپنی عورت کے ساتھ مخصوص ہونا ہے تاکہ ایک عورت پر کئی مردوں کے جمع ہونے کا باب بالکل بند

ہو جائے اور یہ اس کا مقتضی ہے کہ جو شخص اس سنت راشدہ کی نافرمانی کرے اور بغیر اس خصوصیت کے اولاد حاصل کرنا چاہے اس کو محروم کیا جائے تا کہ اس کی ذلت ہو اور اس کا کوئی اختیار نہ رہے اور آئندہ کبھی ایسا قصد نہ کرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ ''زانی کے لئے پتھر ہے'' اسی طرف اشارہ ہے اگر پتھر سے نقصان مراد لیا جائے جیسا کہ بولا کرتے ہیں کہ اس شخص کے ہاتھ میں خاک ہے اور اس کے ہاتھ میں پتھر ہے، اور نیز جب حقوق مزاحم ہوں اور ہر ایک شخص اپنے لئے اس کے حقدار ہونے کا دعویٰ کرے تو ضروری ہے کہ اس شخص کو ترجیح دی جائے جو ایسی حجت ظاہرہ پیش کرے جو تمام لوگوں کے نزدیک قابل سماعت ہو اور جس کے پاس ایسی حجت ہو جو اس پر ملامت زیادہ کرے اور اس کے سبب سے حد کے مارنے کا دروازہ مفتوح ہوتا ہو یا وہ اس بات کا اقرار کرے کہ اس نے خدا کی نافرمانی کی ہے اور باوجود اس کے وہ ایسا پوشیدہ امر ہو جو صرف اس کے اقرار کرنے سے معلوم ہوتا ہے تو اس صورت میں مناسب یہ ہے کہ اس شخص پر تہدید و توبیخ ہونی چاہئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی معنی کا اعتبار فرما کر لعان کے قصہ میں فرمایا ہے۔ ''اگر تو اس پر جھوٹ بولتا ہے تو مہر کا میری طرف کرنا تجھ سے بہت دور ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ ''زانی کے لئے پتھر ہے'' اسی کی طرف اشارہ ہے اگر پتھر سے سنگسار کرنا مراد لیا جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اور وہ یہ بات جانتا ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو ایسے شخص پر جنت حرام ہے''۔

میں کہتا ہوں بعض لوگ گھٹیا مقاصد کی وجہ سے اپنے باپ سے اعراض کر کے دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کر دیتے ہیں اور یہ بڑا ظلم اور نافرمانی ہے کیونکہ اس میں اپنے باپ کی امید کو قطع کرنا ہے اس واسطے کہ اس نے اپنی نسل کی بقا کو جو اس کی طرف منسوب ہے اور اس سے پیدا ہوئی ہے چاہا ہے، اور اس میں باپ کی نعمت کی ناشکری اور اس کے ساتھ برائی کرنا بھی ہے، اور نیز باہمی نصرت اور اعانت شہر اور قبیلہ کے انتظام کے لئے ضروری چیز ہے اور اگر باپ سے نسبت کی نفی کا دروازہ مفتوح کر دیا جائے تو یہ مصلحت متروک ہو جائے اور تمام قبائل کے نسب مخلوط ہو جائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس عورت نے کسی قوم میں اس شخص کو ملایا کہ وہ اس

میں نہیں ہے تو خدا تعالیٰ کے ہاں اس کا کچھ حصہ نہیں اور نہ کبھی خدا تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور جو شخص اپنے بیٹے کا انکار کرے حالانکہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے تو اس کو خدا تعالیٰ اپنے دیدار سے محروم کرے گا اور تمام لوگوں کے روبرو اس کو رسوا کرے گا"۔

میں کہتا ہوں جبکہ عورت عدت وغیرہ میں امین تھی اور اس کو یہ حکم تھا کہ انساب کو مخلوط نہ کرے تو یہ بات ضروری ہوئی کہ اس کو اس امر میں ڈرایا جائے اور اس کو اس امر میں عذاب اس وجہ سے دیا گیا کہ اس فعل میں مصلحت عالم کے برباد کرنے میں کوشش اور جبلت نوع کے ساتھ مناقضت ہے اور یہ ملاء اعلیٰ کے بغض کو کھینچتا ہے کیونکہ وہ اصلاح نوع کے دعا کرنے پر مامور ہیں اور اس کے علاوہ اس میں اس کے لڑکے کے لئے نامرادی اور تنگی ہے اور دوسروں پر اپنی اولاد کا بوجھ ڈالنا ہے اور جب کوئی شخص اپنی اولاد کا انکار کرتا ہے تو ہمیشہ کے لئے ان کو ذلیل کرتا ہے اور بے انتہا عار میں گرفتار کرتا ہے کیونکہ اس نے اس کا نسب نہیں رکھا اور اس کی جان کو ضائع کیا کیونکہ کوئی اس پر خرچ کرنے والا نہیں رہا اور یہ فعل ایک طرح سے اولاد کے قتل کر دینے کے مشابہ ہے اور اس کی ماں کو بھی ہمیشہ کی ذلت اور ایسی عار میں ڈال دیا جو تمام عمر باقی رہنے والی ہے۔

عقیقہ کا بیان

واضح ہو کہ عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے اور ان کے نزدیک عقیقہ ایک امر لازم اور سنت مؤکدہ تھا اور اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کا رجوع مصلحت ملیہ اور مدنیہ اور نفسیہ کی طرف تھا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستور کو باقی رکھا اور خود اس پر عمل کیا اور لوگوں کو اس کی رغبت دلائی، پس منجملہ مصلحتوں کے ایک یہ ہے کہ عقیقہ میں نہایت خوبی کے ساتھ اولاد کے نسب کی اشاعت ہے کیونکہ اشاعت نسب ایک ضروری امر ہے تاکہ کوئی شخص اس کے حق میں کوئی ناپسندیدہ بات نہ کہہ سکے اور یہ بات نامناسب تھی کہ اس کا باپ گلیوں میں پکارتا پھرے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے پس اشاعت کے لئے یہی طریقہ بہت مناسب ہوا۔

اور از آں جملہ عقیقہ کے اندر سخاوت کے معنی کا اتباع اور بخل کی صفت کی نافرمانی کرنا پایا جاتا ہے اور از آں جملہ یہ ہے کہ نصاریٰ کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو اس کو زرد پانی سے رنگا کرتے تھے اور اس کا نام معمودیہ رکھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اس فعل سے وہ بچہ نصرانی ہو جاتا ہے اور اسی نام کی مشاکلت میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا ''صبغة الله ومن احسن من الله صبغة'' پس مستحب ہوا کہ اہل اسلام کے لئے بھی ان کے اس فعل کے مقابلہ میں کوئی ایسا فعل پایا جائے جس سے لڑکے کا اسلامی اور ملت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کا تابع ہونا معلوم ہو جائے اور جس قدر افعال حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کے ساتھ مختص تھے جو ان کی اولاد میں چلے آتے ہیں ان میں سے سب سے زیادہ مشہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے فرزند کو ذبح کرنے پر آمادہ ہونا پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام کہ اس کے عوض ایک بڑی قربانی بھیجنا ہے اور ان

دونوں کی شرائع میں زیادہ مشہور حج ہے جس کے اندر سر منڈانا اور ذبح کرنا ہوتا ہے پس ان امور میں ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ملت حنفی کی تعظیم کرنا اور اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ اس فرزند کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا ہے جو اس ملت کے اعمال میں سے ہے۔

اور از آں جملہ یہ ہے کہ ابتداء ولادت میں اس فعل کے کرنے سے اس کے خیال میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اس شخص نے اپنے فرزند کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیدیا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اور اس میں سلسلہ احسان اور فرمانبرداری کو حرکت دینا ہے جیسا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے میں ہم نے بیان کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے پس اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس کے بال منڈاؤ'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لڑکا اپنے عقیقہ کے عوض میں مرہون ہے، ساتویں روز اس کی طرف سے قربانی کی جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر منڈایا جائے''۔

میں کہتا ہوں عقیقہ کے حکم دینے کی وجہ وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں لیکن ساتویں دن کی تخصیص تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پیدائش اور عقیقہ میں کسی قدر فاصلہ ہونا ضروری ہے کیونکہ گھر کے تمام آدمی فرزند اور اس کی ماں کی خبرگیری میں اوّل اوّل مصروف رہتے ہیں پس ایسے وقت میں ان کو عقیقہ کا حکم دے کر ان کے شغل کو اور زیادہ نہیں کرنا چاہئے اور نیز بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو بہت کوشش سے بکری دستیاب ہوتی ہے پس اگر عقیقہ پہلے ہی دن مسنون کیا جاتا تو لوگوں کو دقت ہوتی اور سات روز کا فاصلہ ایک کافی اور معتد بہ مدت ہے جو زیادہ بھی نہیں ہے، لیکن سر منڈانا سو وہ حجاج کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کی وجہ سے ہے اور اس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے لڑکے کے نام رکھنے کی حاجت نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسنؓ کی طرف سے ایک بکری عقیقہ میں ذبح کی اور فرمایا ''اے فاطمہؓ ان کے سر کو منڈوا دو اور ان کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کر دو''۔

میں کہتا ہوں کہ چاندی خیرات کرنے کا سبب یہ ہے کہ بچہ کا جنین کی حالت سے منتقل ہو کر طفلیت کی طرف آنا خدا تعالیٰ کی نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے اور شکر ادا کرنے میں بہتر چیز وہ ہے جس سے عوض میں ہونا سمجھا جائے پس جبکہ لڑکے کے بال حالت جنینیت کی نشانی ہے اور ان کا

مونڈنا حالت طفلیت میں استقلال پانے کی علامت ہے تو ضروری ہوا کہ بالوں کو چاندی کے ساتھ وزن کرنے کا حکم دیا جائے، اور چاندی کو اس وجہ سے خاص کیا کہ سونا گراں ہوتا ہے اور دولتمند کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا اور چاندی کے علاوہ باقی چیزیں ایسی نہیں ہیں جن سے بچے کے بالوں کو وزن کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علیؓ کے کان میں جب حضرت فاطمہؓ نے ان کو جنا تھا آذان پڑھی تھی۔

میں کہتا ہوں اس میں وہی راز ہے جو ہم نے عقیقہ میں مصلحت ملیہ ذکر کی ہے کیونکہ اذان شعائر اسلام اور دین محمدی کی علامات سے ہے پھر اس اذان کے ساتھ مولود کو مخصوص کرنا چاہئے اور یہ خصوصیت اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ اذان اس کے کان میں پڑھی جائے اور نیز تم جان چکے ہو کہ اذان میں یہ خاصیت ہے کہ شیطان اس سے بھاگتا ہے اور شیطان ابتداولادت میں لڑکے کو ایذا دیتا ہے حتی کہ حدیث میں آیا ہے کہ ''مولود کا چلانا اسی سبب سے ہوتا ہے''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے''۔

میں کہتا ہوں جس شخص کو مقدور ہو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرے کیونکہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بہ نسبت لڑکیوں کے لڑکے زیادہ نافع ہیں اس واسطے زیادہ شکر اور اس کی زیادہ عظمت مناسب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں''۔

واضح ہو کہ مقاصد شرعیہ میں سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ تمام ضروری معاملات میں ذکر الٰہی داخل رہے تا کہ ہر ایک زبان بن کر حق کی طرف بلائے، اور مولود کے ایسا نام رکھنے میں توحید کی طرف اشارہ ہے، اور نیز عرب وغیرہ اپنی اولاد کا نام اپنے معبودوں کے نام پر رکھتے تھے اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم توحید کے قائم کرنے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے اس واسطے یہ بات واجب ہوئی کہ نام رکھنے میں بھی اس کے مثل دستور جاری کیا جائے اور یہی دونوں نام ان تمام ناموں میں سے جن میں لفظ عبد کسی اسم الٰہی کی طرف مضاف ہوتا ہے اس لئے محبوب ہے کہ یہ دونوں نام خدا تعالیٰ کے ناموں میں بہت مشہور ہیں اور یہ دونوں نام سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی پر

نہیں بولے جاتے بخلاف اور ناموں کے، اور ہمارے اس بیان سے تم لڑکے کا نام محمد اور احمد رکھنے کے استحباب کی حکمت کو معلوم کر سکتے ہو کیونکہ تمام لوگ اس بات کی بڑی حرص رکھتے ہیں کہ اپنی اولاد کا نام اپنے بزرگوں کے نام پر رکھیں اور اس میں دین پر آگاہ کرنا اور گویا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ وہ اس دین میں داخل ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین نام کا وہ شخص ہوگا جس کا نام شہنشاہ ہو''۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ اصول دین کی اصل تعظیم الٰہی ہے اور یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو برابر نہ کیا جائے اور کسی شئے کی تعظیم کرنا اس کے نام کی تعظیم کرنے کے برابر ہے اس واسطے واجب ہوا کہ خدا کے نام پر کسی کا نام نہ رکھا جائے خاص یہ نام جو بڑی تعظیم اور عظمت پر دلالت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں''۔

میں کہتا ہوں جب خدا تعالیٰ کا ارادہ تناسل کے ذریعہ نوع انسان کے باقی رکھنے کی طرف متوجہ ہوا اور اس کا حکم بقا کے اندر جاری ہوا اور بچہ عادۃً جب تک اس کے ماں باپ اس کی زندگی کے اسباب میں معاونت نہ کریں زندہ نہیں رہ سکتا، اور یہ ایک جبلی امر ہے جو سب لوگوں کی خلقت میں داخل ہے یہاں تک کہ اس کی مخالفت کرنا خدا کی خلق میں تغیر کرنا اور اس چیز کے بگاڑنے میں کوشش کرنا ہے جس کو حکمت الٰہی نے واجب کیا ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ شرع اس سے بحث کرے اور ان دونوں خاوند بیوی پر ان چیزوں کو تقسیم کرے جو ان دونوں سے بہ سہولت ادا ہو سکیں پس ماں کے لئے یہ آسان ہے کہ بچہ کو دودھ پلائے اور اس کی پرورش کرے پس اس پر یہی واجب کیا گیا اور باپ کے لئے لڑکے پر صرف کرنا اور اس کی ماں پر صرف کرنا اور اپنی استطاعت کے موافق کھانا کپڑا دینا آسان ہے کیونکہ خاوند نے اس کو تمام مشاغل اور مکاسب سے روک کر اپنا بچہ اس کی پرورش میں دیا ہے اور وہ اس کی پرورش میں محنت کرتی ہے پس انصاف اس بات کو چاہتا ہے کہ عورت کے اخراجات بھی اسی پر ہوں اور چونکہ بعض لوگ جلدی سے دودھ چھڑا دیتے ہیں اور بسا اوقات اس میں بچہ کو ضرر پہنچتا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک ایسی حد مقرر کر دی جس

کے بعد دودھ چھڑانے سے بچہ غالباً صحیح وسالم رہتا ہے اور وہ مدت پورے دوسال ہیں اور اس سے کم میں بھی دودھ چھڑانے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ دونوں اس میں مصلحت سمجھ کر اس بات کو تجویز کریں کیونکہ بسا اوقات اس مدت سے پہلے بچہ کھانے پینے کے قابل ہو جاتا ہے مگر یہ بات اجتہاد اور فکر کی محتاج ہے اور اس امر میں ماں باپ ہی سب سے زیادہ مناسب ہیں اور اس بچہ کی خصلت سے وہ دونوں ہی خوب واقف ہیں، پھر خدا تعالیٰ نے جانبین سے ضرر رسانی کو بھی حرام کر دیا اس واسطے کہ اس میں دقت تھی جس سے تعاون میں نقصان آتا ہے پس اگر ان کو ماں کے ضعف یا مرض یا باہمی جدائی اور نا اتفاقی وغیرہ سے اور عورت سے دودھ پلوانے کی ضرورت پڑے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں اور ایسے وقت میں دونوں جانب سے حق کا ادا کرنا ضروری ہے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ کس چیز سے مذمت رضاعت (۱) میری جانب سے دور ہو سکتی ہے، آپ نے فرمایا ایک غلام یا ایک باندی سے۔

واضح ہو کہ دایہ حقیقی ماں کے بعد ماں ہوتی ہے اور ماں کے ساتھ سلوک کرنے کے بعد اس کے ساتھ سلوک کرنا واجب ہے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دایہ کے لئے ان کی تعظیم کے سبب اپنی چادر مبارک بچھادی اور بسا اوقات دودھ پلانے والی اس چیز سے راضی نہیں ہوتی جو اس کو دی جائے اگرچہ وہ بہت ہی ہو اور اکثر اوقات دودھ پلانے والا تھوڑی چیز جس کو وہ دیتا ہے بہت سمجھ سکتا ہے اور اس میں اشتباہ واقع ہوتا ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی حد مقرر کرنے کا سوال کیا گیا پس آپ نے ایک غلام یا باندی کے ساتھ اس کی حد مقرر فرمائی، اور اس کا سبب یہ ہے کہ دودھ پلانے والی نے اس پر اپنا ایک حق قائم کر دیا ہے اس وجہ سے کہ اس نے اس کی بنیاد قائم کی اور اس کو کامل انسان بنایا اور اس کی پرورش کی اور اس کی مشقت برداشت کی پس اس کو پوری جزا یہ ہے کہ دودھ پلوانے والا اس کو کوئی آدمی دے جو اس کے لئے تدابیر ضروریہ کے ارادہ کرنے میں بہ منزلہ اعضا کے ہو اور دودھ پلانے والی عورت کے کام کاج کا بار اٹھائے اور یہ ایک حد استحبابی ہے ضروری نہیں ہے، ہندہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ “ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے وہ مجھ کو کچھ نہیں دیتا مگر یہ کہ میں خود بغیر اس کی اجازت کے لے لوں، تو نبی صلی اللہ علیہ

---

(۱) دودھ پلانے کی اتنی اجرت، جس سے دایہ کی دلجوئی ہو سکے۔

وسلم نے فرمایا جس قدر تجھ کو اور تیرے بچہ کو حسب دستور کافی ہو سکے اس قدر لے لیا کرو"۔

میں کہتا ہوں بچہ اور بیوی کے نفقہ کی حد مقرر کرنا چونکہ دشوار تھا اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو عورت کی رائے پر چھوڑ دیا اور اس کے لینے میں دستور کی قید لگا دی اور اس امر کو قاضیوں کی طرف رجوع نہیں کیا کیونکہ ایسے وقت میں اس میں دقت تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تمہاری اولاد سات برس کی ہو جائے تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم کرو" الحدیث، اور اس کے اسرار پہلے بیان ہو چکے ہیں، اور جب میاں بیوی میں بچہ کی پرورش کی بابت نزاع ہوا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حکم دیئے ہیں کیونکہ آپ نے اس بات کا لحاظ کیا جو بچہ اور اس کے ماں باپ کے لئے مناسب ہے، اور آپ نے اس کی طرف نظر نہیں فرمائی جو مضرت کا ارادہ کرے اور مصلحت کا قصد نہ کرے کیونکہ حسد اور ضرر رسائی اتباع کے قابل نہیں ہوتی چنانچہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا یہ بیٹا میرے پیٹ میں رہا ہے اور میرے پستان کا اس نے دودھ پیا ہے اور میری گود میں اس نے پرورش پائی ہے اور اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اب وہ اس بچہ کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا تو ہی اس کی مستحق ہے جب تک تو نکاح نہ کرے۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ پرورش کے طریقے ماں ہی خوب جانتی ہے اور اس کو بچہ پر نہایت شفقت ہوتی ہے پس جب وہ نکاح کر لیتی ہے تو وہ دوسرے کے ہاتھ میں بہ منزلہ باندی کی سی ہو جاتی ہے اور وہ شخص اس بچہ کے حق میں محض اجنبی ہے اور بھلائی کرنے کی اس سے امید نہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو اختیار دیا کہ وہ خواہ باپ کے پاس رہے یا ماں کے پاس اور یہ اس وقت ہے جبکہ وہ برائی بھلائی کی تمیز کرنے لگے۔

واضح ہو کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور اس کی زندگی باہمی معاونت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی اور معاونت بغیر باہمی الفت اور شفقت کے نہیں ہو سکتی اور الفت غم خواری اور جانبین سے خاطر داری کے بغیر نہیں پیدا ہوتی اور معاونت کو ایک مرتبہ مقرر نہیں بلکہ اس کے مختلف مراتب ہیں جن کے اختلاف سے صلہ رحمی اور بھلائی بھی مختلف ہوتی ہے پس ان مراتب میں ادنی مرتبہ مسلمانوں کے اندر ارتباط ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے اندر باہم سلوک

کرنے کو پانچ چیزوں میں محدود کیا اور فرمایا کہ ''ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازہ کے پیچھے چلنا، جو کوئی بلائے تو اس کو قبول کرنا اور چھینکنے والے کو جواب دینا'' اور ایک روایت میں چھ ہیں اور چھٹا یہ ہے کہ ''جب کوئی تجھ سے نصیحت طلب کرے تو اس کو نصیحت کرنا'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدی کے چھڑانے میں کوشش کرو'' اور اس میں راز یہ ہے کہ ان پانچ چھ چیزوں میں دقت بہت کم ہے اور ان سے محبت پیدا ہوتی ہے اور اس ارتباط کے بعد وہ ارتباط ہے جو اہل محلّہ اور ہمسایہ اور اقارب کے اندر پایا جاتا ہے پس وہ ارتباط ان کے درمیان ان چیزوں سے مستحکم ہوتا ہے اور تعزیت اور تہنیت اور آمد و رفت اور باہمی تحفہ و تحائف بھی اس کو مستحکم کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند امور کو واجب کیا جن کے وہ پابند ہیں خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہے'' اور جیسا کہ دیتوں میں ہے، اس کے بعد وہ ارتباط ہے جو گھر والوں میں پایا جاتا ہے جیسا کہ بیوی اور غلام باندی وغیرہ، لیکن بیوی کے ساتھ نیک سلوک کرنا سو ہم اس کے بیان کر چکے ہیں لیکن غلام اور باندی سو ان کے ساتھ بھلائی کرنے کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبے مقرر فرمائے ہیں ایک واجب ہے جس کی پابندی ضروری ہے خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں اور دوسرا مستحب ہے اور آپ نے اس کی ترغیب دلائی ہے واجب نہیں کیا ہے پس پہلے مرتبہ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''غلام کے لئے اس کا کھانا اور کپڑا ہے اور اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام نہ لیا جائے'' اور اس کا کپڑا اور کھانا اس وجہ سے ہے کہ وہ مالک کی خدمت کے سبب سے اپنے لئے کسب نہیں کر سکتا اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کی ضروریات مالک کے ذمہ ہوں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے اپنے غلام پر تہمت لگائی حالانکہ وہ اس قول سے بری ہے تو قیامت کے روز اس کے کوڑے لگائے جائیں گے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اپنے غلام کے ناک و کان کاٹے تو اس پر وہ غلام آزاد ہے''۔

میں کہتا ہوں اس میں یہ بات ہے کہ اس کے اوپر ملکیت جاتے رہنے سے مالک کے اس فعل پر جو اس نے کیا ہے اس کو سزا دینا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دس کوڑوں سے زیادہ

اس کو کوڑے نہ لگائے جائیں بجز اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں''۔

میں کہتا ہوں اس میں ظلم کا دروازہ بند کرنا اور تعزیر میں مبالغہ کرنے سے باز رکھنا ہے کہ حد سے زیادہ نہ ہو، یا اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی ذات سے متعلق امر میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا دینے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ اس کام کو ترک کرنا جس کا اس کو حکم کیا گیا ہے اور اسی جیسی باتیں اور مراد حد سے وہ گناہ ہے جس کی شریعت کے حق میں ممانعت آئی ہے اور جیسا کہ کسی قائل کا یہ قول ہے کہ تو حد کو پہنچ گیا اور میرے نزدیک یہ توجیہ صواب کے قریب ہے کیونکہ خلفاء راشدین حقوق شرع کے اندر دس سے زیادہ تعزیر کیا کرتے تھے اور دوسرا درجہ بھلائی کا وہ ہے جس کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا پکائے پھر وہ اس کے پاس کھانا ایسی حالت میں لائے کہ اس کو دھواں اور گرمی لگی ہے پس اس کو مناسب ہے کہ اس کو اپنے پاس بٹھالے اور اس کے ساتھ کھانا کھائے اور اگر کھانا کم ہو تو اس میں سے ایک یا دو لقمہ اس کے ہاتھ پر رکھ دے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اپنے غلام کو حد مارے کہ وہ اس کا مرتکب نہیں تھا یا اس کے طمانچہ لگائے تو اس کا یہ کفارہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے اور وہ خدا تعالیٰ کی دہائی دے تو وہ رک جائے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص کسی مسلمان باندی غلام کو آزاد کرے تو خدا تعالیٰ اس کے ہر عضو کے عوض میں اس کے عضو کو آزاد کر دے گا''۔

میں کہتا ہوں آزاد کرنے میں مسلمانوں کا اتفاق اور ان کے قیدیوں کو قید سے چھڑانا ہے پس اس کو اس کی پوری جزا دی جائے گی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص ایک غلام کے اندر اپنے حصہ کو آزاد کر دے تو وہ سب آزاد ہو جائے گا اگر اس کے پاس مال ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جس کی نفس حدیث میں تصریح واقع ہوئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے'' اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد ہے کہ یہ آزاد کرنا خدا تعالیٰ کے لئے ہوا ہے اور یہ خلاف ادب ہے کہ خدا کے ساتھ اس میں کسی اور کی بھی ملک باقی رہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ آزاد ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب صلہ رحمی ہے، پس خدا تعالیٰ نے اس کی ایک قسم ان پر واجب کر دی خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں اور واجب کرنے کے لئے اس قسم کی صلہ رحمی کو اس لئے خاص کیا کہ اپنے قریب کا مالک ہو جانا اور اس پر تصرف کرنا اور غلاموں کی سی اس سے خدمت لینا اس پر بڑا ظلم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب کسی کی باندی کی اسی شخص سے اولاد پیدا ہو تو وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی“۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ بچہ پر احسان کرنا ہے تا کہ اس کی ماں کا کوئی اور شخص مالک نہ ہو جائے جس کے سبب سے اس کو عار لاحق ہو اور شارع نے غلام پر مولیٰ کی خدمت واجب کی اور بھاگنا اس پر حرام کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو غلام بھاگ گیا پس تحقیق وہ اسلام کے ذمہ سے باہر ہو گیا یہاں تک کہ لوٹ آئے“ اور آزاد شدہ غلام پر حرام کر دیا کہ اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور سے موالات کرے اور صلہ رحمی میں سب سے بڑھ کر حقوق والدین کی حرمت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے بڑھ کر گناہ ماں باپ کی نافرمانی ہے“ اور والدین کے ساتھ سلوک کرنا چند امور سے پورا ہوتا ہے ان کو کھانا کھلانا اور لباس دینا اور اگر ان کو خدمت کی ضرورت ہو تو خدمت کرنا اور جب وہ بلائیں تو ان کو جواب دینا اور جب وہ کسی بات کا حکم دیں تو اس کو بجالانا بشرطیکہ وہ معصیت کے قبیل سے نہ ہو اور بکثرت ان کے پاس آمد و رفت رکھنا اور نرم کلامی کے ساتھ ان سے بات کرنا اور ان کو اُف تک نہ کہنا اور نام لیکر ان کو نہ پکارنا اور ان کے پیچھے پیچھے چلنا اور جو ان کی برائی کرے یا تکلیف پہنچائیں تو اس کی ان سے مدافعت کرنا اور نشست و برخاست میں ان کی عزت کرنا اور ان کے حق میں مغفرت کی دعا کرنا، واللہ اعلم۔

شہروں کی سیاست سے متعلق چند ابواب

واضح ہو کہ مسلمانوں کی جماعت کے اندر چند مصالح کی وجہ سے ایک خلیفہ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ مصالح بغیر اس کے پورے نہیں ہو سکتے اگر چہ وہ مصلحتیں بے شمار ہیں لیکن وہ دو قسموں میں منحصر ہیں ان میں سے ایک وہ مصالح ہیں جو سیاست شہر سے متعلق ہیں یعنی ان لشکروں سے مدافعت کرنا جو ان کو مغلوب اور مقہور کرنے آتے ہیں اور ظالم کو مظلوم سے روکنا اور مقدمات کا فیصلہ کرنا وغیر ذالک اور ان حوائج کی ہم پہلے تشریح کر چکے ہیں اور دوسری قسم وہ مصالح ہیں جو ملت

کی اصلاح سے متعلق ہیں اور اس کا بیان یہ ہے کہ دین اسلام کا تمام ادیان پر غالب ہونا اس کے بغیر متصور نہیں ہوسکتا کہ مسلمان کے اندر کوئی خلیفہ ہو جو اس شخص کو سختی سے روکے جو ملت سے نکلے اور اس چیز کا ارتکاب کرے جس کی حرمت پر نص وارد ہے یا اس چیز کو ترک کرے جس کی فرضیت نص سے ثابت ہے اور وہ باقی تمام ادیان کے لوگوں کو مطیع کرے اور ان سے جزیہ وصول کرے اس حال میں کہ ان سب پر دباؤ ہو ورنہ وہ مرتبہ میں مساوی معلوم ہوں گے، اور ایک فریق کا دوسرے پر غلبہ ظاہر نہ ہوگا اور کوئی شخص ان کو ان کی سرکشی سے روکنے والا نہ ہوگا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ان حوائج کو چار باب کے اندر جمع کر دیا ہے: باب مظالم، باب حدود، باب قضا، باب جہاد، پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ ان ابواب کے کلیات کا انضباط کیا جائے اور ان کی جزئیات کو خلفا کی رائے پر چھوڑ دیا جائے اور ان کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحت کی جائے اور اس کے کئی اسباب ہیں، ازآں جملہ یہ ہے کہ بسا اوقات جو شخص خلیفہ بنتا ہے وہ جابر اور ظالم اور اپنی خواہش نفسانی کا تابع ہوتا ہے اور اتباع حق نہیں کرتا پس وہ لوگوں کے اندر فساد ڈالتا ہے اور اس کا یہ فساد اس مصلحت سے بدرجہا بڑھ کر ہوتا ہے جس کی اس سے امید کی جاتی ہے اور وہ خلیفہ اپنے افعال میں یہ حجت پیش کرتا ہے کہ وہ حق کی اتباع کر رہا ہے اور اس نے اس بات میں مصلحت سمجھی ہے پس اس واسطے ایسے کلیات کا ہونا ضروری ہے کہ جو شخص ان کی مخالفت کرے اس کو روکا جائے اور ان کلیات کے ذریعہ اس سے مواخذہ کیا جائے اور اس کے خلاف ان کا احتجاج ان کلیات کی طرف رجوع کرے۔

اور ازآں جملہ یہ ہے کہ خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کے سامنے ظالم کے ظلم کو ثابت کرے اور نیز یہ سزا حاجت سے زیادہ نہیں ہے اور قضایا کے فیصلوں میں یہ ثابت کرے کہ اس نے انصاف سے فیصلہ کیا ہے اگر یہ بات نہ ہوگی تو لوگ اس کی خلافت میں اختلاف کریں گے اور جس کو ضرر پہنچا ہے اس کے اور اس کے اقارب کے دل میں خلیفہ کی طرف سے غصہ اور جوش پیدا ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ غدر کے منتظر رہیں گے اور ان کے دلوں میں خلیفہ کی طرف سے بغض پیدا ہو جائے گا اور اپنے آپ کو حق پر سمجھیں گے اور یہ بڑا فساد ہے، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سیاست مدنیہ میں حق کیا ہوتا ہے پس وہ اجتہاد کرتے ہیں اور غلطی

کر کے حق کے راستہ سے دائیں بائیں پھر جاتے ہیں پس بعض آدمی ایسا سخت اور شدید ہوتا ہے کہ بڑی سخت سزا کو بھی ہلکا سمجھتا ہے اور بعض آدمی ایسا نرم دل ہوتا ہے کہ تھوڑی سزا کو بھی بہت سمجھتا ہے اور بعض ایسے کانوں کے کچے ہوتے ہیں کہ مدعی نے جو کچھ کہہ دیا اسی کو حق سمجھتے ہیں اور بعض ایسے سخت اور ضدی ہوتے ہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں کی نسبت بدگمانی کرتے ہیں، اور ہر بات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ بہ منزلہ تکلیف بالمحال کے ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ اصول کا انضباط کیا جائے کیونکہ لوگوں کا فروع میں اختلاف کرنا اصول میں اختلاف کرنے سے سہل تر ہے۔

اور از آں جملہ یہ ہے کہ قوانین جبکہ شرع سے پیدا ہوتے ہیں تو تقرب الٰہی کے پیدا کرنے میں اور زبان بن کر قوم کے اندر ذکر حق کرنے میں وہ بہ منزلہ نماز اور روزہ کے ہوتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ جو لوگ قوت شہوانیہ یا سبعیہ کے تابع ہوتے ہیں تمام اختیارات ان کے سپرد کر دینا ناممکن ہوتا ہے اور خلفا کے اندر عصمت اور ظلم کو معلوم کرنا بھی ناممکن ہے اور تشریع اور ضبط مقادیر میں جن مصلحتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ تمام یہاں موجود ہیں، واللہ اعلم۔

خلافت کا بیان

واضح ہو کہ خلیفہ کے اندر عاقل بالغ آزاد مرد شجاع، صاحب رائے، سننے والا اور دیکھنے والا اور گویا ہونا شرط ہے اور اس کا ایسا شخص ہونا شرط ہے کہ لوگ اس کی اور اس کے نسب کی شرافت کو تسلیم کرتے ہوں اور اس کی فرمانبرداری سے عار نہ کرتے ہوں اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ سیاست مدنیہ میں حق کا اتباع کریگا یہ سب باتیں ایسی ہیں جن پر عقل دلالت کرتی ہے اور باوجود ملکوں کے اور دنیوی کے اختلاف کے تمام بنی آدم کا خلیفہ کے اندر ان تمام باتوں کی شرط ہونے کا اتفاق ہے اس لئے کہ سب لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ خلیفہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان امور کے تمام نہیں ہوسکتی اور ان امور میں سے جب کبھی کوئی امر رہ گیا ہے تو انھوں نے اس کو نامناسب خیال کیا ہے اور اس کا خلیفہ ہونا ان کے دلوں کو ناگوار گزرا ہے اور غصہ کی حالت میں بظاہر سکوت کیا ہے، چنانچہ جب اہل فارس نے ایک عورت کو اپنا بادشاہ بنایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس قوم نے عورت کو اپنے اوپر حاکم بنایا اس کو ہرگز فلاح نہ ہوگی'' اور ملت مصطفویہ نے نبی کے خلیفہ ہونے میں ان امور کے علاوہ اور باتیں بھی معتبر ہیں۔

از اں جملہ اسلام اور علم اور عدالت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دینی مصالح بغیر ان امور کے تمام نہیں ہوتے اور اس پر مسلمانوں کا اجتماع ہے اور اس امر میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان سے خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں حاکم بنادے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا'' الی قولہ تعالیٰ ''فاولئک ہم الفاسقون''۔

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ وہ قریشی ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''امام قریش میں سے ہونا چاہئے اور اس کا سبب یہ ہے کہ حق جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ظاہر کیا ہے وہ قریش کی زبان میں اور ان کی عادت کے موافق نازل ہوا ہے اور مقادیر اور حدود میں سے اکثر کی تعیین ان ہی چیزوں کے ساتھ کی گئی ہے جو ان میں موجود تھیں اور بہت سے احکام انہیں ہی کے معاملات کے متعلق نازل ہوئے ہیں پس سب سے زیادہ وہی ان احکام کو قائم کرنے والے اور ان سے دلیل پکڑنے والے ہیں اور نیز قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم اور آپ کا گروہ ہیں اور ان کا فخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے بلند ہونے کے سوا اور کسی چیز میں نہیں ہے اور ان میں غیرت دینی اور غیرت نسبی دونوں پائی جاتی ہیں پس وہی لوگ شرائع کے قائم کرنے اور ان سے استدلال کرنے کے قابل ہیں اور نیز خلیفہ ایسا شخص ہونا چاہئے کہ اس کی جلالت نسب اور حسب کی وجہ سے اس کی فرمانبرداری سے لوگ عار نہ کریں کیونکہ جس شخص کا نسب عمدہ نہیں ہوتا تو لوگ اس کو ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں اور نیز خلیفہ ان لوگوں میں سے ہونا چاہئے جن میں ریاست اور شرافت ہو اور اس کی قوم لوگوں کے مجمع اور جنگ کے میدان دیکھے ہوئے ہو اور نیز اس کی قوم کے لوگ قوی ہوں جو اس کی حمایت اور مدد کر سکیں اور اس کی خاطر جان دے سکیں، اور یہ سب امور بجز قریش کے کسی قوم کے اندر مجتمع نہیں تھے خاص کر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ کی وجہ سے قریش کی عزت اور شوکت زیادہ ہو گئی اور اسی بات کی طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا تھا اور فرمایا تھا ''خلافت کا امر سوائے قریش کے ہرگز کسی کے لئے نہیں معلوم ہوتا وہ تمام عرب میں باعتبار وطن کے اوسط ہیں''۔

اور خلیفہ کا ہاشمی ہونا دو وجہ سے شرط نہیں کیا گیا ایک تو یہ کہ لوگوں کو اس سے شک واقع نہ ہو اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ نبی کو اپنے گھرانے کی بادشاہت مقصود ہے جس طرح کہ اور بادشاہوں کو ہوتی ہے اور یہ بات ان کی ارتداد کا سبب بن جائے اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبد المطلب ؓ کو خانہ کعبہ کی کنجی عطا نہیں فرمائی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خلافت کے اندر نہایت ضروری امر خلیفہ سے لوگوں کا راضی ہونا اور اس پر ان کا متفق ہونا اور خلیفہ کے ساتھ ان کا توقیر سے پیش آنا اور خلیفہ کا حدود قائم کرنا اور ملت کے لئے قتال کرنا اور احکام نافذ کرنا ہے اور ان سب امور کا جمع ہونا کسی کسی شخص میں ہوتا ہے اور اس بات کے شرط کرنے میں کہ خلیفہ خاص

قبیلہ کا ہو لوگوں کے لئے باعث دقت اور حرج ہے کیونکہ بسا اوقات اس قبیلہ میں ایسا شخص نہیں ہوتا جس کے اندر یہ تمام شرائط مجتمع ہوں بلکہ دوسرے قبیلہ میں ایسا شخص موجود ہوتا ہے اور اسی وجہ سے فقہا نے کہا ہے کہ مسلم فیہ کا چھوٹی بستی سے ہونے کو شرط ٹھیرانا درست نہیں ہے بلکہ انھوں نے اس کا بڑی بستی سے ہونا جائز قرار دیا ہے۔

اور خلافت چند طرح سے منعقد ہوتی ہے ایک تو ان لوگوں کے بیعت کر لینے سے جو حل وعقد کے مالک ہیں جیسے علما اور رؤسا اور وہ امراء لشکر جو صاحب الرائے اور قوم کے خیر خواہ ہوں جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی تھی اور ایک صورت یہ ہے کہ خود خلیفہ وصیت کرے کہ فلاں شخص کو خلیفہ بناؤ۔ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی تھی اور ایک صورت یہ ہے کہ کسی خاص شخص کے لئے قوم کے اندر مشورہ ہو جس طرح حضرت عثمان بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انعقاد ہوا، اور ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص جس میں یہ شرائط پائی جائیں لوگوں پر قادر اور مسلط ہو جائے جس طرح خلافت نبوت کے بعد اور خلفا کی خلافت ہے۔

پھر اگر کوئی ایسا شخص جو ان اوصاف کا جامع نہ ہو لوگوں پر غلبہ حاصل کر لے تو اس کی مخالفت پر فوراً کمر بستہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کو معزول کرنا غالباً لڑائیوں اور جھگڑوں کے بغیر ممکن نہیں ہے اور اس میں جس قدر فساد ہے اس مصلحت سے بڑھ کر ہے جو خلافت سے مقصود ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا، کیا ہم ایسے برے بادشاہوں سے نہ لڑیں؟ تو آپ نے فرمایا ‘‘نہیں، جب تک وہ تمہارے اندر نماز کو قائم رکھیں’’ اور فرمایا ‘‘مگر جب کہ تم ان سے کفر ظاہر دیکھو کہ جس پر تمہارے پاس خدا کی طرف سے کوئی برہان ہو’’۔

اور حاصل کلام یہ ہے کہ خلیفہ جب ضروریات دین میں سے کسی ضروری حکم کا منکر ہو کر کافر ہو جائے تو اس کے ساتھ قتال کرنا درست بلکہ واجب ہے ورنہ نہیں، کیونکہ بوقت کفر وہ مصلحت جو اس کے خلیفہ بنانے سے مقصود تھی وہ فوت ہوگئی بلکہ لوگوں کے اندر اس کے فساد پھیلانے کا اندیشہ ہے پس اس کے ساتھ قتال کرنا خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ‘‘ماننا اور اس کی اطاعت کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ بات اس کو بری لگے یا بھلی جب تک کہ خلیفہ گناہ کا حکم نہ دے پس جب وہ گناہ کا حکم دے تو اس وقت نہ ماننا ہے اور نہ طاعت کرنا ہے’’

میں کہتا ہوں جبکہ امام دونوں قسم کی مصلحتوں کے لئے جن سے دین اور ملک کا انتظام ہوتا ہے مقرر کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں دونوں مصلحتوں کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور امام آپ کا نائب اور آپ کے حکم کو نافذ کرنے والا ہے تو اس کی فرمانبرداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور اس کی نافرمانی آپ کی نافرمانی ہے مگر جب امام گناہ کا حکم دے تو اس وقت یہ معلوم ہوگا کہ اس کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں ہے اور وہ شخص آپ کا نائب نہیں ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی‘‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’امام ایک سپر ہے جس کی پناہ لیکر قتال کیا جاتا ہے اور جس کے سبب سے لوگوں کو بچاؤ ہوتا ہے پھر اگر امام خدا تعالیٰ کے خوف و ہدایت کا حکم کرے تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اگر اس کے علاوہ کچھ اور کہے تو اس کا وبال اسی پر ہوگا‘‘۔

میں کہتا ہوں امام کو بہ منزلہ سپر کے اس لئے فرمایا کہ امام کے سبب سے سب مسلمان ایک زبان ہو جاتے ہیں اور ان پر کوئی مصیبت نہیں آسکتی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو شخص اپنے امیر سے کوئی ناپسند بات دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہو کر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا‘‘۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت سے جو امتیاز ہے تو انہیں دونوں مصلحتوں کے قائم کرنے کے سبب سے ہے اور ان دونوں مصلحتوں کے قائم کرنے میں خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے پس جب کسی شخص نے ان مصلحتوں کے نافذ کرنے والے اور ان کے قائم کرنے والے سے مخالفت کی تو وہ جاہلیت کے مشابہ ہوگیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جس بندہ کو اللہ تعالیٰ نے کسی رعیت کا مالک بنائے اور خیر خواہی کے ساتھ وہ اس کی حفاظت نہ کرے تو وہ جنت کی بو بھی نہ پائے گا‘‘۔

میں کہتا ہوں چونکہ خلیفہ کا مقرر کرنا مصلحتوں کے قائم کرنے کے لئے تھا اس واسطے ضروری ہوا کہ خلیفہ کو ان مصالح کے قائم کرنے کا حکم بتاکید دیا جائے جس طرح لوگوں کو اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تاکہ جانبین سے مصلحتیں پوری ہو جائیں، پھر چونکہ امام تنہا صدقات اور عشور کو

وصول نہیں کر سکتا اور نہ تمام اطراف کے مقدمات فیصل کر سکتا ہے اس واسطے عمال اور قاضیوں کا مقرر کرنا ضروری ہوا اور چونکہ وہ سب کام ترک کر کے مصالح عامہ میں سے ایک کام میں مشغول ہو گئے اس واسطے بیت المال میں ان کے مصارف کا مقرر کرنا ضروری ہوا چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''تحقیق میری قوم جانتی ہے کہ میری تجارت میرے گھر والوں کے لئے کچھ کم نہ تھی اور اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوں پس ابوبکر کا کنبہ بیت المال سے کھائے گا اور وہ مسلمانوں کے لئے محنت کرے گا، پھر ضروری ہوا کہ عامل کو نرمی کرنے کا حکم دیا جائے اور خیانت اور رشوت سے اس کو منع کیا جائے اور لوگوں کو اس کی اطاعت کا حکم دیا جائے تا کہ مصلحت مقصودہ پوری پوری پائی جائے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بعض لوگ خدا تعالیٰ کے مال میں بغیر حق کے تصرف کرتے ہیں پس قیامت کے روز ان کے لئے آگ ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کو ہم کسی کام پر مقرر کریں اور اس کو تنخواہ بھی دیں پھر اس کے بعد جو کچھ لے گا تو وہ خیانت ہے'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور لینے والے پر لعنت کی ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ رشوت کا لینا اور دینا مصلحت مقصودہ کے منافی ہے اور اس سے فساد کا دروازہ کھلتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہم اس شخص کو عامل مقرر نہ کریں گے جو خود عامل بننا چاہے''۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ عامل بننے کی طلب اکثر خواہش نفسانی سے خالی نہیں ہوتی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تمہارے پاس کوئی عامل آئے تو مناسب ہے کہ وہ تم سے خوش ہو کر واپس جائے'' پھر یہ ضروری ہوا کہ عمال کو ان کے عمل کے بدلہ میں جو کچھ دیا جائے اس کا اندازہ معین کیا جائے تا کہ امام کمی و زیادتی نہ کرے اور نہ خود عامل اس میں کچھ زیادتی کر سکے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص ہمارا عامل ہو تو اس کو چاہئے کہ اگر بیوی نہیں ہے تو بیوی کر لے پھر اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو خادم بھی مقرر کر لے اور اگر گھر نہ ہو تو گھر بھی لے لے''۔

پس جب امام عامل کو سال بھر کے صدقات وصول کرنے کو بھیجے تو اس کو چاہئے کہ اس کیلئے اس قدر مقرر کر دے جو اس کے اخراجات کو کافی ہو کر دیگر حوائج ضروریہ کیلئے بھی بچ رہے کیونکہ زیادہ کوئی حد نہیں ہے اور بغیر کسی قدر زائد کے عامل مشقت کو گوارا نہ کرے گا اور نہ اس کی طرف توجہ کریگا۔

مظالم کا بیان

واضح ہو کہ جن مقاصد کے لئے انبیا علیہم السلام بھیجے گئے ہیں ان میں سے سب سے بڑا مقصد لوگوں کے باہمی جور وظلم کا دور کرنا ہے کیونکہ ان کا باہم ایک دوسرے پر ظلم کرنا ان کی حالت کو خراب کرتا ہے اور ان پر بڑی تنگی پیدا کرتا ہے جس کی تشریح کی ضرورت نہیں اور مظالم کی تین قسمیں ہیں ایک جان پر تعدی کرنا دوسرے لوگوں کو اعضا پر تعدی کرنا تیسرے لوگوں کے مالوں پر تعدی کرنا، پس حکمت الٰہی کا مقتضی ہوا کہ ان اقسام میں سے ہر قسم کو ایسی سخت سزاؤں سے بند کیا جائے جو لوگوں کو دوبارہ ان کے ارتکاب سے باز رکھیں اور یہ مناسب نہیں تھا کہ سب سزائیں ایک ہی مرتبہ کی ہوں اس لئے کہ قتل کرنا ہاتھ پاؤں کاٹنے کے برابر نہیں ہوسکتا اور نہ ہاتھ پاؤں کاٹنا تلف مال کے برابر ہوسکتا ہے اور یہ کہ جن خواہشات سے یہ مظالم سرزد ہوتے ہیں ان کے مراتب بھی مختلف ہوں اس واسطے کہ یہ بدیہی بات ہے کہ عمداً قتل کرنا ایسا نہیں ہے جیسے تساہل جو خطا کا سبب ہوتا ہے پس سب سے بڑا ظلم قتل ہے اور وہ سب گناہوں میں بڑھ کر گناہ ہے تمام اہل مذاہب کا اس پر اتفاق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر خواہش غضب میں نفس کی اطاعت کرنا ہے اور وہ لوگوں میں فساد پھیلانے کی سب سے بڑھ کر صورت ہے اور اس میں مخلوق الٰہی کا تغیر اور بنیاد الٰہی کا منہدم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو نوع انسانی کا پھیلانا چاہا ہے اس کے بھی یہ برخلاف ہے اور قتل کی تین قسمیں ہیں: عمد اور خطا اور مشابہ عمد، پس قتل عمد اس قتل کا نام ہے جس میں کسی وزنی وزخمی کرنے والے آلہ سے روح کا نکالنا مقصود ہو، اور قتل خطا اس قتل کا نام ہے جس میں انسان کا مارنا مقصود نہیں ہوتا مگر وہ اس کو لگ جائے اور اس کو قتل کر دے مثلاً کوئی

شخص کسی پر گر پڑے اور وہ مر جائے یا کسی درخت کی طرف تیر چلائے اور کسی آدمی کے لگ جائے اور وہ مر جائے اور مشابہ عمد کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی چیز سے مارے جو غالبًا ہلاک نہیں کرتی مگر وہ شخص اس سے ہلاک ہو جائے جیسے کوئی شخص کسی کو کوڑے یا لکڑی سے مارے اور وہ مر جائے اور قتل کی تین قسمیں اس لئے قرار پائیں کہ ہم پیشتر اشارہ کر چکے ہیں کہ سزا اسی قدر ہونی چاہئے جو داعیہ نفس اور مفسدہ کے مقابل ہو اور داعیہ اور مفسدہ کے چند مراتب ہیں پس چونکہ قتل عمد میں بڑا فساد اور سخت داعیہ تھا اس واسطے اس میں سخت سزا دینا ضروری ہوا تاکہ پورے طور پر اس کا ارتکاب سے رد کرے، اور چونکہ قتل خطا میں کم فساد اور کم داعیہ تھا اس واسطے اس کی سزا میں بھی تخفیف ضروری ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل عمد اور قتل خطا کے درمیان ایک اور مرتبہ کا استنباط کیا ہے کیونکہ اس کو دونوں سے مناسبت ہے اور ان دونوں کے درمیان واسطہ ہے پس ان دونوں میں سے کسی میں اس کا داخل ہونا مناسب نہیں ہے پس قتل عمد کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے ’’جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کر ڈالے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا تعالیٰ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے‘‘۔ اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ اس قاتل کی کبھی مغفرت نہ ہوگی اور حضرت ابن عباسؓ کا یہی مذہب ہے لیکن جمہور اور ظاہر سنت اس طرف ہیں کہ یہ گناہ بھی اور گناہوں جیسا ہے اور یہ تشدیدات زجر کے طور پر ہیں اور جہنم میں اس کے مدت دراز تک رہنے کو خلود کے ساتھ مشابہت ہے اور اس کے کفارہ میں اختلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قتل عمد کے مسئلہ کفارہ کی تصریح نہیں فرمائی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’اے ایمان والو! مقتولین کے بارے میں تم پر قصاص لکھا گیا ہے حر کے بدلہ میں حر غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت‘‘ الایہ۔

یہ آیت عرب کے قبائل میں سے دو قبیلوں کے باب میں نازل ہوئی ہے کہ ان میں سے ایک بہ نسبت دوسرے کے زیادہ شریف تھا پس کم مرتبہ قبیلہ کے لوگوں نے اشرف قبیلہ کے کچھ لوگوں کو مار ڈالا تو اشرف قبیلہ نے کہا کہ ہم غلام کے عوض میں حر کو اور عورت کے عوض میں مرد کو قتل کریں گے اور اپنے زخمیوں کے بدلہ میں دو چند زخمی کریں گے اور آیت کے معنی اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، یہ ہیں کہ مقتولین کے اندر صفات خاصہ مثلاً عقل، جمال، صغر اور کبر اور اس کا شریف یا

مالدار ہونے کا کچھ اعتبار نہیں ہے بلکہ نام اور مظان کلیہ کا اعتبار ہے پس ہر عورت دوسری عورت کے برابر ہے اور اسی لئے سب عورتوں کی دیت برابر ہے اگرچہ اوصاف مختلف ہوں اور اسی طرح ہر حر دوسرے حر کا مثل اور ہر غلام دوسرے غلام کا مثل ہے پس قصاص کے معنی برابری اور اس بات کے ہیں کہ دو شخص ایک درجہ کے حکم میں سمجھے جائیں اور کسی کو دوسرے پر فضیلت نہ دی جائے نہ کہ قتل اس جگہ ضروری ہو، پھر سنت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمان کافر کے بدلہ نہ قتل کیا جائے اور حر غلام کے بدلہ نہ قتل کیا جائے اور مرد عورت کے بدلہ قتل کیا جائے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی کے بدلہ ایک یہودی کو قتل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط میں جو ہمدان کے حکام کے نائبوں کو روانہ کیا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ عورت کے بدلہ مرد قتل کیا جائے۔

اور اس کا راز یہ ہے کہ اس امر میں قیاس مختلف ہے پس مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور ان پر حاکم ہونے کا تو یہ مقتضی ہے کہ عورتوں کے بدلہ مردوں سے قصاص نہ لیا جائے اور دونوں کی جنس ایک ہی ہے اور جو کچھ فرق ہے وہ صغیر و کبیر اور قوی الجثہ اور ضعیف ہونے میں ہے اور ان کی رعایت کرنا نہایت مشکل ہے، اور بہت سی عورتیں خوبیوں میں مردوں سے زیادہ ہوتی ہیں ان امور کا مقتضیٰ یہ ہے کہ عورتوں کے بدلہ ان سے قصاص لیا جائے پس ضروری ہوا کہ دونوں قیاسوں پر عمل کیا جائے اور ان دونوں پر عمل کرنے کی صورت یہ ہے کہ قتل میں قصاص کا اعتبار کیا جائے اور دیت میں نہ کیا جائے اور یہ اس لئے کیا گیا کہ عمداً قتل کرنے والے نے اس کی جان کا قصد کیا اور اس پر ظلم کا ارادہ کیا اور جو شخص قصداً ظلم کرنے والا ہو تو جہاں تک ممکن ہو اس کو خوب دفع کیا جائے کیونکہ عورت صاحب شوکت نہیں ہوتی اور نہ اس کے قتل کرنے میں کوئی دقت پیش آتی ہے بخلاف مردوں کے قتل کرنے میں، کیونکہ ایک مرد دوسرے کا مقابلہ کرتا ہے اس واسطے یہ صورت قصاص واجب کرنے کے لئے زیادہ مناسب ہوئی تاکہ وہ اس کو دوبارہ ایسی حرکت کرنے سے روکے اور باز رکھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کافر (۱) کے بدلہ مسلمان نہ قتل کیا جائے گا''

میں کہتا ہوں اس میں حکمت یہ ہے کہ شریعت میں مقصود اعظم ملت حنفیہ کی تعظیم ہے اور وہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کہ مسلمان کو کافر پر فضیلت دی جائے اور ان میں باہم برابری نہ کی

---

(۱) کافر سے مراد حربی ہے نہ کہ ذمی کیونکہ اہل ذمہ تمام دنیاوی حقوق میں مسلمانوں کے برابر ہیں۔

جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بیٹے کے عوض میں باپ کو نہ قتل کیا جائے“۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ والد کی شفقت اور محبت اولاد پر بہت زیادہ ہوتی ہے پس والد کے قتل پر اقدام کرنے میں اس بات کا ظن غالب ہے کہ اس نے قتل کرنے کا قصد نہیں کیا اگرچہ قصد کرنے کی علامات پائی جائیں یا وہ قتل ایسے سبب سے ہوا ہے جس نے قتل کو مباح کر دیا اور جس طرح ایسے ہتھیار کا استعمال جو غالباً قتل نہیں کرتا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قاتل نے جان سے مار ڈالنے کا قصد نہیں کیا تھا والد کا قتل کرنا بھی اس بات پر اس سے کم دلالت نہیں کرتا، اور قتل مشابہ عمد کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص کسی فساد میں مارا جائے جس میں پتھر پھینکے جائیں یا کوڑے بازی ہو یا لٹھ چلیں تو وہ قتل خطا ہے اور اس کی دیت وہی ہے جو قتل خطا میں ہوتی ہے“۔

میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ خطا کے مشابہ ہے اور وہ قتل عمد نہیں ہے اور اس کی دیت اصل میں خطا کی دیت کے برابر ہے اور فرق صرف صفت کے اعتبار سے ہے یا یہ معنی ہیں کہ قتل خطا اور اس میں سونا و چاندی کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں اور دیت مغلظہ میں روایتیں مختلف ہیں پس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ دیت مغلظہ میں چار قسم کے اونٹ دیئے جائیں پچیس اونٹ کے ایک سالہ بچے اور پچیس دو سالہ اور پچیس سہ سالہ اور پچیس چہار سالہ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ”اس قتل عمد خطا میں جو کوڑے یا لاٹھی سے واقع ہو جائے سو اونٹ دیت ہیں جن میں سے چالیس حاملہ اونٹنیاں ہیں“ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تیس دو سالہ اور تیس سہ سالہ اور چالیس حاملہ اونٹنیاں دی جائیں اور جس کمی و بیشی پر وہ مصالحت کرلیں وہ ان کو ملنا چاہئے“ لیکن قتل خطا کی دیت میں تخفیف ہے اور اس میں پانچ قسم کے اونٹ دینے کے لئے آئے، بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقہ اور بیس جذعہ، اور ان دونوں قسموں میں عاقلہ یعنی محلہ والوں پر تین سال کے اندر اندر دیت کا ادا کرنا واجب ہے اور چونکہ ان اقسام کے مراتب مختلف تھے اس واسطے کئی وجہ سے تخفیف اور تغلیظ کا قتل کے اندر لحاظ رکھا گیا۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ قاتل کو مار ڈالنے کا حکم صرف قتل عمد میں دیا گیا اور باقی دو قسموں میں دیت کا حکم دیا گیا اور یہود کی شریعت میں سوائے قصاص کے کوئی اور حکم نہ تھا پس خدا تعالیٰ نے اس

امت پر تخفیف کی اور قتل عمد کی سزا دو باتوں میں سے ایک مقرر کی قتل یا مال، کیونکہ بسا اوقات مقتول کے ورثا کو انتقام لینے سے مال میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور نیز اس میں ایک مسلمان کی جان بچتی ہے۔ اور از آں جملہ یہ ہے کہ قتل عمد میں قاتل سے دیت لی جاتی ہے اور اس کے علاوہ دونوں قسموں میں عاقلہ (۱) سے دیت لی جاتی ہے تاکہ اس میں سخت ممانعت پائی جائے اور قاتل کو پوری سرزنش ہو جس سے خوب اس کے مال کو صدمہ پہنچے۔

اور قتل غیر عمد میں عاقلہ یعنی محلّہ والوں سے اس لئے دیت لی جاتی ہے کہ کسی کا خون کرنا نہایت فساد عظیم ہے اور مصیبت زدوں کے قلوب کی تسلی شریعت کو مقصود ہے اور ایسی بڑی بات میں قاتل سے تساہل کرنا گناہ عظیم ہے جس پر اس سے مواخذہ ہونا ضروری ہے پھر جبکہ اہل قرابت پر صلہ رحمی واجب تھی تو حکمت کا مقتضی یہ ہوا کہ اس میں سے کچھ ان پر بھی واجب کیا جائے خواہ وہ خوش ہو کر دیں یا ناخوش ہو کر، اور یہ بات دو وجہ سے متعین ہوئی ایک تو یہ کہ خطا اگرچہ تساہل کی وجہ سے قابل مواخذہ ہے لیکن اس میں انتہا درجہ کا مبالغہ بھی نہ کرنا چاہئے پس لوگوں پر ان کے ذی رحم کی طرف سے جو چیز واجب کی جائے وہ ایسی چیز ہونی چاہئے جس میں اس پر تخفیف ضروری ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ تنگی کے وقت جان و مال سے اپنے آدمی کی مدد کیا کرتے تھے اور اس کو وہ صلہ واجب اور حق موکد سمجھتے تھے اور اسکے ترک کو بڑی نافرمانی اور قطع رحم خیال کرتے تھے پس ان کی اس عادت کا یہ مقتضی ہوا کہ یہ امر ان کے لئے مقرر کیا جائے۔

اور از اں جملہ یہ ہے کہ قتل عمد کی دیت کو مُعجّل قرار دیا کہ ایک سال میں ادا کیا جائے اور غیر عمد کی دیت میں مہلت دی کہ تین برس میں ادا کرے تاکہ اس میں ایک قسم کی تخفیف پائی جائے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور دیت میں اصل یہ ہے کہ اس میں بہت سا مال واجب ہونا چاہئے جو لوگوں پر گراں ہو اور ان کے مال میں کمی ڈالے اور لوگوں کے نزدیک اس کی قدر ہو اور وہ مال اتنا ہو کہ محنت برداشت کر کے اس کو ادا کر سکیں تاکہ زجر کے معنی حاصل ہوں اور یہ مقدار ہر شخص کے اعتبار سے جداگانہ ہے۔

---

(۱) جس علاقہ میں مقتول ملا ہے، اس علاقے کے لوگوں سے بھی دیت لی جائے گی، تاکہ آئندہ سے چوکنا رہیں اور اس قسم کا حادثہ پیش نہ آئے۔

اور اہل جاہلیت نے دیت کے اندازہ میں دس اونٹ مقرر کیئے تھے پس جب عبدالمطلب نے یہ دیکھا کہ لوگ اتنا مال ادا کرنے پر بھی قتل سے باز نہیں آتے تو انھوں نے دیت میں سو اونٹ مقرر کر دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو برقرار رکھا کیونکہ اس زمانہ میں اہل عرب کے پاس اونٹ ہی تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ آپ کی شریعت تمام عرب اور عجم بلکہ تمام دنیا پر لازم ہوگی اور سب کے پاس اونٹ نہیں ہوتے اس واسطے آپ نے سونے سے ہزار دینار اور چاندی سے بارہ ہزار درہم دیت میں مقرر فرمائے اور گائے بیل میں سے دو سو اور بکریوں میں سے دو ہزار دیت میں مقرر فرمائے اور اس کا سبب یہ ہے کہ تین سال کے اندر سو مردوں پر اگر ہزار دینار تقسیم کیئے جائیں تو ایک سال میں فی آدمی تین دینار سے کچھ زیادہ ہوتے ہیں اور دراہم سے تیس درہم اور کچھ زائد ہوتا ہے اور یہ اتنی مقدار ہے کہ اس سے کم کے ادا کرنے میں لوگوں کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور قبائل مختلف ہوتے ہیں کوئی قبیلہ بڑا ہوتا ہے اور کوئی چھوٹا ہوتا ہے اور چھوٹے کا اندازہ پچاس آدمیوں سے کیا گیا ہے کیونکہ کم از کم اتنے آدمیوں سے گاؤں آباد ہوتا ہے اور اسی لئے قسامت میں پچاس قسمیں مقرر ہوئیں جو پچاس شخصوں سے لی جاتی ہیں اور بڑے قبیلہ میں ان سے دو چند ہوتے ہیں اس واسطے دیت میں سو اونٹ مقرر کیئے گئے تا کہ ہر آدمی ایک اونٹ یا دو اونٹ یا ایک سے کچھ زیادہ اکثر قبائل میں اگر وہ مساوی الحال ہوں ادا کریں اور جو احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جب اونٹ گراں ہوتے تھے تو آپ دیت میں کمی فرماتے تھے اور اگر وہ سستے ہوتے تھے تو آپ دیت میں زیادتی کرتے تھے۔

میرے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد انہیں لوگوں کے ساتھ خاص تھا جہاں اونٹوں کی پیداوار ہوتی تھی اور اگر تم اکثر شہروں کی تحقیق کرو گے تو لوگوں کی قسموں میں بعض کو سوداگر اور مالدار پاؤ گے اور یہ لوگ شہری ہوتے ہیں، اور بعض کو مویشی چرانے والے پاؤ گے اور وہ دیہاتی ہوتے ہیں اور اکثر لوگوں کا حال اس سے خالی نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”جو شخص خطا مومن کو قتل کر ڈالے تو اس کو ایک غلام مومن آزاد کرنا چاہیئے“ الا یہ۔

میں کہتا ہوں کفارہ میں مسلمان غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اس لئے واجب ہوا تا کہ قاتل کا وہ گناہ جو اس کے اور خدا کے درمیان ہے مٹ جائے کیونکہ دیت ایک سزا ہے جس

میں لوگوں کو ندامت ہوتی ہے اس طور سے کہ اس پر لوگوں کو تنگی ہوتی ہے اور کفارہ سے بندہ اور خدا تعالیٰ کے مابین گناہ دور ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو مسلمان شخص اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں تو اس کا خون کرنا بغیر ان تین باتوں میں سے ایک کے حلال نہیں ہے یا وہ کسی کو قتل کرے یا نکاح کرنے کے بعد پھر کسی سے زنا کرے یا دین سے برگشتہ ہو کر جماعت اسلام کو ترک کرے۔

میں کہتا ہوں تمام مذاہب میں یہ قاعدہ متفق علیہ ہے کہ قتل اسی مصلحت کلیہ کے سبب سے جائز ہوتا ہے جو بدون قتل کے حاصل نہیں ہوتی اور اس مصلحت کا ترک کرنا قتل سے بھی زیادہ فساد کا سبب ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے'' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم احکام اور حدود قائم کرنے کے لئے آمادہ ہوئے تو ضروری ہوا کہ اس مصلحت کلیہ کا جو قتل کو جائز کر دیتی ہے انضباط کریں اور اگر مصلحت کلیہ کا انضباط نہ کیا جاتا اور اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا جاتا تو قتل کرنے والا ایسے شخص کو مصلحت کلیہ سمجھ کر قتل کر دیتا جس کے قتل میں مصلحت کلیہ نہ ہوتی پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں سے اس کا انضباط فرمایا، ایک تو قصاص ہے کیونکہ اس میں سزا اور بے شمار مصلحتیں ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے ''اے عقلمندو! تمہارے لئے قصاص کے اندر زندگی ہے''۔

دوسرے نکاح کرنے کے بعد زنا کرنا ہے کیونکہ تمام مذاہب میں زنا سب سے بڑا گناہ ہے اور وہ جبلت انسانی کا اصلی مقتضیٰ ہے کیونکہ انسان جبکہ اس کا مزاج سالم ہو اس کی خلقت میں اس بات کی غیرت ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس کی بیوی پر مداخلت کرے جیسا کہ تمام بہائم میں ہوتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ انسان کو ان چیزوں کا جاننا ضروری تھا جن سے ان کے درمیان باہمی انتظام درست ہو سکے اس واسطے ان پر یہ بات واجب کی گئی تیسرے مرتد ہے جس نے خدا تعالیٰ اور دین کی بے ادبی کی اور اس مصلحت کی مخالفت کی جو دین کے قائم کرنے اور رسولوں کے بھیجنے میں ملحوظ تھی، اور ان تینوں کے علاوہ وہ ہے جس کی امت قائل ہے جیسے حملہ آور کا قتل کرنا اور اس محارب کا قتل کرنا جس نے ہنوز کسی کو قتل نہیں کیا ان کے نزدیک جو محارب کی سزا میں اختیار کے قائل ہیں

پس ان کا بھی انہیں اصول کی طرف رجوع کرنا ممکن ہے۔

واضح ہو کہ اہل جاہلیت بھی قسامت کے ساتھ حکم کرتے تھے اور سب سے پہلے ابو طالب نے قسامت کا حکم دیا ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اور اس میں بڑی مصلحت تھی اس لئے کہ قتل بسا اوقات ایسے پوشیدہ مقامات اور تاریک راتوں میں ہوتا ہے جہاں اس پر بینہ قائم نہیں ہو سکتا پس اگر ایسے قتل پر باز پرس نہ کی جائے تو لوگ قتل پر جرأت کیا کریں اور عام فساد پھیل جائے گا اور اگر مقتول کے ورثا کا دعویٰ بلا دلیل قبول کر لیا جائے تو لوگ اپنے تمام دشمنوں کا نام لے لیا کریں اس واسطے ضروری ہوا کہ گاؤں کی ایک بڑی جماعت سے قسم لی جائے اور وہ پچاس آدمی ہوں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم کیا اور اس کو برقرار رکھا، اور فقہا کا اس علت میں جس پر قسامت کا مدار ہے اختلاف ہے پس بعض کہتے ہیں کہ کسی مقتول کا جس میں ضرب یا زخم یا گلا گھونٹے کا اثر ہو کسی ایسے مقام میں پایا جانا جو کسی قوم کی حفاظت میں ہو جیسے محلہ اور مسجد اور مکان، اور یہ علت عُبداللہ بن سہل کے قصہ سے ماخوذ ہے کہ انھوں نے ایک مقتول کو خیبر میں خون آلودہ پایا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی علت ایک مقتول کا پایا جانا اور کسی پر قتل کے شبہ کا قائم ہونا خواہ مقتول کے بیان کرنے سے یا کسی ناقص شہادت وغیرہ سے اور یہ اس قسامت کے قصہ سے ماخوذ ہے جس کا ابو طالب نے حکم دیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کافر کا خوں بہا مسلمان کے خوں بہا سے نصف ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جس کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ملت اسلامیہ کی عظمت اور مسلمان کی کافر پر فضیلت ضروری ہے اور نیز کافر کے قتل کرنے سے مسلمانوں کے اندر کم فساد ہوتا ہے اور اس کا گناہ بھی کم تر ہے اس لئے کہ کافر مباح الاصل ہے اور اس کو قتل کرنے سے کفر بھی کچھ کم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کا قتل کرنا گناہ اور خطا اور زمین میں فساد پھیلانا ہے پس مناسب ہوا کہ دیت مقرر ہو اور اس میں تخفیف ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے حمل گروانے کی صورت میں ایک غلام یا باندی کے آزاد کرنے کا حکم دیا تھا۔

واضح ہو کہ جنین میں دو وجہیں پائی جاتی ہیں ایک یہ کہ وہ انسانی نفوس میں سے ایک نفس ہے اور اس کا مقتضیٰ ہے کہ اس کے عوض میں بھی ایک نفس واجب ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اپنی ماں کا

ایک حصہ اور عضو ہے جو بغیر ماں کے قائم نہیں رہ سکتا اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مال کا حکم دینے میں اس کا حال اور زخموں کا سا ہو پس دونوں وجہوں کا لحاظ رکھا گیا اور اس کی دیت ایک مال جو آدمی ہے گردانی گئی اور یہ نہایت انصاف ہے، لیکن انسان کے اعضا پر تعدی کرنا سو اس کا حکم کئی اصول پر مبنی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں سے جو عمداً ہو تو اس میں برابر بدلہ لیا جائے مگر جس صورت میں برابر بدلہ لینے سے ہلاکت کا اندیشہ ہو تو وہ برابر بدلہ لینے سے مانع ہوگا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہ آیت ہے ''جان کے بدلہ جان اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور کان کے بدلہ کان اور ناک کے بدلہ ناک اور دانت کے بدلہ دانت اور زخم برابر ہیں'' پس آنکھ کے بدلہ میں آنکھ گرم آئینہ سے زائل کرنی چاہیئے اور دانت کے بدلہ دانت ریتی سے تراشنا چاہیئے اور اس کو اکھاڑنا نہیں چاہیئے کیونکہ اکھاڑنے میں زیادہ ایذا کا خوف ہے اور زخموں میں جبکہ وہ گہرا زخم ہو بدلہ ہے، زخم کی گہرائی کے بقدر ناپ کر اس کے بدن سے اسی جگہ پر چھری سے زخم کریں اور اگر ہڈی ٹوٹ جائے تو اس میں قصاص نہیں ہے (بلکہ دیت ہے) کیونکہ اس کا بدلہ لینے میں ہلاکت کا خوف ہے،

اور بعض تابعین سے منقول ہے کہ طمانچہ کے بدلہ میں طمانچہ مارا جائے اور چٹکی کے بدلہ میں چٹکی لی جائے اور دوسرے یہ کہ جس چیز میں انسان کے کسی نفع پہنچانے والی قوت کا ازالہ ہو جیسے پکڑنا اور چلنا اور دیکھنا اور سننا اور سمجھنا اور جماع کرنا اور جس کی وجہ سے انسان لوگوں پر بار ہو جائے اور اپنی معاش پر بغیر دوسرے کی مدد کے قادر نہ ہو اور اس کی وجہ سے لوگوں میں اس کو عار لاحق ہوتی ہو اور مثلہ کرنا ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی بناوٹ میں تبدیلی لازم آتی ہے اور تمام عمر تک اس کا اثر جسم پر باقی رہے تو اس میں پوری دیت واجب ہوتی ہے کیونکہ اس میں بڑا ظلم اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑنا اور مثلہ کرنا اور اس کے ساتھ عار کا لاحق کرنا ہوتا ہے اور لوگ ان امور میں مظلوم کی مدد اس طرح سے نہ کرتے تھے جس طرح قتل کے بارے میں اس کی مدد کرتے تھے بلکہ ایسی باتوں کو خود ظالم اور حاکم اور ظالم کی قوم اور مظلوم کی قوم کوئی بڑا امر نہیں سمجھتے تھے اس واسطے ضروری ہوا کہ شارع اس میں تاکید کرے اور اس کی سزا انتہا درجہ کی مقرر کرے اور اس میں اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جو اہل یمن کو نامہ مبارک میں لکھا تھا ''ناک جب جڑ سے کاٹ لی جائے تو اس کے بدلہ میں دیت ہے اور دانتوں میں دیت ہے اور لبوں میں دیت ہے اور بیضوں

میں دیت ہے اور ذکر میں دیت ہے اور پشت میں اور آنکھوں میں دیت ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عقل میں دیت ہے'' پھر جب ان منفعتوں میں سے کوئی منفعت نصف فوت ہو جائے گی تو نصف دیت آئے گی اور ایک پیر میں نصف دیت ہے اور ایک ہاتھ میں نصف دیت ہے اور جس میں اس منفعت کے دسویں حصہ کا فوت ہونا پایا جائے جیسے ہاتھ یا پاؤں کی ایک انگلی کا کاٹ ڈالنا ہو تو اس میں دیت کا دسواں حصہ ہے اور ہر دانت کے عوض دیت کا بیسواں حصہ ہے اس لئے کہ دانت اٹھائیس یا چھبیس ہوتے ہیں اور وہ کسر جو ایک کے مقابلہ میں اس عدد کے اعتبار سے ہوتی ہے ایک پوشیدہ امر ہے جس میں حساب کرنے میں تعمق کی ضرورت ہے اس واسطے ہم نے بیس کا عدد مقرر کر لیا اور ہر دانت کے عوض میں دیت کا بیسواں حصہ واجب کر دیا۔

اور تیسرے یہ کہ وہ زخم جن سے کسی مستقل قوت کا ابطال نہ ہو اور نہ اس کے نصف کا ہو اور نہ اس میں مثلہ کرنا ہو بلکہ وہ صرف زخم ہو جو چند دن میں بھر جاتا ہو اور اچھا ہو جاتا ہو تو اس زخم کو بہ منزلہ نفس کے گردانا مناسب نہیں ہے اور نہ یہ مناسب ہے کہ اس کے بہ منزلہ ہاتھ پاؤں کے برابر شمار کر کے نصف دیت کا حکم دیا جائے اور یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا جائے اور اس کے عوض میں کچھ مقرر نہ کیا جائے، پس زخم کا کم سے کم مرتبہ موضحہ ہے کیونکہ اس سے کم کو زخم نہیں کہتے بلکہ اس کو چھلنا اور خراش کہتے ہیں، اور موضحہ اس زخم کو کہتے ہیں جس میں ہڈی نظر آنے لگے پس اس میں دیت کا بیسواں حصہ ہے اس لئے کہ بیسواں حصہ کم سے کم حصہ ہے جو حساب میں بلا غور کئے معلوم ہو جاتا ہے اور احکام میں ان حصوں پر شریعت کا معاملہ مبنی ہے جس کی مقدار محاسب اور غیر محاسب سب جانتے ہیں اور جو زخم ایسا ہو، جس میں ہڈی ٹوٹ کر اپنے مقام سے ہٹ جائے تو اس کی دیت پندرہ اونٹ ہیں اس لئے کہ زخم میں ہڈی تک پہنچنا اور اس کا ٹوٹنا اور اپنی جگہ سے ہٹ جانا پایا جاتا ہے پس وہ زخم بہ منزلہ تین کھلے زخموں کے ہے اور جائفہ اور آمہ یعنی وہ زخم جو پیٹ کے اندر تک پہنچ جائے یا وہ زخم دماغ کی جھلی تک پہنچ جائے تو یہ دونوں زخم سب زخموں میں بڑے زخم ہیں پس ان کے بارے میں مناسب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک میں تہائی دیت دلائی جائے کیونکہ نصف سے کم کا اندازہ ثلث سے ہو سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ اور یہ یعنی چھوٹی انگلی اور انگوٹھا برابر ہیں'' اور فرمایا ''اگلا دانت اور ڈاڑھ دونوں برابر ہیں''۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ان منافع کا انضباط کرنا جو ہر ہر عضو کے ساتھ مخصوص ہیں چونکہ مشکل ہے اس واسطے ان کے ناموں اور نوع پر حکم کا مدار کرنا ضروری ہوا۔

واضح ہو کہ بعض قتل اور زخم ایسے ہیں جن کا کچھ معاوضہ نہیں ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ قتل اور زخم کسی شر کے دفع کرنے کی وجہ سے ہو جو انسان کو لاحق ہوتا ہو اور اس میں اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ ایک شخص نے آپ سے یہ عرض کیا "یا رسول اللہ اگر کوئی شخص میرا مال چھیننے کے ارادہ سے آئے تو آپ اس میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تو اس کو اپنا مال نہ دے، پھر اس نے عرض کیا اگر وہ مجھ سے لڑنے لگے تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تو اس سے مقاتلہ کر، پھر اس نے عرض کیا کہ اگر وہ مجھ کو قتل کر ڈالے تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا پس تو شہید ہے، اس نے عرض کیا اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا"۔

اور ایک شخص نے ایک شخص کو کاٹا پس جس کو کاٹا تھا اس نے کاٹنے والے کے منہ سے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کا ایک دانت بھی اس کے ساتھ کھینچ لیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی عوض نہیں دلایا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو کوئی شخص کسی انسان کی جان یا اس کے اعضا یا اس کے مال پر حملہ کرے تو حتی الامکان اس کا دفع کرنا جائز ہے پس اگر حملہ آور کو قتل کرنے تک بھی نوبت پہنچے تو کچھ گناہ نہیں اس لئے کہ درندہ خصلت لوگ بسا اوقات زمین میں غلبہ حاصل کر لیا کرتے ہیں پس اگر ان کو دفع نہ کیا جائے تو لوگوں کی حالت بہت تنگ ہو جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کوئی شخص تیرے گھر میں جھانکے اور تو نے اس کو اجازت نہ دی ہو پس تو اس کو کنکری مارے اور اس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور ایک صورت قصاص نہ لینے کی یہ ہے کہ وہ قتل اور زخم ایسے سبب سے ہو جس میں کسی پر طرفین سے تعدی نہ پائی جاتی ہو اور وہ بہ منزلہ آفت سماوی کے ہو اور اس میں اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ "چوپایہ کے نقصان میں کچھ نہیں اور کان میں گر پڑنے سے کچھ نہیں اور کنوئیں میں گر پڑنے سے کچھ نہیں"۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ چوپائے جنگل میں چرنے کے لئے چھوڑ دیئے جاتے

ہیں پس اگر وہ کسی کو تکلیف پہنچائیں تو وہ ان کے مالک کے فعل سے نہیں ہوا ہے اور اسی طرح جب کوئی کوئیں میں گر پڑے یا کان کے نیچے دب جائے اس میں بھی اس کے مالک کا فعل نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں احتیاط کرنے کی لوگوں کو بڑی تاکید کر دی تا کہ خطا سے کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچے کیونکہ مرض کے قریب ہونے سے جان کے تلف ہونے کا خطرہ ہے اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں پھینکنے سے منع کیا اور آپ نے فرمایا ''نہ اس سے شکار مرتا ہے اور نہ اس سے دشمن زخمی ہوتا ہے ہاں اس سے دانت ٹوٹ جاتا ہے اور آنکھ پھوٹ جاتی ہے''، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب کوئی شخص ہماری مسجد یا بازار میں تیر لیکر گزرے تو اس کو چاہئے کہ اس کے نوکدار حصہ کو تھامے تا کہ مسلمان میں سے کسی کو اس سے ضرر نہ پہنچے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے گرادے پس وہ جہنم کے کسی گڑھے میں جا پڑے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں'' اور آپ نے ننگی تلوار دینے سے منع فرمایا اور دو انگلیوں سے لہسن کو پکڑ کر کاٹنے سے منع فرمایا۔

لیکن انسان کے مال پر تعدی کرنا سو اس کی چند قسمیں ہیں: غصب کرنا اور ہلاک کرنا اور چوری کرنا اور لوٹنا، پس چوری اور لوٹ کے معنی تو عنقریب تم کو معلوم ہو جائیں گے لیکن غصب، پس وہ غیر کے مال پر کسی واہی شبہ پر اعتماد کر کے جس کا شریعت میں اعتبار نہ ہو یا اس بھروسہ پر کہ حکام کو حقیقت حال ظاہر نہ ہوگی یا اسی طرح کسی اور بھروسہ پر قبضہ کر لینا ہے، پس غصب اس قابل ہے کہ اس کو معاملات میں شمار کیا جائے اور اس پر حدود مبنی نہ کی جائیں اور اسی وجہ سے ہزار درہم کے غصب کرنے سے ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہوتا اور تین درہم کی چوری سے ہاتھ کاٹنا واجب ہو جاتا ہے، لیکن مال کا تلف کرنا سو وہ کبھی عمداً اور کبھی شبہ عمد سے اور کبھی خطا سے ہوتا ہے مگر چونکہ اموال کا درجہ جان سے کم ہے اس واسطے تمام اموال کے لئے ایک حکم نہیں دیا گیا اور سب کی سزا میں تاوان دلانا کافی سمجھا گیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص ظلم سے ایک بالشت برابر کسی کی زمین لے گا تو خدا تعالیٰ قیامت کے روز سات زمین کا طوق بنا کر اس کو پہنائے گا''۔

میں کہتا ہوں کئی بار تم کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ جو فعل مصلحت شہر کے خلاف ہو اور اس

میں ایذا اور ظلم پایا جائے وہ فعل ملاء اعلیٰ کی لعنت کا سبب ہوتا ہے اور عذاب عمل کی صورت میں یا اس کے قریب قریب صورت میں متمثل ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو ہاتھ کوئی چیز لے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے''۔

میں کہتا ہوں غصب اور عاریت کے باب میں یہ حدیث اصل ہے بعینہ اس چیز کا واپس کرنا واجب ہے اگر بعینہ اس کا واپس کرنا مشکل ہو تو اس کے مثل کا دینا واجب ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوٹی ہوئی رکابی کے عوض میں رکابی واپس کی اور ٹوٹی ہوئی رکابی کو اپنے پاس رہنے دیا۔

میں کہتا ہوں تلف کرنے کے باب میں یہ حدیث اصل ہے اور ظاہر سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ منقولات میں تاوان لینا جس کو عام و خاص کہہ دیں کہ یہ اس کے مثل ہے جائز ہے جیسے رکابی کے بدلہ رکابی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے سامنے مغرور (۱) کی نسبت یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنی اولاد کے مثل غلاموں کی قیمت ادا کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص کو اپنا بعینہ مال کسی کے پاس مل جائے تو وہی اس کا مستحق ہے اور خریدنے والا بائع سے دام وصول کر لے''۔

میں کہتا ہوں اس حکم کا سبب اور مقتضیٰ یہ ہے کہ جب یہ صورت واقع ہو تو دونوں جانب میں جور و ظلم کا احتمال ہے پس جب اس کا اسباب کسی کے پاس برآمد ہو، اور ایسی حالت میں اگر یہ قاعدہ مقرر کیا جاتا کہ جب تک وہ بائع کو نہ پالے یہ شخص اس مال کو نہ لے گا تو اس میں صاحب اسباب یعنی اصل مالک کا ضرر عظیم ہے کیونکہ غاصب یا چور کی جب خیانت معلوم ہوتی تو بسا اوقات وہ یہ حجت پیش کر سکتا تھا کہ اس نے فلاں شخص سے وہ مال خریدا ہے تاکہ اپنی جان بچائے اور بسا اوقات غاصب اور چور اس مال کے فروخت کرنے پر کسی کو وکیل بنا دیتا تاکہ خود ماخوذ نہ ہوں اور نہ بائع ماخوذ ہو پس اس میں لوگوں کی حق تلفی کے باب کو کھولنا تھا اور اکثر اوقات بائع اس وقت ملتا جبکہ وہ مشتری موجود نہیں ہوتا پس وہ مالک اس کو پکڑتا اور اس کے پاس کچھ نہیں پاتا پس خسارہ پا کر سکوت کرنا پڑتا اور اگر یہ قاعدہ مقرر کیا جاتا کہ اسی وقت اپنی چیز پر قبضہ کر لے تو اس میں مشتری کا ضرر تھا کیونکہ بسا اوقات خریدنے والا بازار میں سے کوئی چیز خریدتا ہے اور نہ وہ بیچنے والے کو جانتا

---

(۱) مغرور اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کوئی عورت یہ دھوکہ دیکر کہ میں حرہ ہوں اس سے نکاح کر لے اور حقیقت میں وہ کسی کی باندی ہو

ہے اور نہ اس کا گھر اس کو معلوم ہوتا ہے پھر یہ مال کسی اور کا نکل آتا ہے اور بائع کو اس کا پتہ نہیں لگتا تو خسارہ کی حالت میں اس کو سکوت کرنا پڑتا ہے اور بسا اوقات اس کو کسی چیز کی حاجت ہوتی ہے اور حق دار کے اس پر قبضہ کرنے میں اور بیچنے والے پر اس کے حوالہ کرنے میں اس کی حاجت فوت ہوتی ہے پس جبکہ دونوں طرف کا ضرر تھا اور ان دونوں میں سے ایک کا ضرر ضروری تھا تو یہ امر ضروری ہوا کہ ایسی ظاہر بات کی جائے جس کو بلا شبہ لوگوں کی عقل قبول کر لے اور وہ اس جگہ یہ ہے کہ حق اس شئے خاص کے ساتھ متعلق ہوا ہے اور عین اس عین کے معاوضہ میں جس کے ساتھ حق متعلق ہے روک لیا جائے جبکہ بینہ قائم ہو اور اشکال مرتفع ہو جائے اور اسی قیاس پر قضایا کا اعتبار کرنا مناسب ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ والوں کو حکم دیا کہ وہ دن میں باغوں کی نگہبانی کریں اور رات میں جو مویشی نقصان کر جائیں تو اس کا معاوضہ مویشی والوں پر ہے"۔

میں کہتا ہوں اس فیصلہ کا سبب اور باعث یہ ہے کہ جب مویشی نے لوگوں کے باغ کا کچھ نقصان کیا تو ظلم اور عذر دونوں کے ساتھ ہے پس مویشی والا تو یہ عذر کر سکتا ہے کہ مویشی کو جنگل میں چرنے کے لئے چھوڑنا اس کو ضروری ہے ورنہ وہ بھوک سے مر جائے گا اور ہر مویشی کے پیچھے پیچھے رہنا اور اس کی نگہبانی کرنا تدابیر ضروریہ میں خرابی پیدا کرتا ہے اور مویشی نے جو نقصان کیا ہے اس کا اس میں کوئی بس نہیں ہے بلکہ باغ والے نے خود اپنے مال کی حفاظت میں کوتاہی کی اور اس کو غیر محفوظ چھوڑ دیا، اور باغ والا یہ حجت کر سکتا ہے کہ باغ شہر سے باہر ہوتا ہے پس اس کی حفاظت کرنا اور اس میں کسی کو آنے سے روکنا اور اس پر پہرا دینا اس کی حالت کو خراب کر دینے کا سبب ہے اور مویشی کے مالک نے یا تو خود اس میں مویشی کو چھوڑا ہے یا خود اس کی نگرانی میں کوتاہی کی ہے پس جب یہ امر دونوں میں دائر ہوا اور ہر ایک کی طرف سے ظلم اور عذر ممکن ہوا تو ضرور ہوا کہ اس عادت مالوفہ کی طرف نظر کی جائے جو ہمیشہ سے ان میں جاری ہے پس اس عادت سے تجاوز کرنے پر جور کی بنا قائم کی جائے، اور عادت یہ ہے کہ ہر باغ میں دن میں وہ لوگ رہتے ہیں جو اس میں کام کرتے ہیں اور اس کی درستی اور اس کی حفاظت کرتے ہیں اور رات کو اسے چھوڑ کر اپنے گھروں میں گاؤں یا شہر میں آ کر سوتے ہیں اور یہ کہ مویشیوں کے مالک رات کے وقت ان کو اپنے گھروں میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر دن کو چرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں پس لوگوں کی اس

عام عادت سے تجاوز کرنا ظلم سمجھا گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا ''جو کوئی محتاج شخص اس کو منہ سے کھا لے اور جھولی نہ بھرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں''۔

واضح ہو کہ لوگوں میں باہمی ظلم دور کرنے کی یہی صورت ہے کہ جو کوئی کسی کو ضرر پہنچائے اور ظلم کرے اس کا ہاتھ پکڑا جائے نہ یہ کہ ان کے لالچ اور طمع نفسانی کی پیروی کی جائے پس اس پھل کے کھانے میں جو معلق غیر محفوظ کثیر ہے جس سے محتاج آدمی کے پیٹ بھر کر کھانے سے مالک کو ملال بھی نہیں گزرتا جبکہ کھانے والا حد سے تجاوز نہ کرے اور نہ جھولی بھرے اور نہ درختوں پر پتھر پھینکے تو اس صورت میں عرف درگزر کرنے کا تقاضا کرتا ہے پس ایسی حالت میں جو شخص اس حاجتمند پر دعویٰ کرتا ہے تو وہ اپنی طمع نفسانی کا اتباع کرتا ہے اور ضرر پہنچانا چاہتا ہے پس اس کا دعویٰ مسموع نہ ہو گا البتہ جس صورت میں تھوڑے پھل ہوں یا وہ جھولی بھرے یا پتھر پھینکے یا کسی اور طرح سے ضرر پہنچانے میں حد سے تجاوز کرے تو اس میں تعزیر اور تاوان آتا ہے اور مویشی کا دودھ دوہنے میں قیاسات متعارض ہیں اور ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کر دیا ہے پس کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس مال پر قیاس کیا جو گھر میں حفاظت سے رکھا ہوا ہے پس اس کے دوہنے سے منع فرمایا اور کبھی درختوں کے پھلوں اور غیر محفوظ چیزوں پر اس کو قیاس فرما کر اس شخص کے لئے جس کو مویشی کا مالک نہ ملے تا کہ اس سے اجازت لے بقدر ضرورت دودھ لینے کو مباح فرمایا اور جن احادیث میں اختلاف ہے اور ان کی علتیں ظاہر ہو گئی ہیں ان میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ان علتوں کے اعتبار سے ان کو جمع کیا جائے پس جہاں ایسی چیزوں کے صرف کرنے کی عادت ہو اور وہاں لوگوں کو بخل اور تنگی نہ ہو اور حاجت بھی ہو تو اس کا لینا جائز ہے اور اگر ایسی بات نہ ہو تو جائز نہیں ہے اور اسی پر بیوی کا خاوند کے مال میں اور غلام کا آقا کے مال میں تصرف کرنے کو قیاس کر لینا چاہئے۔

حدود کا بیان

واضح ہو کہ بعض معاصی ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حد مقرر فرمائی ہے اور وہ ایسے معاصی ہیں جن میں فساد کی بہت سی صورتیں ہیں کہ ان سے زمین میں فساد ہوتا ہے اور مسلمانوں کے امن واطمینان کو ختم کرنا ہوتا ہے اور ان کے لئے بنی آدم کے نفوس کے اندر داعیہ ہوتا ہے جو ہمیشہ ان کے اندر جوش مارتا رہتا ہے اور ان کی عادت ہو جاتی ہے کہ جب وہ معاصی دل میں پیوست ہو جاتے ہیں تو لوگ ان سے باز نہیں آسکتے اور ان میں ضرر عظیم ہوتا ہے جن کو اکثر اوقات مظلوم اپنے نفس سے دفع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور یہ بات لوگوں کے درمیان اکثر واقع ہوتی رہتی ہے پس ایسے گناہوں میں عذات آخرت سے ڈرانا کافی نہیں بلکہ اس قسم کے معاصی پر نہایت درجہ ملامت اور تکلیف کا پہنچانا ضروری ہے تاکہ ہر وقت وہ لوگوں کی آنکھیں کے سامنے رہے اور جس گناہ کا وہ ارادہ کرتے تھے اس سے وہ باز رہیں جیسے زنا ہے، کیونکہ شہوت اور عورتوں کے جمال میں رغبت کرنے کی خواہش سے زنا کا جوش پیدا ہوتا ہے اور اس کا مزہ پڑ جاتا ہے اور زنا کرنے میں عورت کی اہل کے لئے نہایت درجہ کی عار ہے اور ایک عورت پر کئی آدمیوں کے جمع ہونے سے جبلت انسانیہ کی تغیر ہے اور اس کے سبب سے لوگوں کے درمیان لڑائیوں اور کشت وخون کا اکثر احتمال رہتا ہے اور زنا اکثر زانیہ اور زانی کی رضامندی سے ہوا کرتا ہے اور تنہائی میں اس طور پر ہوتا ہے کہ اس پر بعض لوگ ہی مطلع ہو سکتے ہیں پس اگر اس میں سخت سزا مقرر نہ کی جاتی تو روک ٹوک کیونکر حاصل ہو سکتی تھی اور جیسے چوری ہے اس واسطے کہ انسان بسا اوقات اچھا پیشہ نہیں پاتا ہے پس وہ چوری کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور ان کی نفسوں کے اندر اس کی عادت پڑ جاتی ہے اور چوری

بھی خفیہ طور پر اس طرح عمل میں آتی ہے کہ لوگ اس کو نہ دیکھ سکیں بخلاف غصب کے کہ اس میں ایک ایسی دلیل اور شبہ ہوتا ہے جس کو شرع ثابت نہیں کرتی اور وہ باہمی معاملات میں اور لوگوں کے روبرو عمل میں آتا ہے اس واسطے اس کو منجملہ معاملات کے ایک معاملہ شمار کیا گیا، اور جیسے رہزنی ہے اس واسطے کے مظلوم اس کو اپنی جان اور مال سے دور نہیں کر سکتا اور رہزنی مسلمانوں کے ملک اور ان کی حکومت میں نہیں ہو سکتی اور اگر ہو تو وہ اس کی مدافعت کرتے ہیں پس ایسے افعال کی جزا اور سزا زیادہ مقرر کرنا ضروری ہے اور جیسے شراب کا پینا ہے کیونکہ اس کی بھی بڑی حرص ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے ملک میں فساد پھیلتا ہے اور لوگوں کی عقلیں زائل ہوتی ہیں جن کے سبب ان کے معاد اور معاش کی اصلاح ہوتی ہے، اور جیسے کسی کو زنا کی تہمت لگانا ہے اس واسطے کہ جس کو تہمت لگائی جاتی ہے اس کو سخت ایذا ہوتی ہے اور وہ قتل وغیرہ سے اس کی مدافعت بھی نہیں کر سکتا ہے کیونکہ وہ اس کو اگر قتل کرتا ہے تو خود بھی اس کے سبب سے مارا جاتا ہے اور اگر اس کو پیٹتا ہے تو اس کی وجہ سے خود بھی پٹتا ہے اس واسطے ایسے جرم میں کوئی سخت سزا کا ہونا ضروری ہے پھر حد یا تو قتل ہے اور وہ ایسی سزا ہے کہ اس سے زیادہ اور کوئی سزا نہیں اور یا کسی عضو کا کاٹ ڈالنا ہے اور اس میں نہایت درجہ کی تکلیف پہنچانا اور ایسی قوت کا زائل کر دینا ہے کہ جس کے بغیر ساری عمر خود معاش حاصل کرنے کے قابل نہیں رہتا اور بدشکل کرنا اور عار ہے جس کا اثر سب لوگوں کے روبرو دکھائی دیتا ہے جو زائل نہیں ہوتا اس واسطے کہ نفس دو سبب سے متاثر ہوتا ہے جو نفس کہ بہیمیت میں غرق ہوتا ہے اس کو تکلیف دینا بری چیز سے باز رکھتا ہے جیسے بیل اور اونٹ، اور جس نفس میں حب جاہ غالب ہوتی ہے اس کو دائمی عار تکلیف جسمانی سے بھی زیادہ ایک کام سے روک دیتی ہے اس واسطے ان دونوں وجہوں کا حدود کے اندر جمع کرنا ضروری ہوا اور قطع سے کم ایک حد مار پیٹ کے ساتھ تکلیف پہنچانا ہے جس میں عار ہو اور اس کا اثر ظاہر ہو جیسے جلاوطن کرنا اور شہادت کا قبول نہ کرنا اور گوشمالی کرنا۔

اور واضح ہو کہ سابقہ شریعتوں میں قتل کی سزا میں قصاص اور زنا کی سزا میں سنگسار کرنا اور چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنا تھا پس یہ تینوں سزائیں آسمانی شریعتوں میں ہمیشہ سے چلی آتی تھیں اور تمام انبیا اور ان کی امتیں اس پر متفق تھیں اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن کو نہایت مضبوطی سے پکڑنا ضروری

ہے اور کبھی ان کو ترک نہیں کرنا چاہئے لیکن شریعت مصطفویہؐ نے اس میں ایک اور قسم کا تصرف کیا ہے پس ہر ایک کی سزا کے دو درجہ مقرر کئے ایک تو بڑی بھاری سزا ہے کہ اس سے بڑھ متصور نہیں اور یہ سزا نہایت بھاری گناہ میں دینی چاہئے اور دوسری سزا اس سے کم ہے اور یہ ان معاصی میں ہونی چاہئے جو پہلے معاصی سے کم درجہ کے ہوں پس قتل کی سزا میں قصاص اور دیت ہے اور اس میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف ہے''۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں قتل کی سزا صرف قصاص تھی اور دیت نہیں تھی اور زنا میں کوڑے مارنا ہے، اور یہودیوں کی جب شوکت جاتی رہی اور وہ سنگسار کرنے پر قادر نہ رہے تو انھوں نے خود ایک سزا کو ایجاد کیا اور وہ یہ کہ زانی اور زانیہ کو گدھے پر چڑھا کر منہ کالا کر کے لوگوں کے سامنے پھراتے تھے پس وہ ان کی شریعت میں تحریف ہوئی پس ہمارے لئے دونوں شریعتوں کو جمع کیا گیا شرائع سماویہ وابتداعیہ کو اور اس میں ہماری طرف اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے اور چوری میں عذاب دینا اور اس سے دو چند تاوان لینا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، اور نیز یہ تصرف کیا کہ ظلم کی بہت سی قسموں کو جیسے قذف اور شرب خمر ہے انہی معاصی پر حمل کیا اور ان کے لئے بھی حد مقرر کی کیونکہ یہ بھی بہ منزلہ انہی معاصی کے ہیں اور رہزنی کی سزا زیادہ مقرر کی۔ اور واضح ہو کہ لوگوں کے دو درجے ہیں اور ہر درجہ کی سیاست کا ایک خاص طریقہ ہے ایک لوگوں کا وہ طبقہ ہے جو بذات خود مستقل اور مختار ہیں ان کی سیاست کا یہ طریقہ ہے کہ ان کو پکڑ کر سب کو روبرو سزا دی جائے اور ان کو سخت عار دلائی جائے اور ان کی توہین کی جائے اور ذلیل کیا جائے، اور ایک لوگوں کا وہ طبقہ ہے جو دوسروں کے قبضہ میں بہ منزلہ قیدیوں کے ہیں اور ان کی سیاست کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مالکوں کو حکم کیا جائے کہ بری باتوں سے ان کو محفوظ رکھیں کیونکہ وہی ایسا طریقہ جان سکتے ہیں جو ان کو ان کے فعل سے باز رکھ سکتا ہو چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہاری جب کوئی باندی زنا کرے تو اس کو مارنا چاہئے'' الحدیث، اور آپ نے فرمایا ''جب تمہارا غلام چوری کرے تو اس کو فروخت کر ڈالو اگرچہ نصف قیمت حاصل ہو'' پس یہ دونوں درجے کے لوگ ایک ظاہری وصف سے منضبط کئے گئے پس پہلے درجہ کے لوگ آزاد اور دوسرے درجہ کے لوگ غلام ہیں، پھر بعض سردار ایسے تھے جو اپنے غلاموں پر ظلم کرتے تھے اور اس پر یہ دلیل پیش

کرتے تھے کہ اس نے زنا یا چوری وغیرہ کی ہے اس واسطے ایسے امور میں ضروری ہوا کہ غلاموں کی سزا آزاد لوگوں سے کم مقرر کی جائے تا کہ اس قسم کا احتمال منقطع ہو جائے اور نیز یہ بات بھی ضروری ہوئی کہ ان کو قتل کرنے اور ہاتھ کاٹنے کا اختیار نہ دیا جائے اور اس سے کم سزا کا اختیار ان کو دیا جائے، اور حد دو وجہ سے گناہ کا کفارہ ہوتی ہے کیونکہ گناہ کا مرتکب یا حکم الٰہی کا مطیع اور اس کا فرمانبردار ہو گیا ہے پس اس کے حق میں کفارہ بڑی توبہ ہے اور اس پر دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ آپ نے ماعز بن مالک کے حق میں فرمایا ”اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تمام امت محمدیہ تقسیم کی جائے تو ان سب کو کافی ہو جائے“۔

اور یا اس حد میں گناہ کے مرتکب کو تکلیف پہنچانا اور اس گناہ سے روکنا مقصود ہوتا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ عمل حکمت الٰہی میں اس بات کا مقتضیٰ ہے کہ اس کی جان یا اس کے مال میں اس عمل کی سزا دی جائے پس حد کا قائم کرنے والا سزا دینے میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہو گیا، فتدبر، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”زانیہ اور زانی ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو“۔

اور حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس میں آیت رجم بھی تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی سنگسار کیا اور جب کوئی مرد ہو یا عورت نکاح کرنے کے بعد زنا کرے کتاب اللہ میں اس پر رجم کرنا حق ہے۔

میں کہتا ہوں محصن کی حد سنگسار کرنا اور غیر محصن کی حد دُرّے لگانا اس لئے مقرر کیا گیا کہ مکلّف ہونا جس طرح پندرہ برس کی عمر وغیرہ سے تمام ہوتا ہے اور بغیر اس کے نہ عقل کامل ہوتی ہے اور نہ جثہ پورا ہوتا ہے اور نہ پوری مردمی پائی جاتی ہے پس اسی طرح اس عقوبت کو بھی متفاوت ہونا چاہئے جو کمال عقل اور اس کے مرد کامل ہونے اور خود مختاری اور استقلال سمجھ کی وجہ سے مکلّف ہونے پر مرتب ہوتی ہے اور اس لئے کہ محصن کامل ہے اور غیر محصن ناقص ہے پس غیر محصن احرار کاملین اور غلاموں کے مابین واسطہ ہوا اور صرف سنگسار ہونے میں اس واسطہ کا اعتبار کیا گیا کیونکہ وہ سزاؤں میں سب سے زیادہ سخت سزا ہے جو حق اللہ میں مشروع ہوئی ہے اور قصاص چونکہ حق العباد میں سے ہے اور لوگوں کو اپنے حقوق کے لینے کی حاجت ہے اس واسطے ان کے حقوق ضائع

نہیں کیے جاتے اور حد سرقہ وغیرہ بہ منزلہ سنگساری کے نہیں ہے اور نیز اس شخص سے گناہ کا صادر ہونا جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے اور اس کو اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی ہے از حد برا ہے کیونکہ وہ نہایت درجہ کی نافرمانی ہے پس اس میں سزا کا بڑھانا مناسب ہوا اور کنوارے اور کنواری کی حد سو درے اس لئے مقرر کیے گئے کہ سو کا عدد کثیر اور منضبط ہے جس سے زجر اور تکلیف بخوبی حاصل ہو سکتی ہے اور جلاوطنی کی سزا اس لئے دی گئی کہ سزا دو طرح پر موثر ہوتی ہے ایک تو بدن کو تکلیف پہنچانا اور ایک حیا و شرمندگی اور عار کا لاحق کرنا اور محبوب چیز کا علیحدہ کرنا، پہلی سزا جسمانی ہے اور دوسری سزا نفسانی ہے اور پوری پوری سزا وہی ہوتی ہے جس میں یہ دونوں جمع کی جائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”جب احصان کے بعد ان سے فحش ظاہر ہو تو ان کو محصنات سے نصف عذاب دیا جائے گا“۔

میں کہتا ہوں غلاموں پر نصف سزا مقرر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ غلاموں کا حکم ان کے مالکوں کے سپرد کیا جاتا ہے پس اگر ان کے لئے کامل درجہ کی سزا مقرر کی جائے تو اس سے ظلم کا دروازہ کھلتا ہے اس طور پر کہ مالک اپنے غلام کو قتل کر ڈالے اور یہ کہہ دے کہ یہ زانی تھا اور پھر مالک سے مواخذہ کرنے کی کوئی سبیل نہ رہے پس ان کی حد کم کی گئی اور اتنی مقرر کی گئی جس سے ہلاکت کی نوبت نہیں آتی اور محصن اور غیر محصن کا فرق جو ہم نے بیان کیا ہے وہ یہاں بھی پایا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مجھ سے سیکھو مجھ سے سیکھو، اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے ایک راہ نکالی ہے کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کی سزا سو درے ہیں اور سال بھر کے لئے جلاوطن کرنا ہے، اور شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کی سزا سو درے مارنا اور سنگسار کرنا ہے“ اور اس حدیث پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث لوگوں پر مشتبہ ہو گئی اور اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شادی شدہ کو سنگسار کرنے اور اس کے درے نہ لگانے کے ساتھ مخالف سمجھا اور میرے نزدیک یہ حدیث آپ کے فعل کے مخالف نہیں ہے اور آیت عام ہے لیکن جب دونوں یعنی رجم اور سو درے مارنا واجب ہوں تو امام کو رجم پر اقتصار کرنا مسنون ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے سفر میں قصر کرنا پس اگر کوئی شخص پوری نماز پڑھے تو بھی جائز ہے مگر قصر کرنا سنت ہے اور یہ اس واسطے مقرر کیا گیا

کہ رجم بڑی سخت سزا ہے اور اس سے جو کم سزا ہے وہ اس میں آ جاتی ہے اور اس بیان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں اور آپ کے اکثر خلفا کے عمل میں تطبیق ہو سکتی ہے کہ انھوں نے رجم پر اکتفا کیا ہے اور حضرت جابرؓ کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درے لگانے کا حکم دیا پھر کسی نے آپ کو بتلایا کہ وہ محصن ہے تو آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا پس اس کو سنگسار کر دیا گیا، اسی بات پر دلالت کرتی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درے لگانے کا حکم دینے پر اقدام جب ہی کیا جبکہ آپ ہر زانی کے لئے یہی سزا سمجھتے تھے، اور میرے نزدیک جلاوطن کرنے میں معافی کا احتمال ہے جبکہ ماعز بن مالکؓ نے کہا کہ میں نے زنا کیا ہے مجھ کو پاک کر دیجئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا یا ہاتھ سے اس کو پکڑا ہوگا یا اس کی طرف دیکھا ہوگا تو ماعزؓ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ، تب آپ نے پوچھا کیا تو نے اس کے ساتھ دخول کیا ہے؟ تو ماعزؓ نے جواب دیا ہاں، پس اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

میں کہتا ہوں حد مارنے میں احتیاط کا مقام ہے، اور کبھی زنا کا اطلاق شرمگاہ کے سوا پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''زبان کا زنا یہ ہے اور پاؤں کا زنا یہ ہے'' اس واسطے ایسی صورت میں اس کا ثابت کرنا اور اس کی تحقیق کرنا ضروری ہوا۔

اور واضح ہو کہ جو شخص خود زنا کا اقرار کرتا ہے اور حد قائم کرنے کے لئے اپنے نفس کو سپرد کرتا ہے تو وہ توبہ کرنے والا ہے اور توبہ کرنے والا بہ منزلہ اس شخص کے ہے جس نے گناہ نہیں کیا پس ایسے شخص کو حد نہیں مارنا چاہئے لیکن یہاں اس پر حد قائم کرنے کے لئے کئی اسباب مقتضی ہیں۔

اور راز آں جملہ یہ ہے کہ اگر اظہار توبہ اور اس کے اقرار سے حد ساقط ہو جاتی تو ہر زنا کرنے والا امام کے مواخذہ کی خبر پا کر امام کے روبرو اقرار کر کے حیلہ کرتا اور حد سے چھوٹ جاتا اور اس میں مصلحت کی مخالفت ہے، ازاں جملہ یہ ہے کہ توبہ بغیر ایسے سخت فعل کے تمام نہیں ہوتی جس فعل سے توبہ کو قوت پہنچے اور جو مخلص کے سوا کسی سے عمل میں نہ آ سکے اور اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعزؓ کے بارے میں جبکہ وہ رجم کے لئے آمادہ ہوئے تھے یہ فرمایا تھا ''البتہ اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر محمد کی امت پر تقسیم کی جائے تو ان کو کافی ہوتی'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ غامد کی

عورت کی نسبت فرمایا ''اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تاجروں سے بظلم محصول لینے والا بھی یہ توبہ کرتا تو بخشا جاتا'' لیکن اس کے باوجود گناہ کا چھپانا مناسب ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزال (۱) سے فرمایا تھا ''اگر تو اس کو اپنے کپڑے کے ساتھ چھپاتا تو تیرے لئے بہتر ہوتا'' اور نیز یہ بات مناسب ہے کہ اس کو فیما بینہ وبین اللہ توبہ کرنے کا اور حد کے دفع کرنے کے لئے حیلہ کرنے کا حکم دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے جب کسی کی باندی زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو وہ باندی پر حد میں درے مارے اور توبیخ نہ کرے پھر اگر وہ زنا کرے تو پھر اس پر درے مارے اور توبیخ نہ کرے''۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ انسان کو شرعاً اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے حرم سے معاصی کو دور کرے اور یہ بات انسان کی سرشت میں داخل ہے اور اگر امام ہی کے سامنے حد مقرر ہوتی تو بہت سی صورتوں میں مالک حد کو قائم نہ کر سکتا اور اہل وحرم کی حفاظت نہ ہو سکتی اور اگر حد کی کوئی مقدار مقرر نہ ہوتی تو زیادتی کرنے والا ہلاکت کی حد تک پہنچا سکتا تھا یا حد سے زیادہ تکلیف دے سکتا تھا پس اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''توبیخ نہ کرے''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ذی عزت لوگوں سے حدود کے سوا اور لغزشوں کو معاف کرو''۔

میں کہتا ہوں ذی عزت لوگوں سے مراد اہل مروت ہیں یا تو اس طور سے کہ کوئی شخص متقی دیندار ہو جس سے خلاف عادت کسی امر میں کوتاہی ہو جائے پھر وہ اس پر نادم ہو تو ایسے شخص سے درگزر کرنا چاہیئے یا وہ شخص لوگوں میں خاندانی معزز اور سردار ہو پس اگر ہر چھوٹے بڑے گناہ میں اس کو سزا دیجائے تو اس میں امام سے عداوت اور اختلاف اور اس سے بغاوت کا دروازہ کھولنا ہے کیونکہ نفوس اکثر ان باتوں کے متحمل نہیں ہوتے لیکن حدود سو یہ مناسبت نہیں ہے کہ ان کو ترک کر دیا جائے بجز اس صورت کے کہ کوئی سبب شرعی جس سے حد ساقط ہوتی ہے پایا جائے کیونکہ اگر حدود کو چھوڑ دیا جائے تو وہ مصلحت کے خلاف ہے اور حدود کا فائدہ فوت ہوتا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو پیدائشی کمزور ہو اور زنا کرے فرمایا

---

(۱) یہ وہ شخص ہے جس کی باندی سے ماعز نے زنا کیا تھا اور جس نے ماعز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو زنا کے اظہار پر آمادہ کیا تھا۔

ہے ''اس کے لئے ایک بڑی ڈالی لو جس میں سو شاخیں ہوں پس اس سے اس کو ایک بار مارو''۔

اور واضح ہو کہ جو شخص اپنی پیدائشی کمزوری کی وجہ سے اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ اس پر حد قائم کی جائے پس اگر اس شخص کو بالکل چھوڑ دیا جائے تو یہ حدود کے استحکام کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ شرائع لازمی جن کو اللہ تعالیٰ نے بہ منزلہ خلقی امور کے مقرر کیا ہے ان کی شان سے یہ بات ہے کہ وہ موثر بالخاصیت کی طرح سمجھی جائیں اور لوگ نہایت مضبوطی سے ان کو تسلیم کریں اور نیز جس چیز میں تھوڑی سی تکلیف اور آسانی ہے اس کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، لواطت کی حد میں اختلاف ہے پس بعض نے کہا کہ وہ زنا کی قسم ہے اور بعض نے کہا کہ اس کو قتل کیا جائے گا اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے ''جس کسی کو تم قوم لوط کا کام کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی درے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی بدکار ہیں ہاں جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی حالت سنوار لیں تو خدا بھی بخشنے والا اور مہربان ہے'' اور اس پر اجماع ہے کہ محصن مرد محصن عورتوں کے حکم میں ہیں، اور محصن اس کو کہتے ہیں کہ جو حر ہو اور مکلف اور مسلمان ہو اور ایسے جماع سے پاک ہو جس پر حد قائم کی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ یہاں دو باتیں متعارض پائی جاتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ زنا گناہ کبیرہ ہے اس کا مٹانا اور اس پر حد قائم کرنا اور اسی پر مواخذہ کرنا ضروری ہے اور اسی طرح زنا کی تہمت لگانا بھی بڑا گناہ ہے اور اس میں ایک بڑی عار کا لاحق کرنا ہوتا ہے جس پر حد کا قائم کرنا ضروری ہے اور زنا کی تہمت لگانے کو زنا پر شہادت دینے کے ساتھ مشابہت ہے پس اگر ہم کسی قاذف کو حد مارنے کے لئے گرفتار کریں تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں زنا کا گواہ ہوں اور اس میں حد قذف باطل ہوتی ہے اور جو زنا پر گواہ ہے مشہود علیہ یہ کہہ کر اپنے آپ کو بچا سکتا ہے کہ وہ زنا کی تہمت لگاتا ہے اور وہ خود حد کا مستحق ہے، پس جب سیاست امت کے وقت اس امر میں ان دونوں حدوں میں تعارض ہوا تو ایک ظاہری امر سے ان دونوں میں تمیز ضروری ہوئی اور وہ امر خبر دینے والوں کی کثرت ہے کیونکہ جب خبر دینے والے کثیر تعداد میں ہوئے تو گواہی اور راست گوئی کا گمان قوی ہوا اور تہمت کا گمان ضعیف ہو گیا اس واسطے کہ تہمت میں دو باتوں کا اجتماع ہوتا ہے ایک دین کے اندر ضعف اور

دوسرے مقذوف کے ساتھ عداوت کا ہونا اور ان دونوں صفتوں کا مسلمانوں کی جماعت میں جمع ہونا بعید ہے اور شاہدین کی عدالت کے ساتھ اکتفا نہیں کیا گیا کیونکہ عدالت تمام حقوق میں معتبر ہے پس اس تعارض کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوگا اور اس کثرت کا نصاب شہادت کی دو چند تعداد کے ساتھ کیا گیا ہے اور حد قذف اسی درے اس لئے مقرر کئے گئے کہ اس کی معصیت بہر حال زنا سے کم ہے کیونکہ ایک گناہ کا مشہور کرنا اس کو عمل میں لانے کے برابر نہیں ہے اور اس کی کو ایک مقدار ظاہر سے منضبط کیا گیا اور وہ بیس کا عدد ہے کیونکہ وہ عدد سو کا پانچواں حصہ ہے اور اس حد کا تتمہ گواہی قبول نہ کرنا اس لئے مقرر کیا گیا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تکلیف کی دو قسمیں ہیں ایک جسمانی اور دوسری نفسانی اور شریعت نے تمام حدود میں ان دونوں کا اعتبار کیا ہے لیکن حد زنا میں جلا وطنی کو شامل کیا گیا کیونکہ حکام کی سیاست اور اولیا کی غیرت کے وقت میں زنا اسی وقت متصور ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں باہم میل جول اور اتحاد اور الفت ہو پس اس کے مناسب یہی سزا ہے کہ اس فتنہ کے مقام سے زانی کو نکال دیا جائے۔

اور حد قذف میں عدم قبول شہادت کو شامل کیا گیا کیونکہ قذف میں خبر دینا ہوتا ہے اور شہادت میں بھی خبر دینا ہوتا ہے پس قاذف کو اسی عار کے ساتھ سزا دی گئی جو اس کی معصیت کی جنس سے ہے کیونکہ قاذف سے شہادت کا قبول نہ کرنا اس کے لئے ایک سزا ہے اور دوسرے گنہگاروں کی شہادت کا قبول نہ کرنا عدالت اور رضا کے فوت ہونے کے سبب سے ہے، اور نیز ہم ذکر کر چکے ہیں کہ قاذف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں شہادت دینے والا ہوں پس اس باب کا بند کرنا اس طرح ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے اس نے جحت کی تھی اسی چیز سے اس کو سزا دی جائے اور حد خمر میں توبیخ بھی شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول ''الا الذین'' میں اختلاف ہے کہ استثنا عدم قبول شہادت کی طرف راجع ہے یا نہیں، اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب فسق کی انتہا ہو جائے تو اس کا اثر اور اس کی سزا بھی ختم ہو جانی چاہئے اور خلفا نے غلاموں پر حد زنا کے لئے سزا کے نصف کرنے میں اس کا اعتبار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''چرانے والا اور چرانے والی کا ہاتھ کاٹ دو یہی جزا ہے ان کے کئے کی عذاب خدا تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے''۔

واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کے بیان کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے جو کچھ کہ آپ پر نازل ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''تا کہ آپ اس کو لوگوں کے لئے بیان کریں'' اور غیر کا مال لینے کی چند صورتیں ہیں ازاں جملہ چوری ہے اور رہزنی ہے اور اچکنا ہے اور خیانت کرنا ہے اور کسی کی پڑی ہوئی چیز کا اٹھالینا ہے اور غصب کرنا ہے اور ایک وہ ہے جس کو لا پرواہی اور بے احتیاطی کہتے ہیں پس ضرور ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چوری کی حقیقت اس طرح بیان فرمادیں کہ وہ ان سب امور سے ممتاز ہو جائے، اور تمیز کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کی ان ذاتیات کی طرف نظر کی جائے جو چوری میں نہیں پائی جاتیں اور لوگوں کے عرف میں ان کی وجہ سے فرق واقع ہوتا ہے، پھر چوری کو چند امور مضبوط معلومہ سے منضبط کیا جائے جن کے سبب سے اس کو یہ سب سے تمیز ہو جائے پس رہزنی اور غارت گری اور جنگ جوئی ایسے امور ہیں جو بہ نسبت مظلوم کے ظالم کو اپنی قوت پر اعتماد اور ایسے مکان یا زمانہ کے اختیار کرنے کی خبر دیتے ہیں جہاں مسلمانوں کی جماعت سے فریاد اور ان کی مدد نہیں پہنچ سکتی اور اچک لینا لوگوں کے روبرو اور ان کے دیکھتے اور سنتے کسی چیز کے لے جانے کی خبر دیتا ہے اور خیانت میں پہلے سے کوئی شرکت یا معاملہ اور اس میں تصرف کا اذن وغیرہ پایا جاتا ہے اور گری پڑی چیز کے اٹھالینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کی حفاظت میں نہ تھی، اور غصب میں مظلوم پر ظالم کا ایسا غلبہ معلوم ہوتا ہے جو بھاگنے یا لڑنے پر موقوف نہیں ہوتا لیکن زبان زوری اور اس بات کے گمان پر اس کا مدار ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ حکام تک نہیں پہنچے گا اور نہ ان پر حال منکشف ہوگا اور لا پرواہی اور بے احتیاطی کا اطلاق ان ادنیٰ ادنیٰ چیزوں میں ہوتا ہے جن کے صرف کرنے اور ان کے ساتھ باہمی معاونت کرنے کا لوگوں میں دستور جاری ہے جیسے پانی اور ایندھن، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی ذاتیات سے امتیاز کا انضباط فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر ربع دینار میں'' اور ایک روایت میں ہے ''جس چیز کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو اس کو چرانے سے چور کا ہاتھ کاٹا جائے'' اور مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت تین درہم تھی چور کا ہاتھ قطع کیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اترج کی چوری میں جس کی

قیمت تین درہم تھی ہاتھ قطع کر دیا تھا۔

اور حاصل یہ ہے کہ یہ تینوں مقداریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہی چیز پر منطبق تھیں پھر آپ کے بعد اختلاف ہوا اور ڈھال کی قیمت چونکہ منضبط نہیں ہے اس لئے وہ قابل اعتبار نہیں، پس باقی دونوں حدیثوں میں امت مسلمہ کا اختلاف ہوا بعض ربع دینار کے قائل اور بعض تین درہم کے اور بعض نے کہا کہ ان دونوں مقداروں میں سے کسی مقدار تک مال پہنچ جائے اور میرے نزدیک یہی زیادہ ظاہر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادنیٰ واعلیٰ چیز میں فرق کرنے کے لئے اس مقدار کو مقرر فرمایا کیونکہ کوئی خاص جنس اس اندازہ کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ مختلف شہروں میں ایک چیز کا نرخ مختلف رہتا ہے اور نیز شہروں کے اختلاف کے لحاظ سے نفاست اور خساست میں چیزیں مختلف ہوتی ہیں پس جو چیز ایک قوم کے نزدیک مباح وادنی چیز ہوتی ہے وہی دوسری قوم کے نزدیک ایک قابل قدر مال ہوتا ہے پس اندازہ کا اعتبار کرنا قیمت کے اندر ضروری ہوا اور بعض نے کہا دونوں کے اندر اندازہ کا اعتبار کرنا چاہیئے۔

اور لکڑی میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اگرچہ اس کی قیمت دس درہم ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لٹکے ہوئے پھل میں قطع نہیں ہے اور نہ ان مویشی میں جو پہاڑ کے اندر رہتے ہیں، پس جب مویشی باڑ میں آجائیں اور پھلوں کا ڈھیر لگا دیا جائے تو ان میں قطع ہے جبکہ ان کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو، اور کسی شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لٹکے ہوئے پھلوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ”جس نے ڈھیر لگ جانے کے بعد اس میں سے کچھ چرایا تو اس میں قطع ید ہے جبکہ اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو“۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سمجھا دیا کہ حفاظت قطع ید میں شرط ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جو چیز غیر محفوظ ہے اس کے لینے کو اٹھا لینا کہتے ہیں (چوری نہیں کہتے) پس اس سے بچنا بھی ضروری ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خائن پر اور لوٹنے والے پر اور اچکنے والے پر قطع ید نہیں ہے“۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سمجھا دیا کہ چوری کے اندر مال کا پوشیدہ طور پر لینا شرط ہے ورنہ اس کو لوٹ لینا یا اچک لینا کہا جائے گا اور نیز یہ شرط ہے کہ پہلے سے اس میں

شرکت اور کسی کا حق نہ ہو ورنہ اس لینے کو خیانت یا استیفا حق کہا جائے گا۔

اور اس غلام کے بارے میں جو اپنے مالک کا مال چوری کرے احادیث میں یہ آیا ہے کہ وہ تیرا ہی مال ہے جو بعض بعض کے اندر مخلوط ہو گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے متعلق فرمایا ”اس کا ہاتھ کاٹ دو پھر اس کو تیل میں داغ دیدو“۔

میں کہتا ہوں داغ دینے کا حکم اس لئے ہے کہ قطع سرایت نہ کرے اور وہ ہلاک نہ ہو کیونکہ داغ دینے سے زخم سرایت نہیں کرتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ چور کا ہاتھ کاٹ کر اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

میں کہتا ہوں یہ شہرت دینے کے لئے کیا گیا تا کہ لوگ اس کا چور ہونا معلوم کر لیں اور اس بات میں فرق ہو جائے کہ اس کا ہاتھ ظلم سے نہیں کاٹا گیا بلکہ حد میں کاٹا گیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چوری میں جو نصاب سے کم ہو فرمایا کہ ”اس کو تکلیف دی جائے اور دو چند تاوان لیا جائے“۔

میں کہتا ہوں آپ نے دو چند تاوان لینے کا حکم اس لئے فرمایا کہ چور کو اس کے اس فعل سے باز رکھنا اور اس کو مالی اور بدنی سزا دینا ضروری ہے اس واسطے کہ انسان بسا اوقات جسمانی تکلیف کی بہ نسبت مالی تکلیف کی وجہ سے زیادہ تر باز رہتا ہے اور بسا اوقات اس کے برعکس ہوتا ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں تکلیفوں کو جمع کر دیا پھر مال مسروقہ کے برابر تاوان کا حکم کرنا ایسا ہے گویا اس نے چوری ہی نہیں کی اور نہ اس میں کچھ سزا ہے اس وجہ سے دوسرا تاوان اور زیادہ کر دیا گیا تا کہ وہ تاوان آئندہ چوری کا قصد کرنے سے اس کو باز رکھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور گرفتار ہو کر آیا جس نے چوری کا اقرار کیا لیکن اس کے پاس مال برآمد نہیں ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا میرے خیال میں تو نے چوری نہیں کی۔ اس نے کہا ہاں چوری کی ہے تو آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اس کے سامنے اسی کلام کا اعادہ فرمایا تب آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم فرمایا اور ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مجرم کو لایا گیا تو آپ نے اس سے فرمایا تو کہہ کہ میں خدا تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں، اس نے کہا میں خدا سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں، آپ نے

تین مرتبہ فرمایا اے اللہ تعالیٰ تو اس کی توبہ قبول کر۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب گنہگار اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور اس پر نادم ہوتا ہے تو مناسب ہے کہ کسی حیلہ سے حد اس سے دور کر دی جائے اور ہم اس کا حال پہلے بیان کر چکے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ**'' الایہ: میں کہتا ہوں محاربہ کرنا بغیر جماعت مظلومہ کے جنگ گئے واقع نہیں ہوتا اور چوری کی حد سے اس حد کو زیادہ مقرر کرنے کا سبب یہ ہے کہ بنی آدم کے اجتماع میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے نفوس خصلت سبعیہ کے غلبہ سے خالی نہیں ہوتے اور ان لوگوں میں سخت جرأت اور قتال اور اجتماع کا مادہ ہوتا ہے پس وہ قتل کرنے اور لوٹنے میں کچھ پرواہ نہیں کرتے اور اس کا فساد چوری کے فساد سے زیادہ ہے کیونکہ لوگ چوروں سے مال محفوظ رکھ سکتے ہیں لیکن مسافر لوگ رہزنوں سے نہیں بچ سکتے اور حکام لوگ اور جماعت مسلمین اس جگہ اور اس وقت میں ان کی مدد بہ سہولت نہیں کر سکتے اور نیز رہزنوں کا ارادہ جو اس فعل پر آمادہ کرتا ہے زیادہ تر سخت اور مضبوط ہوتا ہے کیونکہ رہزن وہی شخص ہوتا ہے جو بڑا دلیر اور قوی الجثہ شخص ہو اور ان میں باہم اجتماع اور اتفاق بھی ہوتا ہے بخلاف چوروں کے اس واسطے ضروری ہے کہ رہزنی کی سزا چوری کی سزا سے زیادہ سخت مقرر کی جائے اور اکثر علما اس پر متفق ہیں کہ سزا آیت کی ترتیب کے موافق ہے اور وہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے موافق ہے کہ ''مومن بغیر ان تین میں سے کسی ایک کے قتل نہ کیا جائے'' الحدیث۔

اور بعض علما کہتے ہیں کہ امام کو سزا میں اختیار ہے اور یہ قول لفظ 'او' کے موافق ہے اور میرے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ''جماعت سے باہر ہونے والا'' اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ آپ نے اس میں دو علتوں کو جمع کیا ہے اور مراد یہ ہے کہ ان دونوں علتوں میں سے ہر علت مفید حکم ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دو علتوں کو جمع کیا ہے پس آپ نے فرمایا ''دو شخص پاخانہ کے لئے اس حالت میں باہر نہ جائیں کہ اپنا ستر کھولے ہوئے ہوں باتیں کرتے ہوں'' پس برہنہ ہونا لعنت کا سبب ہے اور ایسی حالت میں باتیں کرنا بھی لعنت کا سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور تیر یہ سب ناپاک چیزیں

ہیں شیطان کے اعمال سے ہیں پس ان سے پرہیز کرو تا کہ نجات پاؤ، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوا کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوادے اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے پس کیا تم باز رہنے والے ہو‘‘۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان فرمادیا کہ شراب کے اندر دو قسم کی برائی ہے ایک تو لوگوں کے لئے برائی ہے کہ شراب کا پینے والا لوگوں سے لڑتا جھگڑتا ہے اور ان کو ستاتا ہے۔

اور ایک برائی کا انجام اس کی تہذیب نفس کی طرف رجوع کرنا ہے کیونکہ شراب کا پینے والا حالت بہیمیت میں غرق ہو جاتا ہے اور اس کی وہ عقل جس پر نیکی کا مدار ہے زائل ہو جاتی ہے اور چونکہ تھوڑی شراب پینے سے زیادہ شراب پینے کی خواہش ہوتی ہے اس واسطے سیاست امت کے لحاظ سے ضرور ہوا کہ تحریم کا مدار اس کے نشہ آور ہونے پر کیا جائے اور فی الحال نشہ کے موجود ہونے پر نہ کیا جائے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ شراب کی حقیقت کیا ہے، پس آپ نے فرمایا ’’ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے‘‘ اور آپ نے فرمایا ’’شراب ان درختوں سے ہوتی ہے چھوارہ اور انگور‘‘ اور ان دونوں درختوں کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ اس زمانہ میں عرب انہیں سے شراب بناتے تھے اور کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مزر (۱) اور بتع کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ’’ہر نشہ آور چیز حرام ہے‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جس کے زیادہ استعمال کرنے سے نشہ ہو وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے‘‘۔

میں کہتا ہوں یہ سب احادیث مستفیضہ ہیں اور میں اس بات کو نہیں جانتا کہ انگوری شراب اور غیر انگوری شراب میں کوئی فرق ہے کیونکہ شراب کی حرمت صرف ان خرابیوں کی وجہ سے نازل ہوئی جن کی قرآن میں تصریح ہے اور وہ سب خرابیاں انگوری و غیر انگوری سب قسم کی شرابوں میں ایک برابر پائی جاتی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جس نے دنیا میں شراب پی اور اس کا عادی ہوا اور بغیر توبہ کئے مر گیا تو وہ آخرت میں شراب نہیں پئے گا‘‘ (۲)۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ حالت بہیمیت میں غرق ہونے والے اور صفت احسان

---

(۱) مزر اہل یمن کی شراب ہے جو جوار سے بنتی ہے اور بتع ان کی وہ شراب ہے جو نبیذ عسل سے تیار کی جاتی ہے۔

(۲) شراب طہور

سے پشت پھیرنے والے کے لئے جنت کی لذائذ میں کوئی حصہ نہیں ہے پس شراب کے پینے کو اور اس کے عادی ہونے کو اور اس سے تائب نہ ہونے کو حالت بہیمیت میں غرق ہونے کا قوی سبب قرار دے کر اس پر حکم وائر کر دیا گیا اور جنت کے لذائذ میں سے شراب کو مخصوص کیا گیا تا کہ ظاہر میں دونوں لذتوں کا فرق معلوم ہو جائے۔

اور نیز جب کسی فعل کے ضمن میں نفس لذت بہیمیہ میں منہمک ہو جاتا ہے تو اس کو وہ فعل اس لذت کی صورت میں نظر آتا ہے جس کے یاد کرنے سے لذت یاد آجاتی ہے پس وہ شخص اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ احسان کی لذت اس کی صورت میں ظاہر ہو اور نیز فعل کی سزا اس کی مناسبت سے ہوتی ہے پس جس شخص نے ایک چیز پر اقدام کیا ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی خواہش اور شوق کے وقت اس لذت کے معدوم کرنے سے اس کو تکلیف دی جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے اس بات کا عہد کیا ہے کہ جو شخص نشہ آور چیز پیئے گا اس کو اللہ تعالیٰ طینۃ الخبال پلائے گا اور طینۃ الخبال دوزخیوں کا خون اور پیپ ہے''۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ پیپ اور خون سیال چیزوں میں ہمارے نزدیک نہایت قبیح اور طبائع سلیمہ کے اعتبار سے نہایت حقیر اور نہایت قابل نفرت شے ہیں اور شراب بھی ایک سیال چیز ہے پس مناسب ہوا کہ سزا طینۃ الخبال کی صورت میں مکروہ حالت کے ساتھ متمثل ہو اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علمانے منکر ونکیر کے باب میں فرمایا ہے کہ وہ نیلگوں آنکھوں میں ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ عرب نیلگوں آنکھ ناپسند کرتے ہیں اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس امر میں بعض خارجی حوادث بہ منزلہ خواب کے ہوتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شراب پی اللہ تعالیٰ اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں کرے گا پس اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے گا''۔

میں کہتا ہوں اس کی نماز قبول نہ ہونے میں یہ راز ہے کہ صفت بہیمیت کا ظاہر ہونا اور کسی گناہ پر اقدام کرنے کی وجہ سے صفت ملکیت پر اس کو غالب کرنا اللہ تعالیٰ پر جرأت کرنا اور اپنے نفس کو ایسی رذیل حالت میں غرق کرنا ہے جو احسان کے منافی اور اس کے مخالف ہے اور اس بات کا سبب ہے کہ نماز سے جو اس کے نفس میں احسان کا نفع ہوتا تھا اور اس کا نفس حالت احسان کا

تابع ہوتا تھا وہ اس کے حق میں معدوم ہو جائے اور جب کوئی شراب پینے والا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو آپ اس کو مارنے کا حکم فرماتے تھے پس لوگ اس کو جوتوں سے اور چادر کے کوڑوں سے اور ہاتھ سے مارتے تھے یہاں تک کہ چالیس ضربہ اس کو لگتے تھے پھر آپ فرماتے تھے کہ اس کو ڈانٹ بتاؤ تو لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور کہتے تھے تو نے اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کیا تو اللہ سے نڈر ہو گیا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ حیا نہ کی اور یہ بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے مٹی اٹھا کر اس کے منہ پر پھینک دی۔

میں کہتا ہوں بہ نسبت اور حدود کے اس حد کے کم ہونے میں یہ راز ہے کہ اور معاصی میں ان کے ارتکاب کے ساتھ ہی فساد موجود ہو جاتا ہے مثلاً کسی کا مال چرانا یا رہزنی کرنا یا زنا کرنا یا زنا کی تہمت لگانا، لیکن شراب پینا اس میں فساد کا احتمال ہے اور فوراً فساد موجود نہیں ہوتا اس واسطے سے کم شراب کی حد مقرر کی گئی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم چالیس درے اس واسطے لگواتے تھے کہ اس میں قذف کا احتمال ہے اور جو کسی چیز کا مظنہ ہوتا ہے اس کا اصل شئے سے نصف کے برابر کم ہونا مناسب ہے پھر جب فساد زیادہ پھیل گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی درے شراب کی حد مقرر کی یا تو اس واسطے کہ کتاب الٰہی میں جس قدر حدود مذکور ہیں اسی کی مقدار ان سب میں ادنیٰ درجہ کی ہے پس جس حد کی قرآن میں تصریح نہیں ہے وہ کمتر حد سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے، یا اس واسطے کہ شراب پینے والا اکثر دوسروں کو زنا کی تہمت لگاتا ہے اگرچہ خود اس نے زنا یا قتل نہیں کیا ہے اور جو چیز غالب ہے اس کا حکم یقینی چیز کا حکم ہوتا ہے اور توبیخ کرنے کی حکمت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم سے پیشتر لوگ اسی واسطے ہلاک ہو گئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور اگر ناتواں آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اور خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا“۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس نے سفارش کر کے حدود الٰہی میں سے کسی حد کو قائم نہ ہونے دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے مخالفت کی“۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ شرفا کی عزت کا محفوظ رکھنا اور ان کے ساتھ درگزر کرنا اور ان کے معاملہ میں سفارش کرنا ایک ایسا امر ہے جو ہمیشہ سے امتوں میں چلا آتا

ہے اور سب اولین اور آخرین اس بات کے پیرو ہیں اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس امر میں تاکید فرمائی اور اہتمام کیا کیونکہ شرفا کے حق میں سفارش کرنا اور ان سے درگزر کرنا ان حدود کی مخالفت کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محدود پر لعنت کرنے اور اس کے پیچھے پڑنے سے منع کیا تا کہ وہ لوگوں کو حد قائم کرنے سے باز رکھنے کا باعث نہ ہو جائے اور اس واسطے کہ حد گناہ کا کفارہ ہے اور جب ایک شئے کا کفارہ سے تدارک ہو گیا تو وہ شئے کالعدم ہو گئی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ (یعنی ماعز) جنت کی نہروں میں غوطے مار رہا ہے“۔

اور حدود کے ساتھ دو قسم کی زجر اور ملحق کی گئی ہیں ایک تو دین کی ہتک حرمت کی سزا اور ایک امامت کی حفاظت، پہلے کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ”جو شخص اپنا دین بدلے اس کو قتل کرو“ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دین سے خارج ہونے پر کسی سخت سزا کا قائم کرنا ضروری ہے ورنہ دین کی ہتک کا دروازہ کھلتا ہے اور خدا تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ ملت آسمانی بہ منزلہ جبلی امر کے قرار پا جائے جو جدا نہیں ہو سکتا، اور ارتداد اس قول سے ثابت ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ یا رسولوں کی نفی یا کسی رسول کی تکذیب پر دلالت کرے یا وہ ایسا فعل ہو جس سے دین کے ساتھ صراحتاً ہنسی مقصود ہو اور اسی طرح ضروریات دین کے انکار سے بھی ارتداد ثابت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اور انھوں نے دین کے اندر عیب نکالا“۔ اور ایک یہودی عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا کرتی تھی پس ایک شخص نے اس کا گلا دبا دیا حتی کہ وہ مر گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو باطل کر دیا کیونکہ دین اسلام میں طعن کرنے سے اور عیب جوئی کرنے سے اور ظاہری ایذا رسانی سے ذمی کا عہد منقطع ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین میں ملا جلا رہے وہ دونوں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھنے پائیں“۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ اختلاط کرنا اور ان کے گروہ کو بڑھانا ایک طرح سے ان کی مدد کرنا ہے پھر اس نے کفار کی بستیوں سے دور رہنے کو اس طرح منضبط کیا کہ ان سے اتنے فاصلہ پر رہے کہ اگر ان کے شہر یا منزل میں سے اونچی جگہ پر روشنی کی جائے تو دوسرے کو دکھائی نہ دے اور دوسرے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”پس اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی

کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑوں یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ آئے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے ''جب دو خلیفہ کی بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو مار ڈالو''۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ امامت ایسی شئے ہے جس میں طبعی طور پر انسان کو رغبت ہوتی ہے اور مختلف ملکوں میں لوگوں کا اتفاق ایسے شخص پر ضرور ہوتا ہے جس کو امامت کی خاطر قتال پر جرأت ہوتی ہے اور لوگ اس کی مدد کے لئے متفق ہوتے ہیں پس اگر مقابل کو چھوڑ دیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے تو وہ ضرور خلیفہ کو قتل کر دے گا پھر کوئی اور اس سے قتال کرے گا اور وہ اس کو قتل کر دے گا اور پھر اسی طرح سلسلہ جاری رہے گا اور اس میں مسلمانوں کے لئے بڑی خرابی ہے پس اس فساد کے بند کرنے کی یہی صورت ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایک طریقہ مقرر کیا جائے کہ جب ایک خلیفہ کی خلافت منعقد ہو جائے پھر جو کوئی اس میں جھگڑا کرنے کے لئے آمادہ ہو تو اس کو قتل کرنا جائز ہو اور اس کے مقابل میں خلیفہ کی مدد کرنا مسلمانوں پر واجب ہو اس کے بعد وہ شخص ہے جو اپنی ذات یا خاندان سے کسی تکلیف کے دفع کرنے کے ارادہ سے کسی تاویل سے خلیفہ کے خلاف کھڑا ہو یا خلیفہ کے اندر کوئی نقص ثابت کرے اور ایسی دلیل شرعی سے اس پر حجت کرے جو جمہور مسلمین کے نزدیک مسلم نہ ہو اور نہ وہ خدا کی طرف سے ایسا حکم ہو جو لوگوں کے نزدیک قطعی دلیل ہو جس کا وہ انکار نہ کر سکیں پس ایسے شخص کا حال اس شخص سے کم درجہ کا ہے جو ملک میں فساد پھیلانے کی غرض سے کھڑا ہو اور شریعت کو ترک کر کے تلوار کو حاکم قرار دے پس ان دونوں شخصوں کو ایک درجہ میں نہیں رکھنا چاہئے اس واسطے مناسب یہ ہے کہ امام ان کی طرف کسی دانا ناصح عالم کو بھیجے جو ان کے شبہ کو دور کرے یا ان کی تکلیف کو ان سے دور کرے جس طرح امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباسؓ کو حروریہ کی طرف بھیجا تھا پس اگر وہ جماعت مسلمین کی طرف رجوع کریں تو فبہا ورنہ امام کو ان سے قتال کرنا چاہئے لیکن ان میں سے جو شخص بھاگ جائے یا قید ہو جائے تو ان کو قتل نہیں کرنا چاہئے اور نہ ان کے زخمی کو ہلاک کرنا چاہئے کیونکہ مقصود ان کے شر کو دفع کرنا اور ان کی جماعت کو پراگندہ کرنا ہے اور وہ حاصل ہو گیا، لیکن دوسرا شخص سو وہ محاربین میں سے ہے اور اس کا حکم محارب کا حکم ہے۔

فیصلہ جات کا بیان

واضح ہو کہ جو حاجات کثیر الوقوع ہیں اور جن کا فساد سخت ہے وہ لوگوں کے باہمی جھگڑے ہیں کیونکہ وہی باہمی عداوت اور بغض اور فساد کا باعث ہوتے ہیں اور وہی حق تلفی اور دلیل نہ مان کر کجروی کی رغبت دلاتے ہیں، پس ضروری ہوا کہ ہر طرف ایسے لوگ بھیجے جائیں جو انصاف سے ان کے مقدمات کا فیصلہ کریں اور اس فیصلہ پر عمل کرنے پر خواہ مخواہ ان کو مجبور کریں اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قاضیوں کے بھیجنے کا سخت اہتمام فرماتے تھے پھر آپ کے بعد مسلمان ایسا ہی کرتے رہے پھر چونکہ لوگوں کے فیصلہ کرنے میں ظلم اور زیادتی کا احتمال ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ فیصلہ کے اندر ظلم وزیادتی کرنے سے لوگوں کو ڈرایا جائے اور ایسے کلیات منضبط کئے جائیں جن کی طرف احکام کا رجوع ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو شخص لوگوں کے اندر قاضی مقرر کیا گیا بلاشبہ وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا‘‘۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قضا بڑا بھاری بوجھ ہے اور اس پر اقدام کرنے میں ہلاک ہونے کا خطرہ ہے ہاں لیکن جس کو خدا تعالیٰ بچانا چاہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو شخص قضا کے عہدے کا طالب ہو اور اس کی درخواست کرے تو اس کو اس کے نفس پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور جس کو زبردستی قاضی بنایا جائے تو خدا تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ نازل کرتا ہے جو اس کی رہنمائی کرتا ہے‘‘۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ جو شخص عہدہ کا طالب ہوتا ہے تو اکثر اس کے دل میں ایک خواہش نفسانی مال یا جاہ کی ہوتی ہے یا کسی دشمن سے بدلہ لینے کی قدرت وغیرہ کا حاصل کرنا

ہوتا ہے پس خلوص نیت جو نزول برکات کا سبب ہے اس کی جانب سے نہیں پائی جاتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قاضی تین قسم کے ہیں ایک جنتی اور دو دوزخی ہیں، پس جنتی وہ قاضی ہے جو حق کو پہنچانے اور اسی کے موافق فیصلہ دے اور جو قاضی حق کو پہچانے لیکن لیکن فیصلہ دینے میں ظلم کرے تو وہ دوزخی ہے اور جو قاضی جاہل ہو اور لوگوں کا فیصلہ کرے تو وہ بھی دوزخی ہے''۔

میں کہتا ہوں اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قاضی ہونے کے قابل وہ شخص ہے جو عادل ہو اور ظلم سے اور کسی طرف مائل ہونے سے بری ہو اور اس کی یہ بات لوگوں میں مشہور ہو اور عالم ہو جو احکام حقہ خاص کر قضا کے مسائل سے واقف ہو اور اس کا سبب ظاہر ہے کیونکہ قاضی بنانے سے جو مصلحت مقصود ہے بغیر ان باتوں کے متصور نہیں ہو سکتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کوئی حکم غصہ کی حالت میں دو شخصوں کے درمیان ہرگز فیصلہ نہ کرے''۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب ایک شخص کا دل غصہ سے بھرا ہوا ہے تو وہ شخص دلائل اور قرائن میں غور کر کے حق کو معلوم نہ کر سکے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب کوئی حاکم اجتہاد کر کے فیصلہ کرے اور اس میں وہ درست ہو تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد کر کے فیصلہ کرے اور اس میں وہ چوک جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے، اور اجتہاد کے معنی دلیل کے تلاش کرنے میں طاقت کا صرف کرنا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف بقدر وسعت کے ہے اور انسان کی وسعت میں صرف یہ ہے کہ کوشش کرے اور اس کے بس میں یہ نہیں ہے کہ ضرور بالضرور حق کو پہنچ جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''جب دو شخص تیرے پاس کوئی مقدمہ لائیں تو جب تک تو دوسرے کی بات نہ سن لے پہلے کے حق میں فیصلہ نہ کر کیونکہ دونوں کی بات سننے سے فیصلہ اچھی طرح ظاہر ہو سکتا ہے''۔

میں کہتا ہوں یہ اس واسطے آپ نے فرمایا کہ دونوں کی دلیل کو ملاحظہ کرنے سے ترجیح ظاہر ہو جاتی ہے۔

اور واضح ہو کہ قضا کے دو درجے ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس امر میں دونوں شخصوں کا جھگڑا ہے اس کی اصل حقیقت معلوم کرنا اور دوسرے اس مقدمہ میں انصاف سے حکم دینا ہے، اور قاضی کو کبھی ان دونوں کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی صرف ایک کی ضرورت ہوتی ہے پس جب دونوں شخصوں

میں سے ہر ایک اس بات کا دعویٰ کرے کہ یہ جانور مثلاً اس کی ملک ہے اور اس کی ملک میں پیدا ہوا ہے یا اس پتھر کو وہ پہاڑ سے اٹھا کر لایا ہے تو حقیقت حال معلوم ہونے کی وجہ سے یہاں کوئی اشکال نہیں ہے اور حضرت علیؓ اور زید اور جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان حضرت حمزہؓ کی لڑکی کی پرورش کے باب میں جو مقدمہ پیش تھا وہاں اصل حال تو معلوم تھا صرف حکم دینا مطلوب تھا، اور جب ایک شخص دوسرے پر غصب کا دعویٰ کرے اور مال کی حالت متغیر ہو اور دوسرا اس کا انکار کرے تو اولاً حقیقت حال معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی کہ دراصل غصب ہوا بھی ہے کہ نہیں، اس کے بعد حکم دینے کی ضرورت ہوگی کہ اس اصل مغصوب کو واپس کرنے کا حکم دیا جائے یا اس کی قیمت دینے کا حکم دیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قضا کے دونوں مقاموں کو قواعد کلیہ سے منضبط فرما دیا ہے پس مقام اوّل میں شہادت اور قسم سے زیادہ مناسب کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ حقیقت حال کی معرفت بجز اس صورت کے ممکن نہیں کہ جو شخص اس واقعہ میں موجود تھا اس کی خبر دے یا خود مقدمہ والا ایسی تاکید سے اس کو بیان کرے کہ جس کے ساتھ کذب کا گمان نہ رہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر لوگوں کو صرف ان کے دعویٰ کرنے کی وجہ سے دلایا جاتا تو لوگ خون اور اپنے مال کے دعوے سے غلط قائم کرتے لیکن مدعی پر گواہ اور مدعا علیہ پر قسم لازم ہے، پس مدعی وہ شخص ہے جو ظاہر کے خلاف دعوے کر کے کسی زیادت کو ثابت کرے اور مدعا علیہ وہ شخص ہے جو اصل کا پابند ہو اور ظاہر سے دلیل پکڑے، پس ایسی صورت میں اس سے بہتر عدل نہیں کہ مدعی کے حق میں گواہ اور اس شخص کے حق میں جو ظاہر سے دلیل پکڑتا ہے اور اپنے نفس کو بچاتا ہے قسم کا اعتبار کیا جائے جبکہ مدعی گواہ قائم نہ کر سکے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کے مقرر ہونے کے سبب کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ کر دیا ہے ''اگر لوگوں کو ان کے دعوے کے موافق دیا جاتا'' الخ

یعنی وہ باہمی ظلم کا سبب ہے پس ایسی صورت میں دلیل کا ہونا ضروری ہے پھر گواہ کے اندر اس صفت کا ہونا معتبر ہے کہ لوگوں کے نزدیک وہ پسندیدہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''گواہوں میں سے جس کو تم پسند کرو'' اور یہ صفت عقل اور بلوغ اور اس معاملہ کے ضبط اور گویائی اور اسلام اور عدالت اور مروّت اور عدم تہمت سے حاصل ہوتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی شہادت درست نہیں اور نہ زانی اور زانیہ کی اور نہ

اس شخص کی جو اپنے بھائی سے دشمنی رکھتا ہو اور گھر والوں کے خادم کی شہادت رد کی جائے گی''۔ اور تہمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی بدکردار ہیں ہاں جو اس کے بعد توبہ کرلیں'' الآیہ، اور دیگر کبائر بھی قذف اور زنا کے حکم میں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خبر فی نفسہٖ صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے اور ان دونوں میں سے ایک کو کسی قرینہ سے ترجیح ہوتی ہے اور وہ قرینہ یا تو مخبر میں ہوتا ہے یا اس میں جس سے خبر دی جاتی ہے یا کسی اور میں اور ان میں سے کوئی چیز ایسی منضبط نہیں ہے جس پر حکم شرعی دائر کیا جائے البتہ مخبر کی وہ صفات جن کو ہم نے ذکر کیا سوائے ظاہر حال اور استصحاب (۱) کے اس قابل ہیں اور ایک مرتبہ ان کا اعتبار کیا گیا ہے جبکہ آپ نے فرمایا مدعی کے لئے بینہ ہے اور مدعا علیہ کے لئے قسم ہے، پھر گواہوں کی تعداد ان اطوار مختلفہ کے اعتبار سے مقرر کی گئی ہے جن کو شارع نے مختلف حقوق کے اندر رکھا ہے پس زنا کے ثبوت میں چار گواہ ضروری ہیں اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں پر بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں'' الآیۃ۔

اور ہم پیشتر اس کی مشروعیت کا سبب بیان کر چکے ہیں اور قصاص اور حدود میں صرف دو آدمیوں کی شہادت کا اعتبار کیا گیا ہے اور اس کی دلیل زہری رحمۃ اللہ کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے برابر یہ دستور جاری ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اور حقوق مالیہ میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے اور اس میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں'' اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں کثرت کی وجہ اپنے اس قول میں بیان فرمادی ''ان دونوں میں سے ایک چوک جائے تو ان میں سے ایک دوسرے کو یاد دلادے'' یعنی عورتیں ناقص العقل ہیں پس عدد کی زیادتی سے اس کمی کو پورا کرنا ضروری ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ دے دیا تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہد عدل کے ساتھ جب قسم مل جائے تو امر شہادت پختہ ہو جاتا ہے اور شہادت کے باب میں وسعت ضروری ہے اور یہ سنت جاری ہے کہ جب گواہوں میں کوئی شک پیدا ہو تو ان کے چال چلن کو دریافت کرلیا جائے اس واسطے کہ ان کی گواہی کا اعتبار ان کی صفات کی

---

(۱) کسی شے کو اس کی حالت پر باقی رکھنا۔

وجہ سے ہے جو ان کی راست گوئی کو کذب پر ترجیح دینے کا باعث ہیں پس ان کے صفات کا ظاہر ہونا ضروری ہے، اور یہ سنت بھی جاری ہے کہ جب کوئی شبہ ہو تو زمان اور مکان اور لفظ سے قسم کو خوب مضبوط کیا جائے اس واسطے کہ قسم صدق خبر پر دلیل اس قرینہ کی وجہ سے ہوتی ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خبر دینے والا کذب پر اقدام نہیں کرسکتا پس مناسب ہوا کہ جب شبہ زیادہ ہو تو قرائن کو قوی کیا جائے پس لفظ کے اعتبار سے مضبوط کرنا یہ ہے کہ اسما اور صفات زیادہ بیان کئے جائیں اور اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ''تو اس اللہ تعالیٰ کی قسم کھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جو پوشیدہ اور ظاہر بات کو جانتا ہے'' اور زمانہ کے اعتبار سے مضبوط کرنا یہ ہے کہ عصر کے بعد قسم لی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اگر تم ان گواہوں کی نسبت کچھ شک ہو تو ان کو عصر کی نماز کے بعد کھڑا کرو'' اور جگہ کے اعتبار سے مضبوط کرنا یہ ہے کہ اگر مکہ معظمہ میں ہو تو رکن اور مقام کے درمیان کھڑا کرکے قسم لی جائے اور اگر مدینہ منورہ میں ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس کھڑا کرکے اس سے گواہی لیں اور دیگر شہروں میں مساجد کے منبر کے پاس کھڑا کریں کیونکہ ان مقامات کی فضیلت شرع سے ثابت ہے اور ان مقامات میں جھوٹ بولنا نہایت گناہ سمجھا جاتا ہے پھر یہ ضرورت پیش آئی کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی مخالفت کرنے سے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدمات کے فیصل کرنے اور حقیقت حال کے معلوم ہونے کے لئے مقرر فرمایا ہے نہایت خوف دلایا جائے، اور ان ترہیبات میں اصل تین چیزیں ہیں ایک یہ ہے کہ جس فعل سے اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے اس پر اور تحریم جنت وغیرہ کے ثابت کیا گیا، دوسرے یہ کہ وہ ظلم کے اندر کوشش کرتا ہے اور اس کا حال ایسا ہے جیسے چوری کرنا اور رہزنی کرنا یا وہ ایسا ہے جیسے چور کو مال بتلانا تاکہ وہ چوری کرے یا رہزن کو رہزنی پر آمادہ کرنا، پس اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور لوگوں کی لعنت جو زمین میں فساد کرنے والوں پر ہوتی ہے اس گناہ کرنے والے کی طرف متوجہ ہوتی ہے پس وہ نار کا مستحق ہو جاتا ہے اور تیسرے یہ کہ اس میں اس حکم کی مخالفت کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو اپنی شرائع میں مقصود ہے اس کے مطابق حکم کے جاری نہ ہونے میں کوشش کرنا ہے کیونکہ قسم حق کی معرفت کے لئے اور گواہی حقیقت حال بیان کرنے کے لئے مشروع ہوئی ہے پس اگر جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسموں کا

طریقہ جاری ہو جائے تو مصلحت مقصودہ کا دروازہ بند ہو جائے پس من جملہ ان کے گواہی کا چھپانا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’اور جو شخص اس کو چھپائے تو اس کا دل گنہگار ہے‘‘۔

اور من جملہ ان کے جھوٹی گواہی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو کبائر میں شمار کیا ہے، اور من جملہ ان کے جھوٹی قسم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو شخص قسم کھائے کہ اس سے حق لازم کرے اور وہ اس میں جھوٹا ہو اور اس کا مقصود اس سے کسی مسلمان کا مال تلف کرنا ہو تو وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ایسے حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا‘‘۔

اور من جملہ ان کے جھوٹا دعویٰ ہے اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ’’جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے تو وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنائے‘‘۔

اور من جملہ ان کے بغیر حق کے حکم قاضی کی وجہ سے کسی چیز کا لے لینا ہے، اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ’’میں بھی تمہاری مانند بشر ہوں اور تم میرے پاس جھگڑا پیش کیا کرتے ہو‘‘ الحدیث (۱)

اور من جملہ ان کے مقدمہ بازی اور عدالت میں دعاوی دائر کرنے کی عادت ڈال لینا ہے کیونکہ وہ بھی باہم فساد ڈالنے سے خالی نہیں ہے اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ’’لوگوں میں سے سب زیادہ مبغوض اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جو بڑا جھگڑالو ہے‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حق و باطل دونوں میں ترک مخاصمت کی ترغیب دی ہے کیونکہ اس میں صفت سماعت کی اتباع ہے اور نیز بسا اوقات ایک شخص کا حق نہیں ہوتا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ حق اس کا ہے پس یقینی طور پر ذمہ داری سے جب ہی بری ہو سکتا ہے کہ وہ حق و ناحق دونوں میں ترک مخاصمت کا عادی ہو جائے اور حدیث میں وارد ہے کہ ’’دو شخصوں نے ایک چوپایہ پر دعویٰ کیا پس ان میں سے ہر ایک نے اس بات پر شہادت قائم کر دی کہ وہ چوپایہ اسی کے یہاں پیدا ہوا ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چوپایہ اسی کو دلایا جس کے قبضہ میں تھا‘‘۔

---

(۱) پس جو شخص چرب زبانی سے غالب آ جائے اور میں اس کے لئے حکم دوں تو یہ جان لے کہ میں نے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر اس کو دیا ہے وہ ہرگز نہ لے۔

میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ جب دونوں حجتوں میں تعارض ہوا تو دونوں ساقط اور بے اعتبار ہوگئیں پس جس کا قبضہ ہے اس کے ہاتھ میں وہ شے باقی رہی کیونکہ اس کے رد کرنے کا کوئی سبب نہیں پایا گیا، یا ہم یہ کہتے ہیں کہ دونوں دلیلوں میں سے ایک دلیل کو قرینہ ظاہری یعنی قبضہ سے تائید حاصل ہوگئی اور اس واسطے اس کو ترجیح دی گئی لیکن قضا کا مقام ثانی سے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اصول بیان کئے ہیں جن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور اجمالاً اس کا بیان یہ ہے کہ جب حقیقت حال معلوم ہوا تو اب نزاع ایسی شے میں ہوگا جو مباح الاصل ہے اور ہر شخص اس کو طلب کرتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ ترجیح ظاہر ہو یا تو وہ ترجیح کسی ایسی صفت سے ہو جس میں مسلمانوں کو اور اس شے کو نفع ہو یا ترجیح کی یہ صورت ہو کہ ان دونوں میں سے ایک کا قبضہ بہ نسبت دوسرے کے پیشتر ہو یا قرعہ سے وہ ترجیح حاصل ہو اس کی مثال وہ قضیہ ہے جو زید اور علی اور جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی پرورش کے بارے میں ہوا تھا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لڑکی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دلائی اور فرمایا ’خالہ بھی ماں ہوتی ہے‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے بارے میں فرمایا تھا ’’اگر لوگوں کو اذان اور صف اول کی فضیلت معلوم ہو جائے تو بغیر قرعہ ڈالے چارہ نہ ہو‘‘ اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے تھے اور یا ترجیح کی یہ صورت ہو کہ کوئی سابقہ عقد یا غصب چلا آتا ہو اور ہر شخص یہ دعویٰ کرتا ہو کہ وہ اس کا حقدار ہے اور اس میں ہر ایک کے لئے شبہ ہو پس اس کا حکم یہ ہے کہ لوگوں میں جو دستور و عرف جاری ہے اس کا اتباع کیا جائے اقرارات اور عقود کے الفاظ کی تفسیر انہی معنی سے کی جائے جو جمہور کے نزدیک ان کے معنی ہیں اور ضرر رسانی امور کو بھی انہی کے دستور سے معلوم کیا جائے اس کی مثال براء بن عازبؓ کا قضیہ ہے کہ ان کی اونٹنی ایک باغ میں چلی گئی اور اس نے باغ کا کچھ نقصان کر دیا اور فریقین میں سے ہر ایک نے یہ دعویٰ کیا کہ میں معذور ہوں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عادت معروفہ کے موافق فیصلہ کیا اور عادت معروفہ یہ ہے کہ باغ والے دن کو اپنے باغ کی نگہبانی کیا کرتے ہیں اور مویشی پالنے والے رات میں اپنے مویشیوں کو حفاظت میں رکھا کرتے تھے۔ اور من جملہ ان قواعد کے جن پر بہت سے احکام مبنی ہیں ایک یہ قاعدہ ہے کہ نفع تاوان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کی اصل

وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آمدنی تاوان کے ساتھ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ منافع کا انضباط دشوار ہے اور یہ کہ جاہلیت کی قسمیں اور خون اور جو کچھ اس وقت میں ہوا اس سے تعرض نہ کیا جائے گا اور جاہلیت کے بعد ہر امر نئے سرے سے معتبر ہوگا۔ اور یہ کہ قبضہ بغیر کسی دلیل کے توڑا نہ جائے گا اور استصحاب کی اصل یہی ہے، اور یہ کہ اگر تفتیش کا دروازہ بند ہو جائے تو حکم وہ ہوگا جو مال والا چاہے گا یا اس معاملہ کو دونوں واپس لے لیں گے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے کہ ''جب بائع اور مشتری اختلاف کریں اور مال موجود ہو تو بائع کا قول معتبر ہوگا یا وہ دونوں بیع کو فسخ کر دیں'' اور یہ کہ ہر عقد میں اصل یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے پورا پورا حق دلایا جائے اور عقد سے جو شخص جس چیز کا التزام کرے وہ اس پر لازم ہے بجز اس عقد کے جس سے شارع نے منع فرمایا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسلمانوں کو اپنی شروط کا پابند ہونا ضروری ہے بجز اس شرط کے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرے یا حلال کی ہوئی چیز کو حرام کرے'' پس یہ کسی قدر ان احکام کا بیان ہے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ثانی کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔

اور من جملہ ان فیصلوں کے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام صادر کئے ہیں وہ فیصلہ ہے جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی پرورش کے باب میں واقع ہوا چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں نے اس کو لیا ہے، اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے، اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا اور یہ فرمایا کہ ''خالہ بہ منزلہ ماں کے ہوتی ہے'' اور ایک فیصلہ زمعہ کی باندی کے بچہ کا ہے جو دعویٰ نسب میں ہوا تھا چنانچہ سعد نے کہا کہ میرے بھائی نے اس کے بارے میں مجھ سے یہ عہد کیا ہے، اور عبد بن زمعہ نے کہا کہ وہ میرے باپ کی باندی ولیدہ کا بیٹا ہے جو اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے تب نبی صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا ''اے عبد بن زمعہ یہ بچہ تیرے لئے ہے بچہ ماں کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے، اور ایک فیصلہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کا ہے جو باغ میں پانی دینے کی بابت ہوا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم دیا تھا جس میں دونوں کے لئے آسانی تھی کہ ''اے زبیر تو پانی دے لے پھر نالہ کو انصاری کے لئے چھوڑ دے، پس انصاری اس فیصلہ

سے ناخوش ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو پورا حق دلایا اور فرمایا کہ اے زبیر تو اتنا پانی لے کہ باغ کی دیواروں کو جڑ تک پہنچ جائے” اور ایک فیصلہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کا ہے جو ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوگئی اور اس کا نقصان کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ مال والے دن میں اپنے مال کی حفاظت کریں اور مویشیوں کے مالک رات میں اپنے مویشیوں کی حفاظت کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمین میں جو تقسیم نہیں ہوئی تھی شفعہ کا حکم فرمایا پس جب حدیں پڑ جائیں اور راستے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو اس میں شفعہ نہیں، اور ان قضایا کے وجوہات پہلے ہم بیان کر چکے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا “جب راستہ کے بارے میں تمہارا اختلاف ہو تو اس کی چوڑائی سات گز کی جائے” میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب لوگ مباح زمین کو آباد کرنا چاہتے ہیں اور شہر بسانا چاہتے ہیں اور راستہ کے بارے میں ان کا اختلاف ہوتا ہے پس بعض یہ چاہتے کہ راستہ کو تنگ کریں اور اس میں اپنے مکانات بنائیں اور بعض اس بات سے مانع ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کے لئے کشادہ راستہ کا ہونا ضروری ہے تو ایسے موقع پر یہ فیصلہ ہوا کہ راستہ کا عرض سات گز کا ہونا چاہئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ کی دو قطاروں کا گزرنا ضروری ہے اس طور سے کہ ایک ایک جانب سے گزر سکے اور دوسری دوسری جانب سے گزر سکے پس جب ایک قطار اس طرح سے آجائے اور دوسری قطار اس طرف سے آجائے تو ایسی صورت میں ان کے واسطے ضرور اتنا راستہ ہونا چاہئے کہ وہ بہ آسانی گزر سکیں ورنہ دقت پیش آئے گی اور اس کی مقدار سات گز ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا “جو شخص کسی کی زمین میں بلا اس کی اجازت کے کھیتی کرے گا تو اس کو اس کھیتی میں سے کچھ نہیں ملے گا البتہ اس کو کام کی اجرت ملے گی”۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بہ منزلہ محنت کرنے والے کے گردانا کہ مالک زمین کے لئے اس نے نفع بخش کام کیا، واللہ اعلم۔

جہاد کا بیان

واضح ہو کہ تمام شریعتوں میں سب سے زیادہ تمام اور کامل وہ شریعت ہے جس میں جہاد کا حکم پایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا اوامر ونواہی کے ساتھ مکلّف کرنا ایسا ہے کہ جیسے کسی شخص کے غلام مریض ہو جائیں تب وہ اپنے کسی خاص آدمی کو اس بات کا حکم دے کہ وہ ان کو کوئی دوا پلا دے پس اگر وہ شخص دوا پلانے میں ان پر سختی کرے اور اس کو ان کے منہ میں ڈالے تو ایسا کرنا درست ہوگا مگر رحمت کا مقتضیٰ ہے کہ ان کے سامنے دوا کے فوائد بیان کر دے تا کہ خوشی کے ساتھ اس دوا کو پی لیں اور نیز اس دوا میں شہد شامل کر دے تا کہ رغبت عقلیہ کے ساتھ رغبت طبیعہ بھی پائی جائے، پھر اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر ریاستوں کی محبت میں شہوات دنیہ اور اخلاق سبعیہ اور شیطانی وسوسے سے غالب ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں ان کے آبا کے رسوم از حد پیوست ہوتے ہیں پس وہ ان فوائد کو نہیں سنتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر یقین نہیں کرتے اور اس کی خوبی میں غور نہیں کرتے تو ان کے حق میں یہ رحمت نہیں ہے کہ ان پر اثبات حجت میں ہی اکتفا کیا جائے بلکہ ان کے حق میں رحمت یہی ہے کہ ان پر جبر کیا جائے تا کہ خواہ مخواہ ان کے دلوں میں ایمان اس طرح سے داخل کیا جائے جس طرح زبردستی سے تلخ دوا پلائی جاتی ہے اور یہ جبر اور سختی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ جو مقابلہ میں قوت شدیدہ اور سامان قوی رکھتا ہے اس کو قتل کیا جائے یا ان کی قوت وشوکت کو توڑ دیا جائے اور ان کے مال واسباب کو ضبط کر لیا جائے یہاں تک کہ وہ بالکل بے بس ہو جائیں پس اس وقت ان کے پیرو اور ان کی اولاد خوشی اور رغبت سے اسلام کو قبول کر سکتی ہے اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو لکھا تھا ''تجھ پر تمام رعایا کا وبال

ہوگا‘‘ اور بسا اوقات ان کو قید کرنا اور ان کو مغلوب کرنا ان کے ایمان لانے کا سبب ہو جاتا ہے اور اسی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے ’’اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ اچھے معلوم ہوں گے جو زنجیروں سے بندھے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے‘‘۔ اور نیز بشر کی رحمت تامہ کاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نیکی کی طرف رہنمائی کرے اور ان کو ظالموں کے ظلم سے چھڑائے اور ان کے کاروبار اور تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کی اصلاح کرے پس ان کے فاسد شہر جن پر نفوس سبعیہ کا غلبہ ہے اور ان کو نہایت درجہ کی قوت حاصل ہے وہ بہ منزلہ مرض اکلہ (۱) کے ہے جو جسم انسان میں ہوتا ہے جس کو قطع کئے بغیر انسان کا بدن درست نہیں رہ سکتا اور جو شخص اس کے مزاج کی اصلاح اور اس کی طبیعت کے قائم کرنے کی طرف متوجہ ہوگا تو اس کے لئے اس کو قطع کرنا ضروری ہوگا اور جب تھوڑی سی برائی سے خیر کثیر حاصل ہو تو اس برائی کا کرنا ضروری ہے اور تم کو عرب میں قریش اور ان کے اطراف کے لوگوں کی حالت پر غور کرنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ نیکی سے دور تھے اور ناتوانوں پر نہایت ظلم کرتے تھے اور ان کے مابین شدید مقاتلے ہوتے تھے اور ان میں سے بعض بعض کو قید کر لیا کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ایسے تھے جو حجت میں تامل اور دلیل میں نظر نہیں کرتے تھے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جہاد کیا اور ان کے سرکشوں کو جو نہایت مضبوط اور شریر تھے قتل کیا حتی کہ امر الٰہی ظاہر ہو گیا اور لوگ آپ کے فرمانبردار ہو گئے اور بعد ازاں وہ نیک راہ پر لگ گئے اور ان کے تمام کام درست ہو گئے پس اگر شریعت میں ان لوگوں پر جہاد نہ ہوتا تو یہ رحمت ان کے حق میں حاصل نہ ہوتی، اور نیز اللہ تعالیٰ عرب و عجم سے ناخوش ہوا اور اس نے ان کے ملک اور دولت کو برباد کرنے کا حکم فرمایا پس اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں اور آپ کے واسطہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب میں یہ القا فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں تاکہ امر مطلوب حاصل ہو پس وہ اس بات میں بہ منزلہ ملائکہ کے ہیں جو امر الٰہی کے پورا کرنے میں سعی کرتے ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ ملائکہ بغیر کسی قاعدہ کلیہ مقرر کئے سعی کرتے ہیں اور مسلمان ایک قاعدہ کلیہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو تعلیم فرمایا ہے لڑتے ہیں اور ان کا یہ عمل تمام اعمال سے بڑھ کر ہے اور یہ لڑائی ان کی طرف مطلوب نہیں

---

(۱) ایک بیماری جس میں عضو سڑ جاتا ہے۔

ہوتی بلکہ حکم کرنے والے کی طرف منسوب ہوتی ہے جس طرح مجرم کے قتل کرنے کی نسبت امیر کی طرف ہوتی ہے نہ جلاد کی طرف۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا'' اور اسی راز کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا، چنانچہ آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ عرب و عجم سے ناخوش ہوا'' الحدیث، اور آپ نے فرمایا ''نہ کسریٰ ہوگا اور نہ قیصر'' یعنی وہ لوگ جو جاہلیت کا دین رکھتے ہیں۔

اور جہاد کے فضائل کا مرجع چند اصول کی طرف ہے از آں جملہ جہاد میں تدبیر الٰہی اور اس کے الہام کے ساتھ موافقت ہے پس اس کے تمام کرنے میں سعی کرنا شمول رحمت کا سبب ہے اور اس کے ابطال میں سعی کرنا شمول لعنت کا سبب ہے اور اس جیسے زمانہ میں جہاد ترک کر کے بیٹھ رہنا خیر کثیر کا فوت کرنا ہے اور از آں جملہ یہ ہے کہ جہاد ایک شاق عمل جس میں سخت مشقت ہے اور جان و مال صرف کرنا پڑتا ہے اور وطن اور مقاصد کو ترک کرنا پڑتا ہے پس ایسے سخت عمل پر وہی پیش قدمی کرتا ہے جس نے اپنے دین کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے قبول کیا اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ٹھیک ٹھیک بھروسہ کیا اور از آں جملہ یہ ہے کہ ایسے خیال کا دل میں قائم ہونا اسی وقت ہوسکتا ہے کہ اس شخص کو ملائکہ کے ساتھ مشابہت حاصل ہو اور اس کمال سے خوب بہرہ یاب ہو اور شرور بہیمیہ سے اس کو بعد ہو اور اس کے دل میں رسوخ دین کا پورا پورا میلان ہو پس وہ جہاد اس کی سلامتی قلب کی دلیل ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس وقت ہے کہ جہاد اپنی شرائط کے ساتھ پایا جائے اور وہ شرائط وہ ہیں جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ''کوئی شخص بہادری دکھانے کے لئے لڑتا ہے اور کوئی شخص حمیت کی وجہ سے مقاتلہ کرتا ہے پس ان میں سے کونسا اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرنے والا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو پس وہی شخص اللہ کی راہ میں قتال کرنے والا ہے، اور از اں جملہ یہ ہے کہ قیامت کے روز جزا عمل کی صورت میں ظاہر ہوگی جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے تو قیامت کے روز وہ اس حالت میں آئے گا کہ خون اس کے زخم سے جاری ہوگا جس کا رنگ خون کا سا ہوگا

اوراس کی بو مشک کی بو ہوگی، اورازآں جملہ یہ ہے کہ جہاد چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ امر ہے اور وہ عادتاً بغیر خرچ کرنے اور گھوڑوں کے جمع کرنے اور تیراندازی وغیرہ سیکھنے کے پورا نہیں ہوتا اس واسطے ضروری ہوا کہ ان اشیا کو بھی اس لئے پسند کیا جائے کہ ان سے مطلوب حاصل ہوتا ہے اورازآں جملہ یہ ہے کہ جہاد سے ملت کی تکمیل اوراس کی عزت کرنا ہے اوراس کو لوگوں میں بہ منزلہ امر لازم کے قرار دینا ہے پس جب تم ان اصولوں کو یاد کرلوگے تو ان احادیث کی حقیقت جو فضائل جہاد میں وارد ہیں تم کو معلوم ہوجائے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جنت کے اندر سو درجہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لئے تیار کیا ہے'' الحدیث،

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ دارالجزا میں مکان کا بلند ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی مرتبہ کی صورت مثالیہ ہے اس واسطے کہ جبروتیت پر اطلاع یابی وغیرہ امور سے نفس کو سعادت حاصل ہوتی ہے اور نیز اس کی یہ وجہ ہے کہ جہاد شعائر الٰہی اوراس کے دین کی شہرت کا اور تمام ان چیزوں کا جن کی شہرت سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے سبب ہے اوراسی لئے وہ اعمال جو ان دونوں صفتوں کا مظنہ ہیں ان کی جزا جنت میں درجات کا حاصل ہونا ہے، چنانچہ قرآن کی تلاوت کرنے والے کے حق میں وارد ہوا ہے کہ اس سے یہ کہا جائے گا ''قرآن پڑھتا جا اور چڑھتا جا جس طرح تو دنیا میں پڑھتا تھا'' اور جہاد کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ وہ درجات کے بلند ہونے کا سبب ہے کیونکہ اس کو عمل میں لانے سے دین میں بلندی حاصل ہوتی ہے پس اس کی جزا بھی عمل کے موافق ہوگی، پھر درجہ کا بلند ہونا چند وجوہ سے ہوتا ہے پس جنت میں ہر وجہ درجہ کی شکل میں ظاہر ہوگی اور ہر درجہ میں آسمان اور زمین کے برابر فرق ہے کیونکہ علوم بشریہ میں یہ انتہا درجہ کا بعد فوقانی ہے تو جیسا کہ ان کے علوم میں یہ ممکن تھا ویسا ہی دارالجزاء میں وہ متشکل ہوگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ایسا ہے جیسے شب بیداری کرنے والا روزہ دار''۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ شب بیدار روزہ دار کو اپنے غیر پر اس وجہ سے فضیلت ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بڑا شاق عمل کیا اور وہ شخص بہ منزلہ ملائکہ کے اور ان کے مشابہ ہوگیا اور مجاہد جبکہ شرع کے موافق جہاد کرتا ہے تو وہ ہر بات میں شب بیدار صائم کے ساتھ مشابہ ہوجاتا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ اور عبادات میں کوشش کرنے کی فضیلت کو سب لوگ تسلیم

کرتے ہیں اور اس کو خاص لوگ ہی سمجھتے ہیں اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شب بیدار صائم کے ساتھ تشبیہ دی تا کہ اس کا حال منکشف ہو جائے پھر اس کی ضرورت پڑی کہ ان مقدمات جہاد کی ترغیب دلائی جائے جن کے بغیر عادتاً جہاد ہو نہیں سکتا جیسے گھوڑوں کا تیار کرنا اور تیر چلانا وغیرہ کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا حکم دیتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ وہ شے ان مقدمات کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی تو اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان مقدمات کا بھی حکم دے اور ان کو پسند کرے، گھوڑوں کی تیاری کے باب میں وارد ہے کہ ''وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے'' اور نیز ''وہ ایک ماہ کے روزے اور اس کے قیام سے بھی بہتر ہے اور اگر وہ مر جائے تو جو عمل کرتے ہوئے وہ مرا ہے اس کا وہ عمل اس پر بدستور جاری رہے گا اور اس پر اس کا رزق جاری رہے گا اور منکر و نکیر سے امن میں رہے گا''۔

میں کہتا ہوں دنیا و مافیہا سے بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کا ثمرہ ایسا ہے جو آخرت میں باقی رہنے والا ہے اور دنیا کی جس قدر نعمتیں ہیں وہ سب کی سب زائل ہونے والی ہیں اور ایک مہینہ کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسا شاق عمل ہے جو قوت بہیمیت پر نہایت گراں ہوتا ہے اور وہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کی راہ میں ہوتا ہے جیسا کہ روزہ رکھنا اور شب بیداری کا عمل شاق گزرتا ہے اور جہاد کے عمل کا بدستور جاری رہنے میں یہ راز ہے کہ جہاد کا بعض جز بعض جز پر اس طرح مبنی ہے جس طرح عمارت ہوتی ہے کہ اس کی دیوار بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور چھت دیوار پر قائم ہوتی ہے اس واسطے کہ مہاجرین اور انصار میں سے اولین قریش اور ان کے آس پاس والوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنے پھر اللہ تعالیٰ نے قریش کے ہاتھ پر عراق اور شام کو فتح کیا پھر ان کے ہاتھ پر فارس اور روم کو پھر فارس اور روم کے ہاتھ پر ہند اور ترکستان اور سوڈان کو فتح کیا، پس وہ نفع جو جہاد پر مرتب ہوتا ہے وقتاً فوقتاً زیادہ ہوتا رہتا ہے اور اس کا حال اوقاف اور سرائیں اور صدقات جاریہ کا سا ہوتا ہے اور فتان یعنی منکر ونکیر سے مامون ہونے کی وجہ یہ ہے کہ منکر و نکیر سے اسی شخص کو ہلاکت پہنچتی ہے جس کا قلب دین محمدی پر مطمئن نہیں ہے اور نہ وہ آپ کے دین کی مدد کے لئے کھڑا ہوا ہے اور جو شخص جہاد کے شرائط کے ساتھ سپرد دینے کا التزام کرتا ہے تو وہ شخص دل سے دین کی تصدیق کرتا ہے اور نور الٰہی

کے پھیلانے میں کوشش کرتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو سامان دیا تو اس نے جہاد کے برابر ثواب حاصل کیا اور جس نے مجاہد کے پیچھے اس کے گھر کی خبر گیری کی تو اس نے بھی جہاد کیا''۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر صدقہ اللہ کی راہ میں سایہ کے لئے خیمہ دینا ہے'' ومثل ذلک۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ یہ عمل مسلمانوں کے نفع کا ہے جس کو ان کی مدد پہنچتی ہے اور جہاد یا صدقہ میں مسلمانوں کو نفع پہنچانا ہی مراد ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسل نے فرمایا ''جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہوتا ہے وہ شخص قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہتا ہوگا جس کا رنگ خون کا سا ہوگا اور اس کی خوشبو مشک کی سی ہوگی''۔

میں کہتا ہوں عمل اپنی ہیئت اور صورت کے ساتھ نفس کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور اس عمل کے اعتبار سے زیادتی کے معنی نفس میں پیدا ہو جاتے ہیں اور جزا و سزا کا مبنی نعمت و راحت کا عمل کی مشابہ صورت میں متشکل ہونے پر ہے پس قیامت کے دن جب شہید پیش ہوگا تو اس کا عمل اس پر ظاہر ہوگا اور عمل کی صورت کے ساتھ اس پر انعام کیا جائے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں ''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردے مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق حاصل کرتے رہتے ہیں'' الا یہ، فرمایا ہے ''ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ہیں جن کے لئے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں جہاں چاہتے ہیں جنت میں کھاتے پیتے ہیں پھر ان قندیلوں میں واپس آجاتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جاتا ہے اس میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس کی روح کامل اور وافر باقی رہتی ہے اور اس کے وہ علوم جن کے اندر اس کی روح حیات دنیوی میں مستغرق رہتی ہے ان میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی بلکہ اس شخص کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے معاش کے کام میں مشغول ہو اور سو جائے بخلاف اس میت کے جو شدید امراض میں مبتلا رہا جس سے اس کا مزاج بدل گیا اور بہت سی باتوں کو بھول گیا، دوسری یہ کہ وہ رحمت الٰہی جو

نظام عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور جس سے حظیرۃ القدس اور ملاء اعلیٰ کے قلوب پر ہیں اس شخص کو شامل ہو جاتی ہے پس جب اس شخص کی روح نکلتی ہے اور وہ دین الٰہی کے قائم کرنے کی سعی اور کوشش سے پر ہوتی ہے تو ایک نہایت وسیع راستہ اس شخص میں اور حظیرۃ القدس میں کھل جاتا ہے۔ اور وہاں سے انس اور نعمت اور راحت اس پر نازل ہوتی رہتی ہے اور حظیرۃ القدس کو اس کی طرف ایک توجہ مثالی ہوتی ہے اور اس کے عمل کے موافق اس کی جزا متمثل ہو جاتی ہے پس ان دونوں خصلتوں کے اجتماع سے عجیب عجیب امور پیدا ہوتے ہیں۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ اس کا نفس کسی وجہ سے عرش میں معلق ہو کر متمثل ہوتا ہے کیونکہ وہ شخص حاملین عرش میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کی ہمت اسی طرف متوجہ رہتی ہے۔

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اس کا جسم سبز پرندہ کی صورت میں متمثل ہو جاتا ہے پس اس کا پرندہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس کو ملائکہ کے ساتھ وہ نسبت ہے جو اجمالاً احکام جنس کے ظاہر ہونے میں پرندوں کو زمین پر چلنے والوں کے ساتھ ہے اور سبز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سبزی دیکھنے میں خوشنما معلوم ہوتی ہے، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اس کی نعمت اور راحت رزق کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جس طرح دنیا میں نعمت میوہ جات اور بھنے ہوئے گوشت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ جو چیز تہذیب نفس کا فائدہ دیتی ہے اس کو غیر مفید شئے سے الگ کر دیا جائے اور وہ اس کے ساتھ مشابہ ہے کیونکہ شرع کے اندر دو چیزیں ہیں ایک تو قوم و شہر اور مذہب کا انتظام اور دوسرے نفوس کی تکمیل، کسی شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا بعض آدمی غنیمت کی خاطر اور بعض آدمی اظہار شجاعت کی خاطر اور بعض شہرت کی خاطر لڑتا ہے پس ان میں سے اللہ کی راہ میں کون شخص لڑتا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے لڑتا ہے پس وہ اس کی راہ میں لڑتا ہے“۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے کہ اعمال اجساد ہیں اور ان کی روح نیت ہے اور اعمال کا مدار نیت پر ہے اور جسم کا بغیر روح کے کچھ اعتبار نہیں ہوتا اور بسا اوقات صرف نیت ہی عمل کا فائدہ دی جاتی ہے اگرچہ اس کے ساتھ عمل کا اتصال نہ ہو جبکہ اس عمل کا فوت ہونا اس کی کوتاہی سے نہ ہو بلکہ کسی آسمانی عارضہ کے سبب سے ہو، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم کسی جگہ پر نہ چلے اور تم نے کوئی جنگل قطع نہیں کیا مگر وہ تمہارے ساتھ تھے یہ وہ لوگ ہیں جن کو عذر نے روک دیا'' اور اگر وہ عمل اس شخص کی کوتاہی سے فوت ہوا ہو تو اس کی نیت ہی ناتمام رہی جس پر اجر مرتب ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''برکت گھوڑوں کی پیشانی میں ہے'' اور آپ نے فرمایا ''گھوڑوں کی پیشانی میں بھلائی بندھی ہوئی ہے قیامت تک اجر اور غنیمت ہے''۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت عامہ کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور آپ کے دین کا دیگر ادیان پر غلبہ جہاد اور اس کا سامان تیار کئے بغیر ممکن نہیں ہے پس جب لوگ جہاد ترک کر کے بیلوں کی دموں کے پیچھے ہو لیں گے تو ان پر ذلت محیط ہو جائے گی اور دیگر اہل مذاہب کا ان پر غلبہ ہو جائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر یقین رکھ کر اور اس کے وعدہ کو سچا سمجھ کر اللہ کی راہ میں گھوڑا باندھا تو اس کا شکم سیر کرنا اور اس کو پانی پلانا اور اس کی لید اور اس کے پیشاب کی تکلیف برداشت کرنا قیامت کے روز اس کے میزان عمل میں تلے گا''۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ وہ شخص اس کو چارہ دینے میں اور اس کو پانی پلانے میں اور اس کی لید اور اس کا پیشاب دور کرنے میں تکلیف برداشت کرتا ہے پس اس کا یہ عمل اس چیز کی صورت میں متشکل ہوگا جس کی اس نے تکلیف گوارا کی ہے پس قیامت کے روز یہ سب چیزیں اپنی صورت و ہیئت میں ظاہر ہوں گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین شخصوں کو جنت میں داخل کرے گا ایک اس کا بنانے والا جس نے ثواب کی نیت سے اس کو بنایا ہے، دوسرا اس کو چلانے والا، تیسرا اس کو اٹھا کر دینے والا'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اللہ کی راہ میں ایک تیر چلائے گا تو وہ غلام کے آزاد کرنے کے برابر ہوگا''۔

میں کہتا ہوں چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ کفار کا مغلوب ہونا بغیر ان چیزوں کے پورا نہیں ہو سکتا اس واسطے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کفر اور ظلم کے دور کرنے میں ان چیزوں کی طرف بھی منتقل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''نہ تو نابینا پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں کہ شریک جہاد نہ ہوں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا ''کیا تیرے ماں باپ

ہیں؟ اس نے جواب دیا ہاں تو آپ نے فرمایا پس تو ان میں جہاد کر‘‘۔

میں کہتا ہوں چونکہ سب لوگوں کا جہاد میں شریک ہونا ان کے کاروبار اور تدابیر ضروریہ کے فساد کا سبب تھا اس واسطے ضروری ہوا کہ سب لوگ جہاد پر نہ جائیں بلکہ بعض لوگ اس کو قائم کریں اور وہ بعض وہ لوگ ہیں جن میں یہ علتیں نہیں پائی جاتیں کیونکہ جن میں یہ علتیں پائی جاتی ہیں ان پر جہاد کرنے میں دقت ہے اور نہ اسلام کو ان کے جہاد کرنے سے قابل اعتبار نفع ہے بلکہ بعض اوقات ان سے نقصان کا اندیشہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’’اب اللہ تعالیٰ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا۔ اور معلوم کر لیا کہ ابھی تم میں کسی قدر کمزوری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اعلاء کلمۃ اللہ اس کے بغیر نہیں پایا جاتا کہ مسلمان لوگ اپنے دلوں میں ثبات اور دلیری اور جنگ کی سختیوں پر صبر کرنے کو جگہ دیں، اور اگر یہ دستور جاری ہوتا کہ اگر مشقت معلوم ہو تو بھاگ جائیں تو مقصد حاصل نہ ہوتا بلکہ بعض اوقات ذلت تک نوبت پہنچتی۔

اور نیز بھاگنا بزدلی اور کمزوری کی علامت ہے اور یہ بدترین اخلاق میں سے ہے، پھر ضروری ہوا کہ اس کی کوئی حد بیان کی جائے جس سے واجب اور غیر واجب میں فرق ہو جائے اور دلیری اور شجاعت اسی وقت پائی جاتی ہے جب شکست کے اسباب غلبہ کے اسباب سے زیادہ ہوں پس اولاً دس مثل سے اس کا اندازہ کیا گیا کیونکہ اس وقت کفر اسلام سے زیادہ تھا اور مسلمان بہت ہی کم تھے پس اگر ان کو بھاگنے کی اجازت دیجاتی تو جہاد کبھی نہ پایا جاتا پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر دو مثل تخفیف کی کیونکہ دلیری اور ثبات اس سے کم میں نہیں پایا جاتا، پھر چونکہ جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کے واسطے واجب ہوا ہے اس واسطے وہ چیز بھی واجب ہوئی جس کے بغیر اعلاء کلمۃ اللہ نہ ہو سکے اور اسی وجہ سے سرحدوں کا بند کرنا اور جنگ کے لئے تیار رہنا اور تمام اطراف اور ناکوں پر افسروں کا مقرر کرنا ضروری ہوا اور ایک متوارث دستور قرار پایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم نے اس بات میں بہت سے طریقے مقرر فرمائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر مقرر کرتے تھے تو خاص اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے تھے اور فرماتے تھے ’’اللہ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جہاد کرو اور جو اللہ کا انکار کرے اس سے قتال کرو اور جہاد

کرو اور خیانت نہ کرو' الحدیث،

خیانت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے منع فرمایا کہ خیانت کرنے سے مسلمانوں کی دل شکنی ہوگی اور ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور وہ قتال کو چھوڑ کر لوٹنے میں لگ جائیں گے اور ایسی باتوں سے بسا اوقات شکست ہو جاتی ہے، اور عہد شکنی سے اس لئے منع فرمایا تا کہ امن و امان ان کے عہد اور ذمہ سے مرتفع نہ ہو اور اگر امن جاتا رہے تو سب سے بڑی اور اقرب فتح یعنی ذمہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کی صورت بگاڑنے سے منع فرمایا کیونکہ اس میں اللہ کی پیدائش کا متغیر کر دینا ہے اور بچوں کے قتل سے بھی منع کیونکہ اس میں مسلمانوں پر تنگی اور ان کو ضرر پہنچانا ہے کیونکہ اگر وہ بچہ زندہ رہتا تو وہ ان کا غلام بنتا اور اسلام کا فرماں بردار ہوتا۔

اور نیز بچہ نہ اپنے دشمن کو ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ اپنے گروہ کی مدد کر سکتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کو تین باتوں کی طرف ترتیب وار بلانے کا حکم فرمایا ہے ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام لا کر ہجرت اور جہاد کرے اور اس وقت اس شخص کے لئے غنیمت اور خراج کے مال میں سے مجاہدین کے برابر حصہ ہے، دوسرے یہ کہ بغیر ہجرت اور جہاد کے اسلام لائے بجز اس صورت کے جہاں نفیر عام اور جنگ عام ہو، اور اس وقت غنیمت اور خراج میں اس شخص کا حصہ نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بیت المال ضروری امور میں صرف ہوتا ہے اور عادت اس بات کا حکم کرتی ہے کہ بیت المال میں اس قدر گنجائش نہیں ہوتی کہ مجاہدین کے علاوہ شہروں کے رہنے والوں کا خرچ بھی برداشت کیا جائے، پس اس میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں کچھ مخالفت نہیں کہ اگر میں زندہ رہا تو بلاشبہ ایک چرواہے کو بھی جو حمیر کے کسی ٹیلہ پر رہتا ہے اور اس کی پیشانی پر اس غنیمت کے حاصل کرنے میں پسینہ تک نہ آیا ہو غنیمت کے مال میں سے حصہ ملے گا، یعنی جب بادشاہوں کے خزانے فتح کئے جائیں گے اور کثرت سے خراج آئے گا تو مقاتلین وغیرہم کے حصہ کے بعد ان کے لئے بھی باقی رہ جائے گا، تیسرے یہ کہ وہ لوگ اہل ذمہ ہوں اور دب کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں، پس پہلی بات میں دو مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں ایک تو ملک کا انتظام اور باہمی ظلم کو رفع کرنا اور دوسرے تہذیب نفس کہ وہ دوزخ سے نجات حاصل کریں اور حکم

الٰہی کی پیروی میں کوشش کریں، اور دوسری بات میں صرف دوزخ سے نجات پانا ہے بغیر اس کے کہ ان کو مجاہدین کے درجات حاصل ہوں، اور تیسری بات میں کفار کی شوکت کا زائل ہونا اور مسلمانوں کی شوکت کا ظاہر ہونا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مصلحتوں کے قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، اور امام پر واجب ہے کہ مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہونے کے اور کفار کے زیر کرنے کے اسباب میں غور کرے اور ان میں کوشش اور تامل کرے پس جو اس کے اجتہاد میں آئے اس پر عمل کرے بشرطیکہ وہ یا اس کی نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے خلفا سے ثابت ہو اس واسطے کہ امام مصلحتوں کے قائم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور یہ مصلحتیں بغیر اس کے تمام نہیں ہوتیں، اور اصل اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔

اور ہم اس باب کی احادیث کا حاصل بیان کرتے ہیں، پس ہم کہتے ہیں کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کی سرحدوں کو اس قدر فوج سے جو ان کے آس پاس کے دشمنوں کے لئے کافی ہو سکے محفوظ رکھے اور ان لشکروں کا سپہ سالار ایسے شخص کو مقرر کرے جو دلیر صاحب رائے اور مسلمانوں کا خیر خواہ ہو، اور اگر خندق کے کھودنے یا قلعہ کے بنانے کی ضرورت پڑے تو وہ اس کو کرے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خندق میں کیا تھا اور جب کسی دستہ کو بھیجے تو ان پر ایسے شخص کو سپہ سالار بنائے جو ان سب میں افضل ہو اور مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ نفع رساں ہو اور اس کو اس کے حق میں اور مسلمانوں کی جماعت کے حق میں بھلائی کرنے کی نصیحت کرے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور جب جہاد کے لئے جانے کا ارادہ کرے تو اپنے لشکر کا جائزہ لے اور سوار و پیادوں کو دیکھے پس پندرہ سال سے کم عمر والے کو فوج میں نہ لے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا اور نہ اس شخص کو فوج میں لے جو مخزل ہو یعنی اس شخص کو جو اوروں کو بھی جہاد سے باز رکھے اور نہ اس شخص کو فوج میں لے جو مرجف ہو یعنی وہ جو کفار کی قوت وشوکت بیان کر کے لشکر اسلام میں رعب وخوف پیدا کرے اور اس میں دلیل اللہ کا یہ قول ہے "اللہ تعالیٰ نے ان کا اٹھنا اور نکلنا پسند نہ کیا پس ان کو ہلنے جلنے ہی نہ دیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ جہاں معذور بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو اگر وہ تم میں شامل ہو کر نکل بھی کھڑے ہوتے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے" اور نہ مشرک کو فوج میں لے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ''ہم بلاشبہ کسی مشرک سے مدد نہیں چاہتے ہاں جس وقت کہ ضرورت ہو اور اس پر اعتماد ہو، اور نہ جوان عورت کو جس سے فتنہ کا خوف ہو فوج میں لے ہاں عمر سیدہ عورت کے لئے اجازت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم اور انصار کی چند عورتوں کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے جو فوجیوں کو پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور امام کو چاہئے کہ لشکر کے دو حصہ میمنہ اور میسرہ مقرر کرے اور ہر گروہ کا ایک جھنڈا اور ہر طائفہ کے لئے ایک سردار اور لڑانے والا مقرر کرے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کیا تھا کیونکہ اس میں دشمنوں پر بھی زیادہ خوف ہوتا ہے اور فوج پر بھی قابو رہتا ہے، اور نیز ان کے لئے شناخت مقرر کرے کہ شب خوں کرتے وقت باہم اس کو بولا کریں تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کردے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور جمعرات یا پیر کے روز جہاد کے لئے کوچ کرے کیونکہ یہ دونوں ایسے دن ہیں جن میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور ہم اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں اور ان کو اس قدر راستہ چلائے کہ کمزور لوگ بھی اس کی طاقت رکھتے ہوں بجز ضرورت کے وقت کے اور وہ ان کے لئے ایسی جگہ تجویز کرے جو سب میں عمدہ ہو اور وہاں پانی کی کثرت ہو، اور جب دشمن کا خوف ہو تو پہرہ دار مقرر کرے اور بلند جگہ پر کچھ لوگوں کو مقرر کرے جو دشمن کو دور سے دیکھتے رہیں اور جس قدر ہو سکے اپنے حالات پوشیدہ رکھے مگر صاحب رائے اور خیر خواہ سے پوشیدہ نہ رکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جہاد میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں'' یعنی حد میں اور اس میں وہی راز ہے جو حضرت عمرؓ نے بیان فرمایا ہے کہ اس شخص کو غیرت شیطانی نہ لاحق ہو جائے پس وہ کفار کے ساتھ جا ملے اور نیز اس سے لوگوں میں بسا اوقات اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے لوگوں کی مصلحت میں خلل پڑ جاتا ہے اور امام اہل کتاب اور مجوس سے مقاتلہ کرے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا عاجز بن کر جزیہ دینا قبول کریں اور کسی بچہ کو یا عورت کو یا بہت بوڑھے آدمی کو قتل نہ کرے، مگر ضرورت کے وقت جیسا کہ شب خوں میں، اور نہ درخت کاٹے اور نہ ان کو جلائے اور نہ مویشیوں کو ہلاک کرے، ہاں جبکہ اس میں مصلحت ہو تو کچھ مضائقہ نہیں جیسا کہ بنی نضیر کے گاؤں بویرہ میں کیا گیا، اور نہ نقض عہد کرے اور نہ سفیر کو قید کرے کیونکہ اس سے باہمی خط و کتابت منقطع ہو جاتی ہے اور لڑائی میں دھوکا دیا کرے کیونکہ لڑائی داؤں گھات کا نام ہے اور غفلت کی

حالت میں ان پر چھاپہ مارے اور ان پر گولہ باری کرے اور ان کا محاصرہ کرے اور ان کو تنگ کرے، یہ سب باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور اس لئے کہ قتال ان امور کے بغیر نہیں ہوتا جس کی شرح کی ضرورت نہیں اور جس شخص کو اپنے نفس پر بھروسہ ہو اس کو امام کی اجازت سے لڑنا جائز ہے جیسا کہ حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے کیا اور مسلمانوں کو چارہ اور اناج جو مخالفین سے حاصل ہو بلا خمس نکالے تصرف کرنا جائز ہے اس لئے کہ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو لوگوں کو دقت ہو اور جب مخالفین قید ہو کر آئیں تو امام کو چار باتوں میں سے ہر بات کا اختیار ہے چاہے قتل کرے چاہے فدیہ لے، چاہے احسان رکھ کر چھوڑ دے اور چاہے غلام بنا لے ان میں سے جو زیادہ نافع ہو عمل میں لائے اور امام کے لئے جائز ہے کہ ان سب کو یا ان میں سے بعض کو امن دیدے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "اگر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اسلام میں داخل ہونا مسلمانوں کے ساتھ میل جول کرنے اور ان کے دلائل کو سننے اور ان کی سیرت کو معلوم کرنے کے بغیر ممکن نہیں ہے اور نیز بسا اوقات تجار وغیرہ کی آمد و رفت کی ضرورت ہوتی ہے اور امام کو اختیار ہے کہ مال لیکر یا بغیر مال لئے ان سے صلح کر لے کیونکہ بسا اوقات مسلمانوں کو کفار سے مقاتلہ کی طاقت نہیں ہوتی پس ان کو صلح کی ضرورت پڑتی ہے اور بسا اوقات مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ قوت حاصل کریں یا ایک قوم کے شر سے بچ کر دوسری قوم سے قتال کی ضرورت پڑتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن تم میں سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر اونٹ ہو اور بغ بغ کرتا ہو اور وہ شخص کہتا ہو یا رسول اللہ میری مدد کیجئے تو میں اس سے کہوں مجھے تیرے لئے کسی بات کا اختیار نہیں ہے میں تجھ کو احکام سنا چکا تھا" اور اسی کے مثل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ "اس کی گردن پر گھوڑا ہنہناتا ہو اور بکری ممیاتی ہو اور کوئی شخص گردن پر سوار ہو اور وہ چیختا ہو اور اس کی گردن پر کپڑے ہوں کہ حرکت کرتے ہوں"۔

میں کہتا ہوں اس میں اصل یہ ہے کہ گناہ جس چیز میں واقع ہوا ہے اسی کی صورت میں وہ متمثل ہوگا اور اس کا اٹھانا اس لئے ہوگا کہ اس سے تکلیف اور ایذا پہنچے اور ان چیزوں کی آواز اس لئے ہوگی کہ اس کا وہ گناہ لوگوں کے سامنے ظاہر اور مشہور ہو جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''جب تم کسی شخص کو پاؤ کہ اس نے مال غنیمت میں خیانت کی ہے تو اس کا سب اسباب جلا دو اور اس کو مارو'' حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اس پر عمل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس میں راز خائن کو سرزنش کرنا اور لوگوں کو ایسے فعل سے باز رکھنا ہے۔

واضح ہو کہ جو مال کفار سے لئے جاتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ مال ہے جو گھوڑوں اور اونٹوں کے دوڑانے اور قتال کی مشقت برداشت کرنے سے حاصل ہوتا ہے ایسے مال کو غنیمت کہتے ہیں اور ایک وہ مال ہے جو بغیر قتال کے کفار سے حاصل ہوتا ہے جیسے جزیہ، خراج اور عشور جو ان کے تجار سے لئے جاتے ہیں اور وہ مال جو صلح میں کفار دیتے ہیں یا پریشان ہو کر اس کو چھوڑ بھاگتے ہیں۔ پس غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں گے اور پانچواں حصہ ان مواضع میں خرچ کیا جائے گا جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور جان لو جو چیز تم کفار سے لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے'' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کے بعد مسلمانوں کے اہم امور میں بالترتیب خرچ کرنا چاہئے، اور اہل قرابت کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب میں ان کے فقیر اور امیر اور مرد اور عورت پر خرچ کرنا چاہئے اور میرے نزدیک مقداروں کے معین کرنے میں امام کو اختیار ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آل رسول کے حصہ میں بیت المال سے زیادہ کر دیتے تھے اور ان میں سے جو لوگ مقروض نکاح کرنے والے اور حاجت مند ہوتے تھے ان کی اعانت کیا کرتے تھے اور یتیموں کا حصہ چھوٹے چھوٹے محتاج بچوں کو جن کا باپ نہ ہو دیا جائے، اور فقرا اور مساکین کا حصہ ان کو دیا جائے ان سب باتوں کا امام کو اختیار ہے کہ وہ حصہ کے بارے میں اور اہم کو مقدم کرنے میں اجتہاد کرے اور اجتہاد سے جو اس کو معلوم ہو اس پر عمل کرے اور غنیمت کے پانچ حصوں میں سے باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرے امام سب سے پہلے لشکر کے حال میں غور کرے پس جس کو زیادہ دینا مسلمانوں کی مصلحت کے موافق ہو تو اس کو زیادہ دے اور اس کی تین صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ امام دار الحرب میں داخل ہو کر مثلاً ایک چھوٹی سی جماعت کو کسی گاؤں پر دھاوا کرنے کے لئے روانہ کرے پس خمس کے بعد چہارم یا تہائی ان کے لئے مقرر کر دے پس یہ جماعت وہاں سے جو کچھ لائے اس میں سے خمس نکال کر باقی

کا ربع یا ثلث اس جماعت کو دیدے اور اس کے بعد جو باقی رہے وہ غنیمت میں شامل کر دے، دوسری صورت یہ ہے کہ امام اس شخص کے لئے کسی ایسے کام پر جس میں مسلمانوں کا بھلا ہو کوئی انعام مقرر کر دے مثلاً امام کہہ دے کہ جو شخص اس قلعہ پر چڑھے گا اس کو اس قدر مال ملے گا یا جو کسی کو قید کر کے لائے گا تو اس کو یہ انعام ملے گا یا جو کسی کو مارے گا اس کو اس کا سامان دیا جائے گا، پس اگر مسلمانوں کے مال میں سے دینا شرط کیا ہے تب تو اس میں سے دے اور اگر غنیمت میں سے دینا شرط کیا ہے تو پانچواں حصہ نکالنے کے بعد جو باقی رہا ہے اس میں دے، اور تیسری صورت یہ ہے کہ امام بعض مجاہدین کو اس کی مشقت اور عرق ریزی کی وجہ سے کسی شئے کے ساتھ مخصوص کر دے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذی قرد میں سلمہ بن الاکوع کو سوار و پیدل کا حصہ عطا فرمایا کیونکہ ان کی ذات سے مسلمانوں کو بہت نفع پہنچا تھا، اور میرے نزدیک صحیح تر یہ ہے کہ مقتول کے سامان کا قاتل مستحق ہے خواہ قتل سے قبل امام کے مقرر کرنے سے یا قتل کے بعد نفل کے طور پر دینے سے، اور امام کو چاہئے کہ حصہ سے کم کسی قدر مال ان عورتوں کے لئے علیحدہ کر لے جو مریضوں کی دوا دارو کرتی ہیں اور ان کا کھانا پکاتی ہیں اور مجاہدین کا کام کرتی ہیں، اور غلاموں اور بچوں اور اہل ذمہ کو بھی دے جن کو امام نے اجازت دی تھی، بشرطیکہ ان سے مجاہدین کو نفع پہنچا ہو اور اگر امام کو یہ معلوم ہو کہ مال غنیمت میں سے کچھ مال کسی مسلمان کا ہے جس کو کفار چھین کر لے گئے تھے تو بغیر کچھ لئے وہ مال اس مسلمان کو واپس کر دے پھر باقی مال کو ان لوگوں میں جو لڑائی میں شریک تھے اس طرح تقسیم کر دے کہ سوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ۔

اور میری رائے میں یہ درست ہے کہ اگر امام مناسب سمجھے کہ شتر سواروں کو یا تیر اندازوں کو کچھ زیادہ حصہ دے یا گھوڑے کے سوار کو خچر کے سوار سے کسی قدر مال جو حصہ سے کم ہو زیادہ دے تو وہ ایسا کر سکتا ہے بعد اس کے کہ اس نے اہل الرائے سے اس کے بارے میں مشورہ کر لیا ہو اور وہ ایسا امر ہو جس کی وجہ سے کوئی شخص امام سے اختلاف نہ کرے اور اسی قول سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی سیرت میں جو اس باب میں اختلاف ہے اس میں تطبیق ہو سکتی ہے، اور جس شخص کو امام لشکر کی مصلحت سے روانہ کرے جیسے قاصد یا طلیعہ یا جاسوس تو امام اس کو بھی حصہ دے اگرچہ وہ لڑائی میں موجود نہ تھا جیسا کہ جنگ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو

غنیمت میں حصہ دیا۔

اور مال فئے (۱) کا مصرف وہ مواضع ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے ’’جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ اللہ اور پیغمبر اور پیغمبر کے قرابت والوں اور یتیموں اور حاجتمندوں اور مسافروں کے لئے ہے الی قولہ ’’رؤف الرحیم‘‘ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت پڑھی تو کہا اس نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے پس امام جہاں زیادہ ضرورت دیکھے اس کو صرف کرے اور اس میں مسلمانوں کی عام مصلحتوں کی طرف غور کرے نہ کہ اپنی کسی خاص مصلحت کی طرف۔

اور فئے کی تقسیم کرنے کی کیفیت میں احادیث مختلف ہیں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس روز مال فئے آتا آپ اسی روز اس کو تقسیم کر دیتے پس شادی شدہ کو دو حصہ اور غیر شادی شدہ کو ایک حصہ دیتے تھے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حر اور غلام میں بقدر حاجت تقسیم کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دفتر (۲) مقرر کیا تھا جس میں سابقین اور حاجتمندوں کی رعایت کی جاتی تھی پس آدمی کی قدامت اسلام اور اس کی مصیبت اور عیال داری اور اس کی ضرورت کا لحاظ کیا جاتا تھا اور ایسے اختلافات میں اصل یہ ہے کہ یہ اس بات پر محمول ہیں کہ ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے موافق کیا اور اپنے وقت میں جیسی مصلحت مناسب سمجھی اس پر عمل کیا اور جن اراضی پر مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا ان میں امام کو اختیار ہے چاہے مجاہدین میں تقسیم کر دے اور چاہے ان اراضی کو غازیوں پر وقف کر دے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں کیا تھا کہ نصف زمین کو تقسیم کر دیا تھا اور نصف کو وقف کر دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارض سواد (۳) کو وقف کیا تھا اور اگر امام چاہے تو مسلمانوں کی رعیت بنا کر کفار کو وہاں رہنے دے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر یمنی کپڑا اخذ کریں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مالداروں پر اڑتالیس درہم اور متوسط لوگوں پر چوبیس درہم اور غریب پر جو مزدوری کرتا ہو بارہ درہم مقرر کئے تھے۔

اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امر میں اندازہ امام کی رائے پر موقوف ہے جیسی مصلحت

---

(۱) وہ مال جو بلا جنگ کئے حاصل ہو جائے۔ (۲) دیوان۔ (۳) بمقام خیبر

دیکھے عمل میں لائے اور اسی لئے اس امر میں ان کے عمل مختلف پائے گئے ہیں اور میرے نزدیک یہی حکم مقادیر خراج اور ان سب امور میں ہے جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفا رضی اللہ عنہم کی عادات مختلف پائی گئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے غنیمت اور فئے کو اسی وجہ سے مباح کیا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ''ہم سے پیشتر کسی کے لئے غنیمت حلال نہ تھی اس واسطے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر ضعف اور عجز دیکھا تو غنائم کو ہمارے لئے حلال کر دیا۔

اور آپ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے میری امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی اور ہمارے لئے غنائم کو حلال کر دیا''۔

اور قسم اول میں ہم اس کی شرح کر چکے ہیں پس اب ہم اس کا اعادہ نہیں کرتے اور مصارف میں اصل یہ ہے کہ اصول مقاصد کے چند امور ہیں از آں جملہ ان لوگوں کا باقی رکھنا جو کسی چیز پر قادر نہیں ہیں خواہ اپاہج ہونے کی وجہ سے یا تنگدست ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ وہ اپنے مال سے بعید ہو گئے ہیں۔

اور ازاں جملہ شہر کی سرحدیں مضبوط کر کے اور لشکر اور ہتھیاروں اور گھوڑوں کا خرچ برداشت کر کے کفار کے شر سے محفوظ رکھنا ہے۔

اور ازاں جملہ شہر کا انتظام کرنا اور نگہبان اور قاضی اور محاسبین مقرر کر کے اور سرحدین قائم کر کے شہر کا بندوبست کرنا ہے اور ازاں جملہ خطیب اور واعظین اور ائمہ اور مدرسین مقرر کر کے دین کی حفاظت کرنا ہے اور ازاں جملہ منافع مشترکہ میں مثلاً نہروں کا کھدوانا اور پل تعمیر کرانا وغیرہ۔

دوسرے یہ کہ شہر دو قسم کے ہیں ایک تو وہ شہر ہیں جن میں صرف اہل اسلام رہتے ہیں جیسے زمین حجاز یا وہاں دوسری قوموں کے مقابلہ میں اہل اسلام کی کثرت ہے، دوسرے وہ شہر ہیں جن کے باشندے اکثر کفار ہیں اور تلوار کی طاقت سے یا صلح کر کے مسلمانوں نے ان شہروں کو فتح کر لیا ہے دوسری قسم کے شہروں کے لئے فوج رکھنے کی اور ہتھیاروں کے جمع کرنے کی اور قاضی اور پولیس اور عمال مقرر کرنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور پہلی قسم کے شہروں کو ان چیزوں کی بہت

زیادہ ضرورت نہیں ہوتی اور شرع یہ چاہتی ہے کہ بیت المال میں جو کچھ جمع ہے وہ ان شہروں پر مناسب طریقہ پر اور حسب حاجت تقسیم کیا جائے پس زکوٰۃ اور عشر کا مصرف وہ مقرر کیا گیا جس میں دوسروں کی بہ نسبت محتاجوں کی کفایت زیادہ ہے اور غنیمت اور فیئے کا مصرف وہ قرار دیا گیا جس میں لشکر اسلام کی تنخواہ اور دین کی حفاظت اور شہر کا انتظام زیادہ تر ہے اسی وجہ سے غنیمت اور فیئے میں سے یتیم، مسکین اور فقیر کا حصہ بہ نسبت ان کے صدقات کے حصہ کے کم مقرر کیا گیا اور مجاہدین کا حصہ بہ نسبت صدقات کے حصہ کے غنیمت اور فیئے میں سے زیادہ مقرر کیا گیا، پھر چونکہ غنیمت بغیر مشقت برداشت کئے اور بغیر گھوڑے دوڑائے اور فوج کو لڑائے حاصل نہیں ہوتی اس واسطے ان کے دل بغیر اس کے خوش نہیں ہو سکتے کہ غنیمت میں سے ان کو حصہ دیا جائے، اور شرائع کلیہ میں جو سب لوگوں پر مقرر کی گئی ہیں یہ بات ضروری ہے کہ عامۃ الناس کے حال پر نظر کی جائے اور رغبت عقلیہ کے ساتھ رغبت طبعیہ کو بھی ملایا جائے اور ان کی رغبت طبعی اس میں ہوتی ہے کہ ان کو قتال کے عوض کچھ مال ملے، پس اسی وجہ سے مال غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار حصے غازیوں کے لئے مقرر ہوئے اور فیئے بغیر جنگ کئے صرف رعب سے حاصل ہوتی ہے پس مخصوص لوگوں پر اس کا صرف کرنا ضروری نہیں ہے اس واسطے اس میں مناسب یہ ہے کہ اہم امور کو مقدم کیا جائے اور خمس میں اصل یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں چوتھائی حصہ لینے کا قدیمی دستور تھا جس کو رئیس القوم اور اس کی جماعت لیتی تھی پس یہ بات ان کے دلوں میں جگہ پکڑ گئی تھی اور وہ اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہیں پاتے تھے اور اسی کے بیان میں ایک شاعر کہتا ہے، شعر (۱)

ہر لوٹ میں ہمارا چہارم حصہ ہے
خواہ وہ نجد میں ہو خواہ تہائم کی زمین میں ہو

پس اللہ تعالیٰ نے شہر اور دین کی ضروریات کے لئے ان کی عادت کے قریب قریب خمس کو مقرر فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام پر ان کی عادت شائعہ ذائعہ کے قریب قریب آیات کو نازل فرمایا، اور وہ چوتھائی حصہ قوم کے سردار اور اس کی جماعت کو ان کی عظمت ثابت

---

(۱) وان لنا المرباع من کل غارة
تکون بنجد او بارض التهائم

کرنے کے لئے ملا کرتا تھا اور نیز اس وجہ سے ملتا تھا کہ وہ عام لوگوں کے امور میں مصروف رہتے تھے اور ان کو بہت سے اخراجات کی ضرورت رہتی تھی پس اللہ تعالیٰ نے وہ پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر فرمایا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اتنی فراغت حاصل نہ ہوتی تھی کہ اپنے اہل وعیال کے لئے کسب کرتے اس واسطے ضروری ہوا کہ آپ کا نفقہ مسلمانوں کے مال میں مقرر ہو، اور نیز فتح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور آپ کے رعب کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا حاصل ہوتی تھی پس آپ کا حال ایسا ہوا جیسے کہ آپ ہر جنگ میں موجود ہے اور وہ پانچواں حصہ آپ کے اقارب کے لئے بھی ہے کیونکہ سب لوگوں سے زیادہ اس میں اسلام کی حمیت ہے اس واسطے کہ ان میں حمیت دینی کے ساتھ حمیت نسبی بھی موجود ہے کیونکہ ان کا سارا فخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے بلند ہونے میں ہے اور نیز اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی تعظیم پائی جاتی ہے اور یہ ایسی مصلحت ہے جو دین سے متعلق ہے اور جب علما اور قرا کی توقیر میں دین کی تعظیم ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب کی تعظیم میں بدرجہ اولیٰ دین کی تعظیم ہے اور وہ پانچواں حصہ محتاجوں کے لئے بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے محتاجوں کا انضباط مساکین اور فقرا اور یتامی کے ساتھ فرمایا اور یہ بھی ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچواں حصہ میں سے مؤلفۃ القلوب (۱) وغیرہم کو بھی دیا ہے، اس تقدیر پر ان پانچ مصارف کا خاص طور پر قرآن کے اندر ذکر کرنا ان کے اہتمام شان کی وجہ سے اور اس بات کی تائید کرنے کے لئے ہے کہ خمس اور فئے کو یکے بعد دیگرے مالدار لوگ محتاجوں کی پرواہ نہ کرکے نہ لے لیا کریں اور تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اقارب کی نسبت بدگمانی کا باب بند ہو جائے اور انعامات اور بخشش اس واسطے مقرر کی گئی کہ بسا اوقات انسان بغیر طمع کے ہلاکت کی جگہ میں اپنے آپ کو نہیں ڈالتا ہے اور یہ ایسی خصلت اور لوگوں میں طبعی شئے ہے جس کی رعایت ضروری ہے اور گھوڑے سوار کے لئے تین حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ اس لئے مقرر کیا گیا کہ سوار مسلمانوں کی طرف سے بہت کام آتا ہے اور اس کو زیادہ مشقت جھیلنی پڑتی ہے اور اگر تم لشکروں کا

---

(۱) یہ وہ لوگ ہیں جو دین میں سست ہیں ان کی تالیف قلوب اس لئے کی جاتی ہے کہ دین پر قائم اور مستحکم ہو جائیں یہ حکم آج بھی موجود ہے۔ قاسمی

حال دیکھو تو تم کو اس بات میں کچھ شک نہ ہوگا کہ اگر سوار کو پیدل کے حصہ سے سہ چند نہ دیا جائے اور کچھ کمی کی جائے تو اس کا دل خوش نہ ہوگا اور اس کی مشقت کے اعتبار سے وہ نا کافی ہوگا، تمام عرب وعجم باوجود اختلاف احوال وعادات کے اس بات پر متفق ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر میں انشاء اللہ زندہ رہا تو جزیرہ عرب سے یہود ونصاریٰ کو نکال دوں گا اور مشرکین کو وہاں سے نکال دینے کی میں وصیت کرتا ہوں''۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ زمانہ کا حال یکساں نہیں رہتا پس ایک وقت ایسا آئے گا کہ اسلام میں ضعف آجائے گا اور اس کی جمعیت منتشر ہوجائے گی پس ایسے وقت میں دشمن کا اسلام کے مرکز میں اور اس کے گھر میں اگر قیام رہا تو وہ حرمات الٰہی کی ہتک اور ان کی قطع کا باعث ہوگا اس واسطے آپ نے دار العلم کے حوالی اور محل بیت اللہ سے نکالنے کا حکم دیا، اور نیز کفار کے ساتھ مخالطت سے دین کی خرابی اور نفس میں تغیر ہوتا ہے اور چونکہ تمام ملکوں میں اختلاط ضروری تھا اس واسطے صرف حرمین شریفین کو ان سے پاک کرنے کا حکم فرمایا، اور نیز اخیر زمانہ میں دین کا جو حال ہونے والا تھا آپ پر وہ ظاہر ہوگیا چنانچہ آپ نے فرمایا ''دین مدینہ کی طرف سمٹ کر آئے گا'' الحدیث، اور یہ بات بغیر اس کے پوری نہیں ہوسکتی کہ مدینہ میں دیگر مذاہب کا کوئی آدمی نہ رہے(۱)، واللہ اعلم۔

---

(۱) مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں حرم ہیں، مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ اور مدینہ منورہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا تھا۔ ان دونوں مقام پر مشرکین وکفار کا داخلہ ممنوع ہے۔ (قاسمی)

معیشت سے متعلق چند ابواب

واضح ہو کہ تمام اقالیم صالحہ کے باشندے اپنے کھانے پینے اور پہننے اور قیام و نشست اور دیگر ہیئات و احوال میں آداب کے ملحوظ رکھنے میں متفق ہیں اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ بوقت سلامت مزاج اور ظہور مقتضیات نوع بوقت اجتماع افراد اور ایک دوسرے کے دیکھا دیکھی کے لحاظ سے گویا انسان کی فطرت میں داخل ہے، اور ان آداب کے ملحوظ رکھنے میں لوگوں کے طریقے مختلف ہیں، پس ان میں سے بعض ایسے ہیں جو حکمت طبیعہ کے قواعد کے موافق ان آداب کو ملحوظ رکھتے ہیں پس تمام احوال و افعال میں ان آداب کو اختیار کرتے ہیں کہ طب اور تجربہ کے اعتبار سے ان میں نفع کی امید ہوتی ہے اور ضرر کا خوف نہیں ہوتا اور بعض احسان کے قوانین کے موافق جس طرح ان کا مذہب ان کو حکم کرتا ہے آداب کو عمل میں لاتے ہیں اور بعض کو اپنے بادشاہوں اور حکما اور درویشوں کے آداب کی نقل مقصود ہوتی ہے اور بعض دیگر طریقوں سے ان آداب کو عمل میں لاتے ہیں، اور ان میں سے بعض آداب میں منافع ہیں جن پر آگاہ کرنا اور ان منافع کے لحاظ سے ان کا حکم دینا ضروری ہے اور بعض آداب میں مفاسد ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ان سے منع کرنا اور ان پر آگاہ کرنا ضروری ہے اور بعض آداب میں دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں پائی جاتی اس واسطے ان کو مباح رکھنا اور ان میں اجازت دینا ضروری ہے پس ان آداب سے بحث کرنا اور ان کی تفتیش کرنا من جملہ ان مصلحتوں کے ایک مصلحت ہے جن کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور اس کے اندر اصل چند امور ہیں، از آں جملہ یہ ہے کہ ان اشغال میں مصروف ہونے سے ذکر الٰہی سے نسیان ہوتا ہے اور دل کی صفائی میں کدورت پیدا ہوتی ہے پس

ضروری ہے کہ اس زہر کا علاج کسی تریاق سے کیا جائے اور وہ تریاق یہ ہے کہ ان اشغال سے پہلے اور ان کے بعد اور ان کے ساتھ ایسے اذکار مسنون کیے جائیں جو قلب کو ان اشغال میں منہمک ہونے سے باز رکھیں اس طور پر کہ ان اذکار میں وہ باتیں ہوں جو منعم حقیقی کو یاد دلائیں اور جانب قدس کی طرف فکر کو متوجہ کریں۔

اور از آں جملہ یہ ہے کہ بعض افعال وہیئات شیاطین کے مزاجوں کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اس طور پر کہ وہ شیاطین کسی شخص کے خواب یا بیداری کی حالت میں نظر آئیں تو ان افعال میں سے بعض کے ضرور مرتکب ہوں پس انسان کا ایسے افعال کے ساتھ متلبس ہونا شیاطین سے قرب کا اور شیاطین کے اوصاف قبیحہ کا لوگوں کے دلوں میں منقش ہونے کا سبب ہے پس ضروری ہے کہ ان افعال سے منع کیا جائے خواہ نہی بطور کراہت ہو یا بطور تحریم جس طرح مصلحت کا مقتضی ہو اور وہ افعال یہ ہیں مثلاً ایک جوتا پہن کر چلنا اور بائیں ہاتھ سے کھانا، اور اسی طرح بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے شیاطین دور ہوتے ہیں اور ملائکہ سے قرب ہوتا ہے مثلاً گھر میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، پس ایسے افعال پر رغبت دلانا ضروری ہے اور از آں جملہ ان ہیئات سے اجتناب کرنا ہے جن میں تجربہ سے لوگوں کو ایذا پہنچتی ہے جیسے بغیر پردہ کے چھت کے اوپر سونا اور سوتے وقت چراغ گل نہ کرنا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ’’چوہا بتی کو لے جاتا ہے اور گھر کو آگ لگا دیتا ہے، اور از آں جملہ عجمیوں کے ساتھ ان امور میں مخالفت کرنا ہے جن کے وہ عادی ہو گئے ہیں جیسے حد سے زیادہ تکلف کرنا اور دنیاوی زندگی پر نہایت درجہ مطمئن ہونا جو لوگوں کو ذکر الٰہی سے غافل کر دے اور طلب دنیا کی از حد حرص پیدا کر دے اور لذات کو ان کے نفوس پر منقش کر دے پس ضروری ہے کہ لوگوں کے تکلفات میں جو سب سے بڑھ کر ہیں ان کو خاص طور پر حرام قرار دیا جائے جیسے حریر اور قسی اور میاثر (۱) اور ارجوان اور وہ کپڑے جن میں تصاویر بنی ہوں اور سونے چاندی کے برتن اور زعفران کے رنگے ہوئے کپڑے اور غازہ وغیرہ ذالک اور ان کی دیگر عادات کو عام طور پر مکروہ قرار دیا جائے اور عیش کی اکثر چیزوں کے ترک کرنے کو مستحب قرار دیا جائے۔

---

(۱) ریشمی کپڑوں کی قسمیں ہیں۔ جن کے استعمال میں تعیش پیدا ہوتے ہیں۔

اور از آں جملہ ان ہیئات سے بچنا ہے جو وقار کے منافی ہیں اور انسان کو دیہاتیوں میں لاحق کر دیتی ہیں ان لوگوں میں سے جو احکام نوع کے لئے فارغ نہیں ہوئے ہیں تا کہ افراط اور تفریط میں میانہ روی حاصل ہو۔

کھانے اور پینے کی چیزوں کا بیان

واضح ہو کہ جب انسان کی سعادت ان اخلاق اربعہ کے اندر ہے جن کو ہم نے ذکر کیا ہے اور اس کی شقاوت ان کے اضداد کے اندر ہے تو حفظ صحت نفسانیہ اور دفع امراض نفسانیہ نے یہ واجب کر دیا کہ ان اسباب کو تلاش کیا جائے جن سے اس کا مزاج دونوں جہتوں میں سے ایک کی طرف متغیر ہوتا ہے پس منجملہ ان کے وہ افعال ہیں جن کے ساتھ نفس متصف ہوتا ہے، اور وہ افعال نفس کی ذات میں پیوست ہو جاتے ہیں اور اس باب کی کافی مقدار سے ہم بحث کر چکے ہیں۔

اور ان میں سے ایک وہ امور ہیں جو نفس کے اندر ہیئات دنّیہ پیدا کرتے ہیں جو شیاطین کے ساتھ مشابہت اور ملائکہ سے بعد پیدا ہونے کا سبب ہوتے ہیں اور اخلاق حمیدہ کے خلاف صفات پیدا کرتے ہیں خواہ ان کو اس بات کا شعور ہو یا نہ ہو، پس وہ نفوس ملاء اعلیٰ سے ملحق ہیں اور الواث بہیمیہ سے دور ہیں ملاء اعلیٰ کی جانب سے ان امور کی کراہت کا ادراک اس طرح کرتے ہیں جس طرح طبیعت تلخ اور کسیلی چیز کی کراہت کا ادراک کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا لطف اور اس کی رحمت جو لوگوں کے ساتھ متعلق ہے اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان امور کے اصول سے لوگوں کو مکلّف کیا جائے جو ان میں سے منضبط ہیں اور ان کا اثر ظاہر ہے کسی پر مخفی نہیں ہے اور چونکہ بدن کے تغیر اور اخلاق کے تغیر کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ وہ اصول غذا کے لحاظ سے ہوں پس ان میں سب سے زیادہ موثر ایسے جانور کا کھانا ہے جس کی صورت میں کوئی قوم مسخ کی گئی ہے اس واسطے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان پر لعنت کرتا ہے اور اس پر ناراض ہوتا ہے تو اس کے غضب اور لعنت سے انسان کے اندر ایسا مزاج پیدا ہوتا ہے جو سلامت مزاج انسانی سے نہایت دور اور بعید ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ شخص انسان کی صورت نوعیہ سے بالکل خارج ہو جاتا ہے پس وہ بدن انسان کو عذاب دینے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے اور ایسے وقت میں اس کا مزاج انسانی صورت سے نکل کر کسی خبیث جانور کے مشابہ ہو جاتا ہے جس سے

طبیعت سلیمہ نفرت کرتی ہے پس ایسے حال میں اس کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے بندر اور سور کی صورت میں مسخ کر دیا اور حظیرۃ القدس میں یہ علم متمثل ہوتا ہے کہ حیوان کی اس نوع میں اور انسان کے مغضوب علیہ اور بعید از رحمت ہو جانے میں مناسبت خفیفہ ہے اور اس میں اور اس طبیعت سلیمہ میں جو اپنی فطرت پر باقی ہے نہایت درجہ بعید ہے پس ضرور ایسے جانور کو کھانا اور اس کو اپنے جسم کا جز بنانا نجاستوں کے ساتھ آلودہ ہونے سے اور غضب الٰہی کو بھڑکانے والے افعال سے زیادہ برا ہے۔

اس وجہ سے حظیرۃ القدس کے ترجمان حضرت نوحؑ اور ان کے بعد تمام انبیا علیہم السلام خنزیر کو حرام کرتے آئے ہیں اور اس سے دور رہنے کی تاکید کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا اور وہ اس کو قتل ہی کر ڈالیں گے اور غالباً خنزیر کو کوئی قوم کھاتی تھی پس شرائع نے اس سے منع کیا اور اس کے ترک کا شدت کے ساتھ حکم دیا گیا اور بندر اور چوہا ایسے جانور ہیں کہ کبھی ان کو کسی قوم نے نہیں کھایا اس واسطے ان سے نہی کرنے میں تاکید شدید کی حاجت نہ ہوئی۔ (۱) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے بارے میں فرمایا ''اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ پر ناراض ہوا پس ان کو ان جانوروں کی صورت میں مسخ کر دیا جو زمین پر چلتے ہیں پس مجھے معلوم نہیں کہ گوہ بھی شاید انہیں میں سے ہو'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ان میں سے کر دیا بندر اور خنزیر اور شیطان کی پرستش کرنے والے'' اور اسی کے مثل وہ ہے جو وارد ہوا ہے کہ جس زمین میں خسف (۲) یا عذاب نازل ہوا ہے اس زمین میں ٹھیرنا مکروہ ہے اور اسی طرح اس قوم کی صورت بنانا بھی مکروہ ہے جن میں غضب الٰہی ہوا کیونکہ ان اشیا کے ساتھ اختلاط کرنا نجاسات کے ساتھ اختلاط کرنے سے کم نہیں ہے اور نہ ان اشیا کے ساتھ تلبس کا اثر ان ہیئات کے اثر سے کم ہے جن کا مزاج شیطانی تقاضا کرتا ہے، اور ان کے بعد ان جانوروں کا کھانا ہے جن کی فطرت میں ایسے اخلاق پائے جاتے ہیں جو ان اخلاق کے برخلاف ہیں جو انسان سے مطلوب ہیں حتیٰ کہ ان کی طرف سے کسی ضرورت سے متوجہ ہوتے ہیں اور وہ ضرب المثل ہیں اور طبائع سلیمہ ان کو خبیث جانتی ہیں اور ان کے کھانے سے اعراض کرتی ہیں ہاں مگر وہ لوگ جو کسی شمار میں نہیں ہیں۔

---

(۱) چینی لوگ انہیں کھاتے ہیں۔ (قاسمی) (۲) زمین میں دھنسانا۔

اور وہ جانور جس میں یہ معنی پورے پائے جاتے ہیں اور اس میں اس کا ظہور بین ہے اور تمام عرب وعجم نے اس کو مان لیا وہ چند ہیں۔

ازآں جملہ وہ درندے جانور ہیں جن کی جبلت میں پھاڑنا، زخمی کرنا حملہ کرنا اور سخت دلی ہے اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا اس کو بھی کوئی کھاتا ہے'' اور ازآں جملہ وہ حیوانات ہیں جن کی جبلت میں آدمیوں کو ایذا دینا اور ان سے کسی چیز کا اچک لینا اور حملہ کرنے کے لئے فرصت کا منتظر رہنا ہے اور اس میں الہام شیطانی کا قبول کرنا ہے جیسے کوا اور چیل اور چھپکلی اور مکھی اور سانپ اور بچھو وغیرہ۔

اور ازآں جملہ وہ حیوانات ہیں جن کی جبلت میں رذالت اور ذلت اور سوراخوں میں چھپنا ہے جیسے چوہا اور حشرات الارض۔

اور ازآں جملہ وہ حیوانات ہیں جو نجاستوں اور ناپاکیوں پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور اسی میں ملوث رہتے ہیں اور اسی کو کھاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے جسم گندگی کے ساتھ بھرے رہتے ہیں۔

اور ازآں جملہ گدھا ہے کہ جس کے ساتھ حماقت اور ذلت میں مثال دی جاتی ہے اور بہت سے عرب کے لوگ جن کی طبائع سلیمہ تھیں اس کو حرام جانتے تھے اور شیاطین کے ساتھ اس کو مشابہت دیتے تھے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم گدھے کا چیخنا سنو تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان سے پناہ مانگو کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے۔

اور نیز تمام اطبا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سب جانور بلاشبہ مزاج نوع انسان کے مخالف ہیں لہٰذا طب کے اعتبار سے بھی ان کو نہیں کھانا چاہئے۔

واضح ہو کہ اس جگہ چند مبہم امور ہیں جن کی حدود کے ضبط کرنے کی اور مشکل کے تمیز کرنے کی ضرورت ہے، ازآں جملہ یہ ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں کی عبادت کیلئے ذبح کیا کرتے تھے تاکہ ان کی طرف تقرب حاصل کریں اور یہ شرک کی ایک قسم ہے پس حکمت الٰہیہ کا مقتضیٰ ہوا کہ اس شرک سے منع کیا جائے پھر اس تحریم کی اس طرح تاکید کی جائے کہ بتوں کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے اس کے کھانے سے لوگوں کو منع کیا جائے تاکہ اس فعل سے رک جائیں، اور نیز ذبح

کرنے کی قباحت مذبوح میں اثر کر جاتی ہے جس کی وجہ ہم صدقہ میں بیان کر چکے ہیں، پھر بتوں کے لئے ذبیحہ چونکہ ایک امر مبہم تھا اس واسطے ''مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ '' کے ساتھ اور ''مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ'' کے ساتھ اور اس ذبیحہ کے ساتھ جس کو ایسا شخص ذبح کرے جو ان لوگوں کے دین میں نہیں ہے جو غیر اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرنے کا حرام سمجھتے ہیں اس کو منضبط فرمایا اور وہ مسلمان اور اہل کتاب ہیں اور اس سے یہ بات لازم ہوئی کہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرنا واجب ہو کیونکہ بظاہر حلال وحرام میں اس کے بغیر تمیز نہیں ہوتی اور نیز جب حکمت الٰہیہ نے ان حیوانات کو جو زندگی میں انسان کے برابر تھے اس کے لئے مباح کر دیا اور ان حیوانات پر اس کو قدرت عطا فرمائی اس واسطے واجب ہوا کہ ان کی روح نکالتے وقت اس نعمت سے غافل نہ ہوں اور غافل نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' تاکہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کریں ان مویشیوں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے ہیں''۔

اور از آں جملہ یہ ہے کہ تمام مذاہب حقہ اور مذاہب باطلہ میں مردار جانور حرام ہے پس مذاہب حقہ کا اس کے حرام ہونے پر اس وجہ سے اتفاق ہے کہ ان مذاہب والوں کو حظیرۃ القدس سے یہ بات حاصل ہوئی کہ یہ چیزیں ناپاک ہیں اور مذاہب باطلہ کے ماننے والوں کا اس وجہ سے اتفاق ہے کہ انھوں نے یہ معلوم کر لیا کہ اکثر مردار چیزوں میں زہر کا اثر ہوتا ہے کیونکہ مرتے وقت ایسے اخلاط سمیہ اس میں پھیل جاتے ہیں جو انسان کے مزاج کے منافی ہیں، پھر مردار کو غیر مردار سے تمیز دینا ضروری ہے پس اس کا انضباط اس طور سے کیا گیا کہ وہ جانور حلال ہے جس کی روح کھانے کی غرض سے نکالی جائے پس اس سے یہ بات ضروری ہوگئی کہ وہ جانور حرام ہے جو سینگ لگ کر یا گر کر مر جائے اور وہ جانور حرام ہے جس کو کسی درندہ نے پھاڑ کھایا ہو کیونکہ یہ سب ناپاک موذی چیزیں ہیں۔

اور از آں جملہ یہ ہے کہ عرب اور یہود ذبح اور نحر کیا کرتے تھے اور مجوس گلا گھونٹتے اور پیٹ پھاڑ ڈالتے تھے اور ذبح اور نحر انبیا علیہم السلام کی سنت ہے جو ابتدا سے چلی آرہی ہے اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، منجملہ یہ ہے کہ اس میں ذبیحہ کو نسبتاً آرام پہنچتا ہے کیونکہ روح نکالنے کا سب

سے آسان طریقہ یہی ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پس اپنے ذبیحہ کو آرام دینا چاہئے اور ناقص ذبح کر کے چھوڑ دینے سے جو آپ نے منع فرمایا اس میں یہی راز ہے، اور منجملہ یہ ہے کہ خون نجاستوں میں سے ایک نجاست ہے کہ جب وہ کپڑے کو لگ جاتی ہے تو لوگ اس کو دھوتے ہیں اور اس سے بچتے ہیں اور ذبح کرنا ذبیحہ کو اس سے پاک کرنا ہے اور گلا گھونٹنا اور پیٹ پھاڑنا ذبیحہ کو خون کے ساتھ نجس کر دینا ہے اور من جملہ یہ ہے کہ ذبح کرنا ملت حنفیہ کا شعائر میں سے ایک ہے جس کی وجہ سے حنفی غیر حنیفی سے ممتاز ہو جاتا ہے پس ذبح کرنا، ختنہ اور دیگر خصال فطرت کے مانند ہے، پھر چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت حنیفیہ کے قیام کے لئے مبعوث فرمایا تھا اس واسطے اس کی حفاظت آپ پر ضروری ہوگئی، پھر گلا گھونٹنا اور پیٹ پھاڑنے سے تمیز ضروری ہوئی اور اس کی یہی صورت ہے کہ کسی تیز چیز سے کاٹنا اور حلق اور اس کی رگیں کاٹنا ضروری قرار دیا جائے پس یہ وہ چیزیں ہیں جن سے ممانعت صحت نفسانیہ کی حفاظت کی وجہ سے اور مصلحت ملیہ کی وجہ سے ہے اور وہ چیزیں جن سے صحت بدنی کی وجہ سے منع کیا ہے جیسے زہر اور ست کرنے والی چیزیں سو ان کا حال ظاہر ہے۔(۱)

اور جب ان اصول کی تمہید ہو چکی تو اب ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں جن چیزوں کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اس کی دو قسمیں ایک تو وہ قسم ہے جس سے منع کرنے کی وجہ کوئی ایسی چیز ہے جو حیوان کی اس قسم میں پائی جاتی ہے اور ایک وہ قسم ہے جس سے منع کرنے کی وجہ ذبح کی شرط کا معدوم ہونا ہے پس حیوانات کی چند اقسام ہیں ایک تو گھریلو جانور ہیں ان میں سے اونٹ، گائے اور بکری مباح ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے '' **احلت لکم بهیمة الانعام** '' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانور پاک معتدل المزاج اور نوع انسانی کے موافق ہیں اور جنگ خیبر کے دن گھوڑے کے کھانے کی اجازت دی گئی اور گدھے کے کھانے سے ممانعت کی گئی اس لئے کہ تمام عرب اور عجم گھوڑے کو پاکیزہ سمجھتے ہیں اور تمام حیوانات میں گھوڑے کو فضیلت دیتے ہیں اور وہ انسان کے مشابہ ہے اور گدھا اپنی حماقت اور ذلت میں ضرب المثل ہے اور وہ شیطان کو دیکھ کر رینگتا ہے اور عرب کے اندر جو لوگ فطرتاً ذکی اور پاکیزہ نفس تھے وہ بھی اس کو حرام

---

(۱) موجودہ دور میں انجکشن کے ذریعہ سے سن کرنا بھی اسی حکم میں شامل ہے۔

سمجھتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت کھایا ہے اور مرغابی اور بطخ اسی کے مثل ہے کیونکہ یہ بھی پاکیزہ چیزیں ہیں اور مرغ فرشتہ کو دیکھ کر بانگ کہتا ہے اور کتا اور بلی حرام ہیں کیونکہ وہ درندے ہیں اور مردار کھاتے ہیں اور کتا شیطان ہے اور دوسری قسم وحشی یعنی جنگلی جانور ہیں ان میں سے وہ جانور حلال ہیں جو نام اور وصف میں ڈنگروں سے مشابہ ہیں جیسے ہرن اور نیل گائے اور شتر مرغ اور کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گورخر کا گوشت ہدیہ میں بھیجا تو آپ نے اس کو کھالیا اور کسی نے خرگوش کا گوشت آپ کو بھیجا تو آپ نے اس کو قبول فرمایا اور ایک مرتبہ آپ کے دستر خوان پر گوہ کا گوشت کھایا گیا کیونکہ کہ عرب لوگ ان چیزوں کو پاکیزہ جانتے تھے اور ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے نہ کھانے کی نسبت یہ عذر پیش کیا کہ ''یہ میرے ملک میں نہیں ہوتا اس واسطے مجھے اس سے کراہت معلوم ہوتی ہے'' اور ایک مرتبہ احتمال مسخ کے ساتھ معذرت فرمائی اور ایک دفعہ اس کے کھانے سے منع کیا اور میرے نزدیک ان میں کچھ تناقض نہیں ہے کیونکہ اس میں دو وجہ تھیں جن میں سے ہر ایک عذر کے لئے کافی تھی لیکن جس چیز میں احتمال ہو اس کا ترک کرنا پرہیزگاری ہے نہ کہ اس کو حرام قرار دینا اور نہی سے آپ کی مراد کراہت تنزیہی ہے، اور آپ نے تمام درندوں کے کھانے سے ممانعت فرمائی ہے کیونکہ ان کی طبیعت اعتدال سے خارج اور ان کی عادات بد اور ان کے دل سخت ہوتے ہیں اور پرندوں میں سے کبوتر اور چڑیا کو مباح کیا کیونکہ وہ پاکیزہ سمجھے جاتے ہیں اور ہر شکار کرنے والے پرندہ کے کھانے سے آپ نے نہی فرمائی اور ان میں سے بعض کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق رکھا ہے پس ان کو کھانا بھی ناجائز ہے اور جو پرند مردار اور نجاست کھاتا ہے اور ہر وہ پرند جس کو عرب لوگ خبیث جانتے ہیں اس کا کھانا مکروہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ان پر خبیث چیزیں حرام کی گئی ہیں''۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ٹڈی کو کھایا جاتا تھا کیونکہ عرب اس کو پاکیزہ سمجھتے تھے۔

اور ایک قسم دریائی جانور ہیں ان میں سے جس کو عرب کے لوگ پاکیزہ سمجھتے تھے اس کا کھانا مباح کیا گیا ہے جیسے مچھلی اور عنبر، اور جس کو وہ ناپاک سمجھتے ہیں اور حرام جانور کے نام کے ساتھ اس کا نام لیتے ہیں جیسے خنزیر پس اس میں دلائل متعارض ہیں اور اس سے بچنا افضل ہے اور ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی کے متعلق جس میں چوہا مر گیا تھا سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا

’’چوہے اور اس کے آس پاس کی گھی کو نکال ڈالو اور باقی کو کھالو‘‘ اور ایک روایت میں ہے’’ گھی کے اندر جب چوہا مر جائے تو اگر وہ گھی جما ہوا ہے تو چوہے اور اس کے آس پاس کے گھی کو نکال دو اور اگر وہ گھی پگھلا ہوا ہے تو اس کو استعمال نہ کرو‘‘۔

میں کہتا ہوں مردار اور وہ چیز جس میں اس کا اثر ہو جائے تمام امتوں اور ملتوں میں ناپاک ہے پس جب وہ ناپاک چیز پاک چیز سے جدا ہو سکے تو ناپاک کو پھینک دیا جائے اور پاک کھالیا جائے اور اگر الگ نہ ہو سکے تو وہ سب حرام ہے اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نجاست اور ہر وہ چیز جس میں نجاست پڑی ہو حرام ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس جانور کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے جو نجاست کھاتا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس کے اعضا میں نجاست پیوست ہو گئی اور اس کے تمام اعضا میں پھیل گئی تو اس کا حکم نجاستوں کے حکم میں ہو گیا یا اس جانور کے حکم میں ہو گیا جو نجاست کھا کر زندگی گزارتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا’’ ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں، لیکن دو مردار، تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون جگر، تلی ہیں‘‘۔

میں کہتا ہوں جگر اور تلی بدن حیوان کے اعضا میں سے دو عضو ہیں لیکن وہ دونوں خون کے ساتھ مشابہ ہیں پس ان کے اندر شبہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دور کر دیا اور مچھلی اور ٹڈی میں بہتا ہوا خون نہیں ہے پس اس لئے اس میں ذبح کرنا مقرر نہ ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا اور اس کو فاسق کہا ہے، اور آپ نے فرمایا’’ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پھونک مارتا تھا‘‘ اور آپ نے فرمایا’’ جو پہلے ہی ضرب میں گرگٹ کو مار دے تو اس کے لئے اتنا اتنا ثواب لکھا جائے گا اور جو دوسری ضرب میں مارے تو اس سے کم اور جو تیسری ضرب میں مارے تو اس کو اس سے بھی کم ثواب ملے گا‘‘۔

میں کہتا ہوں بعض حیوانوں کی جبلت ایسی ہوتی ہے ان سے شیطانی افعال اور ہیئات صادر ہوتے ہیں اور وہ سب حیوانات میں شیطان کے ساتھ مشابہت میں زیادہ قریب ہوتے ہیں اور اس کے وسوسہ کو ماننے والے ہوتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ گرگٹ بھی انہیں حیوانات میں سے ہے اور اس بات پر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

آگ کو پھونکتا تھا کیونکہ باعتبار طبیعت کے وہ شیطانی وسوسہ کا تابع تھا اگرچہ اس کا آگ پر پھونک مارنا کچھ موثر نہ تھا اور اس کو قتل کرنے میں آپ نے دو وجہ سے رغبت دلائی ایک تو یہ کہ اس کے قتل کرنے میں نوع انسانی کی ایذا رسانی کو دفع کرنا ہے پس اس کی مثال ایسی ہے جیسے شہروں سے زہریلے درختوں کا قطع کرنا ہے اور اسی طرح کے ایسے امور جن اہل شہر میں جمعیت رہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے قتل کرنے میں شیطانی لشکر کا توڑنا اور اس کے وسوسہ کے مقام کو اجاڑ دینا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ اور ملائکہ مقربین کے نزدیک پسندیدہ ہے اور پہلی ضرب میں اس کا مار ڈالنا دوسری ضرب میں مار ڈالنے سے افضل اس لئے ہے کہ اس میں حذاقت اور نیکی کی طرف سرعت پائی جاتی ہے، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”تم پر مرا ہوا جانور اور بہتا لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کر کھائیں مگر جس کو تم مرنے سے پہلے ذبح کر لو اور وہ جانور بھی جو تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ پاسوں سے قسمت معلوم کرو یہ سب گناہ کے کام ہیں“۔

میں کہتا ہوں مردار اور خون اس لئے حرام ہوئے کہ وہ دونوں نجس ہیں اور خنزیر اس لئے حرام ہوا کہ یہ ایسا جانور ہے کہ اس کی صورت میں ایک قوم مسخ ہو چکی ہے اور جن پر غیر اللہ کا نام لیا گیا اور جو بتوں کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں اس لئے حرام ہوئے تاکہ شرک کی جڑ کٹ جائے اور اس لئے کہ فعل کی برائی مفعول بہ میں سرایت کر جاتی ہے اور منخنقہ یعنی وہ جانور جس کو گلا گھونٹ کر مارا جائے اور متردیہ یعنی وہ جانور جو اوپر سے نیچے کی طرف گر جائے اور نطیحہ یعنی وہ جانور جو سینگ کھا کر مر جائے اور وہ جانور جس کو درندے پھاڑ کر کھائیں اور اس میں سے کچھ باقی رہ جائے، یہ سب کے سب اس لئے حرام ہوئے کہ پاک مذبوح کا انحصار اس میں ہو گیا ہے کہ جس کے حلق یا گردن پر دھاردار چیز کا استعمال جان نکالنے کے قصد سے کیا جائے پس اس سے یہ بات لازم ہوئی کہ یہ سب چیزیں حرام کی جائیں۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ان سب میں بہتا ہوا خون تمام بدن کے اندر پھیل جاتا ہے اور

اس کا گوشت ناپاک ہو جاتا ہے **مَا ذَكَّيْتُمْ** یعنی ان چیزوں میں سے جو کوئی جانور تم کو ایسا ملے کہ اس میں جان باقی ہو اور تم اس کو اس طرح ذبح کر لو کہ اس کی جان کا نکلنا ذبح کی وجہ سے ہو تو وہ حلال ہے۔ (**وان تستقسموا بالازلام**) یعنی تمہاری قسمت میں جو بھلائی اور برائی ہے تیروں کے ذریعہ تم اس کو معلوم کرنا چاہو جس کا زمانہ جاہلیت میں اس طرح رواج تھا کہ ایک تیر پر '**افعل**' یعنی کر اور دوسرے پر '**لاتفعل**' یعنی نہ کر اور تیسرے پر '**غفل**' یعنی خالی لکھ کر ان کو پھراتے تھے پس ہر کام کے کرنے نہ کرنے پر انہیں کی حرکات کے مطابق بھلائی اور برائی سمجھتے تھے پس یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء اور اپنے جہل پر اعتماد کرنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ جانور کو باندھ کر تیر مارے جائیں یہاں تک کہ مر جائے اور ایسے جانور کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا۔

میں کہتا ہوں اہل جاہلیت جانوروں کو باندھ کر ان پر تیر مارا کرتے تھے اور اس میں بلا ضرورت جانور کو تکلیف دینا تھا اور نیز اس میں نہ تقرب الٰہی تھا اور نہ اس کی نعمت کا شکریہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم فرمایا ہے پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح سے ذبح کرو اور اپنی چھری کو تیز کر لیا کرو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ''۔

میں کہتا ہوں آسان طور پر روح نکالنے کے طریقہ کو اختیار کرنے میں داعیہ رحمت کا اتباع ہے اور یہ وہ خصلت ہے جس سے پروردگار عالم خوش ہوتا ہے اور جس پر اکثر مصالح منزلیہ اور مدنیہ موقوف ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے تو وہ عضو مردار ہے۔

میں کہتا ہوں اہل جاہلیت اونٹوں کے کوہان اور دنبوں کی چکتیاں کاٹ لیا کرتے تھے اور اس میں عذاب دینا تھا اور اس طریقہ کے خلاف تھا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا تھا اس واسطے آپ نے اس سے منع فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص چڑیا یا اس سے بڑے جانور کو ناحق قتل کرے گا تو اللہ عزوجل اس سے اس کے قتل کے متعلق باز پرس کرے گا، آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا حق سے قتل کرنا کیا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کو ذبح کر کے کھا لے اور یہ نہ کرے کہ اس کا سر کاٹ کر اس کو پھینک دے''۔

میں کہتا ہوں اس جگہ دو چیزیں باہم مشابہ ہیں ان میں فرق کرنا ضروری ہے ایک تو یہ ہے کہ ذبح کرنا حاجت کی وجہ سے ہو اور اس داعیہ کا اتباع ہو جو مصلحت نوع انسان کے متعلق ہے اور دوسرا یہ ہے کہ زمین میں نوع حیوان کے فاسد کرنے میں سعی ہو اور سخت دلی کے داعیہ کا اتباع ہو۔

واضح ہو کہ شکار کرنا عرب کی عادت اور ان کی عام خصلت تھی یہاں تک کہ وہ ان کے ان پیشوں میں سے ایک تھا جن پر ان کی زندگی اور معاش موقوف تھی پس اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا اور اس کے اندر از حد مصروف ہونے میں جو برائی تھی اس کو اپنے اس قول کے ساتھ ظاہر کر دیا ''جو شکار کے پیچھے پڑا وہ لہو میں پڑا'' اور شکار کے احکام اس بات پر مبنی ہیں کہ وہ تمام شروط میں ذبح کرنے پر محمول ہے بجز اس شرط کے جس کی پابندی دشوار ہے، اور اس شرط کے لگانے میں اکثر کوشش شکار کرنے میں بیکار جاتی ہے اس واسطے شکاری جانور چھوڑتے وقت یا تیر پھینکتے وقت اللہ کا نام لینا شرط کیا گیا اور شکاری کا ذبح کا اہل ہونا بھی شرط کیا گیا، اور ذبح کرنا اور حلق اور گردن کا کاٹنا شرط نہیں کیا گیا، اور ایک اس بات پر مبنی ہیں کہ شکار کرنے کی ذاتیات اس میں پائی جائیں مثلاً سکھائے ہوئے جانور کا قصداً شکار پر چھوڑنا اور اگر یہ بات نہ ہوئی تو اتفاق سے اس شکار کا دبا لینا ہوگا اور شکار کرنا نہ ہوگا، اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ شکاری جانور کچھ نہ کھائے اور اگر اس نے کچھ کھا لیا ہے تو اب اگر وہ شکار زندہ رہا اور ذبح کر لیا گیا تب تو وہ حلال ہے ورنہ حرام ہے اور یہ اس لئے کہ سکھلائے ہوئے کے معنی پائے جائیں اور اس کے اور درندوں کے کھائے ہوئے میں فرق ہو جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکار اور ذبائح کے احکام دریافت کئے گئے تو آپ نے انہی قواعد سے مسائل کا استنباط کر کے جواب ارشاد فرمائے کسی نے عرض کیا ہم اہل کتاب کے ملک میں رہتے ہیں کیا ہم اس کے برتنوں میں کھا لیا کریں؟ اور ہم شکار کی جگہ رہتے ہیں اپنی کمان اور اپنے سکھلائے ہوئے کتے اور غیر سکھلائے ہوئے کتے سے شکار کرتے ہیں پس ان میں سے کون سی بات ہمارے لئے درست ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اہل کتاب کے برتنوں کا جو تم نے ذکر کیا پس اگر تم کو ان کے سوا اور برتن میسر ہوں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ اور اگر تم کو اور برتن میسر نہ ہوں تو ان کے برتنوں کو دھو لو اور ان میں کھا لو اور جس شکار کو تم نے کمان سے مارا ہے اور اللہ کا نام بھی لیا ہے تو اسے کھا لو اور سدھائے ہوئے کتے سے جو تم شکار کرو اور اس

پر تم نے اللہ کا نام بھی لے لیا ہے تو اس کو کھالیا کرو اور جو بغیر سدھائے کتے سے شکار کرو اور اس شکار کو زندہ پالو تو اس کو ذبح کر کے کھالو“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ ”اگر تم کو ان کے علاوہ اور برتن مل سکیں تو ان میں مت کھاؤ“۔

میں کہتا ہوں اس میں پسندیدہ بات کا قصد کرنا اور دل کو وسواس سے راحت دینا ہے اور کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سدھائے ہوئے کتے چھوڑا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ”جب تم اپنا کتا چھوڑو تو اللہ کا نام لے لیا کرو پس اگر اس نے تمہارے لئے شکار کو پکڑ رکھا ہے اور تم نے اس کو زندہ پایا ہے تو اس کو ذبح کرلو اور اگر تم نے اس کو مردہ پایا ہے اور اس میں سے اس نے کچھ نہیں کھایا تو تم اس کو کھالیا کرو اور اگر اس نے کچھ کھالیا ہے تو نہ کھاؤ کیونکہ اس نے وہ شکار اپنے لئے پکڑا تھا اور اگر تم اپنے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا بھی دیکھو اور شکار مر چکا ہو تو اس کو مت کھاؤ کیونکہ تم کو معلوم نہیں کہ ان دونوں میں سے کس نے اس کو مارا ہے“ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں شکار کی طرف تیر پھینکتا ہوں اور دوسرے دن اس جانور میں اپنا تیر لگا پاتا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اگر تم کو یقین ہے کہ تمہارے تیر سے وہ مرا ہے اور اس میں تم نے درندہ کا کوئی اثر نہیں پایا تو تم اس کو کھالو“ اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ ”جب تم اپنے تیر کو پھینکو تو اللہ کا نام لے لیا کرو پھر اگر ایک دن تک وہ شکار تم کو نہ ملے اور دوسرے روز تم کو سوائے تیر کے اثر کے اور کچھ نہ معلوم ہو تو اگر تم چاہو تو اس کو کھالو اور اگر تم شکار کو پانی میں ڈوبا ہوا دیکھو تو اس کو مت کھاؤ“ کسی نے عرض کیا ہم بغیر بھال اور پر کا تیر پھینکتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اگر وہ زخمی ہو گیا ہے تو کھالے اور اگر وہ جانور تیر کی چوڑائی سے چوٹ کھا کر مرا ہے تو نہ کھا کیونکہ وہ جانور موقوذہ (۱) ہے“ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ یہاں ایسے لوگ ہیں جنھوں نے ابھی شرک کو چھوڑا ہے وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں اور ہم کو نہیں معلوم کہ اس پر وہ اللہ کا نام ذکر کرتے ہیں کہ نہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم خود اللہ کا نام لیکر اس کو کھالیا کرو“۔

میں کہتا ہوں اس کی اصل یہ ہے کہ حکم ظاہر پر ہوتا ہے اور کسی نے آپ سے عرض کیا کہ کل ہم دشمن سے مقابلہ کرنے والے ہیں اور ہمارے پاس چھری نہیں ہے کیا ہم بانس سے ذبح کرلیا

---

(۱) یعنی بغیر دھار والی چیز سے مارا گیا ہے۔

کریں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو چیز خون کو بہادے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اس کو کھائے مگر دانت اور ناخن نہ ہو اور ابھی میں تجھ کو اس کا حال بتلاتا ہوں پس دانت تو ایک ہڈی ہے اور ان حبشیوں کی چھری ہے'' اور ایک مرتبہ ایک اونٹ بھاگ چلا تھا تو ایک شخص نے اس کو تیر مارا جس سے وہ ٹھیر گیا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان اونٹوں میں بھی وحشی جانوروں کی طرح آدمیوں سے نفرت ہوتی ہے پس جب کوئی اونٹ تم کو مغلوب کردے تو تم اس کے ساتھ ایسا ہی کرو''۔

میں کہتا ہوں کیونکہ وہ وحشی ہو گیا تو اس کا حکم مثل حکم شکار کے ہو گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بکری کے متعلق سوال کیا گیا جس کو ایک باندی نے دیکھا کہ اس پر موت کے آثار طاری ہو رہے ہیں تو اس نے ایک پتھر توڑ کر اس کی کتل سے اس کو ذبح کیا پس آپ نے اس کے کھانے کا حکم دیا، کسی نے عرض کیا بعض کھانے ایسے ہیں جن سے مجھ کو حرج معلوم ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ''دل میں کوئی خلجان نہ پیدا کر اس میں تو نے نصرانیت کی مشابہت کی ہے'' کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اونٹنی کو نحر کرتے ہیں اور گائے اور بکری کو ذبح کرتے ہیں، پس ان کے پیٹوں میں ہم بچہ پاتے ہیں آیا ہم اس کو پھینک دیں یا کھالیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر تمہارا دل چاہے تو تم اس کو کھالو کیونکہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس کا ذبح کرنا ہے''۔

کھانے کے آداب کا بیان

واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے آداب سکھائے ہیں جن کی کھانے میں رعایت کرنا امت پر لازم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کھانے کی برکت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنے غلہ کو ناپ لیا کرو تمہارے لئے برکت دی جائے گی'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے جب جو کوئی کھانا کھائے تو رکابی کے اوپر سے نہ کھائے بلکہ اس کے نیچے سے کھائے کیونکہ برکت اس کے اوپر سے نازل ہوتی ہے''۔

میں کہتا ہوں من جملہ برکت کے یہ ہے کہ نفس سیر ہو جائے اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور دل کو تسلی حاصل ہو اور وہ زیادہ حریص نہ ہو جیسے کوئی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ کبھی دو شخص ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس سو سو درہم ہوتے ہیں ان میں سے ایک تنگدستی سے ڈرتا ہے اور لوگوں کے مال میں طمع کرتا ہے اور اپنے مال کو کسی ایسے کام میں صرف کرنا نہیں جانتا جس سے اس کو دنیا یا دین کا نفع حاصل ہو اور دوسرا ایک محتاط آدمی ہے اور جاہل آدمی اس کو غنی سمجھتا ہے اور وہ میانہ روی سے زندگی بسر کرتا ہے اور اس کا دل مطمئن رہتا ہے، پس دوسرا شخص ایسا ہے جس کے مال میں برکت دی گئی اور پہلے کے مال میں برکت نہ دی گئی، اور من جملہ برکت کے یہ ہے کہ شئے کو ضرورت میں صرف کرے اور وہ اس کی امثال سے کفایت کرے اس کی تفصیل یہ ہے کہ کبھی دو شخص ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ایک رطل کھانا کھاتا ہے ایک کی طبیعت تو اس کو غذاء بدن بناتی ہے اور دوسرے کے معدہ میں آفت پیدا کرتی ہے پس جو

کچھ اس نے کھایا وہ نفع نہیں دیتا بلکہ بسا اوقات ضرر پہنچاتا ہے اور کبھی دو شخصوں کے پاس مال ہوتا ہے پس ان میں سے ایک شخص اس مال کو ایسے اسباب میں صرف کرتا ہے جس سے بڑا نفع ہوتا ہے اور امور معاش میں ہر بات کا لحاظ رکھتا ہے اور دوسرا شخص اپنے مال کو بے فائدہ صرف کرتا ہے پس اس کی حاجت میں وہ مال کام نہیں آتا، اور نیز ہیئات نفسانیہ اور عقائد نفسانیہ کو بھی برکت کے ظاہر ہونے میں دخل ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو شخص اس مال کو حرص نفسانی کے ساتھ لے گا تو اس میں اس کو برکت نہ دی جائے گی اور وہ ایسا ہوگا جیسے کوئی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اسی لئے جو شخص کسی لکڑی معلق پر چڑھتا ہے اس کا قدم پھسل جاتا ہے اور جو زمین پر چلتا ہے وہ نہیں پھسلتا پس جب کوئی شخص کسی چیز کا قصد کرتا ہے اور اس کے ساتھ اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ اس کی ضرورت کو کافی ہو جائے اور اپنے نفس کو اس میں مطمئن کر لیتا ہے تو وہ اس کے سرور اور اطمینان خاطر اور قناعت کا سبب ہو جاتا ہے اور کبھی یہ امر طبیعت کی طرف سرایت کر جاتا ہے اور وہ طبیعت اس کو ضروری کاموں میں صرف کرتی ہے پس جب کوئی شخص کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتا ہے اور جوتیاں اتارتا ہے اور اطمینان سے کھانے کے لئے بیٹھتا ہے اور اس کی عادت ڈالتا ہے اور اللہ کا نام بھی لیتا ہے تو اس پر برکت نازل ہوتی ہے، اور جب کوئی شخص اناج کو ناپ لیتا ہے اور اس کی مقدار کو معلوم کر لیتا ہے اور اس کے خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرتا ہے اور اس کو سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو اس کو کم از کم اس قدر غلہ کافی ہو سکتا ہے جو دوسروں کے لئے کافی نہیں ہو سکتا، اور جب کوئی شخص غلہ کو برے طور سے رکھتا ہے جس کو دل برا سمجھتا ہے اور اس کے سبب سے وہ ایک بے قدر چیز ہو جاتا ہے تو کم از کم غلہ جو دوسروں کے لئے کافی سے زیادہ ہوتا ہے اس کو کافی نہیں ہو سکتا، اور میں گمان نہیں کرتا کہ کسی پر یہ بات مخفی ہے کہ انسان بسا اوقات روٹی اس طرح کھا جاتا ہے جیسے میوا کھاتے ہیں یا چلتے پھرتے باتیں کرتے اسکو کھایا جاتا ہے۔ پس اس کو کھانے کا پتہ بھی نہیں چلتا اور نہ اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کھانا کھایا ہے اور نہ اس کھانے سے اس کا دل سیر ہوتا ہے اگرچہ معدہ پر ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات ایک رطل کی مقدار کو خفیف سمجھتا ہے پس اس سے زائد کا ہونا اور نہ ہونا یکساں ہوتا ہے اور وہ کسی کام میں نہیں آتا اور ایک عرصہ کے بعد جب اس غلہ کو دیکھتا ہے تو اس میں کمی معلوم ہوتی ہے۔

اور حاصل کلام یہ ہے کہ برکت کے پائے جانے اور نہ پائے جانے میں اسباب طبعی ہیں

جن کے ضمن میں کوئی فرشتہ بزرگ یا شیطان مردود مدد کرتا رہتا ہے اور ان اسباب کی شکل میں روح ملکی یا شیطانی پھونک دی جاتی ہے، واللہ اعلم۔

اور کھانے سے پیشتر ہاتھ دھونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں میل دور ہو جاتا ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے کھانے کی بو دور ہو جاتی ہے اور اس بات کا اندیشہ دور ہو جاتا ہے کہ ہاتھوں سے اس کے کپڑے خراب ہوں یا کوئی درندہ اس کے ہاتھ کو چاٹ لے یا کوئی زہریلا جانور کاٹ لے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص کھانا کھا کر ہاتھ نہ دھوئے اور سو جائے اور پھر اس کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو چاہئے کہ اپنی ہی ذات کو ملامت کرے'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے جب کوئی کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب پیے تو داہنے ہاتھ سے پیئے'' اور آپ نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص نہ بائیں ہاتھ سے کھائے اور نہ بائیں ہاتھ سے پیئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے سے شیطان اس کو حلال کر لیتا ہے'' اور آپ نے فرمایا ''جب کوئی شخص کھانا کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جائے تو اس کو یہ کہنا چاہئے ''بسم اللہ اولہ وآخرہ'' اور جس شخص نے ایسا کیا تھا اس کے بارے میں آپ نے فرمایا ''شیطان برابر اس کے ساتھ کھاتا رہا'' پس جب اس نے اللہ کا نام لیا تو جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا قے کر دیا'' اور آپ نے فرمایا ''تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے تمام کاموں میں شیطان ساتھ رہتا ہے یہاں تک کہ جب کوئی کھانے بیٹھتا ہے تو اس کے پاس آ موجود ہوتا ہے پس جب تمہارے ہاتھ سے کوئی لقمہ گر جائے تو چاہئے کہ اس کی مٹی دور کر کے کھا جائے اور شیطان کے لئے نہ چھوڑے''۔

میں کہتا ہوں من جملہ اس علم کے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا فرمایا ملائکہ اور شیاطین کا حال اور ان کے زمین میں پھیلنے کا علم بھی اسی میں سے ہے فرشتے ملا اعلیٰ سے عمدہ الہامات حاصل کر لیتے ہیں پھر اس کو بنی آدم کے قلوب میں ڈال دیتے ہیں اور شیاطین کے مزاج سے فاسد رائیں پیدا ہوتی ہیں جو عمدہ نظام کے بگاڑنے کی طرف اور حلم وقار کی مخالفت اور اس چیز کی مخالفت کی طرف متوجہ کرتی ہیں جو طبیعت سلیمہ کا مقتضی ہے پس شیاطین اس کو حاصل کرتے ہیں اور بنی آدم میں سے اپنے دوستوں کے دلوں میں ان کو ڈالتے ہیں، پس من جملہ شیاطین کے حالات کے یہ

بھی ہے کہ خواب یا بیداری میں جب وہ دکھائی دیتے ہیں تو ایسی بری ہیئت میں ظاہر ہوتے ہیں جس سے طبیعت سلیمہ نفرت کرتی ہے مثلاً بائیں ہاتھ سے کھانا اور جیسے نکٹے کی صورت میں ظاہر ہونا وغیرہ۔

اور من جملہ ان حالات کے یہ ہے کہ انسان کے نفوس میں صفات دنیہ منقش ہوتی ہیں جو بنی آدم کے دل میں بہیمیت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے بھوک اور جماع کی خواہش، پس جب یہ صفات ان کے اندر پیدا ہوتی ہیں تو وہ بنی آدم کی حاجات کے ساتھ اختلاط اور تلبس کرتے ہیں اور اس وقت میں انسان جو کچھ کرتا ہے اس کی وہ نقل کرتے ہیں اور انسان کی قضائے شہوت کے وقت میں وہ خیال کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنی شہوت پوری کرلی ہے پس جو اولاد ایسے جماع سے پیدا ہوتی ہے جس میں شیاطین کی شرکت ہوتی ہے اور شیاطین نے اس وقت میں قضائے شہوت بھی کی ہے وہ قلیل البرکت ہوتی ہے اور شیطنت کی طرف مائل ہوتی ہے اور اسی طرح وہ کھانا جس میں شیاطین نے شرکت کی ہے اور اس کے ساتھ اپنی حاجت پوری کی ہے قلیل البرکت ہوتا ہے جس سے لوگوں کو نفع حاصل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات وہ کھانا لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرنا اور اللہ کی پناہ مانگنا بالطبع ان کی مخالفت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو شخص اللہ کو یاد کرے اور اس کی پناہ مانگے شیاطین اس سے ہٹ جاتے ہیں''۔

اور ہمیں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ہماری ملاقات کے لئے ہمارا ایک دوست آیا اور کچھ کھانا ہم نے اس کے سامنے پیش کیا پس اس اثنا میں کہ وہ کھا رہا تھا ایک ٹکڑا اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور زمین میں لڑکنے لگا پس وہ شخص اس کو لینے کے لئے چلا اور وہ ٹکڑا اس سے دور ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ حاضرین کو کسی قدر تعجب ہوا اور وہ شخص اس کے اٹھانے میں کسی قدر تھک گیا لیکن اس نے اس کو پکڑ لیا اور کھالیا پھر چند روز کے بعد ایک پر شخص شیطان مسلط ہوگیا اور وہ اس کی زبان سے کلام کرنے لگا کلام کے دوران میں اس نے یہ بھی بیان کیا کہ فلاں شخص پر میرا گزر ہوا اور وہ کھانا کھا رہا تھا پس مجھ کو وہ کھانا پسند آیا مگر اس نے مجھ کو کچھ نہیں کھلایا پس میں نے اس کے ہاتھ سے اچک لیا تو اس نے مجھ سے منازعت کی حتی کہ مجھ سے اس نے چھین لیا اور ایک مرتبہ ہمارے گھر کے آدمی گاجر کھا رہے تھے کہ اچانک گاجر کا ٹکڑا گر کر لڑکنے لگا پس ایک شخص اس پر جھپٹ پڑا

اور اس کو اٹھا کر کھا گیا پس اس کے سینہ اور معدہ میں درد شروع ہو گیا پھر اس پر شیطان مسلط ہو کر اس کی زبان سے یہ بیان کرنے لگا کہ اس نے وہ لڑکتا ہوا گاجر کا ٹکڑا اٹھا لیا تھا اور اس قسم کی بہت سی باتیں ہمارے کان میں پڑی ہیں جن سے ہم کو یقین کامل ہو گیا کہ ان احادیث کے معنی مجازی مراد نہیں بلکہ ان کے حقیقی معنی مراد ہیں، واللہ اعلم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر پڑے تو تمام مکھی کو ڈبو کر پھر اس کو پھینک دے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے'' اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ ''وہ مکھی اپنے آپ کو اس پر کے ذریعہ بچاتی ہے جس میں بیماری ہے''۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حیوان کے اندر طبیعت کو پیدا کیا ہے جو مدبر بدن ہے پس بسا اوقات وہ طبیعت مواد موذیہ کو جو جزء بدن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے اعماق بدن سے اطراف بدن کی طرف پھینک دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ اطبا نے جانوروں کی دم کھانے سے منع کیا ہے اور مکھی اکثر وہ فاسد غذائیں کھاتی ہے جو جزء بدن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور اس کی طبیعت ان فاسد غذاؤں کو اس کے عضو خسیس یعنی پر کی طرف دفع کر دیتی ہے پھر یہ عضو جس میں وہ سمیہ ہوتا ہے کھجلی محسوس کرتا ہے اور تنگیوں میں کشمکش کے وقت اس کے اعضا میں سے یہی عضو مقدم ترین ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ جس چیز میں زہر رکھا ہے اس میں مادہ تریاقیہ بھی رکھا ہے تاکہ اس کی وجہ سے حیوان کا وجود محفوظ رہے اور اگر ہم اس طبعی بحث کو بیان کریں تو کلام طویل ہو جائے گا۔

اور حاصل کلام یہ ہے کہ مکھی کے کاٹنے کا زہر بعض زمانوں میں اور بعض غذا کھانے کے وقت محسوس اور معلوم ہوتا ہے اور جس عضو کی طرف مادہ لذاعہ گرتا ہے اس کا حرکت کرنا معلوم ہوتا ہے اور طبیعت جس کے اندر ایسے مواد موذیہ کی مدافعت کی طاقت ہوتی ہے وہ بھی معلوم ہے تو اب کون سی چیز ہے جو اس مبحث سے مستبعد ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی دسترخوان پر کھایا اور نہ پیالہ میں کھایا اور نہ پتلی چپاتی آپ کے لئے پکائی گئی اور نہ کبھی آپ نے سالم بکری بھنی ہوئی دیکھی اور نہ آپ نے تکیہ لگا کر کھایا اور نہ آپ نے چھلنی کو دیکھا آپ بغیر چھنے جو کھایا کرتے تھے۔

واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے اور ان کی عادات درمیانی عادات تھیں اور وہ لوگ عجمیوں کی طرح تکلفات نہیں کرتے تھے اور ایسی عادات کا پابند ہونا اچھا ہے اور اس کے زیادہ قریب ہے کہ دنیا میں تعمق نہ کریں اور ذکر الٰہی سے اعراض نہ کریں اور اصحاب ملت و مذہب کو ہر چھوٹی اور بڑی بات میں اپنے امام کی سیرت کی اتباع کرنی چاہئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مومن ایک آنت میں اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے“۔

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ کافر کا قصد پیٹ بھرنا ہے اور مومن کا قصد اس کی آخرت ہے اور مومن کو چاہئے کہ کھانے میں کمی کرے اور مومن کا کم کھانا ایمان کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے اور کھانے میں زیادہ حرص کرنا کفر کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چھوارے ملا کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں دو چھوارے ملا کر کھانے سے منع کرنے کی کئی وجوہات ہیں، از آں جملہ یہ ہے کہ دو چھوارے اچھی طرح سے چبائے نہیں جاسکتے اور اس بات کا زیادہ احتمال ہے کہ دو گٹھلیوں کے قابو میں نہ آنے کی وہ اس کو تکلیف دیں گی بخلاف ایک گٹھلی کے اور از آں جملہ یہ ہے کہ یہ ہیئت حرص اور ہوکے کی ہے اور از آں جملہ یہ ہے کہ اس میں اپنے دوستوں پر اپنے آپ کو ترجیح دینا ہے اور اس بات کا غالب احتمال ہے کہ اس کے دوست اس کو برا سمجھیں البتہ اجازت لینے کے بعد کوئی مضائقہ نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جن کے پاس چھوارے ہوں گے ان کے گھر والے بھوکے نہ رہیں گے“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس گھر میں چھوارے نہیں اس گھر کے لوگ بھوکے رہیں گے“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”سرکہ عمدہ سالن ہے“۔

میں کہتا ہوں من جملہ اصول خانہ داری کے یہ ہے کہ کوئی چیز ہلکی اور جس کو وہ بازار میں ارزاں پائے اپنے گھر میں جمع کرلے جیسے مدینہ میں چھوارے اور ہمارے ملک کے بازاروں میں گاجریں وغیرہ پس اگر خواہش کے موافق کھانا مل جائے تو بہتر ہے ورنہ جو چیز اس کے پاس ہے اس سے حاجت روائی ہو جائے گی اور ستر ہو جائے گا پس اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو بھوک کا خوف رہے گا اور یہی حال سالن کا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے الگ رہے“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہانڈی آئی جس میں ایسی ترکاریاں پکی

ہوئی تھیں جن میں بو آتی تھی تو آپ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ ''تو کھالے کیونکہ میں اس سے بات کرتا ہوں جس سے تو نہیں کرتا''۔

میں کہتا ہوں فرشتوں کو بنی آدم سے پاکیزگی اور خوشبو اور وہ چیز جو پاکیزگی کی عادت پیدا کرے پسند ہے اور ان کے اضداد سے نفرت کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مابین محسنین کی شریعت کے جن میں ملکیت کے انوار چمکتے ہیں اور مابین ان کے غیر کے فرق کردیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس بندہ سے خوش ہوتا ہے کہ جو لقمہ وہ کھائے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جو گھونٹ وہ پیئے اس پر اس کا شکر بجالائے اس کا راز سابقا گزر چکا ہے، اور حمد کے باب میں کئی طریقے وارد ہوئے ہیں ان میں سے جس کو عمل میں لایا اس نے سنت کو ادا کردیا، از آں جملہ یہ ہے: **الحمدلله حمداً كثيرا مباركاً فيه غير مكفي ولا مودع ولا مستغني عنه ربنا،** اور از آں جملہ یہ ہے: **الحمد لله الذى اطعمنا وسقانا وجعلنا المسلمين** اور از آں جملہ یہ ہے: **الحمد لله الذى اطعم وسقى وسوغه وجعل له مخرجا۔**

اور چونکہ ضیافت سخاوت کے ابواب میں سے ایک باب ہے اور شہر اور ملت کے امور کے اتفاق کا باعث ہے اور وہ لوگوں کے مابین دوستی پیدا کرتی ہے اور مسافروں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے تو اس کو زکوۃ کے باب میں شمار کرنا اور اس میں رغبت دلانا اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرنا ضروری ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے'' پھر اس بات کی حاجت ہوئی کہ مہمان نوازی کی مدت مقرر کی جائے تاکہ مہمان اہل خانہ کو تنگی میں نہ ڈالے یا تھوڑی سی ضیافت بہت نہ سمجھی جائے اس واسطے اس کے اکرام کی مدت ایک دن رات مقرر کی گئی اور وہ تحفہ اور صلہ ہے اور ضیافت کی انتہائی مدت تین روز مقرر کئے گئے پھر اس کے بعد صدقہ ہے۔

مسکرات کا بیان

واضح ہو کہ نشہ آور چیز کھا کر عقل کا زائل کرنا عقل کے نزدیک قطعی قبیح فعل ہے اس لئے کہ اس میں نفس کو وطیرہ بہیمیہ میں ڈال دینا اور ملکیت سے نہایت درجہ بعید ہو جانا ہے اور خلق الٰہی کو بدلنا ہے اس لئے کہ اس شخص نے اپنی اس عقل کو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کو مخصوص

کیا ہے اور اس کے ساتھ ان پر احسان کیا ہے، بگاڑ دیا اور اس میں مصلحت منزلیہ اور مدنیہ کا فاسد کرنا اور مال کا ضائع کرنا اور ہیئات قبیحہ کا اپنے اوپر طاری کرنا ہے جن سے وہ مضحکۂ اطفال بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کو صراحۃً یا اشارۃً اس آیت میں جمع کر دیا ہے: **انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ، الایۃ**: یہی وجہ ہے کہ تمام اہل مذاہب اور اہل عقل کا اس کے قبیح ہونے پر اتفاق ہے اور بعض بصیرت نہ رکھنے والے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ حکمت عملیہ کے اعتبار سے وہ ایک عمدہ چیز ہے کیونکہ اس میں طبیعت کو تقویت ہوتی ہے سو وہ غلط ہے کیونکہ ان کا یہ گمان حکمت طبیہ کی حکمت عملیہ کے ساتھ اشتباہ کے قبیل سے ہے اور حق یہ ہے کہ وہ دونوں متغائر ہیں اور بسا اوقات ان دونوں میں کشمکش اور تنازع واقع ہوتا ہے جیسے قتال کرنا کہ طب اس سے منع کرتی ہے کیونکہ اس میں انسان کی بنیاد جس کی حفاظت طب میں واجب ہے قطع ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ قتال حکمت عملیہ کے اعتبار سے واجب اور ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس میں شہر کی اصلاح اور عار شدید کی مدافعت ہوتی ہے اور اسی طرح جماع ہے کہ غلبہ شہوت اور اس کے ترک کرنے سے ضرر کے خوف کے وقت طب اس کو واجب کرتی ہے اور بسا اوقات اس میں عار کے پائے جانے کے وقت یا سنت راشدہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے حکمت عملیہ اس کو حرام قرار دیتی ہے اور ہر امت اور ہر زمانہ کے دانشمند لوگ طب پر مصلحت کو ترجیح دیتے رہے ہیں اور وہ عقلمند لوگ اس شخص کو جو مصلحت سے نفع نہ حاصل کرے اور صحت جسمانی کی طرف مائل ہو کر اس کا پابند نہ رہے فاسق و فاجر بدکردار اور برا سمجھتے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہوتا، اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس آیت میں اس بات کی تعلیم فرمادی ہے ''ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں اور ان کا گناہ ان کے منافع سے زیادہ بڑا ہے'' البتہ نشہ آور چیز کے کھانے میں جبکہ وہ حد سکر کو نہ پہنچے اور اس پر یہ خرابیاں مرتب نہ ہوں عقلاء کا اختلاف ہے اور شریعت محکمہ محمدیہ جو سیاست امت میں اور فسادات کے بند کرنے میں اور احتمال تحریف کے قطع کرنے میں کامل ہے اس نے اس بات کا لحاظ کیا کہ تھوڑی شراب زیادہ شراب کا مرتکب بناتی ہے اور ان مفاسد سے منع کرنا بغیر اس کے کہ نفس شراب سے منع کیا جائے کچھ موثر نہیں ہے اور اس پر مجوس وغیرہ کا حال کافی شاہد ہے اور نیز اگر تھوڑی شراب کی اجازت کا دروازہ کھل جائے تو سیاست ملیہ کا انتظام بالکل نہیں ہو سکتا اس

واسطے مطلق شراب کے ساتھ حرمت متعلق ہوئی خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور اس کے نچوڑنے والے پر اور جس کے لئے نچوڑی جائے اس پر اور اس کے اٹھانے والے پر اور جس کے پاس اٹھا کر پہنچائی جائے اس پر لعنت کی ہے''۔

میں کہتا ہوں کہ جب ایک چیز کے حرام کرنے میں اور اس کے مٹانے میں مصلحت قرار پا گئی اور اس کے بارے میں حکم الٰہی نازل ہو گیا تو ضروری ہوا کہ ان تمام چیزوں سے منع کیا جائے جن سے اس کی قدر اور لوگوں میں رواج اور اس کی رغبت پائی جائے کیونکہ یہ چیزیں مصلحت کے خلاف اور شرع کے مخالف ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے بہت سی احادیث بے شمار طرق اور مختلف عبارتوں سے منقول ہیں چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شراب ان دو درختوں سے ہوتی ہے، چھوارے کا درخت اور انگور کا درخت'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے جو نے بتع اور مزر وغیرہ کی بابت دریافت کیا تھا فرمایا ''جو پینے کی چیز نشہ آور ہو وہ حرام ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جو چیز بہت ساری نشہ لائے وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے اور جس کا ایک پیالہ نشہ لائے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے'' اور جن لوگوں نے نزول آیت کا مشاہدہ کیا ہے کہا کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی اس وقت میں شراب پانچ چیزوں سے بنا کرتی تھی انگور، چھوارہ، گیہوں، جو، شہد اور شراب ہر وہ چیز ہے جو عقل کو زائل کر دے اور ان لوگوں کا قول ہے کہ جب شراب حرام کی گئی تو ہمارے پاس انگور کی شراب بہت ہی کم تھی اور عام شراب تر اور خشک چھواروں کی ہوا کرتی تھی اور جب آیت کا نزول ہوا ہے تو لوگوں نے ان مٹکوں کو توڑ ڈالا جن میں وہ شراب بنایا کرتے تھے اور قوانین شرع کا یہی مقتضیٰ ہے کہ مطلق شراب حرام ہو کیونکہ انگوری شراب کے خاص ہونے کے کوئی معنی نہیں اور اس کی حرمت کا سبب اس کا عقل کو زائل کرنے والا ہونا ہے جس کا تھوڑا بہت کی طرف داعی ہوتا ہے اس واسطے مطلق شراب کی حرمت کا قائل ہونا ضروری ہوا اس زمانہ میں کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ جو شراب انگور سے نہ بنائی جائے یا جو حد سکر سے کم استعمال کی جائے اس کے حلال ہونے کا قائل ہو

البتہ صحابہ اور تابعین میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جن کو شروع شروع میں یہ حدیث نہیں پہنچی تھی اس واسطے وہ معذور تھے اور جب یہ حدیث سب میں مشہور ہوگئی اور آفتاب نیم روز کے مانند یہ بات ظاہر ہوگئی اور یہ حدیث بھی ثابت ہوگئی کہ ''میری امت کے کچھ لوگ شراب پیا کریں گے اور شراب کے علاوہ اور کچھ اس کا نام رکھیں گے تو اب کچھ عذر باقی نہیں رہا، اللہ تعالیٰ ہم کو اور مسلمانوں کو اس سے بچائے، اور کسی شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب سے سرکہ بنانے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اس کو منع فرمایا اور کسی نے عرض کیا کہ میں اس کو دوا کے لئے بناتا ہوں تو آپ نے فرمایا وہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے''۔

میں کہتا ہوں چونکہ لوگ شراب کے بڑے حریص تھے اور اس کے پینے کے لئے حیلے کیا کرتے تھے اس واسطے مصلحت اس کے بغیر تمام نہ ہوتی تھی کہ ہر حال میں اس سے منع کیا جائے تاکہ کسی کو کوئی حیلہ اور عذر باقی نہ رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تر اور خشک چھواروں کے ملانے سے اور منقی اور چھواروں کے ملانے سے اور مائل بہ سرخی چھوارے اور ترشی لئے چھواروں کے ملانے سے منع فرمایا۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ مزہ بدلنے سے پیشتر ملانے کی وجہ سے ان چیزوں میں جلدی نشہ پیدا ہوجاتا ہے، پس پینے والا تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ نشہ آور نہیں ہے حالانکہ اس میں نشہ ہوتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین سانسوں میں پیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''اس سے خوب سیرابی ہوتی ہے اور زیادہ تکلیف سے بچتا ہے اور طبیعت کو خوب موافق ہوتا ہے''۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب معدہ کی طرف تھوڑا تھوڑا پانی پہنچتا ہے تو طبیعت جہاں اس کو ضروری سمجھتی ہے اچھی طرح صرف کرتی ہے اور بہت سا پانی معدہ میں ایک دم آپڑتا ہے تو اس کے صرف کرنے میں طبیعت حیران ہوجاتی ہے اور سرد مزاج والے آدمی کے معدہ میں جب ایک دم بہت سا پانی پہنچتا ہے تو زیادہ پانی کی مدافعت سے اس کی قوت ضعیف ہوجاتی ہے اور اس کو زیادہ برودت لاحق ہوجاتی ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب بتدریج پانی پہنچے اور گرم مزاج والا آدمی کے معدہ میں جب دفعتہً پانی پہنچتا ہے تو ان دونوں میں مدافعت واقع ہوتی ہے اور پورے طور پر برودت حاصل نہیں ہوتی اور جب بتدریج پانی معدہ میں پڑتا ہے تو شروع میں

مزاحمت ہوتی ہے پھر برودت غالب آجاتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن کو منہ لگا کر پانی پینے سے اور مشک کے دہانے سے پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مشکیزہ کا دہانہ الٹ کر کوئی شخص پانی پیتا ہے تو پانی اس میں سے اچھل کر دفعتہً اس کے حلق میں پہنچ جاتا ہے اور اس سے جگر میں درد پیدا ہو جاتا ہے اور معدہ کو ضرر پہنچتا ہے اور پانی کے ایک دم منہ میں گرنے سے اس کے تنکے وغیرہ کا پتہ نہیں چلتا۔

اور منقول ہے کہ ایک شخص نے مشکیزہ کے دہانے سے پانی پیا تو پانی کے ساتھ اس کے پیٹ میں سانپ اتر گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پانی پینے سے منع فرمایا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پانی پیا۔

میں کہتا ہوں یہ نہی ارشاد اور تادیب کے طور پر ہے کیونکہ بیٹھ کر پینا ایک عمدہ حالت ہے اور اس سے سیرابی اور دل کو سیری خوب حاصل ہوتی ہے اور طبیعت اس پانی کو اس کے محل میں اچھی طرح صرف کرسکتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہوکر پینا بیان جواز کے لئے تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’داہنی طرف کا پس داہنی طرف کا ہے‘‘۔ یعنی الایمن فالایمن

میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد قطع منازعت ہے کیونکہ اگر یہ دستور ہوتا کہ افضل کو مقدم کیا جائے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کی فضیلت کو سب لوگ نہیں مانتے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک کو مقدم کرنے سے دوسروں کے دلوں میں ملال ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے سے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ ممانعت آپ نے اس وجہ سے فرمائی کہ اس کے منہ یا ناک سے کوئی ناگوار خاطر چیز پانی میں نہ گر جائے پس اس کے سبب سے ایک ہیئت قبیحہ پیدا ہو جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جب تم پینا شروع کرو تو بسم اللہ کہو اور جب پی چکو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو‘‘ اس کا راز ہم بیان کر چکے ہیں۔

لباس اور زینت اور ظروف وغیرہ کا بیان

واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عجم کی عادات کی طرف اور دنیاوی لذات پر مطمئن ہونے میں ان کے تکلفات کی طرف نظر ڈالی پس ان میں سے جو سب کی جڑ اور سب کی اصل تھی

اس کو حرام قرار دیا اور اس سے کم درجہ کے تکلفات کو مکروہ ٹھیرایا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ چیزیں دار آخرت کو بھلانے والی اور طلب دنیا کی کثرت کی طرف رغبت دلانے والی ہیں پس من جملہ ان اصول کے لباس فاخرہ ہے کیونکہ اسی کا وہ سب سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور اسی پر ان کو سب سے زیادہ فخر ہوتا ہے اور اس سے کئی طرح پر بحث کی گئی ہے اور از آں جملہ قمیص اور ازار کا بہت نیچا کرنا ہے کیونکہ اس سے ستر اور زیبائش جو لباس میں مقصود اصلی ہیں ان کو مطلوب نہیں ہوتے بلکہ فخر اور اپنی دولت مندی وغیرہ دکھانا مقصود ہوتا ہے اور زیبائش صرف اسی مقدار میں ہے جو بدن کے برابر ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''روز قیامت کو اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر نہ کرے گا جو فخر سے اپنی ازار کو زمین پر کھینچتا چلے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مومن کی ازار نصف پنڈلی تک ہوتی ہے نصف پنڈلی سے لیکر ٹخنوں تک نیچا کرنے میں کچھ گناہ نہیں اور جو ٹخنوں سے نیچی ہے وہ آگ میں ہے''۔

اور از آں جملہ نہایت عمدہ اور نرم قسم کے کپڑے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے دنیا میں ریشمی کپڑا پہن لیا تو وہ قیامت کے دن اس کو نہ پہنے گا''۔

اور اس میں حکمت وہی ہے، جو ہم شراب کے بارے میں بیان کر چکے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور دیبا کے پہننے اور قسی اور میاثر اور ارجوان کے پہننے سے منع فرمایا ہے اور بقدر دو انگشت یا تین کے اجازت دی ہے کیونکہ اتنی مقدار لباس میں داخل نہیں ہے اور اکثر اتنی مقدار کی طرف ضرورت پڑتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو کھجلی کے عارضہ میں ریشم کے پہننے کی اجازت فرمائی کیونکہ اس وقت میں اس سے ترفہ مقصود نہیں تھا بلکہ شفا حاصل کرنا مقصود تھا۔

اور از آں جملہ وہ کپڑا ہے جو کسی ایسے رنگ سے رنگا ہوا ہو جس سے فخر اور نمائش حاصل ہوتی ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسم اور زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے سے نہی فرمائی اور آپ نے فرمایا ''یہ دوزخیوں کے کپڑے ہیں'' اور نیز آپ نے فرمایا ''خبردار ہو جاؤ مردوں کی خوشبو وہ عطر ہے جس میں رنگ نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ رنگ ہے جس میں خوشبو نہ ہو'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ ''سادگی ایمان کی خصلت ہے'' اور آپ کے اس قول

میں ’’جس نے شہرت کے لئے دنیا میں کپڑا پہنا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا کپڑا پہنائے گا‘‘ اور آپ کے اس قول میں ’’جس نے تواضع کی خاطر زینت کا لباس ترک کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو عزت کا جوڑا پہنائے گا اور آپ کی اس حدیث میں کوئی مخالفت نہیں ہے کہ ’’اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ وہ بندہ سے اپنی نعمت کا اثر دیکھے‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پراگندہ سر دیکھا اور فرمایا ’’اس کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے بالوں کو درست کر لے‘‘ اور ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا ’’اس کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے کپڑے کو دھو لے‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جب اللہ تعالیٰ تجھ کو مال دے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تجھ پر ظاہر ہو‘‘ ان احادیث میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام پر دو امر ہیں جو حقیقت میں مختلف ہیں اور بظاہر ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ان میں سے ایک شارع کو مطلوب ہے اور دوسرا مذموم ہے پس مطلوب تو بخل کا ترک کرنا ہے اور لوگوں کے درجات مختلف ہونے کی وجہ سے اس میں بھی اختلاف ہوتا ہے پس جو چیز بادشاہوں کے اعتبار سے بخل میں شمار ہوتی ہے وہ بسا اوقات فقرا کے اعتبار سے اسراف میں داخل ہوتی ہے اور نیز شارع کو ان لوگوں کی عادات کا ترک کرنا مقصود ہے جو جنگلی اور بہائم میں شمار ہوتے ہیں اور پاکیزگی اور پسندیدہ اخلاق کا اختیار کرنا مطلوب ہے اور مذموم تکلفات میں تعمق کرنا اور دکھاوے کیلئے کپڑے پہننا اور کپڑوں کے ذریعہ باہم فخر کرنا اور فقراء کی دل شکنی کرنا وغیرہ امور ہیں اور الفاظ حدیث میں ان معانی کی طرف اشارات بھی ہیں جیسا کہ متامل پر پوشیدہ نہیں ہے اور اجر کا مدار داعیہ تکبر اور فخر کے اتباع سے نفس کے باز رکھنے پر ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تھے تو اس کا نام عمامہ یا کرتا یا چادر لیتے تھے پھر یہ فرماتے تھے ’’**اللھم لک الحمد کما کسوتنیہ اسألک خیرہ و خیر ما صنع لہ واعوذبک من شرہ وشر ما صنع لہ**‘‘ اور اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے اور من جملہ ان اصول کے اعلیٰ قسم کا زیور ہے اور یہاں دو اصل ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ سونا ایسی چیز ہے جس پر عجمی لوگ فخر کرتے ہیں اور سونے کے پہننے کے دستور کے جاری ہونے میں دنیا کی طلب زیادہ ہوتی ہے بخلاف چاندی کے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی بابت تشدد فرمایا اور فرمایا ’’مگر تم چاندی کو اختیار کرو پس اس سے

کھیلا کرو‘‘۔

دوسری اصل یہ ہے کہ عورتوں کو زینت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کے شوہروں کو ان سے رغبت ہو یہی وجہ ہے کہ تمام عرب اور عجم کی یہ عادت جاری ہے کہ بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی آراستگی زیادہ ہوتی ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ عورتوں کو مردوں سے زیادہ زینت کی اجازت دی جائے اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں پر حلال اور مردوں پر حرام کیا گیا ہے‘‘۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی کی نسبت جو ایک شخص کے ہاتھ میں تھی یہ فرمایا ’’تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارہ کا قصد کرتا ہے اور اس کو اپنے ہاتھ میں رکھ لیتا ہے‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی کی مردوں کو اجازت فرمائی ہے خاص کر صاحب حکومت کے لئے اور فرمایا کہ ’’ایک مثقال کے برابر اس کو پورا مت کرو‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو غیر مقطع سونے سے منع فرمایا اور غیر مقطع وہ ہے جو سونے کا ایک بڑا سا ٹکڑا ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو کوئی اپنے دوست کو آگ کا حلقہ پہنانا چاہے تو وہ اس کو سونے کا حلقہ پہنائے‘‘ اور اسی طریق پر ہنسلی اور کنگن کو بیان فرمایا اور اسی طرح گلوبند اور بالی اور سونے کے توڑے کی تصریح آئی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی وجہ بیان فرمائی ہے اور یہ فرمایا ’’خبردار ہو جاؤ تم میں سے جو عورت نمائش کے لئے سونے کا زیور پہنے گی اس کو اسی کے ساتھ عذاب دیا جائے گا‘‘ حضرت ام سلمہؓ کے پاس سونے کا ہار تھا اور ظاہر ہے کہ وہ مقطع کے قبیل سے تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ ’’عورتوں کے لئے سونا حلال ہے‘‘ تو اس کے یہی معنی ہیں کہ فی الجملہ حلال ہے۔

یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ان احادیث کا مفہوم ہے اور مجھ کو ان احادیث کا کوئی متعارض نہیں ملا اور فقہا کا جو اس میں مذہب ہے وہ معلوم ومشہور ہے اور اللہ تعالیٰ نے حقیقت حال سے خوب واقف ہے۔

اور از آں جملہ بالوں کی زینت ہے اس کے اندر لوگوں کے مختلف طریقے تھے پس مجوس تو اپنی داڑھی منڈاتے اور مونچھوں کو بڑھاتے تھے لیکن انبیا علیہم السلام کا طریقہ اس کے خلاف تھا اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو

کتر واؤ''۔

اور بعض لوگ ایسے تھے جو پراگندہ حال رہنے کو اور بکھرے بال رہنے اور بری صورت بنانے کو پسند کرتے تھے اور زینت کو مکروہ سمجھتے تھے اور بعض لوگ ایسے تھے جو زیبائش پر بڑا فخر کرتے تھے اور اس کو ایک فخر کی بات سمجھتے تھے اور دوسرے لوگوں کو ذلیل سمجھتے تھے پس ان سب کے طریقوں کا مٹانا مقاصد شرعیہ میں سے ایک مقصد تھا کیونکہ شرائع کا مبنی افراط اور تفریط کے مابین حالت پر اور ان دونوں مصلحتوں کے جمع کرنے پر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پانچ باتیں فطرت کی باتوں میں سے ہیں، ختنہ کرنا، زیر ناف بال کاٹنا، مونچھیں کترنا، ناخون کاٹنا اور بغلوں کے بال اکھاڑنا'' پھر ان کا وقت مقرر کرنے کی ضرورت پڑی تا کہ مخالف سنت پر اعتراض ہو سکے اور تا کہ بڑا پرہیزگار ہر روز بال مونڈنے میں اور اکھیڑنے میں نہ پڑ جائے اور سست آدمی سال سال بھر تک خبر نہ لے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مونچھوں کے کتروانے میں اور ناخونوں کے ترشوانے میں۔ ل کے بال کے اکھڑوانے میں اور زیر ناف بال لینے میں یہ مدت مقرر فرمائی کہ چالیس روز سے زیادہ دیر نہ کی جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہود و نصاریٰ داڑھی نہیں رنگتے تم ان کے خلاف کرو'' اور اہل کتاب سر کے بالوں کو سدل کرتے تھے اور مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اول سدل کیا پھر مانگ نکالی پس سدل کے معنی پیشانی کے بالوں کا منہ پر چھوڑے رکھنا ہے اور یہ ایک پریشان صورت ہے اور فرق بالوں کو دو چوٹیاں بنا کر ہر چوٹی کو کنپٹی کی طرف پہنچا دینے کو کہتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے بعض حصہ کو مونڈنے اور بعض حصہ کے بال رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ یہ ہیئت شیطانی ہے اور ایک قسم کا مثلہ ہے جس کو تمام نفوس سوائے ان نفوس کے جو اس کے عادی ہو کر ماؤف ہو گئے ہیں برا جانتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کسی کے بال ہوں تو وہ ان کی عزت کرے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے تیسرے روز کے کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے اس سے آپ کی مراد افراط و تفریط میں میانہ روی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور منہ کے بال اکھڑوانے والیوں اور حسن کے لئے دانت باریک کرنے والیوں پر جو اللہ کی پیدائش کو بدلتی ہیں

اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر جو عورتوں کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کے ساتھ مشابہت کرتی ہیں، لعنت کی ہے۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ہر نوع اور ہر صنف کا بدن میں ظہور احکام کے لئے مقتضی بنایا ہے مثلاً مردوں میں داڑھی کا شوق ہوتا ہے اور عورتیں خوشی (۱) اور خفت کی طرف کسی قدر مائل ہوتی ہیں پس اس معنی کی وجہ سے جو اصل مادہ میں ہوتے ہیں انواع کا احکام کو چاہنا بعینہٖ ان احکام کی اضداد سے نفرت کرنا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہر نوع اور صنف کا اپنی مقتضائے فطرت پر باقی رہنا پسندیدہ ہوا اور پیدائش الٰہی کا بدلنا لعنت کا باعث ہوا اور اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خچروں کے پیدا ہونے کے لئے گدھے کو گھوڑے پر چھوڑنے سے منع فرمایا ہے، مگر بعض زینت ایسی ہوتی ہے جس سے طبیعت کے فعل کی تقویت اور اس کی تائید اور اس کی پیروی ہوتی ہے جیسے سرمہ لگانا اور کنگھی کرنا اور یہ زینت پسندیدہ چیز ہے اور بعض قسم کی زینت فعل طبیعت کے منافی ہوتی ہے جیسے انسان کو حیوانات کی ہیئت بنانا اور بعض قسم کی زینت ایسی ہوتی ہے جس میں طبیعت کے خلاف بہ تکلف کسی چیز کا پیدا کرنا ہوتا ہے اور ایسی زینت بھی غیر پسندیدہ ہے، جب انسان اپنی فطرت کے ساتھ اس پر غور کرے گا تو ضرور اس کو مثلہ خیال کرے گا۔

اور از آں جملہ کپڑوں اور دیواروں اور قالینوں میں تصاویر بنانا ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرمائی ہے اور اس ممانعت کا مدار دو چیزوں پر ہے ایک یہ ہے کہ اس میں ترفہ اور زینت کی صورت پائی جاتی ہے اس واسطے کہ وہ لوگ ان تصاویر سے فخر کیا کرتے تھے اور بہت سامان اس میں صرف کیا کرتے تھے پس وہ بھی مثل حریر کے شمار کی گئیں اور یہی بات درخت وغیرہ کی تصاویر میں پائی جاتی ہے دوسری چیز یہ ہے کہ تصاویر میں مشغول ہونا اور ان کو بنانا اور ان کی طرف رغبت کرنے کا دستور جاری ہونا ایسا امر ہے کہ اس سے بت پرستی کا دروازہ کھلتا ہے اور اس میں بتوں کی عظمت پیدا ہوتی ہے اور بت پرستوں کے لئے یاددہانی ہوتی ہے اور اکثر امتوں میں جو بت پرستی پھیلی ہے تو اسی وجہ سے پھیلی ہے اور یہ بات صرف حیوانات کی تصاویر میں پائی جاتی ہے اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصاویر کے سر کاٹنے کا حکم فرمایا ہے تا کہ وہ بہ منزلہ درخت

---

(۱) طرب

کے ہو جائیں اور درختوں کی تصویر بنانے میں اس قدر فساد نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس گھر میں تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے'' اور فرمایا ہے ''ہر مصور دوزخ میں ہے ہر تصویر کے عوض میں جو اس نے بنائی ہے ایک شخص مقرر کیا جائے گا جو اس کو جہنم میں عذاب دے گا'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے جو کوئی تصویر بنائی اس کو عذاب دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اس میں جان ڈال اور وہ اس میں جان نہ ڈال سکے گا''۔

میں کہتا ہوں چونکہ تصاویر کے اندر بتوں کے معنی پائے جاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں بتوں اور بت پرستوں پر لعنت اور غضب کا اقتضا پایا جاتا ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ ملائکہ کو ان سے نفرت ہو اور قیامت کے روز سب لوگ اپنے اپنے اعمال کے ساتھ اٹھائے جائیں گے تو اس روز مصور کا عمل ان نفوس میں متمثل ہو جائے گا جن کا اس نے تصویر بناتے وقت تصور کیا تھا اور ان کی نقل بنانی چاہی تھی اس واسطے کہ انہیں نفوس کی صورت میں ظاہر ہونا نہایت مناسب ہے اور اس مصور نے ان حیوانات کی نقل بنانے پر جو اقدام کیا ہے اور اس میں نہایت درجہ کی کوشش کرنا اس تکلیف کی صورت میں ظاہر ہوگا کہ اس کو جان ڈالنے کا حکم دیا جائے اور وہ ڈال نہ سکے گا۔

اور از آں جملہ غم دور کرنے والی چیزوں میں مشغول رہنا ہے جو نفس کو دین و دنیا کے غم سے بے فکر کریں اور اوقات ضائع کریں مثلاً باجا اور شطرنج اور کبوتر بازی اور جانوروں کا لڑانا وغیرہ، کیوں کہ انسان جب ان چیزوں میں مشغول ہوتا ہے تو کھانے پینے اور ضروری کاموں سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے اور بسا اوقات پیشاب پاخانہ روکے رہتا ہے اور اس کے لئے نہیں اٹھتا پس اگر ان چیزوں میں مشغول ہونے کا دستور عام ہو جائے تو تمام لوگ شہر پر بوجھ ہو جائیں اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

واضح ہو کہ ولیمہ وغیرہ کے اندر گانا اور دف بجانا تمام عرب و عجم کی عادت اور ان کا دستور ہے اس واسطے کہ یہ سرور اور خوشی کے حال کا مقتضی ہے پس وہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے جو دین و دنیا کو خراب کرنے والی ہیں ان بے غم کرنے والی چیزوں میں فرق اس طور پر کیا گیا ہے کہ وہ چیزیں جن کا استعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حجاز اور آباد بستیوں میں اس فرح اور سرور سے زائد سمجھا جاتا تھا جو ولیمہ وغیرہ میں مطلوب ہیں تو وہ چیزیں ممنوع اور دنیا و عاقبت کو خراب

کرنے والی ہیں مثلاً مزامیر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے شطرنج کا کھیل کھیلا (۱) اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی'' اور آپ نے فرمایا ''جس نے چوپڑ کا کھیل کھیلا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگا'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری امت میں بلاشبہ کچھ گروہ ایسے ہوں گے جو فرج اور حریر اور شراب اور کھیل کی چیزوں کو حلال سمجھیں گے'' (۲) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نکاح کا اعلان کرو اور اس پر دف بجاؤ'' پس لہو ولعب کی دو قسمیں ہیں ایک حرام اور یہ وہ کھیل کی چیزیں ہیں جو سرور حاصل کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں مثلاً مزامیر اور ایک مباح اور وہ ولیمہ وغیرہ میں دف بجانا اور گانا ہے جس سے سرور پیدا ہو اور حدی اصل میں وہ ہے جس سے اونٹوں میں جولانی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے مگر یہاں مطلق خوش الحانی اور گھٹاؤ بڑھاؤ کے ساتھ کسی چیز کا پڑھنا مراد ہے اور وہ مباح ہے کیونکہ وہ ملال دور کرنے والی چیز ہے اور ایسی چیز نہیں ہے جس سے دنیا وآخرت سے بے فکری ہو جائے۔

اور آلات حرب سے کھیلنا مثلاً تیراندازی اور چابک سواری اور نیزہ بازی، پس یہ درحقیقت کھیل میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان سے مقصود شرعی حاصل ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آپ کی مسجد میں حبشیوں نے پٹا کھیلا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق جو ایک کبوتری کے پیچھے پیچھے جاتا تھا فرمایا ''شیطان شیطانہ کے پیچھے جاتا ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے لڑانے سے ممانعت فرمائی ہے (۳)۔

اور از آں جملہ بلاضرورت صرف دکھانے اور فخر کرنے کے لئے بہت سے جانور اور سامان کا جمع کرنا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایک بستر مرد کے لئے اور ایک اس کی بیوی کے لئے اور ایک مہمان کے لئے کافی ہے اور چوتھا بستر شیطان کے لئے ہے'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بہت سے اونٹ اور بہت سے گھر شیطان کے لئے ہوتے ہیں، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شیطان کے لئے اونٹ تو میں نے دیکھے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص عمدہ عمدہ اونٹوں کو

---

(۱) چوسر، پچیسی، چوسر اور پچیسی میں اتنا فرق ہے کہ یہ بانسوں سے کھیلی جاتی ہے اور وہ کوڑیوں سے۔

(۲) ان کو حلال سمجھنا، دائرۂ کفر میں داخل کرتا ہے، اللہ کے احکام سے صریح بغاوت ہے۔

(۳) ہندوستانی مسلم سماج آج بھی اس مرض میں مبتلا ہے، جو زوال امت کے اسباب میں ایک اہم سبب رہا ہے۔

فربہ کر کے اپنے ساتھ لیکر نکلتا ہے ان میں سے کسی پر سوار نہیں ہوتا اور نہ کسی مسلمان بھائی کو جو راستہ میں تھکا ماندہ ملتا ہے اس کو سوار کرتا ہے''۔

اور اہل جاہلیت کو کتے پالنے کا بڑا شوق تھا اور کتا ایک ملعون جانور ہے جس سے ملائکہ کو نفرت ہے کیونکہ اس کو شیاطین سے مناسبت ہے جیسا کہ ہم نے گرگٹ کے بارے میں بیان کیا ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پالنے سے منع فرمایا اور یہ فرمایا ''جو شخص کتا رکھے بجز اس کتے کے جو مویشی یا شکار یا کھیتی کے لئے ہو تو ہر روز اس کے اجر میں سے ایک قیراط (۱) کم ہوتا رہتا ہے'' اور ایک روایت میں دو قیراط آیا ہے اور بندر اور سور پالنے کا حکم بھی کتے کے حکم کے مانند ہے۔

میں کہتا ہوں اجر کے کم ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اس فعل سے قوت بہیمی زیادہ ہوتی ہے اور ملکیت مغلوب ہوتی ہے اور قیراط کی مقدار کو بطور تمثیل کے ذکر کیا ہے اور اس سے جز قلیل مراد ہے اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو قیراط اور ایک قیراط کے ساتھ بیان کرنے میں کوئی منافات نہ ہوئی اور از آں جملہ سونے چاندی کے ظروف کا استعمال ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص چاندی کے برتن سے پیتا ہے بلاشبہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سونے اور چاندی کے برتن میں مت پیو اور اس کی رکابیوں میں مت کھاؤ کیونکہ کفار کے لئے وہ دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے وہ آخرت میں ہیں'' اور پہلے جو ہم بیان کر چکے ہیں اس سے اس کی وجہ بالکل ظاہر ہو سکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شام کے وقت برتنوں کو ڈھانک دیا کرو اور مشکیزوں کے دھانے باندھ دیا کرو اور دروازوں کو بند کر دیا کرو اور اپنے بچوں کو گھر سے نہ نکلنے دو کیونکہ شیطان پھیل جاتے ہیں اور اچکتے پھرتے ہیں اور سوتے وقت چراغوں کو گل کر دیا کرو اس واسطے کہ بسا اوقات چوہا بتی کو کھینچ لے جاتا ہے اور گھر والوں کو جلا دیتا ہے'' اور ایک روایت میں یہ آیا ہے ''کیونکہ شیطان نہ مشکیزہ کھول سکتا ہے اور نہ دروازہ کو کھولتا ہے اور نہ برتن کو کھولتا ہے'' اور ایک روایت میں آیا ہے ''کیونکہ سال بھر میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے پھر اس وبا کا جس کسی ایسے برتن پر گزر ہوتا ہے جس پر سرپوش نہیں یا

---

(۱) وزن اور پیمائش کی ایک مقدار جو مختلف زبانوں میں بدلتی رہی ہے، اب وزن میں مساوی چار دانہ گندم، سونے میں مساوی تین دانہ گندم۔

کسی مشکیزہ پر سے گزر ہوتا ہے جو سر بند نہیں ہے تو اس میں اس وبا میں سے کچھ نازل ہوتا ہے“۔

میں کہتا ہوں شام کے وقت جنوں کا پھیلنا اس وجہ سے ہے کہ وہ اصل فطرت کے اعتبار سے ظلمانی ہیں پس تاریکی کے پھیلنے سے ان کو خوشی اور سرور حاصل ہوتا ہے اور وہ جہان میں پھیل جاتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ ”شیطان بند چیز کو نہیں کھولتا تو اس کا سبب یہ ہے کہ شیاطین کا اکثر اثر جو ہم کو معلوم ہوا ہے افعال طبیعہ کے ضمن میں ہوا کرتا ہے جس طرح کہ ہوا جب کسی گھر میں داخل ہوتی ہے تو اس کے ساتھ جن بھی داخل ہو جاتا ہے اور جب کوئی پتھر لڑکایا جائے اور اس کے لڑکانے میں کوشش کی جائے تو وہ مقتضائے عادت سے زیادہ لڑک جاتا ہے وعلی ہذا القیاس، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ سال بھر میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں بلا نازل ہوتی ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ زمانہ طویل کے بعد ایسا وقت آتا ہے جس میں ہوا بگڑ جاتی ہے اور میں نے ایک مرتبہ اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے کہ مجھے ایک خراب ہوا چلتی ہوئی محسوس ہوئی جس سے اسی وقت میرے سر میں درد پیدا ہو گیا پھر میں نے یہ دیکھا کہ اسی رات میں بہت سے لوگ بیمار ہو گئے اور ان میں امراض کے پیدا ہونے کی استعداد ہو گئی اور از آں جملہ بلند عمارتوں پر فخر کرنا اور ان کو مزین کرنا اور ان کی زیب و زینت کرنا ہے پس وہ لوگ اس امر میں نہایت تکلف کرتے تھے اور اس میں مال کثیر خرچ کرتے تھے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سخت ممانعت فرما کر اس کا علاج کیا اور فرمایا ”مومن کوئی خرچ ایسا نہیں کرتا جس میں اس کو اجر نہ دیا جائے گا بجز اس خرچ کے جو اس مٹی میں کرتا ہے“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہر عمارت اپنے بنانے والے پر وبال ہے مگر جس کے بغیر چارہ نہ ہو“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میرے لئے زیبا نہیں یا یہ فرمایا کسی نبی کے لئے زیبا نہیں کہ آراستہ گھر میں داخل ہو“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور مٹی کو لباس پہنائیں“۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر لوگوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے امراض اور آفات میں طب اور جھاڑ پھونک سے کام لیا کرتے تھے اور کسی آئندہ چیز کے معلوم کرنے میں فال اور شگون اور خطوط سے کام لیا کرتے تھے اور اس کا نام رمل (۱) ہے اور نیز کہانت اور نجوم اور تعبیر خواب سے کام

---

(۱) ایک فن ہے۔

لیتے تھے اور ان میں سے بعض میں غیر مناسب امور تھے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرما دیا اور باقی کو مباح کر دیا پس طب کی حقیقت ادویہ حیوانیہ یا نباتیہ یا معدنیہ کی طبائع سے کام لینا اور کم اور زیادہ کر کے اخلاط میں تصرف کرنا ہے اور قواعد ملیہ ان کو صحیح جانتے ہیں کیونکہ اس میں نہ تو شرک کا شائبہ ہے اور نہ دین و دنیا کا کچھ نقصان ہے بلکہ اس میں بڑا نفع اور لوگوں کی جماعت کا مجتمع کرنا ہے مگر شراب سے علاج کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے کیونکہ شراب میں ایک مزہ ہوتا ہے جو شراب پینے والے سے نہیں چھوٹتا اسی طرح خبیث ادویہ یعنی زہریلی اشیا سے علاج کرنا ممنوع ہے جب تک اس کے سوا دوسری اشیا سے علاج کرنا ممکن ہو کیونکہ اس سے بسا اوقات انسان مر جاتا ہے اور نیز جب تک اور چیز سے علاج ممکن ہو داغ لگا کر علاج کرنا ممنوع ہے کیونکہ آگ سے جلانا ایسی چیز ہے جس سے ملائکہ نفرت کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معالجات مروی ہیں ان میں اصل عرب کے تجربات ہیں، اور منتر کی حقیقت ایسے کلمات کا استعمال کرنا ہے جن کا عالم مثال میں تحقق اور اثر ہے اور جب تک ان میں کلمہ شرک نہیں ہے قواعد شرعیہ ان کو رد نہیں کرتی خصوصاً جبکہ وہ کلمات قرآن وحدیث سے ہوں جن میں اللہ کی طرف تضرع کے معنی پائے جاتے ہوں اور نظر حق ہے اور اس کی حقیقت دیکھنے والے کے نفس کے صدمہ پہنچانے کی تاثیر اور وہ صدمہ ہے جو دیکھنے والے کی تاثیر نفس سے پہنچتا ہے اور ایسا ہی جنات کی نظر کا حال ہے اور جن احادیث میں منتر اور تعویذ اور ٹوٹکے سے ممانعت آئی ہے تو وہ ان صورتوں کے ساتھ متعلق ہے جن میں شرک یا اسباب میں اس قدر منہمک ہونا پایا جاتا ہو جو باری تعالیٰ سے غافل کر دے، اور فال اور شگون کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی امر عالم بالا میں قرار پا چکتا ہے تو بسا اوقات وہ واقعات جو اپنی جبلت کے اعتبار سے ہر چیز کا عکس سرعت کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں اس امر کا رنگ پکڑ لیتے ہیں پس ان واقعات میں سے ایک تو دلوں کے خیالات ہیں اور ایک وہ الفاظ ہیں جو بڑا قصد معتد بہ کے زبان سے نکل جاتے ہیں اور وہ ان خیالات خفیہ کے اشباح ہیں جن کی طرف بالذات قصد کیا جاتا ہے اور ایک ان میں سے وہ واقعات ہیں جو زمین و آسمان کے درمیان فضا میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں کیونکہ ان کے اسباب طبیعت کے اعتبار سے اکثر ضعیف ہوتے ہیں اور ان کا کسی صورت کے ساتھ خاص ہونا اور کسی کے ساتھ نہ ہونا کسی سبب فلکی یا عالم بالا

میں کسی امر کے قرار پانے سے ہوتا ہے، اور عرب کے لوگ ان باتوں سے آئندہ ہونے والی چیزوں پر استدلال کیا کرتے تھے اور اس بات میں تخمین اور وہم کا پابند ہونا ہے بلکہ بسا اوقات کا کفر کا مظنہ اور اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ نہ رہے لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدشگونی سے بالکل منع فرما دیا اور فرمایا "ان میں بہتر فال ہے" یعنی کوئی اچھا کلمہ جو نیک آدمی کے منہ سے نکلے کیونکہ وہ ان قباحتوں سے بعید ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانے سے انکار فرمایا نہ اس لئے کہ اس کی کچھ اصل نہیں بلکہ اس لئے کہ عرب کے لوگ اس کو ایک مستقل سبب خیال کرتے تھے اور توکل کو بالکل بھول جاتے تھے اور حق بات یہ ہے کہ ان اسباب کی سببیت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم ان کے خلاف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حکم الٰہی ثابت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا ہے بغیر اس کے کہ نظام میں فرق آئے اور شرع کی زبان میں اس نکتہ کو اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ یہ چیزیں اسباب عادیہ ہیں اسباب عقلیہ نہیں ہیں، اور ہامہ(۱) سے غالباً شرک کا دروازہ کھلتا ہے اور اسی طرح غول سے اس واسطے ان امور کے اندر مشغول ہونے سے ان کو منع کیا گیا نہ اس واسطے کہ حقیقت میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ بہت سی احادیث سے جنات اور ان کا عالم میں منتشر رہنا ثابت ہے اور عدوی کا پایا جانا ثابت ہے اور بہت سی احادیث سے عورت اور گھوڑے اور مکان میں نحوست کا پایا جانا ثابت ہے پس لامحالہ ان کی نفی اس معنی کر کے ہوگی کہ ان میں مشغول رہنا منع ہے اور اس میں مخاصمت نہیں ہو سکتی پس کسی کا یہ دعویٰ مسموع نہ ہوگا کہ اس نے اپنا بیمار اونٹ میرے اونٹ کے پاس کر کے اس کو بیمار کر دیا یا مار ڈالا وعلیٰ ہذا القیاس۔

اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے حالانکہ تم جانتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہانت یعنی جنات سے خبر دریافت کر کے بتلانے سے سخت منع کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہن کے پاس جانے والے سے اپنی براءت کی ہے، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کا حال دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "فرشتے آسمانوں کے کناروں پر آتے ہیں اور عالم بالا میں جو کچھ قرار پا چکا ہے اس کا ذکر کرتے ہیں پس شیاطین مخفی طور پر وہاں سننے کے لئے جا پہنچتے ہیں اور کچھ سن لیتے

---

(۱) زمانہ جاہلیت کے اوہام کے موافق ایک جانور جو قبر میں پیدا ہو جاتا ہے۔

ہیں اور کاہنوں سے آکر کہہ دیتے ہیں کہ کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں، یعنی ملا اعلیٰ میں جب کوئی امر قرار پا چکتا ہے تو ملائکہ سافلہ پر جو الہام کی قابلیت رکھتے ہیں اس کا القا ہوتا ہے پھر بعض جنات جو ذکی ہوتے ہیں ملائکہ سے اس کو معلوم کر لیتے ہیں پھر کسی مناسبت جبلیہ یا کسبیہ سے کاہن جنات سے حاصل کر لیتے ہیں پس تم اس بات میں ہرگز شک نہ کرنا کہ نہی کا مدار اس بات پر نہیں ہے کہ ان کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے بلکہ اس واسطے ان سے نہی کی گئی ہے کہ ان سب میں خطا اور شرک اور فساد کا گمان غالب ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے ''آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں گناہ عظیم ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے''، لیکن ستاروں کا طلوع وغروب اور نجوم تو یہ بات بعید نہیں ہے کہ ان کی کچھ حقیقت ہو کیونکہ ان کے اندر مشغول رہنے سے منع فرمایا ہے نہ یہ کہ بالکل حقیقت کی نفی کی ہے، اور سلف صالح سے ان چیزوں میں مشغول نہ ہونا اور شغل رکھنے والوں کی برائی اور ان کی تاثیرات کا قبول نہ کرنا ثابت ہے نہ یہ کہ انھوں نے اس کی بالکل نفی کی ہے اور ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو بدیہیات اولی کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں مثلاً سورج اور چاند کے حالات مختلف ہونے سے فصلوں کا بدلنا وغیرہ ذلک، اور بعض ایسی باتیں ہیں جو فکر اور تجربہ اور رصد سے ثابت ہوتی ہیں جس طرح تجربہ وغیرہ سے مثلاً سونٹھ کی حرارت اور کافور کی برودت ثابت ہوتی ہے اور یہ ممکن ہے کہ ان کی تاثیر دو طریقے سے ہو ایک طریقہ تو طبائع کے قریب قریب ہے پس جس طرح ہر نوع کے لئے طبائع ہوتی ہیں جو اسی نوع کے ساتھ خاص ہوتی ہیں جیسے حرارت اور برودت اور رطوبت اور یبوست جن سے امراض کے دفع کرنے کا کام لیا جاتا ہے اسی طرح افلاک اور کواکب کے لئے طبائع اور خواص ہیں جیسے آفتاب کے لئے حرارت اور چاند کے لئے رطوبت پس جب وہ ستارہ اپنے محل میں گزرتا ہے تو اس کی قوت زمین میں ظاہر ہوتی ہے، دیکھو عورت جو عورتوں کی عادات اور ان کے اخلاق کے ساتھ خاص ہے تو ان کا منشا اس کی طبیعت ہے اگرچہ اس کا ادراک ظاہر میں نہ ہو سکے، اور مرد جو جرأت اور آواز کے بھاری ہونے کے ساتھ مخصوص ہے تو اس کا منشا بھی اس کے مزاج کی کیفیت ہے پس تم اس بات سے انکار نہ کرو کہ جس طرح ان طبائع خفیہ کا اثر ہوتا ہے اسی طرح زہرہ اور مریخ کے قوی زمین میں حلول کر کے اپنا اثر ظاہر کریں۔

اور دوسرا طریقہ قوت روحانیہ اور طبیعت کے باہم ترکیب کے قریب قریب ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح جنین کے اندر ماں اور باپ کی طرف سے قوت نفسانیہ حاصل ہوتی ہے اور عناصر ثلثہ کو آسمان و زمین سے وہ نسبت ہے جو جنین کو ماں باپ سے ہوتی ہے پس یہ قوت عالم کو صورت حیوانیہ بعد ازاں صورت انسانیہ کے فائض ہونے کے لئے آمادہ کرتی ہے اور اتصالات فلکیہ کے اعتبار سے ان قویٰ کا حلول کئی اقسام کا ہوتا ہے اور ہر قسم کے خواص مختلف ہوتے ہیں پس کچھ لوگوں نے اس علم کے اندر غور کیا تو ان کو ستاروں کا علم حاصل ہو گیا جس کے ذریعہ سے آنے والے واقعات کا ان کو علم ہونے لگا مگر جب قضاء الٰہی اس کے خلاف مقرر ہو جاتی ہے تو ستاروں کی قوت کو ایک دوسری صورت میں ظاہر کر دیتی ہے جو اس صورت سے قریب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو پورا کرتا ہے بغیر اس کے کہ کواکب کے خواص کے انتظام میں کوئی فرق آئے اور اس نکتہ کو اس طرح سے بیان کیا جاتا ہے کہ ستاروں کے خواص عادت الٰہی جاری ہونے کی وجہ سے ہیں لزوم عقلی کی وجہ سے نہیں ہیں اور یہ خواص بہ منزلہ امارات اور علامات کے ہیں لیکن کثیر لوگ نہایت انہماک کے ساتھ اس علم میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ اس میں اللہ سے انکار اور عدم ایمان کا احتمال ہو گیا پس جو شخص اس علم میں مشغول ہو رہا ہے وہ خلوص دل سے یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر یہ بارش ہوئی ہے بلکہ وہ یہی کہے گا کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے ہم پر یہ بارش ہوئی ہے پس یہ امر اس ایمان سے جو نجات میں اصل اور بنیاد ہے مانع ہوتا ہے اور علم نجوم سے واقف نہ ہونے میں کچھ ضرر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے موافق عالم کا انتظام کرتا ہے خواہ کوئی اس سے واقف ہو یا نہ ہو اس واسطے شریعت کے اندر ضروری ہوا کہ اس کا علم نیست و نابود کر دیا جائے اور اس کے سیکھنے سے ممانعت کر دی جائے اور یہ بات ظاہر کر دی جائے کہ ”جس نے علم نجوم میں سے کچھ حاصل کیا اس نے جادو کا ایک شعبہ حاصل کیا جس قدر زیادہ سیکھے گا اسی قدر وبال زیادہ ہوگا“ اور اس کا حال توریت اور انجیل کا سا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر نہایت سختی کی ہے جو ان میں غور کرنے کا قصد کرے کیونکہ ان دونوں کتابوں میں تحریف ہو گئی ہے اور ان کے پڑھنے میں احتمال ہے کہ انسان قرآن عظیم کا پابند نہ رہے اس واسطے اس سے لوگوں کو ممانعت کر دی گئی۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے ہماری رائے اور ہمارے تفحص کا نتیجہ ہے پس اگر سنت سے اس کے خلاف ثابت ہو تو جو سنت سے ثابت ہے وہی صحیح ہے، لیکن خواب سواس کی پانچ قسمیں ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوش خبری اور ایک ان عمدہ اور برے اخلاق کے انوار کا متمثل ہونا جو ملکی طریقہ پر نفس میں مندرج ہوتے ہیں اور ایک تخویف شیطانی اور ایک تخیلات نفسانی جن کا حالت بیداری میں نفس عادی ہوتا ہے قوت متخیّلہ ان خیالات کو محفوظ رکھتی ہے اور وہ خیالات مجتمعہ حس مشترک میں ظاہر ہوتے ہیں اور ایک خیالات طبیعہ جو غلبہ اخلاط اور بدن کے اندر نفس کو ان اخلاط سے تکلیف پہنچنے پر نفس کو متنبہ ہونے سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت سواس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ کو حجابات بدنی سے بذریعہ اسباب خفیہ کے جن کو نفس بلا تامل معلوم نہیں کرسکتا جب فرصت حاصل ہوتی ہے تو اس میں اس بات کی قابلیت ہو جاتی ہے کہ منبع الخیر والجود سے اس پر کمال علمی کا فیضان ہو تب اس پر اس کی استعداد کے موافق وہ علوم فائض ہوتے ہیں جو اس کے پاس مجتمع تھے اور یہ خواب تعلیم الٰہی ہوتا ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں معراج ہوئی کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بہت اچھی صورت میں دیکھا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفارات اور درجات تعلیم فرمائے اور جس طرح خواب میں ایک اور معراج ہوئی جس میں مردوں کے وہ تمام حالات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوئے جو دنیاوی زندگی سے علیحدہ ہونے کے بعد مردوں پر گزرتے ہیں جیسا کہ جابر بن سمرۃؓ نے اس کو روایت کیا ہے اور جس طرح دنیا میں آئندہ ہونے والے حوادث کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا وہ بھی اسی قبیل سے تھا لیکن خواب ملکی سواس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اندر ملکات حسنہ اور ملکات قبیحہ ہیں لیکن ان ملکات کے حسن وقبح سے وہی شخص واقف ہوتا ہے جس کو صورت ملکی کی طرف تجرد حاصل ہوتا ہے۔ پس جو ان کی طرف مجرد ہوتا ہے اس کو اپنی نیکیاں اور برائیاں صورت مثالیہ میں ظاہر ہوتی ہیں، پس جس کو یہ بات حاصل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھ لیتا ہے اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھتا ہے اور اس کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری ہے جو اس کے سینہ میں مرکوز ہوتی ہے اور وہ انوار کو بھی دیکھتا ہے اور اس کی اصل وہ عبادات مکتسبہ ہیں جو اس کے سینہ اور اعضا میں ہیں وہ عبادات انوار کی صورت

میں اور پاکیزہ چیزوں کی صورت میں مثل شہد اور گھی اور دودھ کے ظاہر ہوتی ہیں پس جو شخص اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ملائکہ کو بری صورت میں یا غصہ کی حالت میں دیکھے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا اعتقاد ناقص اور ضعیف ہے اور اس کا نفس کامل نہیں ہوا، اور اسی طرح وہ انوار جو طہارت کے سبب سے حاصل ہوتے ہیں سورج اور چاند کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور جو خواب تخویف شیطانی ہوتا ہے وہ اس شخص کا ملعون حیوانات سے ڈرنا اور خوف کھانا ہوتا ہے جیسے بندر اور ہاتھی اور کتا اور سیاہ رنگ آدمیوں کا خواب میں دیکھنا پس جب خواب میں ایسی چیزیں دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے یعنی اعوذ باللہ پڑھے اور بائیں جانب تین دفعہ تھوک دے اور جس کروٹ سے وہ سو رہا ہے اس کو بدل دے اور جو خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت کے قبیل سے ہوتا ہے تو اس کی تعبیر ہوتی ہے اور تعبیر کے اندر بہتر طریقہ خیالات کا معلوم کرنا ہے کہ کون سی چیز کس چیز کا مظنہ ہوتی ہے پس کبھی ذہن مسمّٰی سے اسم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ عقبہ بن رافعؓ کے گھر میں ہیں اور ابن طاب کے باغ کے چھوارے آپ کے پاس لائے گئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پس میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی ہے کہ دنیا میں ہمارے لئے رفعت یعنی سربلندی ہوگی اور آخرت میں عافیت سے ہوں گے اور ہمارا دین پاکیزہ ہوگیا اور کبھی ذہن ایک چیز سے اس کے پاس والی چیز کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص خواب میں تلوار کو دیکھے تو اس کی تعبیر قتال ہوگی اور کبھی ذہن ایک وصف سے اس کے مناسب جوہر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسے جس شخص پر مال کی محبت غالب تھی اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کے کڑے کی صورت میں دیکھا تھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف ذہن کے منتقل ہونے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اور یہ خواب نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اس واسطے کہ وہ فیضان غیبی اور اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرف قریب ہونے کی ایک قسم ہے اور نبوت کی اصل یہی ہے (۱) لیکن خواب کے باقی اقسام سوان کی کچھ تعبیر نہیں ہوا کرتی۔

---

(۱) احادیث سے ثابت ہے کہ سچا خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہے۔ اور جو انسان جتنا سچا ہوگا اس کا خواب بھی اتنا ہی سچا ہوگا۔ خوابوں کی تعبیر لبیب یا حبیب سے دریافت کرنی چاہئے۔

آداب صحبت کا بیان

واضح ہو کہ من جملہ ان امور کے جن کو فطرت سلیمہ اور اشخاص انسان میں باہمی حاجات کا وقوع اور ارتفاقات واجب کرتے ہیں ایک آداب ہیں جن کو بنی آدم باہم عمل میں لاتے ہیں اور ان میں سے اکثر آداب تو ایسے ہیں جن کے اصول پر عرب اور عجم کے مختلف گروہ متفق ہیں اگرچہ ان کی صورتوں اور اشباح کے اندر ان کا اختلاف ہے پس ان آداب سے بحث کرنا اور ان آداب میں سے بھلے کو برے سے متمیز کرنا ان مصلحتوں سے ایک مصلحت ہے جن کو پورا کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں۔

ازاں جملہ ایک تحیہ ہے جس کو بعض بعض کے لئے عمل میں لایا کریں کیونکہ لوگوں کو اس بات کی ضرورت ہوا کرتی ہے کہ باہم خوشی کا اظہار کریں اور ایک دوسرے پر لطف ومہربانی کرے اور چھوٹا بڑے کو بزرگ سمجھے اور بڑا چھوٹے پر مہربانی سے پیش آئے اور آپس میں بھائی اور دوست بن کر رہیں کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو باہمی صحبت کا کوئی فائدہ نہیں ہوا اور نہ کوئی نتیجہ حاصل ہوا اور اگر اظہار خوشی کے لئے کوئی لفظ مقرر نہ کیا جائے تو وہ ایک اندرونی چیز رہے جو بغیر قرائن سے استنباط کئے معلوم نہیں ہوتی اسی لئے ہر گروہ کے سلف کا طریقہ ان کی رائے کے موافق آپس میں سلام کے برتاؤ کا چلا آتا ہے پھر وہ ان کے مذہب کا شعار ہو گیا اور اس امر کا نشان ہو گیا کہ فلاں شخص ان میں سے ہے پس مشرکین یہ کہا کرتے تھے ''انعم الله بک عینا وانعم الله بک صباحا'' اور مجوس یہ کہتے تھے ''ہزار سال برزی'' اور قانون شرعی کا یہ مقتضیٰ تھا کہ اس امر میں وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو انبیا علیہم السلام کی سنت ہے اور جس کو انبیا نے ملائکہ سے سیکھا ہے اور وہ طریقہ دعا اور

ذکر الٰہی کے قبیل سے ہو نہ کہ دنیاوی زندگی پر مطمئن ہونے کے قبیل سے ہو جیسے درازی عمر اور زیادتی دولت کی آرزو کرنا اور نہ اس میں حد سے زیادہ تعظیم ہو یہاں تک کہ آدمی کو شرک کے قریب کر دے جیسے سجدہ کرنا اور زمین چومنا اور وہ سلام ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو یہ فرمایا تو اس گروہ کے پاس جا اور ان کو سلام کر اور وہ ملائکہ کا گروہ بیٹھا ہوا تھا پس تو اس چیز کو سن جس کے ساتھ وہ تیرا تحیہ کرتے ہیں پس وہ تیرے لئے اور تیری اولاد کے لئے تحیہ ہے پس آدم علیہ السلام گئے اور انھوں نے کہا السلام علیکم پس فرشتوں نے کہا اسلام علیک ورحمتہ اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملائکہ نے رحمتہ اللہ کا لفظ زیادہ کیا'' اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ''تو ان پر سلام کر'' اس کے یہ معنی ہیں (واللہ اعلم) کہ اپنی رائے کے موافق ان کو سلام کر، پس ان کی رائے درست ہوئی اور انھوں نے کہا ''السلام علیکم'' اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ''وہ تیرا تحیہ ہے'' یعنی وجوبا کیونکہ اس نے یہ معلوم کر لیا کہ اس کا حظیرۃ القدس سے القا ہوا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جنت کے بیان میں فرماتا ہے ''تمہارے اوپر سلام، خوش ہو تم اور ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم جب تک ایمان نہ لاؤ گے جنت میں داخل نہ ہو گے اور جب تک باہم محبت نہ کرو گے مومن نہ ہو گے کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلا دوں کہ جب تم اس کو عمل میں لاؤ تو باہم محبت پیدا ہو، تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ''۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا فائدہ اور اس کی مشروعیت کا سبب بیان فرمایا کیونکہ لوگوں کا باہم محبت کرنا ایسی خصلت ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور سلام کا پھیلانا محبت پیدا کرنے کے لئے عمدہ ذریعہ ہے اور اسی طرح مصافحہ اور ہاتھ چومنا وغیرہ ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''چھوٹا بڑے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ بہت سے لوگوں کو سلام کریں'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سوار کو چاہئے کہ پیادہ چلنے والوں کو سلام کرے''۔

میں کہتا ہوں لوگوں میں یہ عام دستور تھا کہ باہر سے آنے والا گھر والوں کو سلام کرتا تھا اور ادنی درجہ کا اعلی درجہ والے کو سلام کرتا تھا پس اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدستور باقی رکھا صرف یہ تغیر کیا کہ آپ لڑکوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا اور عورتوں کے پاس سے گزرے تو ان

کوسلام کیا یہ سمجھ کر کہ انسان کا اس شخص کو بزرگ سمجھنا جو اس سے بڑا اور اشرف ہے شہر کی جماعتوں کا جمع کرنا ہے اور اس میں ایک طرح کی خود پسندی ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دستور مقرر کیا کہ بڑے لوگ تواضع کریں اور چھوٹے بڑوں کی تعظیم کیا کریں چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو شخص چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

اور سوار کو پیادہ پا کے لئے سلام کرنے کا طریقہ اس لئے مقرر فرمایا کہ سوار لوگوں کے نزدیک باہیبت اور اپنی ذات کے اعتبار سے باعظمت ہوتا ہے پس اس واسطے اس کے لئے تواضع کا حکم فرمایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم یہود و نصاریٰ کو اولاً سلام نہ کرو اور جب ان میں سے کوئی تم کو راستہ میں بلائے تو کنارے کی طرف چلنے پر مجبور کرو"۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ من جملہ ان مصلحتوں کے جن کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں ایک مصلحت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی عظمت ہو اور تمام ملل سے اس کا اعلیٰ اور اعظم ہونا بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کو تمام ملت والوں پر قدرت اور فضیلت ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص السلام علیکم کہے اس کے لئے دس نیکیاں ہیں اور جو اس میں 'ورحمۃ اللہ' زیادہ کہے اس کے لئے بیس نیکیاں ہیں اور جو 'وبرکاتہ' زیادہ کہے تو اس کے لئے تیس نیکیاں ہیں اور جو 'ومغفرتہ' بھی زیادہ کہہ دے تو اس کے لئے چالیس نیکیاں ہیں اور فرمایا کہ اسی طرح فضیلتیں زیادہ ہوا کرتی ہیں"۔

میں کہتا ہوں ثواب کے زیادہ ہونے کا سبب اور اس کا مدار یہ ہے کہ اس میں اس چیز کا پورا کرنا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے سلام شروع فرمایا ہے اور وہ چیز بشاشت اور الفت اور دوستی اور دعا اور ذکر اور اللہ تعالیٰ پر کام کا سونپنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گزرنے والوں کی جماعت میں سے ایک شخص کا سلام کر لینا پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص کا سلام کا جواب دے دینا ان سب کی طرف سے کافی ہے"۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ معنوی اعتبار سے جماعت ایک کا حکم رکھتی ہے اور ان میں سے ایک کا سلام کرنا باہمی نفرت کو دور کر دیتا ہے اور ایک کی دوسرے کے ساتھ الفت کو پیدا کرتا

ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم میں سے جب کوئی شخص کسی مجلس میں جائے تو ان کو سلام کرے پس اگر وہ بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے پھر جب وہاں سے کھڑا ہو تو سلام کرے اس واسطے کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے بہتر نہیں ہے“۔

میں کہتا ہوں رخصت ہوتے وقت سلام کرنے میں چند فوائد ہیں من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ سلام کرنے سے کراہت اور نفرت سے کھڑا ہونے میں اور کسی ضرورت سے کھڑا ہونے میں اور واپسی کا ارادہ رکھنے میں فرق ہو جاتا ہے اور من جملہ ان فوائد کے ایک یہ ہے کہ تدارک کرنے والا جو کوئی بات یا مقصد وغیرہ رہ گیا ہے اس کو پورا کرے اور من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اس کا جانا مخفی طور پر نہ ہو، اور مصافحہ کرنے میں اور مرحبا کہنے میں اور باہر سے آنے والے سے معانقہ کرنے وغیرہ میں یہ راز ہے کہ ان امور سے محبت اور خوشی بڑھتی ہے اور وحشت اور نفرت دور ہوتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب دو مسلمان باہم مل کر مصافحہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے“۔

میں کہتا ہوں یہ اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں میں خوشی پیدا ہونا اور ان میں محبت اور مہربانی کا پایا جانا اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے ذکر کو جاری کرنا ایسی خصلت ہے جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور تعظیم کے لئے کھڑے ہونے میں احادیث مختلف ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے لئے کوئی شخص کھڑا رہے تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے“ اور آپ نے فرمایا ”نہ کھڑے ہوا کرو جس طرح عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کے بارے میں فرمایا ”تم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ“ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی تھیں تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے پس آپ ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے تھے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہؓ کے پاس جاتے تھے تو وہ کھڑی ہو جاتی تھیں اور آپ کا دست مبارک پکڑ کر چومتی تھیں اور آپ کو اپنی جگہ پر بٹھاتی تھیں۔

میں کہتا ہوں میرے نزدیک ان احادیث میں حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ جن معانی پر امر و نہی کا مدار ہے وہ مختلف ہیں کیونکہ عجمیوں کی یہ حالت تھی کہ خدمت کرنے والے اپنے آقا

کے روبرو اور رعایا اپنے بادشاہوں کے روبرو کھڑی رہا کرتی تھی اور وہ ان کی نہایت درجہ تعظیم تھی حتی کہ شرک میں واقع ہونے کا احتمال تھا اس واسطے اس سے ممانعت کی گئی اور اسی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اشارہ ہے کہ آپ نے فرمایا ''**کما یقوم الا عاجم**'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ''**من سره ان یتمثل**'' عربی میں کہا جاتا ہے ''**مثل بین یدیه مثولا**'' جب خدمت کے لئے کوئی سیدھا کھڑا ہوتا ہے اور جو کھڑا ہونا مومن کی خوشنودی کے لئے اور اس کے اکرام اور اس کے دل خوش کرنے کے لئے ہو نہ یہ کہ اس کے سامنے خدمتگاری کے لئے کھڑا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس واسطے کہ اس میں شرک کی آمیزش نہیں ہے، اور کسی نے دریافت کیا ''یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے ملے تو آیا اس کے واسطے جھک جائے؟ آپ نے فرمایا نہیں'' اور اس کا سبب یہ ہے کہ جھکنا رکوع نماز کے مشابہ ہے پس وہ بہ منزلہ سجدہ تحیہ کے ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے کے گھروں میں مت داخل ہو یہاں تک کہ اجازت لو اور ان گھر والوں پر سلام کرو'' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ایمان والو! جو لوگ تمہارے ہاتھوں میں مملوک ہیں اور وہ لوگ جو تم میں سے بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو چاہئے کہ وہ تم سے اجازت لیں'' **الی قوله کما استاذن الذین من قبلهم**'' پس اللہ تعالیٰ کا قول ''**تستانسوا**'' اجازت طلب کرو کے معنی میں ہے۔

میں کہتا ہوں اجازت کا طلب کرنا اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ یہ ناپسندیدہ بات ہے کہ انسان آدمیوں کی شرمگاہوں پر جمع ہوں اور جس چیز کی طرف نگاہ کرنا وہ مکروہ سمجھتے ہوں اس پر کوئی نگاہ ڈالے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احادیث میں یہ فرمایا ہے کہ ''اجازت لینا محض نظر نہ کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے'' پس مناسب ہے کہ لوگوں کو مختلف ہونے سے وہ بھی مختلف ہو پس بعض ان میں سے اجنبی ہیں جن سے میل جول نہیں ہے پس ایسے شخص کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب تک صریح اجازت نہ مانگ لے اور اس کو صریح اجازت نہ مل جائے داخل نہ ہو اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عامر کے ایک شخص کلدہ بن حنبل کو تعلیم فرمایا کہ یہ کہے السلام علیکم: کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اجازت طلب کرنا تین مرتبہ ہے پس اگر تجھ کو اجازت مل

جائے تو فبہا ورنہ لوٹ آ" اور بعض ان میں سے احرار ہیں جو محارم نہیں ہیں مگر آپس میں میل جول اور دوستی ہے پس ان کا اجازت لینا بہ نسبت پہلے لوگوں کے کمتر ہے اور اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا تھا "تیرا اذن میرے اوپر یہی ہے کہ تو پردہ کو اٹھا دے اور تو میرے آہستہ کلام کو سنے حتی کہ میں تجھ کو منع کروں" اور ان میں سے بعض لڑکے اور غلام ہیں جن سے پردہ واجب نہیں ہے پس ان کے لئے اذن کی ضرورت نہیں مگر ان اوقات میں جبکہ عادتاً کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان تین اوقات (۱) کو اس لئے خاص کیا کہ وہ لڑکوں اور غلاموں کے آنے کے اوقات ہیں بخلاف نصف شب کے مثلاً، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی شخص کے پاس اپنا قاصد بھیج دینا اس کا اذن ہے" اس واسطے کہ جب اس نے اپنا آدمی بھیج دیا تو اس کے آنے کی خبر ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر تشریف لاتے تھے تو دروازہ کے سامنے سے نہیں آتے تھے بلکہ دائیں بائیں طرف سے آتے تھے پس آپ فرماتے تھے "السلام علیکم السلام علیکم" اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت لوگوں کے گھروں کے دروازوں پر پردے نہ تھے۔

اور ازآں جملہ بیٹھنے اور سونے اور سفر وغیرہ کرنے کے آداب ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر آپ نہ بیٹھے بلکہ یہ کہے کشادہ ہو کر اور وسعت سے بیٹھو"۔

میں کہتا ہوں یہ اس واسطے ہے کہ کسی کو اٹھا کر بیٹھنا غرور اور خود پسندی کی وجہ سے سرزد ہوتا ہے اور دوسرے کے دل میں ایسا کرنے سے رنج اور کینہ پیدا ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر کہیں جائے اور پھر آئے تو وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے"۔

میں کہتا ہوں جو شخص ایسی جگہ پر پہلے بیٹھ جائے جو اس کے لئے مباح تھی خواہ وہ مسجد ہو یا خانقاہ ہو یا گھر ہو تو اس کا حق اس جگہ کے ساتھ متعلق ہوگیا پس جب تک اس کو اس جگہ کی حاجت ہو اس کو کوئی نہ اٹھائے جیسے بنجر زمین کا حال ہے اور پہلے اس کا بیان ہو چکا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ دو شخصوں کے بیچ میں ان کو علیحدہ کر کے، بغیر ان کی اجازت کے بیٹھے"۔

---

(۱) صبح، دوپہر اور عشاء کے بعد کا وقت۔ (قاسمی)

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات دو شخص مسرت کی باتیں اور راز کی باتیں کرنے کے لئے باہم بیٹھ جاتے ہیں پس ان کے بیچ میں بیٹھ جانا ان کے دل کو مکدر کرنا ہے اور کبھی باہمی انس کی وجہ سے بیٹھ جاتے ہیں پس ان کے درمیان میں بیٹھنا ان کو متنفر کرنا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص چت لیٹ کر ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر نہ رکھے، اور لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے اور ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے دیکھا ہے۔

میں کہتا ہوں اس وقت میں لوگ لنگی باندھا کرتے تھے اور لنگی باندھنے والا جب ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھتا ہے تو اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ رہتا ہے پس اگر پاجامہ پہنے ہوئے ہو یا ستر کھلنے سے مامون ہو تو اس طرح لیٹنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے جو الٹا لیٹا ہوا تھا فرمایا ”تحقیق یہ ایسا لیٹنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے“۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک منکر اور قبیح ہیئت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص گھر کی چھت پر سوئے اور اس کی منڈیر نہ ہو تو اس سے ذمہ داری اٹھ گئی“۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس نے اپنی جان کو ہلاک کرنے کا سامان کیا اور اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص حلقہ کے بیچ میں بیٹھے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ملعون ہے“ بعض نے کہا اس سے مراد وہ مسخرہ ہے جو اپنے آپ کو مسخرہ پن کے لئے پیش کرتا ہے تا کہ لوگ اس سے ہنسی مذاق کریں اور یہ شیطانی کام ہے اور اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ ایک گروہ کی طرف پشت اور ایک کی طرف منہ کر کے بیٹھے کیونکہ اس سے بعض لوگوں کو کراہت ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ راستہ میں مرد اور عورتیں جمع ہو گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا ”تم پیچھے ہٹو تمہیں یہ مناسب نہیں کہ راستہ کے بیچ میں ہو کر چلو بلکہ راستہ سے ادھر ادھر چلو پس اس کے بعد عورتیں دیوار سے مل کر چلتی تھیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی مرد عورتوں کے بیچ میں گزرے“۔

میں کہتا ہوں اس میں اندیشہ ہے کہ مرد غیر محرم عورت کو لگ جائے یا اس کی طرف دیکھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جب تم میں سے کوئی چھینکے تو الحمد للہ کہے اور اس کا بھائی (یا یہ فرمایا اور اس کا دوست) یرحمک اللہ کہے پھر وہ جواب میں **یھدیکم اللہ ویصلح بالکم** کہے‘‘ اور ایک روایت میں آیا ہے ’’اور اگر وہ الحمد للہ نہ کہے تو اس کو جواب مت دو‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’اپنے بھائی کی چھینک کا جواب تین بار دو پس اگر زیادہ چھینک آئے تو وہ زکام ہے‘‘۔

میں کہتا ہوں چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہنا دو وجہ سے مشروع ہوا ایک تو وہ دلیل شفا ہے اور دماغ سے ابخرہ غلیظہ نکلتے ہیں دوسرے وہ آدم علیہ السلام کی سنت ہے اور حمد کہنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ شخص انبیا علیہم السلام کی سنن کا تابع ہے اور ان کی ملت پر مضبوطی سے قائم ہے اسی واسطے جواب دینا واجب ہوا اور حقوق اسلام میں شمار کیا گیا اور جواب دینے والے کو جواب دینا اس لئے مسنون ہوا کہ وہ احسان کے بدلہ میں احسان کرنا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جمائی شیطان کی طرف سے ہے پس تم میں سے جب کوئی جمائی لے تو جہاں تک ہو سکے اس کو روکے کیونکہ تم میں سے جب کوئی جمائی لیتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے‘‘۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جمائی طبیعت کی سستی اور غلبہ ملال سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے ضمن میں شیطان کو فرصت مل جاتی ہے اور جب منہ کھول کر انسان آہ آہ کرتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے اس واسطے کہ وہ اس قبیح ہیئت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’تم میں سے جب کوئی جمائی لے تو اس کو چاہئے کہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے اس واسطے کہ شیطان اندر گھستا ہے‘‘۔

میں کہتا ہوں کہ شیطان مکھی یا مچھر کو اڑا کر اس کے منہ میں داخل کر دیتا ہے، اور بسا اوقات منہ کے اعصاب سکڑ جاتے ہیں اور ہم نے ایسا دیکھا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’اگر لوگوں کو تنہائی کی برائیاں، جو میں جانتا ہوں معلوم ہو جاتیں تو کوئی سوار رات کو تنہا سفر نہ کرتا‘‘۔

میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ بلا ضرورت دلیری کرنا اور مہالک میں پڑنا ایک ناپسندیدہ امر ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو رات میں تنہا خبر لانے

کے لیئے جو بھیجا تھا تو وہ ضرورت کی وجہ سے تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جن رفیقوں میں کتا اور گھنٹہ ہوتا ہے فرشتے ان کے ساتھ نہیں ہوتے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھنٹہ شیطان کا مزامیر ہے''۔

میں کہتا ہوں سخت اور تیز آواز شیطان اور اس کی جماعت کے موافق ہے اور فرشتے اپنے مزاج کے سبب سے اس سے نفرت کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم ارزانی میں سفر کرو تو اونٹ کو پورا چارہ دو اور جب تم قحط سالی میں سفر کرو تو اس کو جلدی چلا کر راستہ کو طے کرو اور جب اخیر شب میں کہیں اترو تو راستہ سے ہٹ جاؤ کیونکہ رات میں وہ چوپاؤں کی رہ گزر اور حشرات الارض کی آماج گاہ ہوتا ہے''۔

میں کہتا ہوں یہ سب ظاہر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے جو سونے کھانے اور پینے سے باز رکھتا ہے پس جب اپنی حاجت کو جو اس کو پیش ہے پورا کر چکے تو اپنے گھر والوں کی طرف جلد لوٹے''۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ سمجھا کہ انسان چھوٹی چیزوں کے پیچھے پڑا رہے پس ان کی وجہ سے اس کے زیادہ عرصہ باہر ٹھیرنا پڑے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی ایک مدت کے بعد سفر سے واپس آئے تو رات میں اپنے گھر نہ آئے''۔

میں کہتا ہوں بسا اوقات انسان کو بالوں کے پراگندہ ہونے کی وجہ سے نفرت طبعی ہو جاتی ہے پس وہ ان سے تکدر حال کا سبب بن جاتی ہے۔

از آں جملہ کلام کرنے کے آداب ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین ناموں کا وہ شخص ہے جس کو شہنشاہ کہا جاتا ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالحکم کنیت رکھنے کے بارے میں فرمایا ''حکم اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کی طرف حکم ہے''۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنیت سے اس واسطے منع فرمایا کہ اس میں نہایت درجہ کی تعظیم ہے جو شرک کے قریب کرتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنے لڑکے کا نام نہ

یسار رکھو اور نہ رباح اور نہ نجیح اور نہ افلح اس واسطے کہ جب تو پوچھے گا کہ اس جگہ یسار ہے اور وہ نہیں ہوتا پس کوئی کہے گا نہیں'' اور جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس بات سے ممانعت کرنا تھا کہ یعلی اور برکت اور افلح اور یسار اور نافع اور اسی قسم کے نام رکھے جائیں پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ اس کے بعد اس منع کرنے سے سکوت فرمایا پھر آپ کی وفات ہوگئی اور اس سے منع نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں ان ناموں کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان سے اقوال میں ایک ایسی بری ہیئت پیدا ہوتی ہے جس طرح افعال میں ناک کٹا ہونا وغیرہ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نکٹا شیطان ہے'' اور دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طور پر ہے کہ آپ نے سخت ممانعت نہیں کی اور نہ اس میں تاکید کی مگر ارشاد کے طور پر بہ منزلہ مشورہ کے اس سے منع فرمایا یہ کہنا چاہئے کہ نہی کی علامات ظاہر ہوئیں پس راوی نے اپنے اجتہاد سے یہ کہہ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اور جس نے اصل قول کو یاد رکھا حجت ہے اس پر جس نے اس کو یاد نہ رکھا، اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ وجہ صحابہ کے فعل کے زیادہ موافق ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اس قسم کے نام رکھا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت مت کرو کیونکہ میں قاسم ہوں تم میں تقسیم کرتا ہوں''۔

میں کہتا ہوں اگر کسی کا نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رکھ لیا جاتا تو اس بات کا احتمال تھا کہ احکام میں اشتباہ واقع ہوتا اور ان احکام کی نسبت کرنے میں اور ان کے رفع کرنے میں تلبیس واقع ہوتی اور جب کہا جاتا کہ ابوالقاسم نے یہ کہا تو اس بات کا گمان ہوتا کہ حکم دینے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بسا اوقات مراد کوئی اور ہوتا ہے اور بسا اوقات آدمی کا نام لیکر گالی دی جاتی ہے اور لڑائی جھگڑوں میں آدمی کے لقب کے ساتھ برائی کی جاتی ہے پس اگر نبی کے نام پر نام ہو تو اس میں ایک ہیئت سے منکرہ پائی جاتی ہے پھر یہ بات بہ نسبت علم کے کنیت میں زیادہ پائی جاتی ہے دو وجہ سے، ایک تو یہ ہے کہ لوگوں کو شرعاً اس بات سے ممانعت تھی اور عادتاً اس سے باز رہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر پکاریں اور مسلمان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر پکارتے تھے اور ذمی لوگ یا ابوالقاسم کہتے تھے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ نام لیکر تعظیم یا تحقیر کا قصد نہیں کرتے تھے بلکہ کنیت سے تعظیم اور تحقیر کا قصد کرتے تھے جیسے ابوالحکم اور ابوجہل وغیرہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم اس لئے ہوئی کہ آپ قاسم تھے پس کسی دوسرے کی یہ کنیت رکھنا گویا آپ کے برابر کرنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس بات کی اجازت دینا کہ وہ آپ کے بعد اپنے لڑکے کا نام اور اس کی کنیت اور آپ کے نام کنیت پر رکھیں اسی وجہ سے تھا کہ آپ کے زمانہ کے بعد التباس رفع ہوگیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی میرا بندہ یا میری باندی نہ کہے تم سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور تمہاری سب عورتیں اللہ تعالیٰ کی باندیاں ہیں بلکہ یہ کہے میرا غلام اور میری لونڈی اور میرا لڑکا اور میری لڑکی اور غلام، یہ نہ کہے میرا رب بلکہ یہ کہے میرا سردار۔

میں کہتا ہوں کلام میں درازی کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا اس کا سبب خود پسندی اور تکبر ہے اور لوگوں کی دل شکنی کا باعث ہے اور نیز چونکہ اس نسبت کو جو خالق اور مخلوق کے اندر پائی جاتی ہے کتب الہیہ میں عبدیت اور ربیت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اس واسطے آپس میں اس کا اطلاق کرنا بے ادبی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انگور کو کرم نہ کہو بلکہ عنب اور حبلہ کہو اور یہ مت کہو اے زمانہ کی بدنصیبی کیونکہ زمانہ اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم زمانہ کو برا کہہ کر مجھ کو ایذا دیتا ہے اور میں ہی زمانہ ہوں، میرے ہی قبضہ میں ہر امر ہے میں ہی رات اور دن کو بدلتا ہوں''۔

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ نے شراب سے ممانعت فرمائی اور اس کو ناقص قرار دیا تو اس کا یہ مقتضیٰ ہوا کہ جو شئے شراب کی عظمت کا باعث ہو اور جس بات سے اس کی عمدگی کا خیال پیدا ہو اس سے ممانعت فرمائی جائے اور انگور شراب کا مادہ اور اس کی اصل ہے اور اہل عرب اکثر اوقات شراب کو بنت کرم کہہ کر اس کو مشہور کرتے تھے اور اہل جاہلیت واقعات کو زمانہ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے اور نیز اکثر اوقات دہر سے مراد مقلب الدہر لیتے تھے پس یہ ناراضگی اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوتی تھی اگرچہ اس کے عنوان میں وہ خطا کرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہوگیا بلکہ یہ کہے کہ میرا نفس خراب ہوگیا۔

میں کہتا ہوں کتب الہیہ میں فقط خباثت کا استعمال اکثر خباثت باطنی اور بدطینی پر ہوا ہے

اس واسطے یہ کلمہ بہ منزلہ ہیئت شیطانیہ کے ہے اور لوگوں کے گمان کر لینے کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ آدمی کی بری سواری ہے''۔

میں کہتا ہوں اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ بلا تحقیق وثبوت کے کسی بات کو بیان کرنا برا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ نہ کہو کہ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور فلاں نے چاہا بلکہ یہ کہو جو اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر فلاں نے چاہا''۔ میں کہتا ہوں ذکر میں برابری کرنا رتبہ کے اندر برابری کا وہم پیدا کرتا ہے اس واسطے ایسے الفاظ کا بولنا بے ادبی ہے۔

واضح ہو کہ کلام میں حلق پھاڑنا اور چرب زبانی کرنا اور تکلف کرنا اور شعر اور مزاح میں زیادتی کرنا اور قصے کہانیوں میں وقت گزارنا یہ سب باتیں ان امور میں سے ہیں جو دین ودنیا سے غافل کرتے ہیں اور جن سے باہم تفاخر اور نمائش کی جاتی ہے پس ان کا حال اہل عجم کا سا ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ناپسند فرمایا اور ان کے نقصانات بیان فرمائے اور جس میں کراہت کے معنی نہیں پائے جاتے اس کی اجازت فرمائی اگرچہ بادی الرائے میں اس کے اندر اشتباہ پایا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فضول باتیں کرنے والے ہلاک ہوئے، اس جملہ کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حیا اور کم گوئی ایمان کے دو شعبے ہیں اور بے حیائی اور زیادہ گوئی نفاق کے دو شعبے ہیں''۔

میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد بے حیائی اور تکلف اور بیہودہ گوئی کا ترک کرنا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے مجھ کو زیادہ محبوب اور قیامت کے روز تم میں سے سب سے زیادہ میرے قریب تم میں سے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق عمدہ ہیں اور تم میں سے مجھ کو زیادہ ناپسندیدہ اور مجھ سے زیادہ دور وہ لوگ ہیں جو نہایت بداخلاق بک بک کرنے والے حلق پھاڑنے والے اور متکبر ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے جانا یا یہ فرمایا کہ مجھ کو حکم دیا گیا کہ میں مختصر کلام کروں کیونکہ اختصار بقدر کفایت بہتر ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھرا ہوا ہونا جس کو کہ وہ دیکھتا ہے اس سے بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھرا ہوا ہو'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ سے فرمایا ''تحقیق جب تک تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف

سے کفار کا مقابلہ کرتا رہے گا روح القدس تیری مدد کرتا رہے گا'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بلا شک مومن اپنی تلوار اور اپنی زبان سے جہاد کرتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مشرکین کی ہجو میں تمہارے اشعار ان کو تیر کی طرح لگتے ہیں''۔

ہم نے احسان کے باب میں آفات لسان کے اصول بیان کر دیئے ہیں جن سے حفظ لسان کی احادیث کے معنی واضح ہو جاتے ہیں جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے روز پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟ اپنے بھائی کی ان باتوں کو بیان کرنا جو اس کو بری معلوم ہوں کسی نے عرض کیا اگر میرے بھائی کے اندر وہ بات پائی جاتی ہو جو میں بیان کرتا ہوں تو کیا وہ غیبت ہے؟ آپ نے فرمایا اگر اس کے اندر وہ بات موجود ہے جو تو بیان کرتا ہے تو وہ غیبت ہے اور اگر تو نے وہ بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا''۔

علما نے فرمایا ہے ''غیبت کی حرمت سے چھ امور مستثنیٰ ہیں ایک اپنا ظلم بیان کرنا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا مگر جو شخص مظلوم ہے'' دوسرے بری بات کو اس لئے ظاہر کرنا کہ اس کو مٹایا جائے اور نافرمان کو بہتری کی طرف لوٹانے کا قصد کیا جائے جیسے زید بن ارقمؓ نے عبداللہ بن ابی کا قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر دیا تھا اور عبداللہ بن مسعودؓ نے حنین کی غنیمت کے متعلق انصار کا قول بیان کر دیا تھا، تیسرے فتویٰ لینے کے لئے جیسے ہندہ نے کہا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے چوتھے مسلمان کو شر سے بچانے کے لئے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا تھا کہ ''وہ اپنے کنبہ میں برا بھائی ہے'' اور جیسے محدثین راویوں پر جرح کرتے ہیں اور جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''معاویہ ایک تنگدست آدمی ہے اور ابوجہم اپنے کندھے سے عصا کو نہیں اتارتا'' یعنی بیویوں کو مارتا پیٹتا ہے، پانچویں علانیہ فسق کرنے والے سے نفرت دلانا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں فلاں فلاں شخصوں کے متعلق یہ سمجھتا ہوں کہ وہ ہماری بات کچھ بھی نہیں جانتے'' چھٹے کسی کی حالت بیان کرنے کے لئے جیسے فلاں شخص کی آنکھ میں نقص ہے یا فلاں شخص لنگڑا ہے اور علما نے کہا ہے کہ جب کوئی مقصود بغیر کذب کے حاصل نہ

ہوسکتا ہو تو وہاں کذب میں کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں میں اصلاح کی غرض سے اچھی بات کو منسوب کرے یا کوئی اچھی بات کہہ دے۔

نذروں اور قسموں کا بیان

اس بارے میں مختصر بات یہ ہے کہ نذریں مقرر کرنا اور قسمیں کھانا سب لوگوں کی عادات میں داخل ہے خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی ہوں کسی فرقہ اور قوم کو تم نہیں پاؤ گے کہ اپنے موقعوں پر اس کا استعمال نہ کرتے ہوں اس واسطے ان سے بحث کرنا ضروری ہوا، نذریں کرنا اور قسمیں کھانا نیکی کے اصول میں سے نہیں ہیں لیکن جب انسان نے اپنے اوپر کوئی چیز واجب کر لی اور اللہ کا نام اس پر ذکر کیا تو یہ ضروری ہوا کہ اللہ کے معاملہ میں اور اس چیز میں جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے کوتاہی نہ کی جائے اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نذریں نہ مانا کرو کیونکہ نذر ماننے سے کوئی امر مقدر دور نہیں ہوسکتا'' ان کے سبب سے بخیل سے کوئی شئے نکل جایا کرتی ہے یعنی انسان جب کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کو کسی قدر خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو گویا ایسا ہو جاتا ہے کہ کبھی اس کو کوئی مصیبت ہی پیش نہ آئی تھی اس واسطے ضرور ہے کہ جس شئے کو اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اس کو نکالے جس سے اس کے قصد کی تاکید اور نیت کی صداقت پائی جائے، حلف کی چار قسمیں ہیں ایک یمین منعقدہ اور وہ اس قسم کا نام ہے جو کسی آئندہ آنے والی ممکن الوقوع شئے کے لئے کھائی جائے اور دل میں اس کے متعلق فیصلہ کر لیا ہو، اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ تم سے ان قسموں کا مواخذہ کرے گا جو تم نے منعقد کی ہوں گی، دوسرے یمین لغو جیسے لوگ بلا قصد کہہ دیا کرتے ہیں لا واللہ بلی واللہ، یا ایسی شئے پر قسم کھائے جس کے ہونے کا گمان ہو اور بعد میں اس کے خلاف ثابت ہو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اللہ تعالیٰ لغو قسموں میں تمہارا مواخذہ نہیں کرتا'' تیسرے یمین غموس اور وہ یہ ہے کہ قصداً جھوٹی قسم اس لئے کھائی جائے کہ اس سے کسی مسلمان کا مال ناحق لے لیا جائے اور یہ قسم کبائر میں سے ہے، چوتھے کسی ایسی چیز پر قسم کھانا جو عقلاً محال ہے جیسے کوئی اس طرح قسم کھائے کہ گزشتہ کل کا روزہ رکھوں گا یا ضدین کا جمع کرنا یا وہ عادۃً محال ہے جیسے مردہ کو زندہ کرنا یا اشیا کی حقیقت بدلنا اور ان دونوں قسموں میں جن میں نص وارد نہیں ہے یہ

اختلاف ہے کہ ان میں کفارہ ہے یا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنے باپ دادا کی قسم نہ کھایا کرو پس جس کو قسم ہی کھانا ہے تو وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے اللہ کے سوا دوسرے کی قسم کھائی تحقیق اس نے شرک کیا''۔

میں کہتا ہوں کسی کے نام کی قسم اسی وقت کھائی جاتی ہے کہ اس میں عظمت اور اس کے نام میں برکت کا اعتقاد ہو اور اس کے حق میں کوتاہی کرنا اور جس امر کے لئے اس کا نام ذکر کیا گیا ہے اس کا ترک کرنا گناہ سمجھا جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص قسم کھائے اور قسم میں لات اور عزی کہے تو اس کو چاہئے کہ اس کے بعد لا الٰہ الا اللہ کہے اور جو اپنے دوست سے کہے آؤ قمار بازی کریں تو اس کو چاہئے کہ صدقہ کرے''۔

میں کہتا ہوں زبان دل کا ترجمان اور اس کا مقدمہ ہے اور جب تک حفظ لسان کا التزام نہ کیا جائے دل کی صفائی حاصل نہیں ہو سکتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تو کسی بات پر قسم کھالے پھر اس کے بعد اس کے خلاف میں بہتری معلوم ہو تو قسم کا کفارہ دیکر اس سے بہتر شئے کو عمل میں لا'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اپنے اہل و عیال میں قسم کھانے کی وجہ سے اس پر اڑا رہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں بہ نسبت اس کی ادائیگی کفارہ کے جو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے زیادہ گناہ ہے''۔ میں کہتا ہوں بسا اوقات انسان ایسی چیز پر قسم کھا لیتا ہے جس کی وجہ سے خود بھی دقت میں پڑ جاتا ہے اور لوگوں کو بھی دقت میں ڈال دیتا ہے اور یہ بات مصلحت کے خلاف ہے اور کفارہ اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ مکلف کے دل میں جو کچھ ہے دور ہو جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تیری قسم جب معتبر ہے کہ تیرا مقابل بھی اس کو تسلیم کرتا ہو''۔

میں کہتا ہوں بعض آدمی مسلمان کا مال مارنے کے لئے کبھی حیلہ کرتا ہے اس طور پر کہ وہ قسم میں تاویل کرتا ہے مثلاً وہ اس طرح قسم کھاتا ہے کہ واللہ میرے ہاتھ میں تیرے مال کا کوئی حصہ نہیں ہے اور اس سے یہ مراد لیتا ہے کہ میرے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں ہے گو وہ میرے تصرف اور قبضہ میں ہو اور یہ بڑے ظلم کی بات ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص قسم کھائے اور انشاء اللہ کہہ دے تو وہ حانث نہیں ہوتا''۔

میں کہتا ہوں اس وقت دل کا قطعی فیصلہ اور ارادہ کی پختگی نہیں پائی گئی اور کفارہ ادا کرنے

میں یہی امر سبب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اللہ لغو قسموں میں تم سے مواخذہ نہیں کرتا ہے لیکن جن قسموں کا تم نے مصمم قصد کرلیا ہے ان کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کا اوسط درجہ کا کھانا کھلایا جائے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا ان کو لباس پہنایا جائے یا ایک غلام آزاد کیا جائے اور جس کو اس کی قدرت نہ ہو وہ تین روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ''۔

میں کہتا ہوں کفارہ واجب ہونے کا راز پہلے بیان ہو چکا ہے پس اس مقام کو دیکھ لو، نذر کی چند قسمیں ہیں ایک نذر مبہم ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''نذر کا کفارہ جبکہ نام نہ لیا جائے قسم کا کفارہ ہے، دوسرے نذر مباح، اس کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنی نذر کو پورا کر'' مگر پورا کرنا واجب نہیں ہے اس کے متعلق ابواسرائیل کا قصہ آنے والا ہے، تیسرے نذر طاعت ہے جو خاص جگہ یا خاص ہیئت میں کسی طاعت کے ادا کرنے کیلئے مانی گئی ہو اس کی بابت ابواسرائیل کا قصہ ہے انھوں نے نذر مانی تھی کہ میں کھڑا رہوں گا اور بیٹھوں گا نہیں اور نہ سایہ میں آؤں گا اور نہ بات کروں گا اور روزہ رکھوں گا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس سے کہو کہ بات کرے اور سایہ میں آئے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے اور اسی امر میں اس شخص کا قصہ بھی سند ہے جس نے نذر کی تھی کہ وہ مقام بوانہ میں جہاں نہ کوئی بت تھا اور نہ اہل جاہلیت کا کوئی میلہ ہوتا تھا ایک اونٹ ذبح کرے گا، آپ نے فرمایا ''اپنی نذر پوری کرلے'' چوتھے نذر معصیت ہے اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جو شخص کسی گناہ میں نذر مانے گا تو اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے'' پانچویں نذر محال ہے اس کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص ایسی چیز کی نذر مانے جس کو وہ ادا نہ کرسکے تو اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے''۔

نذر کے باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کفارہ گناہ سے روکنے کے لئے اور اس کے سینہ میں جو شئے اٹک رہی ہے اس کے دور کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے اس واسطے جو شخص کسی طاعت کی نذر مانے تو اس کو پورا کرلے اور جو شخص طاعت کے سوا کسی اور شئے کی نذر مانے اور اپنے دل میں حرج پائے تو کفارہ واجب ہے، واللہ اعلم۔

مختلف ابواب

جن امور کے بیان کرنے کا ہم نے اس کتاب میں ارادہ کیا تھا اور جس کا التزام کیا تھا اس سے ہم فارغ ہو چکے ہیں لیکن جو اسرار شریعت ہمارے سینہ میں مخفی تھے وہ سب اس میں نہ آ سکے اس واسطے کہ ہر وقت نہ تو دل ان اسرار کے ظاہر کرنے میں جو قابل بخل ہیں، فیاضی کرتا ہے اور نہ دل کے مضامین کے ظاہر کرنے میں زبان یاری کرتی ہے اور نہ ہر بات عوام پر ظاہر کرنے کے قابل ہوتی ہے اور نہ ہر بات کا بیان کرنا بدون تمہید مقدمات مناسب ہوتا ہے اور یہ بات بھی نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے ہمارے دلوں کے راز ان کا احاطہ کر سکیں، وہ ذات جس پر وحی اور قرآن نازل ہوتا تھا اس کی اپنی امت کے ایک شخص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے ان دونوں کی حالت میں بڑا فرق ہے اور نہ یہ بات ہے کہ جن علوم کو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جمع کیا تھا وہ ان تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو محیط ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے احکام میں ملحوظ ہیں اور اس بات کو خضر علیہ السلام نے یہ کہہ کر خوب واضح کر دیا کہ میرے اور تیرے (حضرت موسیٰ) علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے ایسی نسبت ہے جیسے اس سمندر کے ساتھ اس نمی کو جو چڑیا کی چونچ میں ہے پس ان مرتبوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان مصلحتوں کا پایہ کتنا بلند ہے جن کا احکام شرعیہ میں لحاظ رکھا گیا ہے یقیناً ان کی کوئی نہایت نہیں ہے اور جس قدر ان کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے اس سے ان مصلحتوں کا پورا حق ادا نہیں ہو سکتا اور نہ ان کی پوری حقیقت کے لئے کافی ہو سکتا ہے لیکن جو شئے تمام کی تمام حاصل نہ ہو سکے وہ سب کی سب ترک بھی نہ کی جائے، اب ہم کسی قدر سیرت اور فتنوں اور مناقب کو بطور اختصار کے بیان کرتے ہیں ان کا

بالاستیعاب بیان کرنا ہم کو مقصود نہیں ہے، واللہ الموفق و المعین و الیہ المرجع و المآب.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات اور خصائل کا بیان

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب یہ ہے: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی، آپ عرب کے اس قبیلہ میں پیدا ہوئے جو نسب میں سب سے افضل اور شجاعت میں سب سے قوی اور سخاوت میں سب سے زیادہ فیاض اور زبان میں سب سے زیادہ خوش بیان اور فہم میں دانشمند تھا اور اسی طرح انبیا علیہم السلام اپنی قوم میں اعلیٰ نسب ہوتے ہیں کیونکہ لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کے مثل ہوتے ہیں اور اخلاق حمیدہ انسان کو اپنے آبا واجداد کی طرف سے ملا کرتے ہیں اور نبوت کے وہی لوگ مستحق ہوتے ہیں جو اخلاق میں کامل ہوتے ہیں اور انبیا کی بعثت سے اللہ کی مراد یہ ہوتی ہے کہ حق ظاہر ہو جائے اور ان کے سبب سے کج رو فرقہ راستی پر آ جائے اور اللہ تعالیٰ ان کو لوگوں کا امام بناتا ہے اور اس منصب کے لئے زیادہ مناسب وہی ہوتے ہیں جو اعلیٰ نسب رکھتے ہوں، اور اللہ کے حکم میں لطف ملحوظ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں رسالت کو رکھتا ہے‘‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم صورت اور سیرت میں معتدل تھے میانہ قد تھے نہ زیادہ طویل اور نہ کوتاہ، سر کے بال نہ بالکل پیچیدہ تھے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ بین بین تھے اور نہ آپ بہت موٹے تھے اور نہ آپ کا چہرہ بالکل گول تھا بلکہ چہرہ میں کسی قدر گولائی تھی، سر بڑا، ریش مبارک دراز، ہاتھ اور پاؤں پر گوشت، رنگ سفید، سرخی مائل اعضا میں فربہی زور اور باہ میں قوی، لہجہ سب لوگوں سے زیادہ پر صداقت اور طبیعت نہایت نرم تھی جو شخص دفعتہً آپ کو دیکھتا تھا اس کو ہیبت ہوتی تھی اور جب جان کر آپ سے ملتا جلتا تھا تو آپ پر فدا ہو جاتا باوجود بزرگی کے نہایت خاکسار اپنے گھر والوں اور خادموں پر نہایت نرم دل تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال تک آپ کی خدمت کی لیکن آپ نے کبھی ان کو اُف تک نہ کہا نہ کبھی یہ کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا، اہل مدینہ کی کوئی باندی آتی اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی، اپنے اہل کی خدمت خود کر دیا کرتے تھے آپ کی زبان میں نہ فحش تھا نہ لعنت کرتا اور نہ گالی دیتا اپنا جوتا خود سی لیا کرتے اور اپنا کپڑا خود سی لیا کرتے، بکری کا دودھ خود دوھ لیا کرتے اس کے باوجود آپ بڑے اولوالعزم تھے کوئی شئے آپ کو مغلوب نہ کر سکتی تھی اور کوئی

مصلحت آپ سے فوت نہ ہوتی تھی لوگوں میں آپ سب سے زیادہ سخی، تکالیف برداشت کرنے میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور لوگوں پر نہایت رحم کرنے والے تھے سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے کسی کو آپ کی ذات سے برائی نہیں پہنچتی تھی نہ ہاتھ سے اور نہ زبان سے، تدبیر منزل کی اصلاح کا اور اپنے اصحاب کی رعایت کا اور سیاست مدینہ کا بڑا اہتمام کرنے والے تھے اس طرح سے کہ آپ سے زیادہ ہر شئے کی قدر پہچاننے والا خیال میں نہیں آسکتا، عالم ملکوت کی طرف آپ ہمیشہ متوجہ رہتے اور ذکر الٰہی کے فریفتہ تھے آپ کے کلام اور تمام حالات سے ذکر الٰہی کے آثار محسوس ہوتے تھے آپ کے جمیع حالات میں مدد غیبی تھی اور آپ مبارک مستجاب الدعوات تھے حظیرۃ القدس سے آپ پر علوم کا فیضان ہوتا رہتا تھا اور آپ سے معجزات ظاہر ہوتے رہتے تھے مثلاً دعاؤں کی قبولیت آئندہ واقعات کی پیشین گوئی اور جس شئے میں برکت کی درخواست کرتے اس میں برکت ظاہر ہوتی اور اسی طرح تمام انبیا علیہم السلام کی فطرت میں یہ صفات ہوتی ہیں اور اس فطرت کی وجہ سے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان صفات کی طرف مائل ہوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں آپ کا ذکر کیا تھا اور آپ کی عظمت شان کی بشارت دی تھی اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور جمیع انبیا علیہم السلام نے آپ کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے اندر سے روشنی نکلی اور تمام زمین اس سے روشن ہوگئی پس اس کی یہ تعبیر دی گئی تھی کہ ایک بابرکت لڑکا پیدا ہوگا جس کا دین مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گا، اور جنوں نے آوازیں دیں، کاہنوں اور نجومیوں نے آپ کی پیدائش اور علو شان کی خبر دی اور واقعات جو نے آپ کی سربلندی پر دلالت کی جیسے کسری کے محل کے کنگرے گر پڑے اور تمام آثار نبوت نے آپ کا احاطہ کر رکھا تھا جیسے ہرقل قیصر روم نے ان کی خبر دی، آپ کی پیدائش اور شیر خواری کے زمانہ میں لوگوں نے بہت سے آثار برکت مشاہدہ کیے اور ایک مرتبہ فرشتہ ظاہر ہوئے اور آپ کا سینہ چاک کر کے قلب کو نکالا اور اس کو ایمان وحکمت سے بھر دیا یہ واقعہ عالم مثال اور عالم شہود کے درمیان پیش آیا تھا اسی وجہ سے قلب چاک کرنے سے آپ ہلاک نہ ہوئے لیکن زخم کے ٹانکوں کا اثر باقی رہا اور جس واقعہ میں عالم مثال اور عالم شہود کا اختلاط ہوتا ہے اس کی حالت ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔

جب ابوطالب شام کے سفر میں آپ کو اپنے ہمراہ لے گئے تو راہب نے آپ کو دیکھا اور آپ کے اندر علامات نبوت دیکھ کر آپ کی نبوت کی شہادت دی جب آپ جوان ہوئے تو فرشتوں سے تعلق ظاہر ہونے لگا وہ کبھی آپ کو غیب سے آوازیں دیتے تھے اور کبھی متشکل ہو کر نظر آیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی حاجت براری اس طور سے فرمادی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے ساتھ ہمدردی کا خیال پیدا ہو گیا اور وہ قریش کی عورتوں میں سب سے زیادہ سرمایہ دار تھیں۔

اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کسی کو اپنا دوست رکھتا ہے اسی طرح اس کے لئے کوئی تدبیر کر دیتا ہے اور جب دوسرے لوگوں کے ساتھ آپ تعمیر کعبہ میں شریک تھے تو آپ نے عرب کے دستور کے موافق اپنے ازار کو دوش مبارک پر ڈال لیا پس اس سے آپ بے ستر ہو گئے اور بے ستر ہوتے ہی آپ بیہوش ہو کر گر پڑے اور اسی غشی کی حالت میں ستر کھولنے سے ممانعت ہوئی اور یہ نبوت کا ایک شعبہ اور مواخذہ فی النفس کی ایک قسم ہے اس کے بعد آپ خلوت کو پسند فرمانے لگے پس آپ غار حرا میں چند راتیں بسر کرتے پھر گھر تشریف لا کر اتنے ہی روز کی غذا ہمراہ لیتے اور تشریف لے جاتے کیونکہ دنیا سے آپ کی توجہ ہٹ گئی تھی اور اس فطرت کی جانب پھر گئی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے شروع شروع میں آپ کو سچے خواب دکھائی دیتے تھے پس آپ کوئی خواب نہیں دیکھتے تھے مگر وہ صبح صادق کی طرح ظاہر ہو جاتا اور کھل جاتا تھا اور یہ بھی نبوت کے اقسام ایک قسم تھی اس کے بعد جبکہ آپ غار حرا میں تھے حضرت جبرئیل اور وحی کا نزول شروع ہوا پس آپ کی طبیعت میں گھبراہٹ پیدا ہوئی جیسا کہ طبیعت کا دستور ہے کہ ملکیت کے غلبہ کے وقت بہیمیت حیران و پریشان ہوتی ہے تب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل (۱) کے پاس لے گئیں اور یہ حالت بیان کی، انھوں نے کہا یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا اس کے بعد چند روز تک وحی منقطع ہو گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ انسان میں دو مختلف جہتیں جمع ہوتی تھیں ایک جہت بشری دوسری جہت ملکی پس جب تاریکیوں سے نور کی جانب خروج ہوتا ہے تو مختلف مزاحمتیں اور الجھنیں پیش آتی ہیں یہاں تک کہ امر الٰہی پورا ہو جاتا ہے اور کبھی آپ فرشتہ کو

---

(۱) تورات کے ماہر عالم

آسمان وزمین کے درمیان بیٹھا ہوا دیکھتے تھے اور کبھی حرم میں کھڑے ہوئے کہ اس کے ازار باندھنے کی جگہ کعبہ تک پہنچتی تھی وشل ذالک۔

اوراس کا راز یہ ہے کہ جن نفوس میں نبوت کی استعداد ہوتی ہے ملکوت ان کوتاکتے رہتے ہیں پس وہ نفوس بہیمیت سے الگ ہوئے اسی وقت ان کے سامنے ملکی بجلی چمکنے لگی جیسا وقت کا اقتضا ہوتا ہے ویسے ہی یہ حالت پیدا ہوتی ہے جس طرح نفوس عامہ خلاصی پاکر خواب میں بعض امور پر مطلع ہو جاتے ہیں، کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ''یارسول اللہ آپ پر وحی کا نزول کس طرح ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی تو میرے پاس جھنکار کے مانند آواز آتی ہے اوراس کی مجھ پر زیادہ گرانی ہوتی ہے پس وہ آواز مجھ سے جدا ہو جاتی ہے اور میں اس کی بات کو محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی مجھ کو فرشتہ آدمی کی شکل میں نظر آتا ہے پس جو کچھ وہ کہتا جاتا ہے اس کو میں یاد کرتا جاتا ہوں''۔

میں کہتا ہوں اس آواز کی یہ حقیقت ہے کہ جب قوی تاثیر حواس سے ٹکراتی ہے تو حواس میں پریشانی اور تشویش پیدا ہو جاتی ہے پس قوت بینائی میں تشویش اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ مختلف رنگ کی چیزیں سرخ، زرد، سبز وغیرہ نظر آتی ہیں اور شنوائی میں اس طرح اس کا ظہور ہوتا ہے کہ مبہم آوازیں جیسے بھنبھناہٹ، جھنکار اور گھوں گھوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں پس جب یہ اثر ختم ہو جاتے ہیں تو علم حاصل ہو جاتا ہے اور فرشتہ کا آدمی کی صورت میں نظر آنا ایسے محل میں ہوتا ہے جہاں عالم مثال اور عالم شہود دونوں کے بعض احکام یکجا جمع ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فرشتوں کو بعض لوگ دیکھتے تھے اور بعض نہیں دیکھتے تھے اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ لوگوں کو دین کی طرف بلائیں پس مخفی طور سے آپ اس میں مشغول رہے اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکر اور بلال اور ان جیسے اصحاب رضی اللہ عنہم مشرب باسلام ہوئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ''جو حکم تم کو دیا جاتا ہے اس کی علانیہ تعمیل کرو'' اور آپ کو حکم ہوا ''اپنے قریب رشتہ داروں کو ڈراؤ'' پس آپ نے علانیہ دعوت اسلام کی اور شرک کی رسموں کو باطل کرنا شروع کر دیا اس وجہ سے لوگوں کو آپ سے تعصب ہو گیا اور زبان اور ہاتھ سے تکالیف دینے لگے چنانچہ ایک دفعہ آپ پر حالت نماز میں اونٹ کی اوجھڑی اور انتڑیاں ڈال دیں اور پٹکا ڈال کر آپ کا گلا گھونٹا

مگر آپ ان سب مصائب کو نہایت استقلال سے برداشت کرتے مسلمانوں کو فتح کی بشارت سناتے اور کافروں کو شکست کا خوف دلاتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے'' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''یہاں کے لوگ جماعتوں سے بھاگ جائیں گے'' اس کے بعد ان کا تعصب اور بھی زیادہ ہو گیا پس انھوں نے باہم قسمیں کھائیں، مسلمانوں کو اور بنی ہاشم اور بن عبدالمطلب کو جو ان کے ہمدرد ہیں، خوب تکالیف پہنچائی جائیں۔ اس وقت مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت ہوئی، وہاں ان کو وسعت کبری پہلے کسی قدر وسعت وکشادگی ہوگئی پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے چچا حضرت ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ اور بنو ہاشم کی طاقت منتشر ہوگئی تو اس کی وجہ سے آپ بے چین ہو گئے اور اجمالی طور پر آپ کے دل میں یہ القا ہوا تھا کہ ہجرت سے آپ کی شان بلند ہوگی اس واسطے آپ نے اپنے خیال وفکر سے ہجرت کا قصد فرمایا پس آپ کا خیال کبھی طائف کی طرف کبھی یمامہ کی طرف الغرض ہر طرف توجہ ومیلان ہوا پس آپ عجلت کر کے طائف کی طرف تشریف لے گئے وہاں آپ نے سخت تکالیف اٹھائیں اس کے بعد بنو کنانہ کی جانب تشریف لے گئے لیکن وہاں بھی کوئی خوشی کی بات نہ دیکھی تب زمعہ کے عہد میں پھر مکہ واپس آئے اور آیت نازل ہوئی ''اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر اس کا یہ حال تھا کہ جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو میں وسوسہ ڈال دیتا تھا'' آپ کی آرزو یہ تھی کہ جن امور کو اپنے نفس میں غور کرتے تھے ان کے موافق وعدوں کے پورا ہونے کی خواہش رکھتے تھے اور شیطان کا وسوسہ ڈالنا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہو اور اس کا نسخ یہ ہے کہ حقیقت حال کا انکشاف ہو اور آپ کے دل سے اس خیال کا ازالہ ہوا اور آپ کو رات میں مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی آپ تشریف لے گئے اور یہ سب باتیں جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوئیں لیکن یہ واقعہ ایک ایسے مقام میں ہوا جو عالم مثال اور عالم شہادت کے درمیان برزخ کی طرح ہے جس میں دونوں کے احکام جمع تھے پس جسم پر روح کے احکام ظاہر ہونے اور روح اور روحانی امور اجسام کی صورت میں بن گئے اسی لئے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ہے، حضرت حزقیل اور حضرت موسیٰ وغیرہ انبیا علیہم السلام کو بھی اسی قسم کے

واقعات ظاہر ہوئے تھے اور اولیا امت کو بھی ایسے امور پیش آتے ہیں تا کہ اللہ کے نزدیک ان کے برتر مقامات کی حالت ایسی ہو جس طرح ان کی حالت خواب میں ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

شق صدر اور ایمان سے اس کو پر کر دینے کی حقیقت انوار ملکیت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب ہونا اور طبیعت کی آگ کا فرو ہو جانا اور طبیعت کا اس قابل ہو جانا ہے کہ جو کچھ حظیرۃ القدس سے اس پر فائض ہو اس کو مطیعانہ اخذ کرے اور براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کے روح ہوائی پر جس میں کمال حیوانی ہوتا ہے نفس ناطقہ کا غلبہ ہو گیا پس آپ براق پر اس طرح سوار ہوئے جس طرح آپ کے نفس ناطقہ کے احکام بہیمیت پر غالب آئے اور اس پر مسلط ہو گئے، اور آپ کا مسجد اقصیٰ کی طرف سیر کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہ مسجد شعائر الٰہیہ کے ظاہر ہونے کی جگہ ہے اور عالم بالا کی ہمتیں اس سے متعلق رہتی ہیں اور وہ انبیا علیہم السلام کی توجہات کی آماجگاہ ہے گویا کہ وہ مسجد عالم ملکوت کی کھڑکی ہے اور آنحضرت کا انبیا علیہم السلام سے ملاقات کرنا اور ان سے مفاخرت کرنا سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ حظیرۃ القدس کے ساتھ ان کے ارتباط اور تعلق کی وجہ سے ان سب کا اجتماع ہوا اور انبیا علیہم السلام میں نبوت کے اوصاف کمال جو آپ کے ساتھ خاص تھے ان کا ظہور ہوا اور آپ کا درجہ بدرجہ آسمانوں پر چڑھنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے منزل بہ منزل عرش الٰہی تک ترقی کی اور جو فرشتے وہاں مقرر ہیں اور جو بزرگ انسان ان کے ساتھ جا ملے ہیں ان سب سے تعارف ہوا اور اس تدبیر کا علم حاصل ہوا جس کی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں وحی کی ہے اور آپ نے اس باہم گفتگو کو معلوم کیا جو آسمانوں کے فرشتوں میں ہوتی ہے، اور موسیٰ علیہ السلام کا رونا حسد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ وہ رسالت عامہ کے حاصل نہ ہونے کی صورت تھی اور وہ کمال جو ان کو میسر نہ ہوا تھا اور جس کے وہ درپے تھے اس کے باقی رہ جانے کی صورت تھی، اور سدرۃ المنتہیٰ سو وہ وجود کا درخت ہے اور اس کا بعض بعض پر مرتب ہے اور اس کی تمام طاقتیں تدبیر واحد میں اس طرح سے مجتمع ہیں جس طرح درخت میں قوت غاذیہ و نامیہ وغیرہ سب قوتیں مجتمع ہوتی ہیں، اور یہ بات حیوان کی صورت میں اس لئے ظاہر نہ ہوئی کہ مجموعی اور اجمالی تدبیر جو سیاست سے مشابہ اس کے تمام افراد میں عموم اور کلیت ہے اور ایسی حالت کو زیادہ تر مشابہت تمام اشیاء میں درخت سے ہے نہ حیوان سے کیونکہ حیوان میں تفصیلی قوتیں ہیں اور اس میں ارادہ طبعی

سنن وقوانین سے زیادہ صریح اور ظاہر ہے، اور سدرۃ المنتہیٰ کی جڑوں میں سے نہروں کا بہنا سو وہ رحمت ہے جو عالم ملکوت سے عالم شہادت کی جانب جاری رہتی ہے اور اس کا اثر زندگی ہے اور بڑھانا ہے اسی وجہ سے اس جگہ بعض ایسے امور متعین ہوئے جو عالم شہود میں نافع ہیں جیسے نیل اور فرات اور وہ انوار جو سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانکے ہوئے ہیں وہ انتظامات الٰہی اور رحمانی تدبیرات ہیں جو عالم شہود میں اس شئے میں چمکتی ہیں جس میں ان کی استعداد ہوتی ہے اور بیت المعمور کی حقیقت سو وہ تجلی الٰہی کا نام ہے جس کی جانب انسان کے سجدے اور سجدوں کی عاجزانہ حالتیں متوجہ رہتی ہیں جو گھر کی شکل میں متشکل ہوتے ہیں جیسے بنی آدم کے نزدیک خانہ کعبہ اور بیت المقدس ہے۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ دودھ کا اور ایک پیالہ شراب کا حاضر کیا گیا پس آپ نے دودھ والا پیالہ پسند فرمایا تب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا فطرت کی جانب آپ کی رہنمائی کی گئی اگر آپ شراب پسند فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کا مجمع اور ان کے ظہور کا منشا ہیں اور آپ کا دودھ کو پسند فرمانا بعینہٖ آپ کی امت کا فطرت کو اختیار کرنا ہے اور شراب کا پسند فرمانا امت کا لذات دنیا کو اختیار کرنا ہوتا اور زبان مجاز سے آپ کو پانچ نمازوں کا حکم ہوا کیونکہ ثواب کے اعتبار سے وہ پچاس ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مراد کو یعنی پچاس کی تعداد کو آہستہ آہستہ واضح کر دیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ تنگی بھی رفع ہوئی اور نعمت بھی کامل ہوئی اور یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب اس وجہ سے منسوب ہوئی کہ وہ بہ نسبت اور انبیا کے امت کی اصلاح سے خوب واقف تھے اور ان کو امت کی سیاست کی بڑی پہچان تھی اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبائل عرب سے مدد طلب کرتے رہے پس اللہ تعالیٰ نے انصار کو اس امر کی توفیق عطا فرمائی اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبار بیعت کی ایک عقبہ اولی میں اور دوسری عقبہ ثانیہ میں اور مدینہ کے ہر ہر گھر میں اسلام داخل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ بات صاف طور سے بتلا دی کہ آپ کے دین کی ترقی مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے سے ہو گی تب آپ نے ہجرت کا مصمم ارادہ کر لیا اور قریش مکہ میں عداوت اور بھی زیادہ ہو گئی اور انھوں نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ یا تو وہ آپ کو قتل کر دیں یا قید رکھیں یا آپ کو کہیں نکال دیں پس آنحضرت کے محبوب ومبارک اور فتحیاب ہونے کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے تو ابوبکر صدیق کے پاؤں میں سانپ نے کاٹا اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی اور فوراً ان کو آرام ہوگیا اور جب کفار غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور ان کے خیالات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے پھیر دیا اور جب سراقہ بن مالک نے دونوں حضرات کا پیچھا کیا تو آنحضرت نے اس پر بددعا کی جس کی وجہ سے اس کا گھوڑا پیٹ تک خشک زمین میں دھنس گیا اس طور سے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زمین شق ہوگئی، اس پر سراقہ نے اس بات کی کفالت کہ وہ آپ دونوں حضرات سے دشمنوں کو روکتا رہے گا اور جب آپ ام معبد کے خیمہ کے پاس آئے تو آپ کے لئے ایسی بکری نے دودھ دیا جو دودھ دینے کے قابل نہ تھی پھر جب دونوں اصحاب مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو عبداللہ بن سلام آپ کے پاس آئے اور انھوں نے تین سوالات دریافت کئے جن کے جوابات سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا تھا، اول یہ کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہوگی، دوسرے اہل جنت کا پہلا کھانا کیا ہوگا، تیسرے کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اول علامت قیامت کی آگ ہے جو شرق سے مغرب تک لوگوں پر پھیل جائے گی اور پہلا کھانا جو اہل جنت کھائیں گے مچھلی کا جگر ہوگا، اور جب مرد کا نطفہ عورت کے نطفہ سے پہلے رحم میں پہنچتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا اور جب ماں کا نطفہ پہلے پہنچتا ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے یہ سن کر عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کرلیا اور ان کے اسلام لانے سے تمام علماء یہود میں خاموشی پیدا ہوگئی۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے معاہدہ کر کے ان کے شر سے نجات پائی اور مسجد کی تعمیر میں مشغول ہوگئے، مسلمانوں کو نماز اور اس کے اوقات کی تعلیم فرمائی اور جس سے نماز کی خبر ہو جایا کرے اس کے بارے میں مشورہ کیا تب عبداللہ بن زیدؓ کو خواب میں اذان کے کلمات کی تعلیم ہوئی اور اس القا غیبی کا محل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اگرچہ سفیر اور واسطہ عبداللہ ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جماعت اور جمعہ اور روزہ کی ترغیب دلائی اور زکوٰۃ کا حکم دیا اور ان کو زکوٰۃ کے حدود کی تعلیم فرمائی اور لوگوں کو علانیہ اسلام کی دعوت دینی شروع کی اور ان کو اپنے اپنے وطن سے ہجرت کرنے کی ترغیب دی اس لئے کہ اس وقت ان کے

وطن دار الکفر تھے اور وہاں رہ کر اسلام کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے اور باہم مواخاۃ کے ذریعہ اور صلہ رحمی اور مصارف میں ایک دوسرے کی امداد اور اس مواخاۃ کی وجہ سے ورثہ پانے کو لازمی قرار دیکر تمام مسلمانوں کو مستحکم اور مضبوط کر دیا تا کہ ان میں وحدت پیدا ہو جائے اور وہ مجموعی طاقت سے جہاد کر سکیں اور اپنے دشمنوں کو روک سکیں اور اس وقت خاندان آپس میں ایک دوسرے سے مدد لیا کرتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں اتحاد اور قوت دیکھی تو اپنے نبی کو وحی کی کہ کفار سے جہاد کریں اور ان کے لئے ہرنا کہ پر بیٹھیں اور جب واقعہ بدر پیش آیا تو مسلمانوں کے پاس پانی نہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے وہاں خوب بارش برسائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ ابوسفیان کے قافلہ کا قصد کرتے ہو یا لشکر کے مقابلہ کا پس آپ کی رائے کے موافق صحابہ کی رائے میں بھی برکت عطا ہوئی تب سب نے جنگ کرنے پر اتفاق کیا بعد اس کے کہ وہ اس پر متفق نہ تھے اور جب آپ نے دشمن کی کثرت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں نہایت عاجزی کی اس وقت آپ کو فتح کی بشارت دی گئی اور وحی کے ذریعہ ان مواقع کی اطلاع دی گئی جہاں کفار قتل ہو کر گریں گے پس آپ نے فرمایا ''یہاں فلاں کی لاش ہوگی اور یہاں فلاں کی لاش ہوگی آپ اپنا ہاتھ رکھ کر بتلاتے جاتے تھے کہ یہاں فلاں ہوگا اور یہاں فلاں ہوگا پس ان میں سے کوئی اس جگہ سے نہ ہٹا جہاں آپ نے اپنے ہاتھ سے تعیین کر دی تھی'' اس روز فرشتے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نظر آتے تھے تا کہ موحدین کے قلوب مطمئن ہو جائیں اور مشرکین کے قلوب لرز جائیں اس لڑائی میں مسلمانوں کو بڑی فتح ہوئی جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو غنی بنا دیا اور شرک کی طاقت کو ختم کر دیا اور قریش کے جگر گوشوں کو ہلاک کر دیا اسی واسطے اس جنگ کا نام فرقان ہے اور صحابہ اپنے پاس سے فدیہ لیکر کفار کے قیدیوں کو چھوڑ دینے کی طرف میلان کیا مگر یہ اللہ کی اس مرضی کے خلاف تھا کہ شرک کی جڑ کٹ جائے اس لئے وہ مورد عتاب ہو گئے پھر ان کو معافی دی گئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہود کی جلاوطنی کا سامان پیدا کیا کیونکہ مدینہ کے جوار میں یہودیوں کے رہنے کی وجہ سے مدینہ میں اللہ کا دین خالص نہیں ہو سکتا تھا انھوں نے عہد شکنی کی اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر اور بنی قینقاع کو جلاوطن کر دیا اور کعب بن اشرف کو قتل کرا دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ جن لوگوں نے ان سے مدد کے وعدے کئے تھے ان کی

جانب وہ رخ نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے دلوں کو باہمت کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں کو اپنے نبی کی طرف بلا مشقت کے پھیر دیا اور یہ پہلی فراخ دستی تھی جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔

اور ابو رافع حجاز کا تاجر مسلمانوں کو ایذا دیا کرتا تھا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف عبداللہ بن عتیکؓ کو روانہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس کو قتل کرنا آسان کر دیا، جب عبداللہ اس کے گھر سے باہر آرہے تھے تو ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنا پاؤں پھیلاؤ آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا وہ اسی وقت ایسا صحیح و سالم ہو گیا گویا کبھی کوئی مرض ہی نہ تھا اور جب جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے بہت سے اسباب سماوی جمع ہو گئے تو اس موقعہ پر رحمت الٰہی بہت سے طریقوں سے ظاہر ہوئی پس اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے ان کے دین میں بصیرت اور عبرت پیدا کی اس شکست کا یہی سبب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مسلمانوں کو ایک درہ پر جمے رہنے کا حکم فرمایا تھا لیکن وہ وہاں سے ہٹ گئے اور اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر اپنے نبی کو شکست پر آگاہ کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو خواب میں شکستہ تلوار اور ذبح کی ہوئی گائے دکھائی تھی پس شکست اور صحابہ کا شہید ہونا اسی کی تعبیر تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو بہ منزلہ نہر طالوت کے بنا دیا جس سے مخلصین اور غیر مخلصین میں امتیاز ہو گیا تاکہ حد مناسب سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ کیا جائے، اور جب عاصم اور ان کے رفقا شہید ہو گئے تو بھڑ وں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا پس کفار ان کے ساتھ جو برائی کرنا چاہتے تھے نہ کر سکے، جب قراء بیر معونہ میں شہید ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں قاتلوں پر بددعا کرنے لگے اور اس میں ایک قسم کی عجلت بشری تھی اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی تاکہ آپ کی ہر بات اللہ کی راہ میں اور اللہ کی وجہ سے اور اللہ کے لئے ہو اور قرآن کے اندر ان قرا کا یہ قول بھی نازل ہوا تھا: **بلغوا قومنا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا ورضینا عنہ لتتسلی قلوبھم،** پھر بعد میں یہ قول منسوخ ہو گیا۔

جب عرب کے قبائل نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور مدینہ طیبہ کے چاروں طرف خندق کھودی گئی تو بہت سے طریقوں سے مسلمانوں پر رحمت الٰہی کا ظہور ہوا اللہ تعالیٰ نے کفار کی تدبیروں کو رد کر دیا اور مسلمانوں کو کسی طرح کی مضرت نہیں پہنچی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے

کھانے میں اتنی برکت دی گئی کہ ایک صاع جو اور ایک بکری کا بچہ تقریباً ہزار آدمیوں کو کافی ہوگیا، خندق میں پتھر توڑتے وقت آپ کو کسریٰ اور قیصر کے محلات نظر آئے اور ان کے فتح ہونے کی آپ کو بشارت دی گئی اور تاریک شب میں اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا چلائی اور کفار کے دلوں کو مرعوب کر دیا کہ وہ سب بھاگ نکلے، بنی قریظہ کا آپ نے محاصرہ کیا پس وہ حضرت سعد کے فیصلہ پر راضی ہوکر اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئے، حضرت سعد نے حکم دیا کہ ان میں سے لڑنے کی طاقت رکھنے والوں کو قتل کیا جائے اور ان کی اولاد کو قید کر لیا جائے اس فیصلہ میں ان کی رائے حق کے موافق تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینبؓ کی جانب طبعی رغبت تھی اور چونکہ اس میں ایک دینی مصلحت تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ لے پالک کی بیویاں ان کے لئے حلال ہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح سے پورا کیا کہ ان کے خاوند نے ان کو طلاق دے دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا، ایک مرتبہ جمعہ کے روز آپ کا خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی نے کھڑے ہوکر عرض کیا ”یا رسول اللہ مویشی ہلاک ہوگئے اور بال بچے بھوکے مر گئے آپ بارش کے لئے دعا کیجئے اور اس وقت آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا پس آپ نے ہنوز دعا سے ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ پہاڑوں کی طرح بادلوں کے دل کے دل اٹھے اور اتنا مینہ برسا کہ لوگوں کو نقصان کا اندیشہ ہونے لگا تب آپ نے فرمایا ہمارے اطراف برسے ہم پر نہ برسے جس طرف آپ ہاتھ کر کے یہ کہتے تھے اسی طرف سے بادل پھٹ جاتا تھا“ اور جس شئے میں آپ نے برکت طلب فرمائی بارہا اس میں برکت ہوئی جیسے حضرت جابر کے چھواروں کے انبار میں اور ام سلیم کی روٹیوں میں وغیر ذالک اور جب آپ نے بنی مصطلق سے جہاد کیا تو فرشتے ظاہر میں دکھائی دیئے جس کی وجہ سے دشمن خوفزدہ ہوگئے اسی جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کی براءت ظاہر فرمائی اور جس نے اس فحش کو آپ کی جانب سے پھیلایا تھا اس پر حد قائم کی گئی اور جب سورج گرہن ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نہایت عجز اور انکساری کی اس لئے کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ایسی نشانی ہے کہ اس کے پائے جانے کے وقت برگزیدہ لوگوں کے دلوں میں خوف طاری ہوا کرتا ہے اسی نماز میں آپ نے اپنے اور دیوار قبلہ کے مابین جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا اور یہ مشاہدہ مکان

خاص میں عالم مثال کے احکام کا ظہور ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے خواب میں آپ کو مطلع کیا کہ بلا خوف و ہراس فتح کے ساتھ حلق اور قصر کرا کر مکہ میں داخل ہوں گے اس واسطے لوگوں نے عمرہ کا قصد کیا حالانکہ عمرہ کا وقت نہیں آیا تھا اور اس میں اللہ تعالیٰ کو کفار سے صلح کرانا منظور تھی جو بڑی بڑی فتوحات کا سبب تھی اور لوگ اس سے بالکل بے خبر تھے اس کی نظیر حضرت عائشہ صدیقہؓ کا وہ قول ہے جو انھوں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اس معارضہ میں کہا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے وقت واقع ہوا کہ ہر ایک کے قول میں ایک فائدہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کے قول سے منافقین کی تردید کی اور حضرت ابوبکر کے قول سے حق کو ظاہر کر دیا اور معاملہ یہ آن پڑا کہ دونوں فریق باہم صلاح کریں گو اس صلح سے دونوں ناخوش تھے اور اس موقع پر بہت سے معجزات ظاہر ہوئے، لوگ پیاسے تھے پانی صرف ایک برتن میں موجود تھا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا دست مبارک رکھ دیا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں میں سے پانی ابلنے لگا اور حدیبیہ کا تمام پانی صحابہ نے کھینچ لیا تھا یہاں تک کہ انھوں نے اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی جس سے اس کنوئیں میں اس قدر پانی ہو گیا کہ تمام لوگ سیراب ہو گئے اور انھوں نے اپنے جانوروں کو پانی پلایا اور مخلصین کے اخلاص کی جانچ کے لئے بیعت رضوان واقع ہوئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خیبر کو فتح کر دیا وہاں سے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اس قدر مال عطا کیا جس سے وہ جہاد کی طاقت بڑھا سکیں اور انتظام خلافت کی ابتداء یہی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہو گئے اور یہاں بہت سے معجزات ظاہر ہوئے اس جنگ خیبر میں یہودیوں نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر آگاہ کر دیا اور اسی جنگ میں سلمہ بن اکوع کو بڑی سخت ضرب پہنچی تھی پس آپ نے کئی بار اس پر دم کر دیا اس کے بعد پھر کبھی ان کو درد نہیں ہوا، آپ نے قضائے حاجت کا ارادہ فرمایا اور کوئی آڑ اور پردہ نہ تھا اس وقت آپ نے دو درختوں کو بلایا تو وہ اس طرح سے چلے آئے جیسے نکیل پڑا اونٹ مطیعانہ چلتا ہے جب آپ فارغ ہو گئے تو ان کو ان کی جگہ پر واپس کر دیا جب ایک محاربی نے آنحضرت پر حملہ کرنا چاہا اور تلوار کا ہاتھ اٹھایا اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا پس اس کا ہاتھ وہیں

رک گیا اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس بات کا القا کیا جو ملاء اعلیٰ میں قرار پا چکی تھی کہ سرکشوں کو لعنت کی جائے اور ان کی شوکت اور رسوم کو مٹا دیا جائے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں سعی فرما کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب حاصل کیا۔

قیصر اور کسری اور تمام معاند سرکشوں کو نامے تحریر فرمائے، قیصر نے نامۂ مبارک سے بے ادبی کی اس لئے آپ نے اس پر بدعا کی پس اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کو پاش پاش کر دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کو موتہ کی طرف بھیجا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا حال ظاہر ہو گیا اس وقت آپ نے ان کے متعلق خبر شہادت آنے سے پیشتر خبر دے دی کہ وہ شہید ہو گئے، جب آپ تمام قبائل عرب کے جہاد سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کا سامان کر دیا پس قریش نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا اور کورانہ روش اختیار کی اور حاطب ابن بلتعہ صحابی نے اہل مکہ کو آپ کے ارادہ پر مطلع کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حاطب کے اس فعل پر آگاہ کر دیا اور آپ نے مکہ کو فتح کر لیا اگرچہ کافروں پر یہ بات بہت شاق گزری اور اہل کوفہ میں اسلام اس طریقہ سے داخل ہو گیا کہ ان کو اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا، اور جنگ حنین میں جب مسلمانوں اور کافروں کا مقابلہ ہوا اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت بڑی استقامت سے جمے رہے اور آپ نے اس کی طرف مٹی پھینکی۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی مٹی پھینکنے میں اپنی برکت دی کہ ان میں سے کوئی شخص نہ بچا، جس کی دونوں آنکھیں خاک سے نہ بھری ہوں اس وجہ سے وہ کفار پشت پھیر کر بھاگ پڑے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں جمعیت اور اطمینان پیدا کیا اور سب نے مجتمع ہو کر ایسا حملہ کیا جس سے فتح حاصل ہو گئی اور آپ نے ایک شخص کے متعلق جو مدعی اسلام تھا اور جہاد میں دل کھول کر لڑا تھا یہ فرمایا کہ وہ دوزخی ہے پس قریب تھا کہ بعض لوگوں کو آپ کے ارشاد میں شک پیدا ہو لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ خودکشی کر کے مرا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا گیا تھا آپ نے دعا فرمائی کہ اصل حال آپ پر منکشف ہو جائے تو خواب میں آپ کو دو شخص دکھلائی دیئے اور انھوں نے جادو اور جادوگر کا تمام حال بیان کر دیا اور ذوالخویصرہ نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ انصاف سے تقسیم فرمایئے پس آپ پر اس کا اور

اس کی قوم کا حال منکشف ہوگیا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''وہ لوگوں میں سے ایک بہترین فرقہ سے جنگ کریں گے ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک شخص سیاہ فام ایسا ہوگا جس کا ایک بازو عورت کی پستان جیسا ہوگا'' حضرت علیؓ نے ان سے جنگ کی اور جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اسی وصف کے ایک آدمی کو پایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کے لئے دعا فرمائی پس وہ اسی روز مسلمان ہوگئیں، ایک روز آپ نے یہ فرمایا کہ ''جب تک میں اپنی اس تقریر کو بیان کروں اس وقت تک جو کوئی شخص اپنا کپڑا پھیلائے رکھے اس کے بعد اس کو سمیٹ کر اپنے سینہ سے لگالے تو وہ کبھی میری بات نہ بھولے گا چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا پس وہ اس میں سے کچھ نہ بھولے، اور حضرت جریرؓ کے سینہ پر آپ نے ہاتھ مار کر فرمایا ''اے اللہ اس کو قائم رکھ'' پس اس روز کے بعد پھر کبھی وہ گھوڑے سے نہیں گرے حالانکہ اس سے پہلے وہ گھوڑے پر خوب جم نہیں سکتے تھے، ایک شخص دین سے پھر گیا تھا آپ نے اس کے لئے بددعا کی پس زمین اس کو قبول نہ کرتی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے ایک تنہ سے تکیہ لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے پس جب آپ کے لئے منبر بن گیا اور اس پر قیام فرمایا تو اس تنہ نے گریہ وزاری کی یہاں تک کہ آپ نے اس کو پکڑ کر چمٹا لیا، ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نہایت سست گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپ نے فرمایا ''ہم نے تمہارے گھوڑے کو رفتار میں بحر کی طرح پایا'' اس کے بعد سے کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

ان امور کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو خوب مستحکم کردیا اور ہر طرف سے ایلچیوں کی آمد ورفت شروع ہوگئی اور فتوحات ہونے لگیں تمام قبائل عرب میں عمال بھیج دیئے اور شہروں میں قاضی مقرر فرمائے اور خلافت مکمل حالت میں ہوگئی اس کے بعد آپ کے دل میں القا ہوا کہ مقام تبوک کی طرف نکلیں تاکہ رومیوں پر آپ کی شوکت ظاہر ہو اور وہاں کے لوگ آپ کے مطیع ہوجائیں اور یہ جنگ نہایت گرمی اور تنگی کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی پس اس کو اللہ تعالیٰ نے خالص مؤمنین اور منافقین کے درمیان امتیاز کردینے والا بنایا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم وادی قریٰ میں ایک عورت کے باغ کے پاس سے گزرے تو اس کے پھلوں کا تخمینہ آپ نے بھی کیا اور صحابہ نے بھی کیا لیکن جیسے آپ نے فرمایا تھا وہ اس کے موافق برآمد ہوا، جب آپ دیار حجر کے قریب پہنچے تو لوگوں کو اس کے

پانیوں سے ممانعت فرمادی تاکہ لعنت کے مقام سے لوگوں کو نفرت رہے، ایک مرتبہ رات کے وقت باہر نکلنے سے آپ نے منع فرمایا تھا، اتفاقاً ایک شخص باہر نکل گیا تو اس کو ہوا نے طے کی پہاڑیوں میں پھینک دیا۔ ایک مرتبہ آپ کا اونٹ گم ہوگیا تو بعض منافقین کہنے لگے کہ اگر نبی ہوتے تو ان کو اپنے اونٹ کا پتہ معلوم ہوجاتا تب اللہ تعالیٰ نے اونٹ کے مقام اور منافق کے قول سے مطلع فرمادیا اور بعض مخلصین کو غلطی لگی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہوئے اس کے بعد ان پر زمین باوجود کشادگی کے تنگ ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا قصور معاف کردیا اور اچانک ایلہ کا بادشاہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے زیر حراست ہوگیا پس جب اسلام قوی ہوگیا اور گروہ کے گروہ دین میں داخل ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا کہ مشرکین سے جو معاہدے ہیں ان میں سے ہر عہد کو تمام کردیں، اور سورہ برأت نازل ہوئی اور نجران کے عیسائیوں سے آپ نے مباہلہ کرنا چاہا لیکن انھوں نے عاجز ہوکر جزیہ قبول کرلیا اس کے بعد آپ حج کے لئے تشریف لے گئے، آپ کی معیت میں قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی تھے آپ نے ان کو مناسک حج تعلیم فرمائے اور شرک کی تحریفات کی تردید فرمائی، جب احکام الٰہی کی تکمیل ہوچکی اور وفات کا زمانہ قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آدمی کی شکل میں بھیجا کہ سب لوگ ان کو دیکھتے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان، اسلام اور احسان کی حقیقت اور قیامت کا حال دریافت کیا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے رہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کی تصدیق کرتے رہے تاکہ وہ بہ منزلہ دین الٰہی کے خلاصہ کے ہوجائے، اور جب آپ مریض ہوئے تو برابر رفیق اعلیٰ کو یاد کرتے رہے اور ملاء اعلیٰ کی جانب شوق ظاہر فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری لی اور ایسے لوگوں کو اس نے کھڑا کیا جو کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے تھے پس انھوں نے مدعیان نبوت اور روم اور عجم سے مقاتلے کئے یہاں تک کہ امر الٰہی کی تکمیل ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کا وعدہ پورا ہوگیا۔

فتنوں کا بیان

واضح ہو کہ فتنوں کی چند قسمیں ہیں ایک وہ فتنہ ہے جو انسان کے نفس سے متعلق ہے اس طور

پر کہ آدمی کا دل سخت ہو جائے پس اس کو نہ طاعت میں حلاوت معلوم ہو اور نہ مناجات میں کوئی لذت محسوس ہو اور انسان کے تین شعبے ہیں ایک تو دل ہے جو انسان کے تمام احوال کا مبداء ہے جیسے غضب، جرأت، حیاء، محبت، خوف، انقباض و انبساط وغیرہ، دوسرے عقل ہے جو ان علوم کا مبداء ہے جن کی طرف حواس منتہی ہوتے ہیں جیسے بدیہی احکام جو تجربہ اور حدس وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں، اور جیسے نظری احکام جو دلیل اور خطابیات وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں، تیسرے طبیعت ہے جو ان تمام نفسانی خواہشات کا مبدا ہے جو بدن کی بقا کے لئے خود ضروری ہیں یا ان کی جنس ضروری ہے جیسے وہ خواہش جو کھانے پینے خواب اور جماع وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

پس جب قلب پر بہیمی خصلتیں غالب ہو جاتی ہیں تو اس کا انقباض اور انبساط ایسا ہو جاتا ہے جیسے بہائم کا انقباض اور انبساط ہوتا ہے جو طبیعت اور وہم کی تحریک سے پیدا ہوتے ہیں اور اس طرح کے قلب کو بہیمی کہتے ہیں اور جب قلب خواب یا بیداری میں شیطانی وسوسوں کو قبول کرتا ہے تو ایسے انسان کو شیطان الانس کہتے ہیں اور جب قلب پر ملکی صفتیں غالب ہوتی ہیں تو اس کو قلب انسانی کہتے ہیں پس اس کا خوف اور اس کی محبت اور اسی قسم کے جذبات اعتقادات حقہ کی طرف مائل ہوتے ہیں جس کو اس نے حاصل کیا ہے۔ اور جب قلب کی صفائی غالب اور اس کا نور زیادہ ہو جاتا ہے تو قلب روح ہو جاتا ہے تب اس میں بغیر انقباض کے ہمیشہ انبساط رہتا ہے اور بغیر قلق کے سکون ہوتا ہے اور اس کے احوال انفاس ہو جاتے ہیں اور ملکی خاصیتیں مثل عادت کے ہو جاتی ہیں اور وہ کسبی امور کی طرح سے نہیں ہوتیں اور جب عقل پر بہیمی خصلتیں غالب ہوتی ہیں تو عقل سبک ہو جاتی ہے اور طبیعت کے دواعی کی طرف نفسانی خطرات کا میلان رہتا ہے پس اگر باہ کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کے دل میں جماع کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اگر بھوک کا غلبہ ہوتا ہے تو کھانے کے خیال میں رہتا ہے، وغیر ذالک۔

اور جب عقل پر شیطانی وسوسوں کا غلبہ ہوتا ہے تو نفس کے اندر ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں جو عمدہ انتظامات میں مخل ہوتے ہیں اور سچے اعتقادات میں شبہات پیدا کرتے ہیں اور ایسے برے افعال کی طرف ان کا میلان رہتا ہے جن سے نفوس سلیمہ نفرت کرتے ہیں اور جب عقل پر ملکی خصلتوں کا کسی قدر بھی غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ ایسی عقل ہوتی ہے جو ان علوم کی تصدیق کرتی ہے

جن کا تصدیق کرنا ضروری ہے جیسے وہ علوم جو تدابیر نافعہ سے متعلق ہیں یا احسان سے متعلق ہیں خواہ ان کا ثبوت بدیہی ہو یا نظری طور پر ہو، اور جب اس کی نورانیت اور صفائی زیادہ ترقی کر جاتی ہے تو اس کو سر کہتے ہیں تب نفس ان علوم کو قبول کرنے لگتا ہے جن کا فیضان عالم غیب سے ہوتا ہے خواہ ان کا ادراک بذریعہ خواب کے ہو یا فراست، کشف یا آواز غیبی وغیرہ کے ذریعہ سے ہو، اور جب عقل کا میلان ان موجودات کی طرف ہوتا ہے جو مکان و زمان سے بری ہوتے ہیں تو ان کو خفی کہتے ہیں اور جب طبیعت بہیمی خصائل کی طرف اتر آتی ہے تو وہ اس کا نام نفس امارہ بالسوء ہو جاتا ہے اور جب طبیعت بہیمیت اور ملکیت میں مذبذب ہوتی ہے اور اس کا میلان کبھی اس جانب ہوتا ہے اور کبھی اس جانب ہوتا ہے تو اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں اور جب نفس شریعت کا پابند ہوتا ہے اور کبھی اس کی مخالفت نہیں کرتا اور اسی کے موافق خواہش کرتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

لطائف انسان کی معرفت میں جو کچھ میرے علم میں تھا میں نے بیان کر دیا، واللہ اعلم

اور ایک انسانی فتنہ ہوتا ہے جس کا تعلق اس کے اہل سے ہوتا ہے اور وہ انتظامات خانہ داری کا بگڑ جانا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ''ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے آخیر میں آپ نے فرمایا کہ ایک شیطان اس کے پاس آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی کرا دی تب ابلیس اس کو اپنے پاس بلا کر کہتا ہے تو بہت ہی اچھا ہے'' اور ایک وہ فتنہ ہے جو سمندر کی موج کی طرح موجزن ہوتا ہے اور وہ ملکی انتظامات کا برباد ہونا ہے اور بغیر استحقاق کے ہر ایک کا خلافت کی طمع کرنا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شیطان اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں نماز پڑھنے والے اس کی پرستش کریں لیکن باہمی فساد سے ناامید نہیں ہوا ہے'' اور ایک وہ فتنہ ہے جو مذہب سے متعلق ہے اور وہ اس طرح سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اصحاب دنیا سے اٹھ جائیں اور نااہل لوگ مذہب کے سرپرست بن جائیں پس ان کے درویش اور علما دین میں تکلفات پیدا کریں اور ان کے بادشاہ اور جاہل دین میں سستی ظاہر کریں کہ نہ بھلائی کا حکم دیں اور نہ برائی سے منع کریں اور زمانہ زمانہ جاہلیت کے مانند ہو جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر نبی کے

حواری ہوتے ہیں'' الحدیث،

اور ایک عام فتنہ ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ انسانیت اور اس کے مقتضیٰ سے بالکل بدل جائیں سب سے ذکی اور اعلیٰ درجہ کے زاہد مقتضیات طبیعت کو بالکل ترک کردیں ان کی اصلاح کی پرواہ نہ کریں مجردات کے ساتھ مشابہت اور کسی نہ کسی طرح سے ان سے محبت پیدا کرلیں وغیرہ ذالک، اور ان کے عوام خالص بہیمیت میں جذب ہوجائیں اور لوگ دونوں کی درمیانی حالت میں ہوں کہ نہ اس طرف ہوں اور نہ اس طرف ہوں۔

اور ایک فتنہ وہ ہے جو واقعات جو(۱) سے متعلق ہے جن میں عام ہلاکت کی تخویف ہوتی ہے جیسے بڑے بڑے طوفانات کا ظاہر ہونا، وباء کا پھیلنا، زمین کا دھنس جانا اور اطراف عالم میں آگ کا پھیل جانا وغیرذالک۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر فتنوں کی تشریح بیان فرمائی ہے آپ نے فرمایا ''تم پہلے لوگوں کے طریقوں کے قدم قدم پیروی کروگے یہاں تک کہ اگر کوئی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوا ہوا ہوگا تو تم بھی اس کی پیری کروگے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا '' نیک لوگ درجہ بدرجہ فنا ہوتے جائیں گے اور بے قدر لوگ باقی رہ جائیں گے جیسے جو کی بھوسی اللہ تعالیٰ کو ان کی کچھ بھی پرواہ نہ ہوگی''۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگیا تھا کہ جب نبی کا زمانہ دور ہوجائے گا اور آپ کے صحابہ میں حواری کے درجہ کے لوگ بھی ختم ہوجائیں گے اور نااہل لوگ معتمد علیہ بنا دیئے جائیں گے تو ضرور ان میں وہ رسوم جاری ہوں گی جو نفسانی اور شیطانی تحریکات سے پیدا ہوتی ہیں اور وہ رسوم سب کو محیط ہوجائیں گی الا ماشاءاللہ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسلام کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہوئی ہے اس کے بعد خلافت اور رحمت کا زمانہ آئے گا پھر اس کے بعد حکومت غالبہ ہوگی اس کے بعد ظلم وسرکشی اور زمین پر فساد ہوگا، ریشم، شرمگاہوں اور شراب کو لوگ حلال سمجھیں گے اسی حالت پر ان کو رزق ملے گا اور ان کی مدد کی جائے گی یہاں تک کہ وہ اللہ سے ملیں''۔

---

(۱) فضاء، ماحول۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے نبوت ختم ہوگئی اور وہ خلافت جس میں مسلمانوں کے درمیان باہم قتال نہ تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ختم ہوگئی اور خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی معزولی سے ختم ہوگئی اور تکلیف دہ حکومت صحابہ کے ساتھ بنی امیہ کے جھگڑے ہیں اور ان کی سختیاں ہیں یہاں تک کہ معاویہ کی حکومت قائم ہوگئی اور جبر اور سرکشی بنوعباسیہ کی خلافت ہے کیونکہ انھوں نے قیصر وکسریٰ کے رسوم ورواج کے موافق خلافت کی بنیاد ڈالی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”فتنے دلوں پر پیش کیے جائیں گے وہ دلوں پر محیط ہوں گے جیسے چٹائی کا ایک جز دوسرے جز کے ساتھ پیوست ہوتا ہے پس جن دلوں میں وہ فتنے سرایت کر جائیں گے ان میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوجائے گا اور جو قلوب ان سے بیگانہ رہیں گے ان میں سفید نقطہ پیدا ہوگا حتی کہ دو قسم کے دل ہوجائیں گے ان میں سے ایک نہایت سفید اور نورانی ہوگا اس کو کوئی فتنہ ضرر نہ پہنچا سکے گا جب تک زمین وآسمان قائم ہیں۔

اور دوسرا سیاہ گردآلود جیسے ٹیڑھا کوزہ وہ نہ نیکی کی شناخت کرتا ہے اور نہ بدی کی بجز اپنی خواہش کے جو اس میں سرایت کر گئی ہے۔

میں کہتا ہوں خطرات نفسانیہ اور خیالات شیطانیہ دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اور اعمال فاسدہ دلوں کو گھیر لیتے ہیں اور اس وقت کوئی ارادہ نہیں ہوتا جو حق پر آمادہ کرے اس واسطے ان فتنوں کو وہی شخص برا سمجھتا ہے جس کے دل میں ان فتنوں کی مخالف ہیئت پیدا کی گئی ہے باقی اور سب کے دلوں میں یہ بری حالت سرایت کر جاتی ہے اور دلوں میں بھر جاتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”امانت لوگوں کے دلوں میں نازل ہوتی ہے پھر قرآن وحدیث کے ذریعہ سے لوگ اس کا علم حاصل کر لیتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت کے جاتے رہنے کو اس طرح بیان فرمایا کہ ”انسان سو جاتا ہے پس اس کے دل سے امانت قبض کر لی جاتی ہے اور اس کا اثر مثل داغ کے رہ جاتا ہے پھر وہ سو جاتا ہے تو امانت قبض کر لی جاتی ہے پس اس کا اثر مثل آبلہ کے رہ جاتا ہے جیسے تو اپنے پاؤں پر انگارہ رکھے اور اس سے آبلہ پڑ جائے اور تو اس کو ابھرا ہوا دیکھے“۔

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ملت اسلام کا غلبہ ہو تو ایک قوم کو اس نے پسند کیا

اور ان کو فرمانبرداری اور اذعان کا عادی بنایا اور حکم الٰہی کے موافق ان کی ہمت اور قصد کو جمع کیا پھر اس اذعان اجمالی کی تفصیل کتاب وسنت میں مفصل احکام کے ذریعہ ہوگئی اس کے بعد یہ اذعان لوگوں کے دلوں سے رفتہ رفتہ غفلت اور نسیان میں نکلتا ہے پس آدمی بڑا عالی ظرف اور عقل مند دکھائی دیتا ہے مگر اس کے دل میں امانت کا ایک ادنیٰ حصہ بھی نہیں ہوتا نہ تو دین الٰہی کے اعتبار سے اور نہ لوگوں کے باہمی معاملات کے اعتبار سے، حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ”میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس خیر یعنی اسلام کے بعد شر یعنی کفر پھیل جائے گا جس طرح اسلام سے پہلے کفر پھیلا ہوا تھا آپ نے فرمایا ہاں، میں نے عرض کیا اس سے نجات کی کیا صورت ہے آپ نے فرمایا تلوار نجات دے سکے گی، میں نے عرض کیا کہ کیا بعد تلوار کے بھی کچھ شر باقی رہے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں زبردستی اور ناخوشی کی حکومت ہوگی اور مکر وفساد سے صلح ہوگی، میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا اس کے بعد گمراہی کی طرف بلانے والے لوگ پیدا ہوں گے پس اگر دنیا میں اللہ کا کوئی ایسا خلیفہ بھی موجود ہو جو تیری پشت پر درے مار کر تیرا مال چھینے تو اس کی اطاعت کیجئے ورنہ تو کسی درخت کے جڑ کے نیچے افسوس وغم کی حالت میں مر جائیو“۔

میں کہتا ہوں وہ فتنہ جس سے نجات تلوار کے ذریعہ ہوئی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اہل عرب کا مرتد ہونا تھا اور زبردستی کی حکومت سے مراد وہ جھگڑے ہیں جو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں پیش آئے اور مکر وفریب کی وہ صلح تھی جو امیر معاویہ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے درمیان واقع ہوئی اور گمراہی کی طرف ملانے والے ملک شام میں یزید اور عراق میں مختار وغیرہ یہاں تک کہ عبدالملک کی حکومت قائم ہوگی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ احلاس (۱) کا ذکر فرمایا کسی نے عرض کیا کہ فتنہ احلاس کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ وہ فتنہ ہے جس میں لوٹ مار اور بھگڑ ہوگی، آپ نے فرمایا اس کے بعد فتنہ سرا ہوگا اس کا ظہور ایسے شخص کے قدموں کے نیچے سے ہوگا جو میرے اہل بیت سے ہوگا وہ گمان کرے گا کہ وہ مجھ سے ہے حالانکہ وہ مجھ میں سے نہیں ہوگا یقیناً میرے دوست متقی لوگ ہیں، اس کے بعد تمام لوگ ایک ایسے شخص سے صلح کرلیں گے جس کی حالت غیر مستقیم ہوگی، اس کے بعد فتنہ دہیماء ہوگا کہ اس امت کا کوئی شخص اس

---

(۱) احلاس حلس کی جمع بمعنی ٹاٹ، یعنی اس زمانہ میں گھر میں ٹاٹ کی طرح پڑا رہنا بہتر ہے۔

کے طمانچہ سے نہ بچے گا جب لوگ کہیں گے وہ ختم ہو گیا وہ اور زیادہ طویل ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں ہو سکتا ہے کہ فتنہ احلاس سے مراد (واللہ اعلم) وہ ہو جس میں اہل شام نے عبداللہ بن زبیرؓ سے جنگ کی تھی جبکہ وہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں آ گئے تھے اور فتنہ سراء سے مراد یا تو مختار کا غلبہ اور قتل و غارت گری میں زیادتی کرنا ہے جو وہ اہل بیت کے قصاص کے بہانہ سے کرتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''وہ یہ گمان کرے گا کہ وہ مجھ سے ہے'' اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اہل بیت کے گروہ اور انصار میں سے ہوگا، اس کے بعد مروان اور اولاد مروان پر صلح ہو گئی تھی، یا اس فتنہ سے مراد ابو مسلم خراسانی کا عباسیوں کے مقابلہ کے لئے خروج کرنا ہے کیونکہ وہ بھی یہی کہتا تھا کہ میں اہل بیت کے لئے خلافت چاہتا ہوں اس کے بعد لوگوں نے سفاح کی خلافت پر صلح کر لی، اور فتنہ دہیماء سے چنگیز خانیوں کا مسلمانوں پر چیرہ دستی کرنا اور ممالک اسلام میں غارت گری کرنا مراد ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات بیان فرمائی ہیں ان علامات کی انتہا ان مختلف فتنوں پر ہوتی ہے جن کا بیان اور ان کے اقسام اور ان کی کثرت پہلے گزر چکی کیونکہ ہلاکت مرض کے قریب ہونے سے ہوتی ہے اور نقصان اسی مقام سے آتا ہے جہاں سے ہلاکت آتی ہے اور اس کی شرح طویل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کی علامت میں سے ہے کہ علم اٹھ جائے گا جہالت بڑھ جائے گی زنا اور شراب نوشی کی کثرت ہوگی مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا انتظام ایک شخص کے سپرد ہوگا''۔

شریعت کی زبان میں حشر کے دو معنی ہیں ایک لوگوں کا ملک شام میں جمع ہونا اور یہ واقعہ قیامت سے پیشتر ہوگا جب زمین پر لوگوں کی قلت ہو جائے گی بعض لوگ تقریبات کی وجہ سے وہاں جمع ہو جائیں گے اور بعض کو آگ گھیر کر وہاں لے آئے گی، اور دوسرے معنی حشر کے ہیں مرنے کے بعد زندہ ہونا اور ہم اس سے قبل معاد کے اسرار بیان کر چکے ہیں، واللہ اعلم۔

وہ بڑے فتنے جن کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے چار ہیں اول فتنہ زبردستی کی حکومت کا قائم ہونا ہے اور یہ فتنہ صحابہ کے درمیان ان شورشوں پر صادق آتا ہے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت معاویہ کے استحکام تک وقوع میں آئیں اور اسی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ ”ایک صلح فریب سے ہوگی“ اور معاویہ وہ شخص ہیں جن کے کام کو بھلا بھی کہا جاتا ہے اور برا بھی کیونکہ ان کی حکومت بادشاہوں کے طرز پر تھی نہ کہ ان خلفاء کے طرز پر جو ان سے پہلے گزرے ہیں، دوسرا فتنہ احلاس اور جہنم کے دروازوں کی طرف بلانے والوں کا فتنہ ہے اور یہ فتنہ اس زمانہ پر صادق ہے کہ معاویہؓ کے انتقال کے بعد لوگوں میں اختلاف ہوا کہ خلافت کی آرزو میں انھوں نے آپس میں جنگ کی یہاں تک کہ عبدالملک کی حکومت جم گئی، تیسرا فتنہ سراء ہے جو زبردستی اور سرکشی کا زمانہ ہے اور وہ اس چڑھائی پر صادق آتا ہے جو عباسیوں نے بنی امیہ پر کی یہاں تک کہ خلافت عباسیہ قائم ہوگئی، انھوں نے خلافت کو شاہان عجم کے رسوم پر قائم کیا اور سختی اور ظلم شروع کیا، چوتھے وہ فتنہ ہے جو سب کو طمانچے مارے گا جب لوگ کہیں گے کہ وہ گزر گیا تو وہ اور طویل ہو جائے گا یہاں تک کہ لوگ دو حصوں میں منقسم ہو جائیں گے اور وہ فتنہ چنگیز خانی ترکوں کے اس حملہ پر صادق ہے جو انھوں نے عباسیوں کی خلافت پر کیا اور اس کو بالکل مٹا دیا، اور جو احادیث فتنوں کے باب میں وارد ہیں ان میں سے اکثر پہلے بیان ہو چکی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اسلام کی چکی کی گردش پینتیس یا چھتیس برس تک رہے گی پس اگر لوگ ہلاک ہوئے تو ان کی ہلاکی ایسی ہوگی جیسے اگلوں کی ہوئی اور اگر ان کا دین قائم رہا تو ستر برس تک قائم رہے گا، راوی کہتا ہے میں نے کہا یہ مدت آئندہ سے ہے یا گزشتہ سالوں کو ملا کر؟ آپ نے فرمایا ان گزشتہ کو ملا کر“ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معنی کہ ”اسلام کی چکی گردش کرتی رہے گی“ یہ ہیں کہ اسلام حدود اور جہاد قائم رہنے کی حالت میں اس امت میں اتنی مدت تک رہے گا سو یہ حالت ابتداء وقت جہاد اور اوائل ہجرت سے لیکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تک قائم رہی، اور پینتیس اور چھتیس کے عدد میں شبہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے متعلق اجمالی وحی کی تھی، اور آپ کا یہ قول کہ ”اگر سب ہلاک ہو جائیں“ اس کے معنی یہ ہیں کہ مصائب اور دشواریاں پیش آئیں گی اور حالت یہ ہو جائے گی کہ دیکھنے والا اگر بغور مطالعہ کرے گا تو اس کو شک ہوگا کہ قریب ہے کہ تمام امت تباہ ہو جائے اور ان کے تمام امور برباد ہو جائیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ”ستر برس“ اس کی ابتدا آپ کی بعثت اور اس کی انتہاء امیر معاویہ کی موت ہے اور ان کے بعد گمراہ کرنے والوں کا فتنہ قائم ہو گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ قول کہ ''اگر قائم رہا تو ستر برس تک'' اس کے معنی یہ ہیں کہ خوف طاری ہوگا اور دین پست ہو جائے گا اور اس مدت کے بعد دین کی استقامت نہیں رہے گی، واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم سے ایسی قوم جنگ کرے گی جس کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی'' اس قوم سے مراد ترک ہیں ''وہ تم کو تین بار ہٹائیں گے'' الحدیث، اس کے معنی یہ ہیں کہ عرب ترکوں سے جہاد کریں گے اور ان پر غالب آجائیں گے جس سے باہم کینہ اور عداوت پیدا ہوگی۔ انجام کار یہ ہوگا کہ وہ عربوں کو اپنے ملک سے باہر کریں گے اور اسی پر اکتفاء نہیں کریں گے بلکہ بلاد عرب میں داخل ہو جائیں گے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ ''تم ان کو جزیرہ عرب میں پاؤ گے'' یہی مراد ہے، پس ان کے پہلے حملہ میں وہ عرب نجات پائیں گے جو ان سے قتال نہیں کریں گے اور ان کے سامنے سے بھاگ جائیں گے چنانچہ یہ بات مقاتلہ چنگیز خانی پر صادق ہوئی کہ عباسیوں میں سے جو لوگ بغداد میں تھے ہلاک ہوگئے اور جو مصر کی طرف بھاگ گئے تھے وہ بچ گئے اور دوسرے حملہ میں بعض بچ جائیں گے اور بعض ہلاک ہو جائیں گے اور یہ بات تیمور کے حملہ پر صادق ہے جس نے ملک شام کو برباد کیا اور عباسیوں کو تہ وبالا کر دیا، اور تیسرے حملہ میں وہ سب کو برباد کر دیں گے، یہ بات حکومت عثمانیہ پر صادق ہے جو تمام امور سلطنت پر غالب آگئے، واللہ اعلم۔

مناقب کا بیان

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب چند امور پر مبنی ہیں ازاں جملہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی اس نفسانی ہیئت اور حالت پر مطلع ہو جائیں جس کی وجہ سے آدمی جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جاتا ہے جیسے آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حال سے واقف ہوگئے کہ ان میں تکبر نہیں ہے، اور انھوں نے ان خصائل و اوصاف کو مکمل کر لیا ہے جو جنت کے دروازوں کی صورت میں ظاہر ہوں گے پس آپ نے فرمایا ''میں امید کرتا ہوں کہ تو ان لوگوں میں سے ہے'' یعنی ان لوگوں میں سے جو جنت کے تمام دروازوں سے بلائے جائیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم کو کبھی راستہ میں چلتا ہوا شیطان نہیں ملا مگر وہ تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہو لیتا ہے''۔

اور نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری امت میں اگر کوئی محدث (۱) ہے تو وہ عمر ہے''۔

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ خواب میں آپ کو معلوم ہو جائے یا آپ کے دل میں ایسی بات کا القاء ہو جائے جو کسی شخص کے راسخ فی الدین ہونے پر دلالت کرے جیسے آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جنت میں وہ آپ سے آگے آگے چلتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے جنت میں ایک محل دیکھا اور ان کو لمبی چوڑی قمیص پہنے ہوئے دیکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا پس خوردہ دودھ عطا کیا پس آپ نے اس کی تعبیر دین اور علم کے ساتھ فرمائی، ازاں جملہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کریں ان کی توقیر کریں اور ان کے ساتھ سلوک اور ہمدردی کریں اور ان کا اسلام میں پیش قدمی کرنا پایا جاتا ہو پس ان سب امور سے ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں ان میں اسی لئے پائی گئیں کہ ان کے دل نور ایمانی سے پر تھے۔

واضح ہو کہ ایک زمانہ کی دوسرے زمانہ پر فضیلت اور فوقیت ہر جہت اور ہر اعتبار سے ممکن نہیں ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''میری امت کی مثال بارش کی سی ہے کہ نہیں معلوم کہ اس کا اول اچھا ہے یا اخیر'' نیز آپ نے فرمایا ''تم میرے اصحاب ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے'' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اعتبارات مختلف ہوتے ہیں اور فضیلت کی جہتیں ہر زمانہ میں مختلف ہیں اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ عمدہ زمانہ کے ہر شخص کو کم رتبہ زمانہ کے ہر شخص پر فضیلت ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حالانکہ جو قرون بالاتفاق عمدہ تھے ان زمانوں میں ایسے لوگ بھی ہوئے جو منافق یا فاسق تھے، انہیں میں سے حجاج اور یزید بن معاویہ اور مختار اور قریش کے وہ نوجوان تھے جو لوگوں کو ہلاک کرتے تھے اور ان کے علاوہ اور بھی تھے جن کی بدعملی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا لیکن یہ بالکل یقینی امر ہے کہ قرن اول کے جمہور قرن ثانی کے جمہور سے افضل تھے اور اسی طرح سے افضلیت درجہ بدرجہ ہے اور مذہب کا ثبوت نقل اور توارث سے ہوتا ہے اور توارث اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ ان لوگوں کی تعظیم کی جائے جنھوں نے مواقع وحی کو دیکھا اور اس کی تاویل کو پہنچانا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مشاہدہ کیا اور اس کے ساتھ تعمق اور سستی

---

(۱) وہ شخص جس کو غیبی انکشاف ہوتا ہے۔

کو مخلوط نہیں کیا اور نہ اس میں کسی دوسرے مذہب کی آمیزش کی اور امت میں جو قابل اعتماد لوگ ہیں ان کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اس لئے کہ امر نبوت کے دو بازو ہیں پہلا علم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حاصل کرنا اور دوسرا اس کو لوگوں میں پھیلانا پس پہلے امر میں اللہ کی جانب سے علم حاصل کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی شریک نہیں ہے لیکن دوسرا امر یعنی اس کا پھیلانا تو وہ انتظام وتالیف قلوب وغیرہ امور کے بغیر پایا نہیں جاتا، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان امور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد شیخین رضی اللہ عنہما تمام امت سے زائد ہیں، واللہ اعلم۔

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی اہم مطبوعات

مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد اول)	مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی	325.00
مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد دوم)	//	300.00
مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد سوم)	//	300.00
مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد چہارم)	//	300.00
دلی کی تاریخی مساجد (حصہ اول)	//	200.00
دلی کی تاریخی مساجد (حصہ دوم)	//	100.00
پنجاب وہریانہ کی تاریخی مساجد	//	200.00
امام شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار ونظریات	//	250.00
الواح الصنادید (حصہ اول)	//	150.00
الواح الصنادید (حصہ دوم)	//	100.00
مولانا عبدالماجد دریابادی، خدمات وآثار	//	200.00
ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کا حصہ	//	200.00
ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین (اردو)	//	20.00
ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین (ہندی)	//	20.00
نقوش خاطر (قلمی چہرے)	//	100.00
۱۸۵۷ء اور ہریانہ (ہریانہ کے مجاہدین آزادی کا تذکرہ)	//	250.00
المساجد التاريخيه بدهلي	//	500.00
معمار قوم ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی	//	300.00
مرد مومن ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی	//	300.00
شاہ ولی اللہ خصوصی نمبر (ماہنامہ براہین)	//	195.00
الامام الدہلوی خصوصی شمارہ (ماہنامہ براہین)	//	195.00
وقف ترمیمی بل ۲۰۱۰ء منظر، پس منظر	//	زیر طبع
خزائن القرآن (خزائن قرآن اور انکے مراجع)	ڈاکٹر ابونصر محمد خالدی مرتبہ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی	300.00
الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم (قرآن کے مرادف الفاظ اور امثال ونظائر)	//	350.00
وفیات اعیان الہند (امراء وسلاطین کی تاریخ ہائے وفات اور مختصر حالات)	//	300.00
مضامین خالدی (اسلامیات، قرآنیات اور دینیات پر مشتمل مقالات)	//	300.00
قرآنی تشبیہات واستعارات	//	150.00
نشریات (ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ)	مولانا جنید احمد بنارسی	100.00
سفر وسیلۂ ظفر	خورشید انوار عارفی	100.00

SHAH WALIULLAH INSTITUTE
Masjid Kaka Nagar, Dr. Zakir Husain Marg, New Delhi-110003
Ph.: 011-26953430 Mob.: 9811740661
Email: shahwaliullah_institute@yahoo.in, urduqd@gmail.com
Website: www.shahwaliullah.in